

اسالیب تقدیم المعنی فی القرآن

مقالہ نگار

محمد انور خان

ایم۔ اے (عربی) نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ماڈرن لینگویجس، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

یہ مقالہ

پی ایچ ڈی (عربی)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لئے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف ایڈوانس انٹرنیشنل سٹڈیز اینڈ ریسرچ

(عربی زبان و ادب)



نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجس، اسلام آباد

دسمبر ۲۰۰۷ء

© محمد انور خان ۲۰۰۷ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیر دستخط تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف ایڈوانس انٹرنیشنل سٹڈیز اینڈ ریسرچ کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: اسالیب تقدیم المعنی فی القرآن

پیش کار: محمد انور خان رجسٹریشن نمبر: 063-Ph.D/Arabic/2002

ڈگری کا نام: ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: عربی



(مقالے کے نگران کے دستخط)

ڈاکٹر سید علی انور

(مقالے کے نگران کا نام)

Saira Chummar

(ڈین اے آئی ایس اینڈ آر کے دستخط)

ڈاکٹر شہزادہ منور

(ڈین اے آئی ایس اینڈ آر کا نام)



(ریکٹر کے دستخط)

برگیڈیر (ر) ڈاکٹر عزیز احمد خان


(ریکٹر کا نام)

25/02/07
(تاریخ)

حلف اليمين (اقرارنامہ)

أنا محمد انور خان أحلف يميناً أنني قمتُ بهذا البحث بنفسِي تحت إشراف الأستاذ الدكتور سيد علي انور كباحث لدرجة الدكتوراة بالجامعة الوطنية للغات الحديثة. و أنا ما قدمتُ - ولن أقدمَ - هذا البحث الى أي جامعة أو مؤسسة أخرى للحصول على شهادة ما.

میں ، محمد انور خان حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے پی ایچ۔ ڈی سکالر کی حیثیت سے پروفیسر ڈاکٹر سید علی انور کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لئے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔



محمد انور خان

(مقالہ نگار)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دسمبر ۲۰۰۷ء

فهرست المحتويات

الصفحة

العنوان

ii	استمارة القبول للبحث وللدفاع عنه (مقاله اور دفاع مقالہ کی منظوری کا فارم)
iii	البيان الحلفي (اقرارنامہ)
iv	فهرست المحتويات
vii	نطاق البحث النبوي (مقالے کا دائرہ کار)
ix	خلاصة البحث باللغة الانجليزية (Abstract)
x	أهداف البحث (مقالے کا مقصد)
xi	كلمة الشكر
xii	الإهداء
xiii	التقديم

التعارف عن الموضوع

١	الباب الأول: تأثير القرآن خلال بيانه المعجز
٢	الفصل الأول: لغة القرآن
٧	الفصل الثاني: تأثير القرآن السحري
١٧	الفصل الثالث: مصدر التأثير السحري في القرآن

تقديم المعنى على مستوى المفردات

٢٦	الباب الثاني: المميزات الدلالية للمفردات القرآنية
٢٩	الفصل الأول: انتقاء الكلمات
٣٩	الفصل الثاني: تناسب الكلمات
٤٢	الفصل الثالث: المرونة والانتساع
٤٨	الفصل الرابع: الابداع والدقة
٦٠	الفصل الخامس: الحدة والاختراع
٦٥	الفصل السادس: احياء الكلمات
٧٦	الباب الثالث: البناء الدلالي للمفردة القرآنية
٨٤	الفصل الأول: الدلالة الهامشية للمفردة القرآنية

الصفحة	العنوان
٨٨	الفصل الثاني: اختيار المفردة القرآنية للتسمية لعلاقة دلالية خاصة
٩٠	الفصل الثالث: اختيار المفردة للتعبير عن الشيء بما هو معه في علاقة خاصة
٩٤	الفصل الرابع: اختيار المفردة بناءً على موافقة السياق
٩٥	الفصل الخامس: اختيار المفردة لاعتماد الأسلوب القرآني الى الوصف الحسي
٩٨	الفصل السادس: اختيار المفردة ذات الدلالات المتعددة
١٠٠	الفصل السابع: الدقة في الاختيار من الصيغ
١٠٩	الفصل الثامن: الدقة في اختيار من المترادفات

تقديم المعنى على مستوى التركيب

١٤٣	الباب الرابع: تقديم المعنى خلال الأساليب البلاغية
١٤٥	الفصل الأول: الأساليب القرآنية من المعاني
١٥٩	الفصل الثاني: مميزات بعض الأساليب القرآنية
١٧٠	الفصل الثالث: أسلوب التكرار
١٨٢	الفصل الرابع: التحليل الجمالي للنظم
١٨٩	الباب الخامس: أسلوب التصوير لتقديم المعاني في القرآن
١٩١	الفصل الأول: الوصف — بناء التصوير
١٩٦	الفصل الثاني: الصورة الكلامية
٢٠١	الفصل الثالث: الوصف التصويري
٢٠٥	الفصل الرابع: الأساليب التصويرية
٢١٢	الفصل الخامس: من الأداة التصويرية في القرآن — ضرب الأمثال
٢١٨	الفصل السادس: أسلوب التصوير في القرآن
٢٢٢	الفصل السابع: الصورة القرآنية بين الحقيقة والمجاز
٢٢٦	الفصل الثامن: الصور القرآنية والصور البيانية
٢٤٤	الباب السادس: دراسة نموذجية لتصوير القرآن
٢٤٥	الفصل الأول: المعاني الذهنية التي تخرج في صورة حسية
٢٦٩	الفصل الثاني: تصوير المعاني المجردة مصوراً للحالات النفسية
٢٧٦	الفصل الثالث: تصوير الحالات النفسية برسم نماذج انسانية

- ٢٨٦ الفصل الرابع: الصورة القرآنية المشخصة لمشاهد الحوادث
الواقعة والأمثال المضروبة والقصص المروية
- ٣٢٣ الفصل الخامس: التخيل الحسي والتجسيم المعنوي

تقديم المعنى على مستوى الصوت والايقاع

- ٣٦٢ الباب السابع: دور الصوت في تقديم المعنى في القرآن
- ٣٦٤ الفصل الأول: الدلالة الصوتية
- ٣٦٨ الفصل الثاني: التناسق الصوتي للحروف المفردة
- ٣٨٠ الفصل الثالث: التناسق الصوتي على مستوى اللفظ المفرد والتركيب
- ٣٨٤ الفصل الرابع: البناء الصوتي للمفردة القرآنية
- ٤٠٠ الفصل الخامس: الفواصل بين التناسق الصوتي ورعاية المعنى
- ٤١٥ الباب الثامن: دور الايقاع في أداء المعنى في القرآن
- ٤١٦ الفصل الأول: دور الايقاع في الأداء والفهم
- ٤٢٤ الفصل الثاني: الايقاع الموسيقي — من ألوان التناسق في القرآن
- ٤٣٠ الفصل الثالث: بناء الايقاع في النص القرآني
- ٤٥٠ الفصل الرابع: المعاني الكامنة في نغم القرآن

الخاتمة

- ٤٦٠ باب الختام
- ٤٦١ نتائج البحث
- ٤٦٧ التوصيات والمقترحات
- ٤٦٩ فهارس المصادر والمراجع
- ٤٧٠ الكتب المطبوعة
- ٤٧٥ الكتب من المكتبات الالكترونية
- ٤٨١ المقالات من المجلات الالكترونية

نطاق البحث البنيوي

بحثي هذا يعالج الأساليب التي تلعب دوراً مباشراً في ابلاغ المعاني. ولهذا الموضوع سعة هائلة ولكنني تناولت أهمها في ثلاثة مجالات بحثت فيها في سبعة أبواب بعد الباب التقديمي. الجزء الأول يشمل بايين يعالجان أساليب تقديم المعنى على مستوى المفردات في القرآن الكريم. والجزء الثاني يشمل ثلاثة أبواب تعالج أساليب تقديم المعنى على مستوى التركيب والعبارة. والجزء الأخير يشمل بايين يعالجان أساليب تقديم المعنى على مستوى الصوت.

وكما يلوح عنوان البحث انه يشمل تلك الأساليب التي لها أهمية كبرى لابلاغ المعاني الى الذهن العادي؛ ولم أتناول الأساليب التي تُدرّس تحت ثلاثة أنواع البلاغة الاشارة خفيفة، وركزت على الأساليب التي قد أمهلها العلماء الكبار لتركيزهم على الأغراض الدينية.

نجد في الجزء الأول أعمال كثيرة للعلماء القدامى لذا هذا الجزء مزوّد بالمراجع القديمة بغزارة. أما الجزء الثاني والجزء الثالث فلا يعالج العلماء القدامى مواضيعها بكثرة. ربّما أمهلوها لاهتمامهم بالأغراض الشرعية والبلاغية التقليدية، ولم يلتفتوا الى الجدة والاختراع والابداع. ولكن في الزمن الحديث التفتوا علماء اللغة الى النواحي اللغوية الأدبية وبدؤوا يبرزون جمال القرآن اللغوي والفني. فنجد أعمال علمية تعالج الزوايا الفنية للغة القرآن وبدأنا نفهم مصدر التأثير السحري في القرآن الذي قد أشار اليه أصحاب اللغة والبلاغة. ومع تطور علم اللغة في العصر الحديث بدأ علماء العصر يبحثون في ميدان الدلالة الصوتية والايقاعية في القرآن. فهذا يعكسه المراجع في الجزئين الثاني والثالث من هذا البحث.

ونجد المراجع من كتب علوم القرآن - وخاصة التي تتعلق عن اعجاز القرآن - في الجزء الأول. ونجد المراجع من التفاسير في الجزء الأول والثاني - وخاصة لتقديم المعنى على مستوى التركيب والعبارة. ونجد المراجع من المقالات المعاصرة في الجزء الثالث التي تناول تقديم المعنى على مستوى الصوت.

مقالے کا دائرہ کار

میرا مقالہ بعنوان ”أساليب تقديم المعنى فى القرآن الكريم“ بنیادی طور پر قرآن پاک کے ان اسالیب سے بحث کرتا ہے جو معانی پیش کرنے کے سلسلے میں اپنا براہ راست کردار ادا کرتے ہیں۔ ویسے تو یہ بہت وسیع موضوع ہے لیکن میں نے اس کے تین اہم حصے لئے ہیں جن پر مقالہ کے تین حصوں میں آٹھ ابواب قائم کئے۔ ایک حصہ قرآن پاک میں استعمال ہونے والے الفاظ کے لغوی پہلو کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ دوسرے حصے میں ان الفاظ کے باہمی ربط کے بعد جو مجموعی تاثر پیدا ہوتا ہے اس کے فنی پہلو کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔ جبکہ تیسرا حصہ لغت قرآن کی صوتی خوبیوں کو اجاگر کرتا ہے۔

جیسا کہ مقالے کے موضوع سے ظاہر ہے کہ ان تینوں حصوں میں صرف ان پہلوؤں پر بات کی گئی ہے جو زبان کے معانی عام قاری یا سامع کے ذہن میں منتقل کرنے میں مددگار ہوتے ہیں۔ علم معانی و بیان کے تحت ذکر کئے جانے والے اسالیب اور مہارتوں کے استعمال کو صرف سرسری ذکر کیا ہے، جبکہ زیادہ توجہ عام اسالیب کی طرف کی گئی ہے جو کہ اکثر علماء کی توجہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔

پہلے حصے میں ہمیں قدامت کا خاصہ کام مل جاتا ہے اس لئے اس مقالے میں ان کے کافی حوالہ جات نظر آتے ہیں۔ جبکہ دوسرے اور تیسرے حصے میں قدامت کا کام کم نظر آتا ہے، شاید ان کی توجہ علم بلاغت کے روایتی موضوعات کی طرف زیادہ رہی اور کم ہی کسی نے نئے زاویے تلاشے۔ جبکہ بعد میں آنے والے علماء نے لغت قرآن کے جمالیاتی پہلوؤں کو بھی بہت اجاگر کیا ہے۔ تقریباً گزشتہ ایک صدی سے علماء نے لغت قرآن کے جمالیاتی اور فنی پہلوؤں کو اجاگر کرنا شروع کیا ہے، لہذا ہمیں لغت قرآن کے مجموعی تاثر سے پیدا ہونے والی فنی سحر انگیزیوں کے متعلق تحریریں ملنا شروع ہوئیں۔ دوسرے حصے میں قدامت کے کام میں جہاں کہیں اس موضوع پر اشارات ملتے ہیں وہ اس مقالے کی زینت بنے ہیں، جبکہ زیادہ حوالہ جات جدید دور کے علماء کے ہیں۔

مغربی دنیا میں زبان کے صوتی پہلو پر تحقیق کی ترقی نے جدید دور کے علماء اسلام میں بھی اس پہلو پر کام کرنے کا شوق ابھارا اور اب ہمیں عربی زبان کے ساتھ لغت قرآن پر بھی اس موضوع پر تحریریں ملتی ہیں، گو کہ ابھی کوئی ایسی مکمل تفسیر قرآن سامنے نہیں آئی جو تمام لغت قرآن کی صوتی خوبیوں کو اجاگر کرے، ہاں چیدہ چیدہ آیات پر ایسی متفرق تحریریں مل جاتی ہیں۔ اس حصے میں تقریباً تمام حوالہ جات موجودہ دور کے علماء کے کام سے ہی نظر آنے کی وجہ بھی یہی ہے۔

ABSTRACT

My research thesis is on Styles of Semantic Presentation in the Holy Quran. Basically, it discusses only those literary styles which play their role in conveying meanings to the reader or listener. Though it is a very vast field, my focus is on a few major styles.

As implied by the title, the thesis discusses only those literary styles which play their role in conveying meanings to a common person. It does not creep into the depths of semantic branches of rhetoric rather it highlights those angles which are usually ignored by most of the scholars.

I have divided this research in three major portions:

The first part discusses the common styles of semantic presentation which come under lexical field. It generally deals with the individual entities. The language of the Holy Quran carries the best words to convey its Divine Message. It made modifications in existing words to suit it and also made innovations.

The second part deals with the integrated complexion created by these individual entities when they are combined in special arrangements which is only the specialty of the language of the Holy Quran. It again made innovations in rhetoric styles to convey meanings in the best possible way. After reciting the Quranic text carefully we find it conveying its message through literary styles like figuration, personification and illustration. These styles help us to understand metaphysical and transcendental phenomena.

The third part discusses the phonic part of the Quranic Language in conveying meanings. We find its phonic characteristics like rhythm, tone, strain, melody, tune, intensity etc. playing their role in conveying the Divine Guidance in the best possible way.

We usually recite the Holy Quran for enhancing our reward for the life hereafter. If someone tries to get some guidance from it, he usually concentrates on canonical or ethical aspects. I have concluded from this research that it is far beyond that. It is the Devine Guidance but it is also a Linguistic Miracle — a literary masterpiece of matchless sublimity. Through this study we can only get a glimpse of it, not the whole thing.

أهداف الموضوع

الهدف من هذا البحث هو الحصول على شهادة الدكتوراة . واخترت له موضوع "أساليب تقديم المعنى في القرآن". قد أجريت دراسات متفرقة تحت هذا الموضوع ولكنها مقالات موجزة ، ولم نجلدها تحت عنوان واحد جمعاً . ومعظم التفاسير والكتب في علوم القرآن القديمة والحديثة تم تأليفها لأغراض دينية فلا نجد أعمال كثيرة جامعة في النواحي الأدبية الجمالية للقرآن الكريم . فأردت ابراز أهمية دور هذه النواحي في ابلاغ المعاني . وكذلك أريد تأليف الآراء القديمة والحديثة حول الأساليب المهمة التي تلعب دوراً بارزاً في ابلاغ المعاني الى ذهن القارئ والسماع . فبعد قراءة هذا البحث سيزيد القارئ فهماً لرسالة القرآن الكريم .

مقالے کا مقصد

اس مقالے کی تحریر کا مقصد ڈکٹریٹ ڈگری کا حصول ہے۔ جس کے لئے میں نے "اساليب تقديم المعنى في القرآن" کا موضوع چنا جسے اردو زبان میں (قرآن پاک میں معانی پیش کرنے کے اسلوب) کی عبارت سے ترجمہ کیا جاسکتا ہے۔ اس عنوان کے تحت بحث کئے گئے موضوعات پر چیدہ چیدہ کام تو ہمیں موجودہ دور کے علماء کی تحریروں میں مل جاتا ہے لیکن تمام تر موضوعات ایک جگہ کم ہی نظر آتے ہیں۔ مثلاً لغوی نقطہ نظر سے لکھی گئی تفاسیر اور دیگر کتب میں قرآن پاک کے الفاظ کی لغوی جہات پر معلومات مل جاتی ہیں، اور فنون ادب پر لکھی جانے والے قدیم و جدید کتب میں قرآن پاک کے مجموعی فنی پہلوؤں پر متفرق تحریریں ملیں گی، جبکہ صوتی پہلو سے زیادہ کام موجودہ دور میں ہی ہوا ہے، وہ بھی قرآن پاک کے چند متفرق حصوں پر ہی مثالیں نظر آتی ہیں

میرے مقالے کے مقاصد میں سے یہ بھی تھا کہ لغت قرآن میں پیش کئے گئے معانی کی قاری یا سامع کے ذہن میں منتقلی کے لئے جو بھی اساليب استعمال کئے گئے ہیں ان پر قدیم و جدید جو بھی خیالات ملتے ہیں انہیں ایک جگہ اکٹھا دیکھا جاسکے۔ کیونکہ یہ ایسا ہی تھا جیسے کسی بہت خوبصورت تخلیق کے مختلف حصے علیحدہ کر کے دور دور رکھ دیئے جائیں۔ ہر حصہ اپنی جگہ پر خوبصورت تو ہو سکتا ہے لیکن مکمل صورت بننے کے بعد جو مجموعی اعلیٰ پیمانے کا حسن پیدا ہوتا ہے وہ متفرق حصوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔

كلمة الشكر

بعد تمام الشكر لله تعالى ، من أعماق قلبي أتقدم بأسمى آيات شكري وأبلغ عبارات تقديري لأساتذتي الذين درّسوا لي المواد الدراسية في الفصول التحضيرية للدكتوراه والذين هدوني لإعداد هذا البحث، ولقد استفدت كثيراً من ملاحظاتهم وتوجيهاتهم ولا أملك لهم الا الدعاء بأن يثيبهم الله بأحسن الجزاء ويجعل جهودهم هذه في ميزان حسناتهم، انه سميع الدعاء. ثم أشكر لأستاذي المشرف الذي مازال كريماً ومشفقاً خلال عملية البحث هذه وأرشدني الى إكمال هذا البحث مستعملاً كل تجاربه في هذا المجال وكفائاته العلمية.

وكذلك أشكر جميع عمال الجامعة الذين عاونوني في هذه الدراسة وأتقدم شكري لأصحاب المكتبات على توفير الكتب وخاصة أشكر لجهود المكتبات الالكترونية التي استفدت منها كثيراً حيث أصبحت قليل الحركة بعد مرضي في الجهاز العصبي مسبباً الألم الشديد في ظهري ورجلي.

وأشكر أهل بيتي الذين عفوني واستثنوني من الواجبات الداخلية لاكمال هذا البحث. وأخيراً أريد أقدم شكري للجنة التعليم العالي التي أعطتني وأستاذي المشرف وجامعتي منحة دراسية لأربعة أعوام لدرجة الدكتوراه.

الأهداء

إلى كل عاشق للكلمة ،

وكل محب للحقيقة ، ويراها ملموسة كما يرى الشمس في وضوح النهار

وإلى أمي الحنون التي تريد أن أكون ناجحاً في حياتي ، وتدعوني كل ليل ونهار

وإلى أبي العزيز الذي أعطاني فكره ومنحني قلبه الشجاع

وإلى اخوتي وأخواتي وزوجتي وأولادي ومن شاركني الجهد في بحثي هذا

وأساتذتي وزملائي

إليهم جميعاً أهدي هذا البحث

سائلاً المولى عز وجل أن يجزل لهم الأجر والثواب

التقديم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
رَبِّ يَسْرٍ وَلَا تُعَسِّرْ وَتَيِّمٌ بِالْخَيْرِ

إن الحمد لله، ونحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، ونصلي ونسلم على سيدنا محمد بن عبد الله رسول الله، أرسله ربه بالبينات، وجعل معجزته في القرآن أولى المعجزات، فأزال به الشبهات، وقمع به الشهوات. أما بعد:

فلم ولن تعهد البشرية كتاباً كان له من الأثر في حياتها كما كان للقرآن الكريم، فقد ترك أثره في تصورات الإنسان وفكره ومعتقده، فاقتلع جذور الشرك، وأزال حجب الريب والشك، وأخبر الإنسان عن مبدئه وحياته ومعاده، ومصيره بعد مماته.

ولم يترك القرآن جانباً من جوانب حياة الإنسان إلا وتناوله بالبيان الواضح الذي لا غموض فيه.

القرآن كلام الله!

هذه الإضافة — أو النسبة — تضيفي على القرآن — من حيث هو كلام — خصيصة من خصائص مصدره — سبحانه وتعالى — ينفصل بها من كلام البشر انفصلاً تاماً، يستحيل معه عقد مشابهة، أو إجراء موازنة، أو إقامة مقارنة بينه وبين كلام سواه!

إن كل كلام يحمل خصائص مصدره، وينم عليه! كلام البشر يحمل خصائصهم — وفي مقدمتها: نسبية علمهم، وقلته بالقياس إلى المجهول. وكلام الله يحمل خصائص الألوهية، ومنها: الإطلاق، وعدم التحديد! الله سبحانه وتعالى يتعالى عن المكان وعن الزمان! وكلامه سبحانه وتعالى يعلو على الزمان، وعلى المكان! والخطاب بالقرآن مستمر إلى أبد أبدي! وكل لحظة من الزمن تمر تصبح من هذا الماضي. وكل لحظة من الزمن، وكل آن من آنائه: هي حاضر، وهي ماض، وهي مستقبل.. ما دام الزمن متحركاً، وما دام القرآن باقياً خالداً، يتحدى هذا الزمن! ويخاطب الناس أينما كان موقعهم في سياق هذا الزمن! ويقف القرآن في علاقته بالزمن — مفرداً، متفرداً، لا يشارك!

هو يعلو على الزمان، وعلى المكان، وغيره من الكلام محكوم بزمانه ومكانه!

وهنا يستقيم لنا أن نقول: كل كلام يستهلك بعد قراءة أو بضع قراءات، وينقطع عطاؤه، حين تنضب دلالاته، وتحف ينابيعها، فيصير شجرة هرمة، شاخنة، فما تستطيع أن تثمر، أو تؤتي أكلا... إلا القرآن!

انك كلما جددت له قراءة، جدد لك عطاء! وكلما زدته تأملاً، زادك من فيض دلالاته!

وكلما ظن أحدنا أنه كاد يقترب من استيعاب دلالاته .. ، ظهر أمامه منها ما يتحقق معه أنه كان واهماً في ظنه، وأنه لم يبلغ من ذلك توهمه ، إلا ما يبلغه من يستقى من البحر المحيط بدلوه . إذا أحصى عدد الدلاء التي اغترفها ، استكثرها فاذا نظر إلى البحر ، الذي استقى منه ، عاد ما كان استكثره .. قليلاً قلة ، لا تجيز له أن يقارن بين ما أخذ ... وما بقي .

هذا العطاء القرآني .. هو فيض دلالة ، يتدفق أبداً .. من معين لا يغيض .

في القرآن من الدلالات الكامنة ما لا يبلغ علمنا منه إلا القليل! كما أن في الكون من أسرار الخلق الكامنة ما لا يبلغ علمنا منه إلا القليل! ونمو علمنا — ومعرفتنا في المجالين — يوسع الهوة بين المعلوم لنا .. والمجهول من أسرار الكون ومن دلالات القرآن!

في الكون طاقات مادية كامنة. وفي القرآن طاقات دلالية كامنة! وقدرتنا على الاكتشاف — هنا وهناك — محدودة بحدود خصائصنا ، من حيث كنا بشراً هذه الطاقات الدلالية منها ما تحمله الألفاظ والتراكيب ، ومنها ما تستتبعه هذه التراكيب ، وتوحي به!

وإذا كانت دلالات الألفاظ والتراكيب في النص القرآني من السعة ، والثراء بحيث يستحيل استيعابها ، والاطيان عليها ، فإن مستتبعات التراكيب فيه بحار زاخرة ، ما إن نشمر عن ساقينا ، وننزل إلى أحد شواطئها، حتى نستشعر من عمقها وسعتها ، ما يجعلنا نتوقف حيث نحن ، إن لم نرتد إلى الوراء ، خيفة أن نغرق في هذا الخضم اللجي ، الذي تتواتر علينا أمواجه ، والذي لا يعلم مداه ، ولا يحيط بما يحويه من أسرار ، سوى من أنزل القرآن!

وليست هذه المقالة إلا محاولة أخرى جديدة ليلتقط بعض اللآلي من بحر معانيه الزاخر، وخاصة هذا بحث عن أساليب استخدمها الخطاب القرآني لتقديم معانيه القيم حتى تؤثر النفوس الممتلقة.

تعريف الموضوع وأهميته

يطلق الأسلوب في اللغة على الطريق الممتد ، ويقال للسطر من النخيل أسلوب ، والأسلوب الطريق والوجه والمذهب ، والأسلوب الفن ، يقال: أخذ فلان في أساليب من القول ، أي أفانين منه^١.

وفي اصطلاح البلاغيين: هو طريقة اختيار الألفاظ وتأليفها للتعبير بها عن المعاني قصد الايضاح والتأثير ، أو هو العبارات اللفظية المنسقة لأداء المعاني .

فالأسلوب القرآني هو طريقته التي انفرد بها في تأليف كلامه واختيار ألفاظه، ولقد توضع العلماء قديماً وحديثاً على أن للقرآن أسلوباً خاصاً به مغايراً لأساليب العرب في الكتابة والخطابة والتأليف.

١. لسان العرب ، ابن منظور ، مادة (سلب) ، ص ٢٦٩٦ ،

واستخدمت كلمة (أساليب) في وضع العنوان للبحث هذا في معناها اللغوي والاصطلاحي معاً لذا استخدمت صيغة الجمع. أي الطرق المستخدمة في القرآن الكريم لتقديم معانيه القيمة بأحسن أداء حتى يفهمها المتلقي العادي. ونعلم أن القرآن الكريم قد جاء الى عالم مثقل بالهبة كاذبة. وقد كانوا مبعدين كثيراً عن أسس نظام الحياة البشرية فطر الله عليه الناس. وكانوا يسعون وراء الأهواء والشهوات فانحرفوا عن الطريق المستقيم. فذهب القرآن الكريم يدعو الناس الى العودة الى الوحدة الدينية الأصيلة، ويث هذه العقيدة ويغرسها في قلوب الناس ونفوسهم بأرقى الأساليب. وسر نجاح القرآن الكريم في قيادة العقل البشري الى هذه الغاية يكمن في تلك القوة الجارفة التي تتمتع بها أساليبه الميسرة. فاستمر القرآن الكريم بأساليبه المباشرة وغير المباشرة يصول ويجول في ميدان اكتظت أرضه بالأصنام والأوثان والشركاء والشبهات، حتى أذاب كل ذلك، وربط أمته بأعظم رباط التي بها تحررت عقولهم، وبها التقت آمالهم، وبها توحدت قوى حالهم، وعليها وحدها انضمت شتاتهم.

فدراسة أساليب القرآن قد انجذب شغف العلماء والباحثين منذ بداية الدراسات القرآنية، ولا تزال تستمر هذه الدراسات لأن القرآن الكريم كتاب هداية للناس في كل زمان وكل مكان، فينكشف أمامنا شيء من محيط أسرارها في حين وآخر.

الوجهة التاريخية للموضوع

في الزمن المعاصر لنزول القرآن لا نجد العرب يتحدثون عن الأسلوب القرآني الا أنهم سموه تارة شعراً، وتارة سحراً. لقد تلقوه مسحورين، سواء في ذلك المؤمنون والكافرون. ويتحدث كلاهما عما مسهم منه، فهو حديث غامض فقط، لا يعطينا أكثر من صورة المسحور المبهور، الذي لا يعلم موضع السحر فيما يسمع من هذا النظم العجيب، وان كان ليحس منه في أعماقه هذا التأثير الغريب.

فنجد عمر بن الخطاب يقول: "فلما سمعت القرآن رق له قلبي فبكيت ودخلني الاسلام"^١ ويقال عنه في رواية انه قال: "ما أحسن هذا الكلام وأكرمه"^٢

ونجد الوليد بن المغيرة وهو كافر يقول: "ما هو من كلام الإنس ولا من كلام الجن، وان له لحلاوة، وان عليه لطلاوة، وان أعلاه لمثمر، وان أسفله لمغدق، وانه ليعلو وما يُعلَى عليه."^٣ ثم يقول يسترضي قومه: "ما هو الا سحر يؤثر. أما رأيتموه يفرق بين الرجل وأهله وولده

١. السيرة النبوية، ابن هشام، ص ١١٧، على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=2039&page=1

٢. الكامل في التاريخ، ابن الأثير، ص ٢٦٨ على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=32&page=1

٣. الجامع لأحكام القرآن، القرطبي، س: المدثر؛ الآية: ١٩، ص ١، على الموقع www.altafisr.com/Tafsir.asp

ومواليه^١

والقرآن نفسه يصف أثره في نفوس المؤمنين ونفوس الذين أوتوا العلم من قبله ، بأنه :

﴿ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ﴾^٢

وكذلك :

﴿ ... إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۝ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَسْكُونُ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴾^٣

وكفار قريش يقولون في الإنكار:

﴿ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَبَتْهَا فِيهِ تَمَلَّىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴾^٤

ثم هاهم أولاء كفار قريش يقولون:

﴿ لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴾^٥

ولكن في هذا كله هم قاصرون عن بيان ما يتملونه منه في نفوسهم ، وما يحسونه منه في شعورهم . فنجد بعضهم حيارى مضطربون لا يعرفون ما يفعلون ، أو ملبون مهطعون طائعون لهديه . وكان هذا حالهم في نقد شعرهم كما نراهم في نقد الشعر في ذلك الزمان .^٦ وتلك مرحلة التذوق الفطري للفنون .

فاذا تجاوزنا عصر نزول القرآن ، رأينا بعض الصحابة يفسر القرآن تفسيراً قليلاً منه اعتماداً على المنقول عن النبي ﷺ وبعضهم يحاول في حذر وخشية أن يؤول بعض الآيات ، ولكنهم في نفس الوقت كرهوا أن يتعرضوا للتفسير من لم يستكمل أدواته من العلوم المتداولة المعاصرة ، وبعضهم يتورع أن يقول في القرآن شيئاً برأيه كأنه مأثم ديني ، كالذي ” روي عن سعيد بن المسيب أنه كان إذا سئل عن شيء من القرآن قال : أن لا أقول في القرآن شيئاً . وقال ابن سيرين : سألت عبدة عن شيء من القرآن فقال : اتق الله ، وعليك بالسداد ، فقد ذهب الذين يعلمون فيم أنزل القرآن.“^٧

١ . المرجع نفسه

٢ . القرآن ؛ س : الزمر ؛ آية : ٢٣

٣ . القرآن ؛ س : الاسراء ؛ آيات : ١٠٧ - ١٠٩

٤ . القرآن ؛ س : الفرقان ؛ آية : ٥

٥ . القرآن ؛ س : فصلت ؛ آية : ٢٦

٦ . مقالات في النقد الأدبي ، الدكتور مصطفى علي عمر ، ص ٧١ - ٨٩

٧ . فجر الاسلام ، الدكتور احمد أمين ، ص ٢٠٠

و عن هشام بن عروة بن الزبير قال : " ما سمعت أبي تأول آية من كتاب الله " ^١

فلما كان عصر التابعين نما التفسير نمواً مطرداً ، ولكنهم كانوا يقتصرون في تفسير الآية على توضيح المعنى اللغوي الذي فهموه من الآية بأحصر لفظ ، مثل قولهم : ﴿ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِأَنفِمْ ﴾ ^٢

أي غير متعرض لمعصية ، ومثل قولهم في قوله تعالى : ﴿ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ﴾ ^٣ كان أهل

الجاهلية إذا أراد أحدهم خروجاً أخذ قدحاً فقال : هذا يأمر بالخروج ، فان خرج فهو مصيب في سفره خيراً ، ويأخذ قدحاً آخر فيقول : هذا يأمر بالمكوث ، فليس يصيب في سفره خيراً ، والمنح بينهما . فنهى الله عن ذلك . فان زادوا شيئاً فمارؤوي من أسباب نزول الآية . ثم زاد من بعدهم التوسع في أخبار اليهود والنصارى . ^٤

انما كان كثير من الصحابة يكتفون بالمعنى الاجمالي للآية فيكتفون من قوله تعالى : ﴿ وَفَاكِهَةٌ وَأَبْنَا ﴾ ^٥ بأنه تعداد نعم الله ، ولا يلزمون أنفسهم بتفهم معاني الآيات تفصيلاً .

وفي القرآن آيات كثيرة لا يكفي في تفهمها معرفة ألفاظ اللغة وأساليبها ، مثل ﴿ وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ﴾ ^٦ و ﴿ وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴾ ^٧ و ﴿ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ ^٨ الى كثير من أمثال ذلك .

وفيه اشارات كثيرة الى أشياء في التوراة والانجيل ورد عليهم ليس يكفي في فهمها معرفة اللغة . وكذلك في القرآن آيات كثيرة محكمة واضحة المعنى ، وهي التي تتعلق بأصول الدين وأصول الأحكام ، وهذا النوع من الآيات يستطيع فهمها جمهور الناس ، وفي القرآن آيات متشابهات التي صعب فهمها ، ولم يصل الى معرفتها الا الخاصة . ^٩

ثم أخذ التفسير ينمو ويتضخم ابتداء من أواخر القرن الثاني ، ولكن بدلاً من أن يبحث عن الجمال الفني في القرآن أخذ يغرق في مباحث فقهية وجدلية ، ونحوية وصرفية ، وخلقية وفلسفية ، وتاريخية وأسطورية . وبذلك ضاعت الفرصة التي كانت مهياً للمفسرين لرسم

- ١ . نفس المرجع
- ٢ . القرآن ؛ س : المائدة ؛ آية : ٣
- ٣ . المرجع السابق
- ٤ . نفس المرجع ، ص ٢٠٦
- ٥ . القرآن ؛ س : عبس ؛ آية : ٣١
- ٦ . القرآن ؛ س : العاديات ؛ آية : ١
- ٧ . القرآن ؛ س : الفجر ؛ آيات : ١ - ٢
- ٨ . القرآن ؛ س : القدر ؛ آية : ١
- ٩ . فجر الاسلام ، أحمد أمين ، ص ١٩٦

الصورة واضحا للجمال الفني في أساليب القرآن .

ثم جاء الزمخشري الذي يتذوق بين الحين والحين شيئا من مواضع الجمال الفني في أسلوب القرآن ، وذلك كقوله في تفسير: ((وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ))^١ "كأن الغضب كان يغريه على ما فعل ويقول له : قل لقومك كذا ، وألق الألواح ، وجر برأس أخيك اليك."^٢ فأدرك في هذا التعبير القرآني ((تشخيص)) الغضب ، كأنه انسان ، يقول ويسكت ، ويغري ويصمت ،^٣ فهذا ((التشخيص)) هو الذي جعل للتعبير جماله وهو أسلوب من أساليب تقديم المعاني في القرآن . والذي ما بين من التناسق النفسي بين الأحاسيس المنبعثة من تتابع آيات الفاتحة . وبعض المفسرين في محاولتهم لكشف عن المواضع لهذا التناسق يصلوا الى الترابط المعنوي فقط في بعض المواضع .

أما الباحثون في البلاغة وفي اعجاز القرآن فهم اشتغلوا بمباحث حول ((اللفظ والمعنى)) أيهما تكمن فيه البلاغة؛ ومنهم من غلبت عليه روح القواعد البلاغية.

في تاريخ البلاغة نجد عبدالقاهر الجرجاني كان موشكاً أن يصل فيها الى شيء حاسم . وكانت طريقة التعبير في عصره طريقة ((الكلام)) والمنطق ، بعد دخولها الى لغة الأدب في ذلك الزمان . فقد أدرك ((عبدالقاهر)) موضع الجمال في ﴿إِشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ و﴿وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا﴾ هو في ذلك الذي قاله من ناحية النظم ، وفي شيء آخر ورائه ، هو هذه الحركة التخيلية السريعة ، التي يصورها التعبير : حركة الاشتعال التي تتناول الرأس في لحظة ، وحركة التفجير التي تفور بها الأرض في ومضة . فهذه الحركة التخيلية تلمس الحس وتثير الخيال ، وتشرك النظر والمخيلة في تذوق الجمال . وهي في ﴿وَإِشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ أوضح وأقوى . لأن حركة الاشتعال هنا حركة ممنوحة للشيب . وليست له في الحقيقة ، وهذه الحركة هي عنصر الجمال الصحيح . يدل على ما نقول ، ان الجمال في قولك : (اشتعل البيت ناراً) ، لا يقاس ولا يقرب من قول القرآن : ﴿وَإِشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ ، ففي التعبير بالاشتعال عن الشيب جمال ، وفي اسناد الاشتعال الى الرأس جمال آخر ، يكمل أحدهما الآخر . ومن كليهما ، لا من أحدهما ، كان هذا الجمال الباهر! وهذا هو الذي وقف دونه عبد القاهر ؛ وان كان يبدو أنه كان يحسه في ضميره ، ولا يتصوره كاملاً في تعبيره . وليس لنا على أية حال أن نطالبه بالتعبير في لغة عصرنا الأخير.^٤

١ . القرآن ؛ س : الأعراف ؛ آية : ١٥٤

٢ . الكشاف ، الزمخشري ، س : الأعراف ، الآية : ١٥٤ ، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

٣ . التصوير الفني في القرآن ، سيد قطب ، دار الشروق ، الطبعة والسنة غير متوفرين ، ص ٢٤

٤ . نفس المرجع ، ص ٢٩

وقف الباحثون في بلاغة القرآن عند خصائص النصوص المفردة ، ولم يتجاوزوا الى الخصائص العامة، وكانت هي مرحلة الادراك لمواضع الجمال المتفرقة ، وتعليل كل موضع منها تعليلاً منفرداً .

أما العصر الحديث هو مرحلة ادراك الخصائص العامة. وقد بدأ دراسة الكتاب المعجز من منهج جديد، ومن بحث عن الأصول العامة للجمال الفني فيه، ومن بيان للسّمات المطردة التي تميز هذا الجمال عن سائر ما عرفته اللغة العربية من أدب، وتفسر الاعجاز الفني تفسيراً يستمد من تلك السّمات المتفرقة في القرآن الكريم.

خطة البحث:

وخطتي لهذا البحث تأتي في الشكل التالي:

قسمت هذا البحث الى ثمانية أبواب، وهي كالتالي:

الباب الأول: تأثير القرآن خلال بيانه المعجز

ويشمل هذا الباب ثلاثة فصول التمهيديّة لموضوع هذا البحث. وهي كما تلي:

الفصل الأول: في هذا الفصل قدّمت تعارفاً موجزاً للغة القرآن وخواصه تمهيداً للمواد الآتية.

الفصل الثاني: فيه ذكرت أن التأثير السحري للقرآن الكريم على المتلقين مؤمنين ومنكرين على حد سواء.

الفصل الثالث: يتعين هذا الفصل المصدر الكامن لسحر القرآن الذي تمكن من خلاله التأثير في نفوس المؤمنين والمنكرين معاً.

ثم يأتي دراسة تقديم المعنى على مستوى المفردات:

الباب الثاني: المميزات الدلالية للمفردات القرآنية

يسحث هذا الباب عن الطرق المستعملة لنقل معنى الكلمات الى ذهن المتلقي بأحسن أداء. ويشمل الفصول الآتية:

الفصل الأول: فيه ذكرت طرق الانتقاء لكلمات القرآن حاملة المعاني التي يريد الخطاب القرآني ابلاغها.

الفصل الثاني: فيه ذكرت كيفية تناسب الكلمات في العبارة من كل ناحية

الفصل الثالث: تحدثت في هذا الفصل عن حد المرونة والاتساع في دلالة الكلمات القرآنية.

الفصل الرابع: نرى فيه كيفيات الابداع والدقة في استعمال الكلمات في العبارة القرآنية لتوليد المعاني القيمة.

الفصل الخامس: في هذا الفصل تحدثت عن التجدد والاختراع في الخطاب القرآني على مستوى الكلمات لا بلاغ المعاني ابلاغاً.

الفصل السادس: فيه ذكر المعاني الايحائية للمفردات القرآنية.

الباب الثالث: البناء الدلالي للمفردات القرآنية

يبحث هذا الباب عن البناء الدلالي للمفردة القرآنية خلال الفصول التالية.

الفصل الأول: فيه ندرس دور الايحاء الدلالي لاختيار المفردة القرآنية من وجوهها الأربعة.

الفصل الثاني: يتكلم عن اختيار المفردة القرآنية للتسمية لعلاقة دلالية خاصة.

الفصل الثالث: ان القرآن قد يختار مفرداته للتعبير عن الشيء بما هو معه في علاقة خاصة.

الفصل الرابع: فيه دراسة اختيار القرآن بناء أعلى موافقة السياق.

الفصل الخامس: ندرس فيه أن القرآن قد يختار مفرداته لاعتماد أسلوبه الى الوصف الحسي.

الفصل السادس: يتكلم هذا الوصف عن اختيار مفردات القرآن للدلالات المتعددة.

الفصل السابع: دق القرآن تدقيقاً في اختيار صيغ الكلمات من الصيغ الممكنة استخدامها.

الفصل الثامن: فيه بحث عن نظرية الترادف واختيار القرآن من هذه الكلمات لعبارة.

ثم يأتي دراسة تقديم المعاني على مستوى التركيب:

الباب الرابع: تقديم المعنى خلال الأساليب البلاغية

في هذا الباب نظرة طائفة عن بعض أهم أساليب قرآنية من علم العماني. ويشمل الفصول التالية:

الفصل الأول: ننظر فيه الى بعض الأمثلة من نظم القرآن تكمن فيها أسرار جمالية

الفصل الثاني: ننظر فيه الى بعض النكات الجمالية والمعنوية من بعض الأساليب القرآنية.

الفصل الثالث: نرى فيه أسلوب التكرار على حدة وآراء العلماء عن هذا الأسلوب القرآني.

الفصل الرابع: قدّمت فيه تحليل جمالي لنظم بعض أجزاء القرآن مثلاً.

الباب الخامس: أسلوب التصوير في تقديم المعاني في القرآن.

في هذا الباب بحثت عن أهم الاكتشاف من الأساليب القرآنية في العصر الجديد، ومدى تأثيره

في ذهن المتلقي.

الفصل الأول: الوصف — بناء التصوير. فيه تعارف موجز للوصف الفني.

الفصل الثاني: الصورة الكلامية. فيه تعارف للصورة الكلامية

الفصل الثالث: الوصف التصويري. نرى فيه ربط الوصف لخلق الصورة الكلامية

الفصل الرابع: ذكرت فيه الأساليب المستعملة لخلق التصوير الفني في القرآن.

الفصل الخامس: فيه ذكر أداة من الأدوات التصويرية في القرآن — ضرب الأمثال: ودوره في

التصوير الفني.

الفصل السادس: كتبت فيه عن أسلوب التصوير في القرآن ودوره في ابلاغ المعاني

الفصل السابع: ناقشت فيه عن مدى الصور القرآنية بين الحقيقة والمجاز.

الفصل الثامن: قارنت فيه الصور القرآنية والصور البيانية وبيّنت أفضلية الصور القرآنية.

الباب السادس: دراسة نموذجية للتصوير القرآني

قدّمت فيه الأمثلة من بعض موضوعات الصور القرآنية في الفصول التالية:

الفصل الأول: تشمل هذا الفصل الأمثلة للمعاني الذهنية التي تخرج في صورة حسية في القرآن
الفصل الثاني: يناقش فيه عن بعض الأمثلة لتصوير المعاني المجردة مصوراً الحالات النفسية في
القرآن.

الفصل الثالث: نرى فيه تقديم المعاني عن طريق تصوير الحالات النفسية برسم نماذج انسانية
الفصل الرابع: نرى فيه الأمثلة للصورة القرآنية المشخصة لمشاهد الحوادث الواقعة والأمثال

المضروبة والقصص المروية

الفصل الخامس: نرى فيه أمثلة قرآنية للتخييل الحسي والتجسيم المعنوي
ثم يأتي تقديم المعنى على مستوى الصوت:

الباب السابع: دور الصوت في تقديم المعنى في القرآن

يبحث هذا الباب في دور الصوت في أداء المعاني وإبلاغه الى ذهن المتلقي.
وهذا في الفصول التالية:

الفصل الأول: هذا الفصل كتمهيد لهذا الباب ويقدم تعارف الدلالة الصوتية

الفصل الثاني: نرى فيه صورة التناسق الصوتي للحروف المفردة في القرآن الكريم

الفصل الثالث: قدمت فيه صورة التناسق الصوتي على مستوى اللفظ المفرد والتركيب في القرآن
الكريم.

الفصل الرابع: بحثت فيه عن دور البناء الصوتي للمفردة القرآنية

الفصل الخامس: وقدمت فيه جمال فواصل الآيات بين التناسق الصوتي ورعاية المعنى في
القرآن الكريم.

الباب الثامن: دور الايقاع في أداء المعنى في القرآن

هذا الباب يشمل دراسة الايقاع القرآني لإبلاغ المعاني خلال الفصول التالية:

الفصل الأول: تحدثت فيه عن دور الايقاع في الأداء والفهم

الفصل الثاني: ناقشت فيه عن الايقاع الصوتي كلون من ألوان التناسق في القرآن الكريم

الفصل الثالث: نرى فيه وجود الايقاع الصوتي في النص القرآني وأثره في فهم المعاني

الفصل الرابع: يبحث هذا الفصل عن المعاني الكامنة في نغم القرآن

ثم في الخاتمة أتيت بالنتائج والتوصيات والمقترحات

وأخيراً يأتي ثبت المصادر والمراجع

الباب الأول

تأثير القرآن السحري خلال بيانه المعجز

نناقش في هذا الباب عن التأثير القرآن في القلوب والنفوس المسلمة والمنكرة . وكان هذا التأثير مثل السحر لا يدري القلب المتأثر ما حدث به، ولا يعرف تعبير كلفته . وكان مصدر هذا التأثير كامن في أسلوب القرآن المعجز واستخدام اللغة العربية لنفسه استخداماً بليغاً الى حد الاعجاز . ونتحدث هذا خلال الفصول التالية:

تأثير القرآن السحري	الفصل الأول:
مصدر التأثير القرآن السحري	الفصل الثاني:
لغة القرآن	الفصل الثالث:

الفصل الأول

لغة القرآن

لغة القرآن هي اللغة العربية طبعاً ولكن لها مزايا خاصة بها. وعربية القرآن تشمل جميع اللهجات العربية آنذاك وحتى اللغات غير العربية. يذكر الامام السيوطي في تأليفه (المهذب فيما وقع في القرآن من المعرب) وابن حسنون في كتابه (اللغات في القرآن) وجود لغات غير عربية ولهجات عربية في القرآن الكريم. ويقول السيوطي ان "...القرآن احتوى على جميع لغات

العرب وأنزل فيه بلغات غيرهم من الروم والفرس والحبشة شيء كثير."^١

ويقول الدكتور عبد الغفور^٢: "وحيثما ننظر الى أن القرآن اصطنع لنفسه من هذه اللغات كياناً وتألّف منها كلاماً هو وحدة واحدة — بخصائصه اللغوية — نقول ان اللغات صارت لغة — لغة القرآن ، بسميزاتها، أو بسميزاته ، فانها ليست كهي في خارجه. وهي عربية في نحوها وصرفها وصورها البلاغية، لكنها عربية لا كالعربية، لأنها بلغت حد الاعجاز، ولهذا اختصت بالقرآن."^٣

وقد أصدر لنا القرآن توجيهاً لغوياً مباشراً حين قال :

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا ﴾^٤

ويستنبط من هذا الدكتور عبد الغفور: "ومن هنا نعلم أن اللغة ليست ألفاظاً فقط ، بل هي لفظ ومعنى وايحاء. أو هي لفظ ومعنى أصلي ومعنى فرعي. ومن اللفظ نغمته وحركته وسكونه. فالكيفيات والمعاني والايحاءات كلها أجزاء للغة. وهي في لغة القرآن لها أوضاعها المخصصة فلا يجوز تحريك ساكن فيه وان جاز التحريك والتسكين في لغة العرب — الى آخره."^٥

أولاً ننظر الى اللغة مطلقاً ثم ندخل في خصائص لغة القرآن. فيقول ابن جني في الخصائص عن اللغة بأنها "أصوات يعبر بها كل قوم عن أغراضهم"^٦ وقال الأسنوي في شرح منهاج الأصول:

١. المهذب فيما وقع في القرآن من المعرب ، جلال الدين السيوطي ، ص ١

على عنوان <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=1015&page=1>

٢. هو مدرس التفسير وعلوم القرآن الكريم بكلية أصول الدين بالقاهرة

٣. بحوث في علوم القرآن ، الدكتور عبد الغفور محمود مصطفى جعفر ، ط ١ ، ١٩٨٥ ، ص ٦٧

٤. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١٠٤

٥. المرجع السابق ، ص ٦٨

٦. الخصائص ، ابو الفتح عثمان ابن جني ، ص ٨

على عنوان <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=17&page=1>

”اللغات عبارة عن الألفاظ الموضوعية للمعاني.“^١ وقال ابن الحاجب في مختصره: ”حد اللغة كل لفظ وضع لمعنى.“^٢ والأصوات في نفسها ”ليست ذات معنى خاص بها: فالأصوات المفردة المفتحة والباء واللام مثلاً لا تعني شيئاً بنفسها، وإنما وظيفة هذه الأصوات هي أنها تكون وحدات أكبر...“^٣ وهي الكلمات التي ”هي أصغر وحدة ذات معنى للكلام واللغة“^٤ فهناك من العلماء من يهتم بوظيفتها بوصفها وحدة المعنى، ومنهم من يعدها ’أصغر صيغة حرة‘ (وهذه عبارة بلومفيلد)، ويعني هؤلاء بذلك (كما صرح ر. بالمار) أنها أصغر وحدة كلامية قادرة على القيام بدورنطق تام“^٥

ويقول ستيفن أولمن عن تركيب اللغة أن:

”...الأصوات والكلمات ليست هي الوحدات الوحيدة للكلام. اننا لا نتكلم كلمات مفردة ولكننا نكون منها تراكيب: عبارات أو جملاً ووحدات أكبر من ذلك. ووظائف هذه الوحدات هي بيان الارتباطات والعلاقات بين الأشياء. أما الأشياء نفسها فيرمز اليها بالكلمات المفردة. وقد تقوم الكلمة الواحدة في الحالات القصوى مقام النطق الكامل كما في الصيحة ((الحريق))، وفي هذه الحالة تقوم الحركات الجسمية والتنغيم والموقف اللغوي جميعه بامدادنا بالأدلة اللازمة للفهم.

فالصوت والكلمة والتركيب النحوي هي الوحدات الثلاث للكلام المتصل“^٦

ويذكر الأستاذ مصطفى صادق الرافعي ثلاثة أصوات الأخرى — غير الأصوات اللغوية — لا بد منها في تركيب النسق البليغ وهي:

”١) صوت النفس: وهو الصوت الموسيقي الذي يكون من تأليف النغم بالحروف ومخارجها وحركاتها ومواقع ذلك من تركيب الكلام ونظمه على طريقة متساوقة على نضد متساوٍ، بحيث تكون الكلمة كأنها خطوة للمعنى في سبيله الى النفس، ان وقف عندها هذا المعنى قُطع به.

-
١. المزهر، جلال الدين السيوطي، ص ١ على عنوان www.alwaraq.net/index2.htm?i=37&page=1
 ٢. المرجع نفسه
 ٣. دور الكلمة في اللغة، ستيفن أولمان، ص ٣٣ ترجمة وتعليق الدكتور كمال بشر، مكتبة الشباب
 ٤. المرجع نفسه، ص ٤٨
 ٥. المرجع نفسه
 ٦. المرجع نفسه، ص ٣٤

٢) صوت العقل: وهو الصوت المعنوي الذي يكون من لطائف التركيب في جملة الكلام، ومن الوجوه البيانية التي يداور بها المعنى، لا يخطئ طريق النفس من أي الجهات انتهى إليها.

٣) صوت الحس: وهو أبلغهنّ شأناً، لا يكون الا من دقة التصور المعنوي، والابداع في تلوين الخطاب، ومجازبة النفس مرة وموادعتها مرة، واستيلائه على محضها بما يورد عليها من وجوه البيان، أو يسوق إليها من طرائف المعاني، يدعها من موافقته والايثار له كأنها هي التي تريده وكأنها هي التي تحاول أن يتصل أثرها بالكلام، اذ يكون قد استحوذ عليها وانفرد منها بالهوى والاستجابة. وعلى مقدار ما يكون للكلام البليغ من هذا الصوت، يكون فيه من روح البلاغة.^١

ومثال صوت الحس "كمن يفتتن بالجمال. وهو اذا رأى الوجه الجميل كانت نظرتة اليه كلاماً نفسياً لو جهد البلاء جهدهم على أن يحكموه بالعبارة كما هو في نفسه لأعيتهم وسائل البلاغة أن يمهدوا منها لهذه الحالة النفسية. ولجاءوا من كلامهم بالحس المغمور الذي لا يعدم بعض النقص والاضطراب مما حسبه قد تكامل واستقر."^٢ والحقيقة أن "تعجز كل اللغات عن تصوير احساس كامل بحيث يكون أثره على مقدار واحد في نفس صاحبه ونفس غيره، اذ هو حياة لا تلبسها العبارة الا بمقدار ما ترمى إليها، وهو كالروح من جسمها، يدل عليها بتركيبه، ويكشفها بأعماله. ثم تبقى مع ذلك خافية؛ الا اذا اخترع لها جسم جديد على تركيب يبنى على اظهارها دون اخفائها"^٣

وهذا الحس يتمثل في كلمات القرآن وأعجب شيء في أمره أنه:

"لا يسرف على النفس ولا يستفرغ مجهودها، بل هو مقتصد في كل أنواع التأثير عليها، فلا يضيق به ولا تنفر منه ولا يتخونها الملل. ولا تزال تبتغي أكثر من حاجتها في الترويح والاصغاء اليه والتصرف معه والانقياد له، وهو يسوغها من لذتها ويرفقه عليها بأساليبه وطرقه في النظم والبيان.

وبهذا سهل على أكثر البلاء والعلماء من أهل السمات والورع أن يختتموا القرآن مرة في كل يوم، وهو أمر فاش لا سبيل بعد الى المكابرة فيه. وكان كثير منهم اذا أقبل على ربه ووقف بين يديه في صلاته، قرأ في الركعة الواحدة سورة من الطوال أو سورتين، الى ريع القرآن، وهو في ذلك مستغرق لا يمل، وكأنه ليس في الأرض أو

١. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، مصطفى صادق الرافعي، دار الكتاب العربي بيروت، ص ٢٢٠-٢٢١

٢. المرجع نفسه، ص ٢٢٢

٣. المرجع نفسه

ليس من أهلها“^١

ووضع اللُّهُ سبحانه طريقة نظم القرآن بأنه وُجدت ”في تلاوته قوة الانبعاث للنفس المكدودة ، كما يكون من ضروب الموسيقى ، على ما هو معروف من تأثيرها في النفس ووجه هذا التأثير ، فهو للنفس كالحذاء للابل ، مهما كدها السير ازدادها امعانا فيه واستأنفت منه نشاطا واعتزاما حتى ليذهب بها المراح وكأنها تريد أن تسابق الحروف والأصوات المنبعثة من أفواه من يحدونها.“^٢

وكذلك يقول الرافعي عن بحث في أصول البلاغة الانسانية عن حقيقة نفسية ثابتة أنه ”قد اطردت في اللغات جميعاً وهي في كل لغة تعدُّ أصلاً في بلاغتها... وهي: الاقتصاد في التأثير على الحس النفسى. وما تعرف في هذه الأساليب العربية خاصة... الا اسرافاً على هذا الحس ، أو تراجعاً من دونه ؛ فأما أمر بين ذلك على أتمه وأبينه فنجده في القرآن فحسب ، ولا نعرف قريباً منه الا في كلام النبي ﷺ وان كان بين الجهتين ما بينهما.“^٣

ثم يقول الرافعي في وضع الحروف وأصواتها في أحسن الموقع ولا يمكن انتزاع كلمة ووضع آخر في مقامها بدون نقص في فصاحة الكلمة وبلاغة الكلام:

”ولما كان الأصل في نظم القرآن أن تعتبر الحروف بأصواتها وحركاتها ومواقعها من الدلالة المعنوية، استحال أن يقع في تركيبه ما يسوغ الحكم في كلمة زائدة أو حرف مضطرب أو ما يجري مجرى الحشو والاعتراض. بل نزلت كلماته منازلها على ما استقرت عليه طبيعة البلاغة ، بحيث لو نزعنا كلمة منه أو أزيلت عن وجهها ، ثم أدير على لسان العرب كله على أحسن منها في تأليفها وموقعها وسدادها ، لم يتهياً ذلك ولا اتسعت له اللغة بكلمة واحدة.“^٤

وفي هذا الموضوع وضع الزركشي في كتابه الشهير ((البرهان في علوم القرآن) باباً خاصاً بعنوان (الزيادة في بنية الكلمة)، وقد رأى الحرجاني أن العبارة الواحدة لا يساوي عبارة أخرى في نفس المعنى فقال:

”واعلم أن قولنا: الصورة انما هو تمثيل وقياس لما نعلمه بعقولنا على الذي نراه بأبصارنا ، فلما رأينا البيوت بين آحاد الأجناس تكون من جهة الصورة ، فكان بين انسان وانسان وفرس وفرس بخصوصية تكون في صورة هذا لا تكون في صورة

١. المرجع نفسه ، حاشية ص ٢٢٢

٢. المرجع نفسه ، ص ٢٢٤

٣. المرجع نفسه ، ص ٢٢٤

٤. المرجع نفسه ، ص ٢٢٤

ذاك. وكذلك كان الأمر في المصنوعات فكان بين خاتم من خاتم و سوار من سوار بذلك ، ثم وجدنا بين المعنى في أحد البيتين وبينه في الآخر بينونة في عقولنا وفرقاً عبرنا عن ذلك الفرق وتلك البينونة بأن قلنا: للمعنى في هذا صورة غير صورته في ذلك”^١

والرافعي يطبق رأي الجرجاني على الناحية الصوتية حيث قال: ”لا جرم أن المعنى الواحد يعبر عنه بألفاظ لا يحزى واحد منها في موضعه عن الآخر ان أريد شرط الفصاحة ؛ لأن لكل لفظ صوتاً ربما أشبه موقعه من الكلام ومن طبيعة المعنى الذي هو فيه والذي تساق له الجملة ، وربما اختلف وكان بغير ذلك أشبه.“^٢

ثم يقول في استعمال الألفاظ المختارة في لغة القرآن:

”فلا بد في مثل نظم القرآن من اختار معاني الجمل وانتزاع جملة ما يلائمها من ألفاظ اللغة ، بحيث لا تيند لفظة ، ولا تتخلف كلمة ؛ ثم استعمال أمسها رحماً بالمعنى ، وأفصحها في الدلالة عليه ، وأبلغها في التصوير ، وأحسنها في النسق ، وأبدعها سناء ، وأكثرها غناء ، وأصفاها رونقاً وماء ، ثم اطراد ذلك في جملة القرآن على اتساعه وما تضمن من أنواع الدلالة ووجوه التأويل ثم احكامه على أن لا مراجعة فيه ولا تسامح ، على العصمة من السهو والخطأ في الكلمة وفي الحروف من الكلمة ، حتى يجيء ما هو كأنه صيغ جملة واحدة في نفس واحد وقد أديرت معانيها على ألفاظ في لغات العرب المختلفة فلبستها مرة واحدة ، وذلك ولا ريب مما يفوت كل فوت في الصناعة ، ولا يدعيه من الخلق فرد ولا جماعة.“^٣

من وجهة نظر تقديم المعنى ننظر في الأبواب التالية ما الأساليب التي استعملها القرآن الكريم لبلاغ المعاني من حيث الكلمات ، والتراكيب ، والأصوات وغيرها.

١ . دلائل الاعجاز ، عبد القاهر الجرجاني ، تصحيح محمد رشيد رضا ، مكتبة القاهرة ، ١٩٦١ ، ص ٣٣٠

٢ . المرجع السابق ، ص ٢٢٥

٣ . المرجع نفسه

الفصل الثاني

تأثير القرآن السحري

القرآن كلام الله المعجز للناس في أسلوبه ونظمه ، وفي علومه وحكمه وفي تأثير هدايته ، وفي كيفية كشفه الحجب عن الغيوب الماضية والمستقبلية ، وان الله تعالى قد أحدث أعظم انقلاب في البشر بالقرآن ، بتأثيره في أنفس العرب ، اذ أصبحوا بعد أميئتهم أساتيد الأمم وسادتهم ولكن فقد المسلمون هدايته لجهلهم بأسرار لغته ، لأن القرآن هو معجزة لغوية ، ولفهمه جيداً يجب أن يفهم المتلقي لغته وأساليب تعبيره كي يصل الى ما يهدف القرآن وصولنا اليه .

تأثير القرآن في النفوس المتلقية كان مثل السحر . فسحر القرآن العرب منذ اليوم الأول ، سواء في ذلك السابقون الأولون الذين شرح الله صدرهم للإسلام ، و الجاحدين المنكرين الذين كانت على أبصارهم غشاوة . "واذا تجاوزنا عن النفر القليل الذين كانت شخصية محمد ﷺ وحدها هي داعيتهم الى الايمان في أول الأمر ، كزوجه خديجة ، وصديقه أبي بكر ، وابن عمه علي ، ومولاه زيد ، وأمثالهم ، فاننا نجد القرآن كان العامل الحاسم ، أو أحد العوامل الحاسمة ، في ايمان من آمنوا أوائل أيام الدعوة ، يوم لم يكن لمحمد حول ولا طول ، ويوم لم يكن للإسلام قوة ولا منعة."^١

ولفهم هذا السحر نأخذ بعض من قصص ايمان المؤمنين و جحود الكافرين ، نموذجاً من قصص كثيرة للإيمان والانكار، وهي تبين عن مدى هذا السحر في اتجاهين مختلفين، الذي يستوي في الاقرار به المؤمنون والكافرون . فلنأخذ أولاً قصة ايمان عمر^{رضي الله عنه} وفيها روايات كثيرة ، منها رواية لعطاء ومجاهد نقلها ابن اسحاق عن عبد الله بن أبي نجیح تذكر أن عمر^{رضي الله عنه} قال:

"كنت للإسلام مباعداً ، وكنت صاحب حمر في الجاهلية، أحبها وأسر بها، وكان لنا مجلس يجتمع فيه رجال من قريش... فخرجت ليلة أريد جلسائي أولئك في مجلسهم ذلك... فلم أجد منهم أحداً... فقلت: لو أنني جئت فلاناً الخمار، وخرجت فحجته، فلم أجد له... قلت: لو أنني جئت الكعبة فظفت بها سبعاً أو سبعين... فجئت المسجد أريد أن أطوف بالكعبة، فاذا رسول الله ﷺ قائم يصلي، وكان اذا صلى استقبال الشام، وجعل الكعبة بينه وبين الشام، وكان مصلاه بين الركنين: الركن الأسود، والركن اليماني... فقلت حين رأيته: والله لو أنني استمعت لمحمد الليلة حتى أسمع ما يقول!... فقلت: لئن دنوت منه أستمع لأروعه،

فجئت من قبل الحجر، فدخلت تحت ثيابها، فجعلت أمشي رويداً، ورسول الله ﷺ قائم يصلي يقرأ القرآن، حتى قمت في قبلته مستقبلاً، ما بيني وبينه الا ثياب الكعبة... فلما سمعت القرآن رقب له قلبي، فبكيت ودخلني الاسلام^١

ويزيد فيه صاحب الروض الأنفس: "فاستفتح سورة الحاقة، فجعلت أتعجب من تأليف القرآن... قلت: هذا والله شاعر، كما قالت قريش، فقرأ: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ﴾... قلت: كاهن علم ما في نفسي، فقال: ﴿وَلَا يَقُولُ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ الى آخر السورة قال: فوقع الاسلام في قلبي كل موقع.^٢

ومنها رواية لابن اسحاق تقول ما ملخصه: ان عمر خرج متوشحاً بسيفه يريد رسول الله ﷺ ورهطاً من أصحابه قد اجتمعوا في بيت عند الصفا، وهم قريب من أربعين بين رجال ونساء. وفي الطريق لقيه نعيم بن عبد الله فسأله عن وجهته، فأخبره بغرضه، فحذره بنى عبد مناف، ودعاه أن يرجع الى بعض أهله: حنته سعيد بن زيد بن عمرو، وأخته فاطمة بنت الخطاب زوج سعيد، فقد صبا عن دينهما. فذهب اليهما عمر، وهناك سمع خباباً يتلو عليهما القرآن، فاقتحم الباب، وبطش بختنه سعيد، وشجّ أخته فاطمة... ثم أخذ الصحيفة بعد حوار، وفيها سورة طه، فلما قرأ صدرها منها قال: "ما أحسن هذا الكلام وأكرمه!"^٣ ثم ذهب الى النبي ﷺ فأعلن اسلامه. فكبر النبي تكبيرة عرف أهل البيت من أصحابه أن عمر قد أسلم.

وكذلك ذكر البزار في اسلام عمر أنه قال: "فلما أخذت الصحيفة، فاذا فيها: بسم الله الرحمن الرحيم، فجعلت أفكر: من أي شيء اشتق، ثم قرأت فيها: ﴿سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ أول الحديد. وجعلت أقرأ وأفكر حتى بلغت: ﴿آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ الحديد. فقلت: أشهد أن لا اله الا الله وأن محمداً عبده ورسوله.^٤

وكل روايات تجمع على أنه سمع أو قرأ شيئاً من القرآن، فكان هذا داعيه الى الاسلام. وبالطبع هناك عوامل نفسيه أخرى، ولكن هذه العوامل لا تنفي أنه كان لسحر القرآن ذلك الأثر الحاسم في الاسراع به الى الاسلام.

وكذلك نجد جبير بن مطعم قال: "سمعت النبي ﷺ يقرأ في المغرب بالطور، فلما بلغ هذه

١. السيرة النبوية، ابن هشام، ص ١١٦-١١٧، على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=2039&page=1
٢. الروض الأنف؛ عبدالرحمن بن عبد الله بن أحمد السهيلي، ص ١٦٩، على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=367&page=1>
٣. الكامل في التاريخ، ابن الأثير، ص ٢٦٨، على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=32&page=1>
٤. السيرة النبوية لابن اسحاق ص ٦١-٦٤ على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=23&page=1> المرجع السابق

الآية: ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُضْطَرُونَ﴾^١ كاد قلبي أن يطير^٢

وجبير بن مطعم كان قد قدم على النبي ﷺ بعد وقعة بدر في فداء الأسارى، وكان إذ ذاك مشركاً، فكان سماعه هذه الآية من هذه السورة من جملة ما حملة على الدخول في الاسلام بعد ذلك.^٣

والآن قصة تولي الوليد بن المغيرة. فيها روايات كثيرة ملخصها: ان الوليد بن المغيرة سمع شيئاً من القرآن الكريم فكانت ريق له فقالت قريش: صبأ والله الوليد، ولتصيون قريش كلهم. فأوفدوا اليه أبا جهل يثير كبرياءه واعتزازه بنسبه وماله ويطلب اليه أن يقول في القرآن قولاً يعلم به قومه أنه له كاره. قال: فما ذا أقول فيه؟ فوالله ما منكم رجل أعلم مني بالشعر ولا برجزه ولا بقصيده ولا بأشعار الجن. والله ما يشبه الذي يقوله شيئاً من هذا. والله لقد سمعت منه كلاماً ما هو من كلام الانس ولا من كلام الجن، وان له لحلاوة، وان عليه لطلاوة، وان أعلاه لمثمر، وان أسفله لمغدق، وانه ليعلو وما يُعلَى عليه. قال أبو جهل: والله لا يرضى قومك حتى تقول فيه. قال: فدعنى أفكر فيه. فلما فكر قال: ما هو الا ساحر!. أما رأيتموه يفرق بين الرجل وأهله وولده ومواليه؟!^٤

وفي ذلك يقول القرآن الكريم:

﴿ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ • فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ • ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ • ثُمَّ نَظَرَ • ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ • ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ • فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ • ﴾^٥

يقول سيد قطب: "سحر يؤثر، يفرق بين الرجل وأهله وولده ومواليه.. تلك قول رجل يتقاعس عن الاسلام، ويتكبر أن يسلم لمحمد ﷺ، ويعتز بنسبه وماله وولده. وليست قول رجل آمن، فهو يعلل ايمانه بهذا السحر الذي لا يغالب."^٦

وهناك قصة عتبة بن ربيعة أنه ذهب الى الرسول ﷺ رجاء أنه يعرض عليه أموراً لعله يقبل بعضها فيعطيه قومه أيها شاء ويكف عنهم. فذهب عتبة الى الرسول ﷺ:

"فقال يا ابن أخي، انك منا حيث قد علمت من السلطة في العشيرة والمكان في

١. القرآن؛ س: الطور؛ الآية: ٣٥-٣٧

٢. تفسير القرآن لابن كثير؛ س: الطور؛ الآيات: ٣٥-٣٧، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

٣. المرجع نفسه

٤. الجامع لأحكام القرآن، القرطبي، س: المدثر؛ الآية: ١٩، ص ١

٥. القرآن؛ س: المدثر؛ آيات: ١٨-٢٤

٦. التصوير الفني في القرآن الكريم، ص ١٢

النسب وانك قد أتيت قومك بأمر عظيم فرقت به جماعتهم وسفهت به أحلامهم وعبت به آلهتهم ودينهم وكفرت به من مضى من آبائهم فاسمع مني أعرض عليك أموراً تنظر فيها لعلك تقبل منها بعضها. قال فقال له رسول الله ﷺ قل يا أبا الوليد أسمع قال يا ابن أخي ، ان كنت انما تريد بما جئت به من هذا الأمر مالا جمعنا لك من أموالنا حتى تكون أكثرنا مالا ، وان كنت تريد به شرفاً سودناك علينا، حتى لا نقطع أمراً دونك ، وان كنت تريد به ملكاً ملكناك علينا، وان كان هذا الذي يأتيك رئياً تراه لا تستطيع رده عن نفسك ، طلبنا لك الطب ، وبذلنا فيه أموالنا حتى نبرئك منه فانه ربما غلب التابع على الرجل حتى يداوي منه أو كما قال له .

حتى اذا فرغ عتبة ورسول الله ﷺ يستمع منه قال أقد فرغت يا أبا الوليد؟ قال نعم. قال فاسمع مني. قال افعل. فقال بسم الله الرحمن الرحيم:

﴿حَمْدٌ • تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ • كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ • بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ • وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ ...﴾^١

ثم مضى رسول الله ﷺ فيها يقرؤها عليه . فلما سمعها منه عتبة أنصت لها ، وألقى يديه خلف ظهره معتمداً عليها يسمع منه ثم انتهى رسول الله ﷺ الى السجدة منها، فسجد ثم قال قد سمعت يا أبا الوليد ما سمعت فأنت وذاك.

فقام عتبة الى أصحابه فقال بعضهم لبعض نحلف بالله لو قد جاءكم أبو الوليد بغير الوجه الذي ذهب به . فلما جلس اليهم قالوا: ما وراءك يا أبا الوليد؟ قال ورائي أنني قد سمعت قولاً واللّه ما سمعت مثله قط ، واللّه ما هو بالشعر ولا بالسحر ولا بالكهانة يا معشر قريش ، أطيعوني واجعلوها بي ، وخلوا بين هذا الرجل وبين ما هو فيه فاعتزلوه فواللّه ليكونن لقوله الذي سمعت منه نبأ عظيم فان تصبه العرب فقد كفيتموه بغيركم وان يظهر على العرب فملكه ملككم وعزه عزكم وكنتم أسعد الناس به قالوا: سحرك واللّه يا أبا الوليد بلسانه^٢

فهنا اقرار من الشخصيات القوية لتأثير القرآن في نفوسهم، فتشرح التقوى صدر عمر للاسلام وجبير بن مطعم، وتصد الكبرياء الوليد بن المغيرة وعتبة بن ربيعة عن الاذعان ؛ ويذهبون في طرقهم متدابرين بعد التقاء في نقطة واحدة — نقطة الاقرار بسحر القرآن . ولا شك أن لسماح القرآن سحر للقلوب وسلطان عليها ، ولذة لا تقاوم ؛ حتى حذر الكفار

١ . القرآن ؛ س: فصلت ؛ الآية: ١-٥

٢ . السيرة النبوية لابن هشام، ص ٩٤

أتباعهم من سماع القرآن لما يعلمون من صدقه وسلطانه على القلوب، حيث حكى القرآن الكريم عنهم فقال:

﴿ لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴾^١

”ولا شك أن قولهم هذا دليل واضح على خوفهم من تأثير القرآن في القلوب، هذا التأثير الذي حمل كثيراً منهم عند سماعه على الدخول في الإسلام ونبذ الكفر والكافرين. كما يدل على أنهم لعجزهم عن معارضته، وعن الاتيان بسورة من مثله، لجأوا الى تلك الأساليب السخيفة لصرف الناس عن سماع القرآن الكريم“^٢

فان هذا ليدل على الخوف الذي كان يضطرب في نفوسهم من تأثير هذا القرآن فيهم وفي أتباعهم، وهم يرون هؤلاء الأتباع يسحرون ليلاً ونهاراً من تأثير الآيات والسور، يتلوها محمد أو من أتباعه السابقين الأولين بالايمان، فتحضخ لها الأفئدة، وتحذب اليها النفوس.

وذكر ابن عاشور أن أئمة الكفر يقولون لعامتهم: ”لا تسمعوا لهذا القرآن، فانهم علموا أن القرآن كلام هو أكمل الكلام شريف معان وبلاغة تراكيب وفصاحة ألفاظ، وأيقنوا أن كل من يسمعه وتداخل نفسه جزالة ألفاظه وسُمُو أغراضه قضى له فهمه أنه حق اتباعه، وقد أدركوا ذلك بأنفسهم ولكنهم غالبتهم محبة الدوام على سيادة قومهم فتمالوا ودبروا تدبيراً لمنع الناس من استماعه، وذلك خشية من أن ترق قلوبهم عند سماع القرآن فصرفوهم عن سماعه.“^٣

وما قال رؤساء قريش لأتباعهم وأشياعهم هذا القول وهم في نحوه من سحر القرآن. ”فلولا أنهم أحسوا في أعماقهم هزة روعتهم، ما أمروا أتباعهم هذا الأمر، وما أشاعوا في قومهم بهذا التحذير، الذي هو أدل من كل قول على عمق التأثير.“^٤

ولقد قالوا الحاحاً للانكار كما حكى عنهم القرآن:

﴿ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمَلَّى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴾^٥

وأيضاً قالوا:

﴿ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴾^٦

-
١. القرآن؛ س: فصلت؛ آية: ٢٦
 ٢. الوسيط في تفسير القرآن، طنطاوي، س: فصلت؛ الآية: ٢٦، ص ٢، على الموقع www.altafsir.com/Tafsir
 ٣. التحرير والتنوير، ابن عاشور، س: فصلت؛ آية: ٢٦، ص ١ على الموقع www.altafsir.com/Tafsir.asp
 ٤. التصوير الفني في القرآن، ص ١٣
 ٥. القرآن؛ س: الفرقان؛ آية: ٥
 ٦. القرآن؛ س: الأنفال؛ آية: ٣١

وقالوا مزيداً:

﴿أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِيٍّ افْتَرَاهُ بَلٌّ هُوَ شَاعِرٌ﴾^١

فتحذاهم مرة بقوله تعالى:

﴿قُلْ فَاتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِثْلِهِ مُفْتَرِيْنَ﴾^٢

ومرة بقوله تعالى:

﴿قُلْ فَاتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ﴾^٣

ولكنهم لم يأتوا بعشر سور ولا بسورة مفردة! ولم يحاولوا هذه المحاولة أصلاً الا ما قيل من محاولة بعض المتنبئين بعد محمد ﷺ وليس هذا من الجد في شيء، ولا يجوز أن يحسب له في هذا المجال حساب.

ونجد بعض الصور في القرآن لتأثيره في نفوس بعض الذين أتوا العلم من قبله، وبعض الذين صغت قلوبهم اليه. فمن ذلك ما جاء في صدد الحديث عن اليهود والنصارى:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى ذَلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَّيْنَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ٥ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾^٤

فتلك صورة من الصور الوجدانية لسماع القرآن. وان للطريقة التي يعرض بها هذا الحق لأثر لا شك فيه يفصح عنه ما ورد في موضع آخر:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَسْكَبُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا﴾^٥

وكذلك هذه الصورة عن الذين يخشون ربهم:

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾^٦

١. القرآن؛ س: الأنبياء؛ آية: ٥

٢. القرآن؛ س: هود؛ آية: ١٣

٣. القرآن؛ س: يونس؛ آية: ٣٨

٤. القرآن؛ س: المائدة؛ آيات: ٨٢ — ٨٣

٥. القرآن؛ س: الاسراء؛ آيات: ١٠٧ — ١٠٩

٦. القرآن؛ س: الزمر؛ آية: ٢٣

فهكذا ﴿ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ و ﴿ يَخْرُونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴾ و ﴿ تَرَى أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ ﴾ ... فهو التأثير الذي يلمس الوجدان ، ويحرك المشاعر ، ويفيض الدموع . يسمعه الذين تهبأوا للايمان فيسارعون اليه خاشعين . ويسمعه الذين يستكبرون عن الاذعان فيقولون: ﴿ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴾ أو يقولون: ﴿ لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴾ فيقرون بالاعجاز وهم لا يشعرون .

ويقول الله تعالى عن مظاهر التأثير بالقرآن عند المشركين:

﴿ وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴾^١

يقول الدكتور محمد عطا أحمد يوسف:

”حركة اشتمزاز القلوب حركة داخلية لا نراها ، بل ولا نستطيع أن نتخيلها ، ولأن عالماً من علماء النفس مزج علمه النفسي بعلوم التشريح والأشعة وعلوم الطب الحديثة فرصد لنا حركة القلب وقت سماع صاحبه لآيات القرآن لكشف لنا عن عجائب قدرة الخالق ، وعن مدى تأثير قرآنه في نفوس البشر ، حتى الكافرين به منهم ، واما الاستبشار ، والبشر والسرور ، فهذا شيء نرى أثره في نفوسنا ، ومظهره في قسامات الوجوه ، وان كنا نجهل كنهه أيضاً“^٢

ثم يقول عن تعرض الآية مظهرين متناقضين من مظاهر التأثير بالقرآن عند المشركين: ”الأول: نفور داخلي ، وضيق قلبي ، عبر عنه القرآن بالاشتمزاز ، وذلك لمطالبتة المشركين بوحدانية الله سبحانه وتعالى .

الثاني: بشر وانبساط في النفس وانفراج في الأسارير والوجه اذا ذكر لهم الأنداد والأوثان والأصنام من دون الله سبحانه ، ودلالة ذلك الواضحة وثمرته القريبة: هو الكشف عما تخفيه نفوسهم من تناقض وتنافر حيال ما يسمعون والله أعلم“^٣

ويقول الخطابي عن تأثير القرآن في القلوب المتلقية: ”وقد قلت في اعجاز القرآن وجهاً ذهب عنه الناس وهو صنيعة في القلوب وتأثيره في النفوس فانك لا تسمع كلاماً غير القرآن منظوماً ولا منشوراً اذا قرع السمع خلص له الى القلب من اللذة والحلاوة في حال ذوي الروعة والمهابة

١ . القرآن ؛ س: الزمر؛ الآية: ٤٥

٢ . مجلة الشريعة والدراسات الاسلامية - العدد السادس والثلاثون - ديسمبر ١٩٩٨ م ، المقال: الاعجاز

التأثيري للقرآن الكريم: دراسة تاريخية وتطبيقية من القرآن والسيرة النبوية، د. عطا أحمد يوسف

على الموقع http://www.55a.net/firas/arabic/index.php?page=show_det&id=803&select_page=9

٣ . المرجع نفسه

في حال آخر ما يخلص منه اليه ، تستبشر منه النفوس وتنشرح له الصدور حتى اذا أخذت حظها منه ، عادت مرتاعه قد عراها من الوجيب والقلق ويغشاها الخوف والفرق تقشعر منه الجلود وتنزع له القلوب ، يحول بين النفس وبين مضمراتها وعقائدها الراسخة فيها^١

أمر الله سبحانه وتعالى في كتابه بالحرص على اسماع المشركين القرآن الكريم ، ليكون ذلك عوناً على دعوتهم للإسلام ، قال ابن حجر: ”ولا خلاف بين العقلاء ان كتاب الله معجز ، لم يقدر أحد على معارضته بعد تحديهم بذلك ، قال تعالى: ﴿ وان أحد من المشركين استجارك فأجره حتى يسمع كلام الله ثم أبلغه مأمنه ﴾^٢ فلو لا ان سماعه حجة عليه لم يقف أمره على سماعه ، ولا يكون حجة الا وهو معجزة“^٣

وهناك مظاهر أثر القرآن الكريم على الجماد كذلك. فقال تعالى:

﴿ لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ... ﴾^٤

يقول طنطاوي معناه: ”لو أنزلنا - على سبل الفرض والتقدير - هذا القرآن العظيم الشأن على جبل من الجبال العالية الشامخة الصلبة وحاطبناه به لرأيت - أيها العاقل - هذا الجبل الذي هو مثال في الشدة والغلظة والضخامة وعدم التأثر... لرأيته متذلاً متشققاً من شدة الخوف من الله - تعالى - ومن خشيته.“^٥

وقال الألوسي: ”وهذا تمثيل لعلو شأن القرآن ، وقوة تأثيره ، والغرض من هذه الآية توبيخ الانسان على قسوة قلبه ، وقلة تخشعه عند تلاوة القرآن الكريم ، وتدبر ما فيه من القوارع ، وهو الذي لو أنزل على جبل وقد ركب فيه العقل لخشع وتصدع.“^٦

ويقول ابن عاشور: ”و ضرب التصدع مثلاً لشدة الانفعال والتأثر لأن منتهى تأثر الأجسام الصلبة أن تنشق وتتصدع اذ لا يحصل ذلك لها بسهولة“^٧ ويقول سيد قطب قبل تفسير هذه الآية: ”ثم يحيىء الايقاع الذي يتخلل القلب ويهزه ؛ وهو يعرض أثر القرآن في الصخر الجامد لو تنزل

١ . الاتقان في علوم القرآن ، ص ٣٧٤ على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=4&page=1>

وانظر مقال: صلة النقد العربي بالتلقي ، د. محمد المبارك ، على العنوان

www.balagh.com/mosoa/fonon/d11e1ude.htm

٢ . القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ٦

٣ . المرجع السابق ، ص ١١٧

٤ . القرآن ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٢١

٥ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الحشر ؛ الآية: ٢١ ، ص ٣

٦ . روح المعاني ، س: الحشر ؛ الآية: ٢١ ، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

٧ . التحرير والتنوير ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٢١

عليه^٨ ثم يقول:

”وهي صورة تمثل حقيقة . فان لهذا القرآن لثقلًا وسلطانًا وأثرًا مزلزلاً لا يثبت له شيء يتلقاه بحقيقته . ولقد وجد عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - ما وجد، عندما سمع قارئاً يقرأ:

﴿ وَالطُّورِ ۝ وَكِتَابٍ مُّسْتُورٍ ۝ فِي رِيقٍ مَّنْشُورٍ ۝ وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ ۝
وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ۝ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۝ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَا لَهُ
مِنْ دَافِعٍ ۝ ﴾^١

فارتكن الى الجدار . ثم عاد الى بيته يعود به الناس شهراً مما ألم به!
واللحظات التي يكون فيها الكيان الانساني متفتحة لتلقي شيء من حقيقة القرآن
يهتز فيها اهتزازاً ويرتجف ارتجافاً . ويقع فيه من التغيرات والتحويلات ما يمثله في
عالم المادة فعل المغنطيس والكهرباء بالأجسام . أو أشد .
والله خالق الجبال ومنزل القرآن يقول: ﴿ لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ
خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۝ ﴾ .. والذي أحسوا شيئاً من مس القرآن في
كيانهم يتذوقون هذه الحقيقة تذوقاً لا يعبر عنه الا هذا النص القرآني المشعر
الموحي^٢.

فللسمع مذاق لا يعرفه الا من ذاقه ؛ لأن الصمت وسكون الجوارح أدى لعمل القلب . حتى ان
رسول الله ﷺ لم يطق أن يحرم لذة سماع القرآن رغم أنه عليه أنزل القرآن . فعن عبدالله بن
مسعود^٣ قال: ((قال لي النبي ﷺ: اقرأ عليّ القرآن ، فقلت: يا رسول الله اقرأ عليه وعليك أنزل؟
قال: اني أحب أن أسمعه لمن غيري، فقرأت عليه سورة النساء ، حتى جئت الى هذه الآية:
﴿ فكيف اذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيداً ﴾^٤ قال: حسبك الآن، فالتفت
اليه فاذا عيناه تذر فان.))^٤

٨ . في ظلال القرآن ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٢١ ، ص ١٦ ، على الموقع www.altafsisir.com/Tafasir.asp

١ . القرآن ؛ س: الطور ؛ الآيات: ١-٨

٢ . المرجع السابق ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٢١ ، ص ١٧

٣ . القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ٤١

٤ . صحيح البخاري: كتاب فضائل القرآن: باب من أحب أن يسمع القرآن من غيره، حديث رقم ٥١٠٤

ويقول ابن حجر العسقلاني تعليقاً على هذا الحديث: "يحتمل أن يكون الرسول قد أحب أن يسمعه من غيره ليكون عرضاً، القرآن سنة، ويحتمل أن يكون لكي يتدبره ويفهمه، وذلك أن المستمع أقوى على التدبر، ونفسه أنشط لذلك من القارئ لاشتغاله بالقراءة وأحكامها..."^٥

وهذا كان أثر القرآن السحري في النفوس منذ اليوم الأول من نزوله. والمصدر لهذا التأثير يكمن في لغته المعجزة نناقش عنه في الفصل التالي.

١. فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب فضائل القرآن، أبو الفضل أحمد بن علاء الدين ابن حجر العسقلاني، على الموقع <http://www.al-eman.com/hadeeth/viewchp.asp?BID=12&CID=439#s1>

الفصل الثالث

مصدر التأثير السحري في القرآن

رأينا أن القرآن قد استولى على العرب استيلاءً كاملاً . واجتمع على الاقرار بتأثيره السحري المؤمنون والكافرون سويًا.

وفي دراسة علوم القرآن نجد بعض الباحثين في مزايا القرآن ، ينظر اليه جملة ثم يتكلم عن سبب هذا التأثير في نسقه الفني، وبعضهم يذكر غير النسق الفني للقرآن أسباباً أخرى يستمدّها من موضوعاته بعد أن صار كاملاً : منها تشريع دقيق صالح لكل زمان ومكان ، وأخبار عن الغيب يتحقق بعد أعوام ، وعلوم كونية في خلق الكون والانسان .

ولكن نجد شواهد تبين أن هذا التأثير السحري في نفوس العرب ظهرت قبل تكميل نزول القرآن كله وفي السور القلائل الأولى التي لا تشريع فيها ولا غيب ولا علوم . وكذلك أنه لا تجمع بطبيعة الحال كل المزايا المتفرقة في القرآن . ان هذه السور القلائل قد سحر العرب بها منذ الأيام الأولى ، وفي حين لم ينزل بعد التشريع المحكم ولا الأغراض الكبرى .

لا بد اذن أن تلك السور القلائل كانت تحتوي على العنصر الذي يسحر المستمعين ، ويستولي على المؤمنين والكافرين . واذا حسب الأثر القرآني في اسلام المسلمين ، فهذه السور الأولى تفوز منه بالنصيب الأوفى ، مهما يكن عدد المسلمين من القلة في ذاك الأوان . ذلك أنهم اذ ذاك تأثروا بهذا القرآن وحده — على الأغلب — فأمنوا . أما أكثرهم أسلموا بعد أن ظهر المسلمون ، وبعد أن غلب الدين ، فقد كان أمامها بجانب القرآن عوامل أخرى يتأثر بها من يسلم . ولم يكن القرآن وحده هو العامل الحاسم في اسلامهم ، كما كان ذلك أيام الدعوة الأولى .

آمن بعضهم لأنهم تأثروا بأخلاق الرسول ﷺ وأخلاق صحابته رضوان الله عليهم . وآمن بعضهم لأنهم وجدوا المسلمين يحتملون الأذى والظنك والعذاب ، ويتركون المال والأهل والأصحاب ، لينجوا بدينهم ، ويفروا به الى ربهم .

وآمن بعضهم لأنهم وجدوا محمداً ﷺ — ومعه قلة — لا يغلبهم أحد ، وأن الله ناصرهم وحافظهم من كيد الكائدين .

وآمن بعضهم ما طبقت شريعة الاسلام فرأوا فيها من العدل والسماحة ما لم يروه من قبل في نظام .

وآمن غيرهم على طرائق شتى ، قد يكون السحر القرآني عنصراً من عناصرها ، ولكنه ليس العنصر الحاسم فيها ، كما كان في أيام الدعوة الأولى^١ .

يجب اذن أن نبحث عن (منبع السحر في القرآن) قبل التشريع المحكم ، وقبل النبوءة الغيبية ، وقبل العلوم الكونية ، وقبل أن يصبح القرآن وحدة مكتملة تشمل هذا كله . فقليل القرآن الذي كان في أيام الدعوة الأولى ، والذي قالوا عنه (ان هذا الاسحر يؤثر) كان مجرداً من هذه الأشياء التي جاءت فيما بعد . ومع ذلك كان محتوياً على هذا النبع الأصيل الذي تذوقه العرب ، فقالوا: ان هذا الاسحر يؤثر.

قصة تولى الوليد بن المغيرة واردة في سورة ((المدثر)) — وهي السورة الثالثة غالباً في ترتيب النزول ، سبقتها سورة ((العلق)) وسورة ((المزمل)) أو هي على العموم من السور الأولى في القرآن.^١

فلننظر في هذه السور لئرى أي سحر كان فيها اضطرب له الوليد هذا الاضطراب . اننا نقرأ الآيات المكية في هذه السور فلا تجد فيها تشريعاً محكماً ، ولا علوماً كونية — الا اشارة خفيفة في السورة الأولى لخلق الانسان من علق — ولا نجد اخباراً بالغيب يقع بعد سنين كالذي ورد في سورة ((الروم)) وهي السورة الرابعة والثمانون.

اذن لا بد أن التأثير الذي عناه كان كامناً في مظهر آخر غير التشريع والغيبيات والعلوم الكونية . فلننظر في السورة الأولى : سورة ((العلق)) انها تضم خمس عشرة فاصلة قصيرة ، ربما يلوح في أول الأمر أنها تشبه ((سجع الكهان)) أو ((حكمة السحاج)) مما كان معروفاً عند العرب اذ ذاك.

ولكن الهدف في سجع الكهان وحكمة السحاج أنها حمل متناثرة ، لا رابط بينها ولا اتساق . وليست هذا هو الشأن في ((سورة العلق)) فهذا نسق متساق ، يربط فواصله تناسق داخلي دقيق.^٢

فننظر الى سورة العلق مع تعليق ملخص من (في ظلال القرآن) لسيد قطب . هذه هي السورة الأولى في القرآن ، فناسب أن يستفتحها بالاقرار ، وباسم الله : الاقراء ، للقرآن ؛ واسم الله ، لأنه هو الذى يدعو باسمه الى الدين . والله ((رب)) فالقراءة للتربية والتعليم :

﴿ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ ﴾^٣

وانها لبدء للدعوة ، فليختر من صفات ((الرب)) صفته التي بها معنى البدء بالحياة :

١ . الاتقان في علوم القرآن ؛ النوع السابع: معرفة أول ما نزل ، ص ٢٥

وكذلك: أسرار ترتيب القرآن، للسيوطي، سورة المدثر، ص ٢٠ ،

على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=1104&page=1>

٢ . المرجع السابق ص ١٧

٣ . القرآن ؛ س:العلق ؛ آية: ١

﴿ الَّذِي خَلَقَ ﴾^١

.. وليبدأ من الخلق بمرحلة أولية صغيرة :

﴿ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴾^٢

منشأ صغير حقير، ولكن الرب الخالق كريم، كريم جداً فقد رفع هذا العلق الى انسان كامل، يُعَلِّمُ فَيَتَعَلَّمُ :

﴿ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ • الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ • عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ • ﴾^٣

وانها لنقلة بعيدة بين ذلك المنشأ وهذا المصير . وهي تصور هكذا مفاجأة بلا تدرج ، وتغفل المراحل التي توالت بين المنشأ والمصير . لتلمس الوجدان الانساني لمسمة قوية في مجال الدعوة الدينية ، وفي مجال التأملات الوجدانية .

ولقد كان المتوقع أن يعرف الانسان هذا الفضل العظيم ، وأن يشعر بتلك النقلة البعيدة . ولكن :

﴿ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ • أَنْ رَأَاهُ اسْتَغْنَى • ﴾^٤

لقد برزت اذن صورة الانسان الطاغى الذي نسي منشأه وأبطره الغنى ، فالتعقيب التهديدي السريع على بروز هذه الصورة هو :

﴿ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ • ﴾^٥

فاذا رُدَّ الأمر الى نصابه هكذا سريعاً ، لم يكن هناك ما يمنع من المضى في حديث الطغيان الانساني ، واكمال الصورة الأولى . ان هذا الانسان الذي يطغى ، ليتجاوز بطغيانه نفسه الى سواه :

﴿ أَرَأَيْتَ الَّذِي يُنْهَىٰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ • ﴾^٦

أرأيت ؟ انها لكبيرة ! وانها لتبدو أكبر اذا كان هذا العبد على الهدى أمراً بالتقوى :

﴿ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَىٰ الْهُدَىٰ • أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ • ﴾^٧

فما بال هذا المخلوق الانساني غافلاً عن كل شيء غفلته عن نشأته ونقلته ؟

١ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آية: ١

٢ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آية: ٢

٣ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آيات: ٣-٥

٤ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آيات: ٦-٧

٥ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آية: ٨

٦ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آيات: ٩-١٠

٧ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آيات: ١١-١٢

﴿ أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ۖ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَى ﴾^١

فالتهديد اذن يأتي في ابانة :

﴿ كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعُنَّ بِالْأَنصِيَّةِ ﴾^٢

هكذا ((لنسفعن)) بذلك اللفظ الشديد المصور بحرسه لمعناه . وانه لأوقع من مرادفه : لنأخذنه بشدة . و((لنسفعن بالناصية)) صورة حسية للأخذ السريع ، ومن أعلى مكان يرفعه الطاغية المتكبر ، من مقدم الرأس المتشامخ . انها ناصية تستحق السفع :

﴿ نَاصِيَةٌ كَاذِبَةٌ خَاطِئَةٌ ﴾^٣

وانها للحظة سفع وصرع ، فقد يخطر له أن يدعو من يعتز بهم من أهله وصحبه :

﴿ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴾^٤

ومن فيه ، أما نحن فاننا:

﴿ سَنَدْعُو الزَّبَانِيَةَ ﴾^٥

وهنا يخيل السياق للسامع صورة معركة بين المدعوين : بين الزبانية وأهل نادية ؛ وهي معركة تخيلية تشغل الحس والخيال ، ولكنها على هذا النحو معروفة المصير ! فلترك لمصيرها المعروف ؛ وليمض صاحب الرسالة في رسالته ، غير متأثر بطغيان الطاغية وتكذيده:

﴿ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴾^٦

هذا ابتداء قوى منذ اللحظة الأولى للدعوة . وهذه الفواصل التي تبدو في الظاهر متناثرة ، هي هكذا — من الداخل — متناسقة . وهذا نسق من القرآن في السورة الأولى ، ، الشبيهة في ظاهرها بسجع الكهان ، أو حكمة السجاع.^٧

فلننظر في السورة الثانية : وهي غالباً سورة المزمّل ، كما قال البقاعي : ” ولما كانت هذه السورة من أول ما نزل والدين ضعيف وأهله في غاية القلة والذلة ...“ فلعلها هي التي سمعها الوليد بن المغيرة ، فقال قوله المشهورة .

١ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آيات: ١٣-١٤

٢ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آية: ١٥

٣ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آية: ١٦

٤ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آية: ١٧

٥ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آية: ١٨

٦ . القرآن ؛ س: العلق ؛ آية: ١٩

٧ . في ظلال القرآن، س: العلق ص ٩٥ و ٩٠ - ١٠

﴿ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ • وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا • إِنَّا
 أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا •
 فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلاً • فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ
 يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا • السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا • إِنَّ
 هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴾^١

فننظر الى هذا المقطع من الخطاب القرآني خلال أقوال المفسرين:

”فها هي ذي صورة للهول تتجاوز الناس الى الأرض في أكبر مجاليتها. فترجف وتخاف وتفتت وتنهار“^٢ ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ • وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا •﴾ “فليتمل الخيال —

ان استطاع — صورة ذلك الهول الذي ترتجف له الطبيعة في أكبر مجاليتها: الأرض والجبال.“^٣

”واعلم أنه تعالى لما خوّف المكذبين أولي النعمة بأحوال القيامة خوّفهم بعد ذلك بأحوال الدنيا.“^٤ ويلتفت السياق ”أمّام مشهد الهول المفزع ، الى المكذبين أولي النعمة ، يذكرهم

فرعون الجبار، وكيف أخذه أخذ عزيز قهار“^٥ ثم يذكر — سبحانه — بعد ذلك هؤلاء المكذبين

بما حل بالمكذبين من قبلهم ، فيقول: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا •﴾ “هكذا في اختصار يهز قلوبهم ويخلعها خلعا ، بعد مشهد الأرض والجبال

وهي ترجف وتنهار.“^٦ ”وانا لا نعرضكم لهذا اليوم الا بعد أن نرسل لكم رسولا يحاول

هدايتكم، ويشهد عليكم“^٧ ”والمقصود بهذا الخبر التعريض بالتهديد أن يصيبهم مثل ما أصاب

أمثالهم ممن كذبوا الرسل فهو مثل مضروب للمشركين... وأدمج في التنظير والتهديد وصف الرسول ﷺ بكونه شاهداً عليهم.“^٨ ”وانكم لتدلون بقوتكم، فأين أنتم من فرعون في قوته؟

﴿فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيلاً﴾ أفتريدون أن تؤخذوا اذن كما أخذ فرعون

١. القرآن ؛ س:المزمل ؛ آيات: ١٤ — ١٩

٢. في ظلال القرآن ، س:المزمل الآية: ١٤ ، ص ٩

٣. التصوير الفني في القران ، ص ١٩-٢٠

٤. مفاتيح الغيب ، فخر الدين الرازي ؛ س:المزمل ؛ الآية: ١٤ على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

٥. في ظلال القرآن ، س:المزمل ؛ الآية: ١٥ ، ص ٩

٦. المرجع نفسه

٧. التصوير الفني في القران ، ص ١٩-٢٠

٨. التحرير والتنوير ، س:المزمل ؛ الآية: ١٥

القوى؟“^١ ”والمقصود من هاتين الآيتين ، تهديد المشركين ، بأنهم اذا ما استمروا في تكذيبهم لرسولهم ، محمد ﷺ فقد يصيبهم من العذاب ما أصاب فرعون عندما عصى موسى عليه السلام.“^٢ ”واذا انتهت هذه الدنيا ﴿فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝ السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ﴾ ان صورة الهول هنا لتفطر لها السماء ، ومن قبل ارتجفت لها الأرض والجبال ، وانها لتشيب الولدان . وانه لهول ترتسم صورة في الطبيعة الصامتة ، وفي الانسانية الحية . وعلى الخيال أن يتملّى هذه الصور الشاحصة ؛ وانه ليتملاها فيهتر لها الوجدان“^٣ ”والمقصود بهاتين الآيتين — أيضاً — تأكيد التهديد للمشركين ، حتّى يقلعوا عن شركهم وكفرهم .. أي : اذا كان الأمر كما ذكرنا لكم من سوء عاقبة المكذبين ، فكيف تصونون أنفسكم — اذا ما بقيتم على كفركم — من عذاب يوم هائل شديد ، هذا اليوم من صفاته أنه يحول الشعر الشديد السواد للولدان ، الى شعر شديد البياض .. وهذا اليوم من صفاته — أيضاً — أنه لشدة هول ، أن السماء — مع عظمها وصلابتها — تصير شيئاً منفطراً — أي : متشققاً [به] أي : فيه“^٤ ”ووصف اليوم بأنه ﴿يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا﴾ ووصف له باعتبار ما يقع فيه من الأحوال والأحزان ، لأنه شاع أن الهم مما يسرع به الشيب فلما أريد وصف هم ذلك اليوم بالشدة البالغة أقواها أسند اليه يشيب الولدان الذين شعرهم في أول سواده . وهذه مبالغة عجيبة وهي من مبتكرات القرآن فيما أحسب ، لأنني لم أر هذا المعنى في كلام العرب ... والشيب كناية عن هذا الهول...“^٥ ”وذكر انفطار السماء في ذلك اليوم زيادة في تهويل أحواله لأن ذلك يزيد المهتدين رعباً وان لم يكن انفطار السماء من آثار أعمالهم ولا له أثر في زيادة نكالهم.“^٦

ولعلّ العدول في الآية عن الاستعمال الشائع في الكلام الفصيح في اجراء السماء على التأنيث ، الى التذكير ”اشاراً لتخفيف الوصف لأنه لما جيء به بصيغة منفعل بحرفي زيادة وهما الميم والنون كانت الكلمة معرضة للثقل اذا ألحق بها حرف زائد آخر ثالث ، وهو هاء التأنيث فيحصل فيها ثقل يحنبه الكلام البالغ غاية الفصاحة...“^٧

١ . التصوير الفني في القرآن ، ص ١٩-٢٠

٢ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س : المزمّل ؛ الآية : ١٦ ، ص ٩

٣ . المرجع السابق

٤ . المرجع السابق ، ص ١٠

٥ . التحرير والتنوير ، س : المزمّل ؛ الآية : ١٧ ، ص ١

٦ . المرجع نفسه ، س : المزمّل ؛ الآية : ١٨ ، ص ٢

٧ . المرجع نفسه ، س : المزمّل ؛ الآية : ١٧ ، ص ٢

”وان صورة الهول هنا لتتنشق لها السماء ، ومن قبل رجفت لها الأرض والجبال . وانها لتشيب الولدان . وانه لهول ترتسم صورته في الطبيعة الصامتة ، وفي الانسانية الحية .. في مشاهد ينقلها السياق القرآني الى حس المخاطبين كأنها واقعة .. ثم يؤكد تأكيدها^١ ”وانه ليؤكد تأكيدها: ﴿كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا﴾ ، فلا شك فيه ، ولا مفر منه^٢ وما هذا الانذار الا للذكرى: ﴿إِنَّ هَذِهِ تَذَكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ وان السبيل الى الله لآمن وأيسر ، من السبيل الى هذا الهول العصيب .^٣ ”وأمام هذا الهول الذي يتمثل في الكون كما يتمثل في النفس يلمس قلوبهم لتتذكر وتختار طريق السلامة .. طريق الله ... وان السبيل الى الله لآمن وأيسر من السبيل المريب ، الى هذا الهول العصيب!^٤“

والمعنى ”ان هذه الآيات التي سقناها لكم تذكرة وموعظة ، فمن شاء النجاة من أهوال يوم القيامة ، فعليه أن يؤمن بالله – تعالى – ايماناً حقاً ، وأن يتخذ بسبب ايمانه وعمله الصالح ، طريقاً وسبيلاً الى ربه ورحمته ومغفرته.“^٥

فهذه الآيات نراها قد هددت المكذبين بأشد أنواع التهديد ، وذكرتهم بأهوال يوم القيامة ، وبما حل بالمكذبين من قبلهم ، وحرصتهم على سلوك الطريق المستقيم . أما قصة ايمان عمر^٦ . فالرواية المفصلة فيها تذكر أنه قرأ صدرأ من سورة طه ، وهي السورة الخامسة والأربعون سبقتها سور: العلق ، والمزمل ، والمدثر ، والقلم ، والفاتحة ، والتكوير ، والأعلى ، والليل ، والفجر ، والضحي ، والانشراح ، والعصر ، والعاديات ، والكوثر ، والتكاثر ، والمعاصون ، والكافرون ، والفيل ، والفلق ، والناس ، والاحلاص ، والنجم ، وعبس ، والقدر ، والشمس ، والبروج ، والتين ، وقريش ، والقارعة ، والقيامة ، والهمزة ، والمرسلات ، وق ، والبلد ، والطارق ، والقمر ، وصاد ، والأعراف ، والجن ، ويس ، والفرقان ، وفاطر ، ومريم . وهي جميعها سور مكية فيما عدا بعض الآيات المدنية .^٦

١ . في ظلال القرآن ، س:المزمل ؛ الآية:١٨ ، ص ٩

٢ . التصوير الفني في القرآن ، ص ١٩-٢٠

٣ . المرجع نفسه

٤ . في ظلال القرآن ، س:المزمل ؛ الآية:١٩ ، ص ٩

٥ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س:المزمل ؛ الآية:١٩ ، ص ١١

٦ . أسباب نزول القرآن ؛ أبو الحسن علي الواحدي النيسابوري ،

على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=2&page=1>

الاتقان في علوم القرآن ؛ النوع الأول: معرفة المكي والمدني ، ص ٧ وما بعده

فلننظر في هذه السور بالاجمال لنرى أي سحر كان فيها، استأثر بالسابقين الأولين الذين تابعوا محمداً ﷺ، حتى قبل أن يعتز الاسلام بعمر، وقبل أن يجهر النبي ﷺ بالدعوة بعد التخفي والاسرار. فاننا لا نجد فيها جميعاً الا القليل من تلك الأغراض التي يراها بعض الباحثين أكبر مزايا القرآن. اننا اذا استثنينا اشارة سريعة الى خلق الانسان من نطفة، وتنوع الاشكال والألوان في سورة ((فاطر))، وخلق الانسان ﴿ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ﴾ ﴿ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ﴾ في سورة ((الطارق)) لا نجد علوماً كونية في جميع هذه السور على وجه الاجمال؛ وكذلك لا نجد التشريع؛ ولا نجد النبوءات.

فان عمر قرأ صدرأ من سورة طه:

﴿ طه ٥ مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ٥ إِلَّا تَذَكُّرٌ لِمَنْ يَخْشَى ٥ تَنْزِيلًا مِمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ٥ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ٥ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ٥ وَإِنْ تَجْهَرُ لَهُ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ٥ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ٥ ﴾^١

وبعد ذلك تبدأ قصة موسى عليه السلام بأسلوب فني جميل له أثره السحري في النفوس. فالشيء الوحيد الذي تظهر منبع السحر هو الأسلوب اللغوي الفني الجميل تنفذ من الأسماع الى القلوب.

”وتبدأ هذه السورة وتختتم خطاباً للرسول ﷺ ببيان وظيفته وحدود تكليفه... وبين المطلع والختام تعرض قصة موسى عليه السلام من حلقة الرسالة الى حلقة اتخاذ بني اسرائيل للعجل بعد خروجهم من مصر مفصلة مطولة... وتعرض قصة آدم سريعة قصيرة، تبرز فيها رحمة الله لآدم بعد خطيئته، وهدايته له. وترك البشر من أبنائه لما يختارون من هدى أو ضلال بعد التذكير والإنذار. وتحيط بالقصة مشاهد القيامة...“^٢

ونجد في هذه السور الابتدائية من حيث النزول — كما نجد في سواها من السور المكية والمدنية على السواء — مثلاً من الجمال الفني الذي تحدي القرآن به العرب بأن يأتوا من مثله.^٣ فالمصدر لتأثير القرآن السحري كامن في لغته، والنظم التي تربط أجزاء لغته بدءاً من الحروف والحركات، والأسلوب الذي يقدم هذا النظم المعجز. فنبحث في الأبواب التالية عن دقائق هذه الأساليب والنظم وأجزاء اللغة التي تُستخدم لتقديم المعاني في الخطاب القرآني.

١. القرآن ٤س: طه؛ الآيات: ١-٨

٢. في ظلال القرآن ٤س: طه؛ الآية: ١، ص ١

٣. نفس المرجع، ص: ١٥-٢١

تقديم المعنى على مستوى المفردات

الباب الثاني

المميزات الدلالية للمفردات القرآنية

- الفصل الأول: انتقاء الكلمات
- الفصل الثاني: تناسب الكلمات
- الفصل الثالث: المرونة والاتساع
- الفصل الرابع: الابداع والدقة
- الفصل الخامس: الجودة والاختراع
- الفصل السادس: احياء الكلمات

عرفنا سابقاً أن الكلمة هي أصغر وحدة ذات معنى للكلام واللغة. ونضيف هنا أن "الكلمة ليست دائماً وحدة صوتية للكلام المتصل، ولكنها مع ذلك تحتفظ بذاتيتها الصوتية في ذهن السامع ضمن الاطار لنظام اللغة"^١

معنى ذلك أن "كل كلمة تسمع أو تنطق تترك في اثرها مجموعة من الانطباعات في ذهن كل من المتكلم والسامع، انطباعات الأصوات وانطباعات حركات أعضاء النطق، كما تترك أيضاً استعداداً معيناً لاعادة هذه الحركات والاتيان بهذه الأصوات نفسها."^٢

وهذه الظاهرة تعطي للكلمة "صورتان من الوجود، وجود بالقوة ووجود بالفعل."^٣

ولقد صارت ألفاظ القرآن بطريقة استعمالها ووجه تركيبها فوق العادة كما وصفه دكتور كمال بشر:

"... كأنها فوق اللغة، فان أحداً من البلغاء لا تمتنع عليه فصح هذه العربية متى أرادها، وهي بعد في الدواوين والكتب، ولكن لا تقع له مثل ألفاظ القرآن في كلامه، وان اتفقت له نفس هذه الألفاظ بحروفها ومعانيها، لأنها في القرآن تظهر في تركيب ممتنع فتترف به، ولهذا ترتفع الى أنواع أسمى من الدلالة اللغوية أو البيانية التي هي طبيعية فيها، فتخرج من لغة الاستعمال الى لغة الفهم وتكون بتركيبها المعجز طبقة عقلية في اللغة، ومن ثم تنزل الأفكار منزلة التوهم الطبيعي الذي يؤثر بالصفة ما يؤثر بالشيء الموصوف بل بما وفي وزاد، كما ترى فيمن يهتز للشعر ويضطرب له ويملكه رق أعصابه النفسية، فانه يبصر الشاعر الفحل الذي أعجب به فيتوهم في رأسه المعنى الكريم والخيال البارع والتعبير الذي هو ضرب من الوحي، وكأنما يتخيل من الرأس صومعة الهية تهبط عليها ملائكة الحكمة والبيان، وانه ليتوهم ذلك فيهتز له هذه عصبية واضحة تعرفها في انتشائه والتماع عينيه واستطارة ألاحظه وما تنطق به معارف وجهه، وان ذلك ليأخذ منه ما تأخذ القصيدة البارعة والكلمة النادرة، وانه على ذلك في نفسه لشديد، فهذا ماسميناه

١. دور الكلمة في اللغة، ص ٥٣

٢. المرجع نفسه، ص ٣١

٣. المرجع نفسه

باب التوهم الطبيعي وهو بمنزلة من الحقائق النفسية.^١

ويأتي بمثال لذلك وهو "تهافت الناس على رؤية العظماء ولقائهم ومجالستهم ومطارحتهم كأن طبيعة كل انسان تجنح الى أن تملك ملكاً ما فيمن تراه عظيماً لتعظم به."^٢

ولقد تميز كلمات القرآن لتقديم المعاني بخصائص ننظر الى شيء من أسرارها وثمارها فيما يأتي:

١. المرجع نفسه، ص ٢٢٦-٢٢٧

٢. المرجع نفسه، ص حاشية ٢٢٧

الفصل الأول:

انتقاء الكلمات

ان القرآن الكريم قد تخير أجمل الحروف لألفاظه ما تخف به نطقاً في اللسان، وقرعاً للآذان، حتى نجد فيها سلاسة الماء، ورقة النسيم، وحلاوة العسل، وهو بعد بالمكان الأسمى الذي أدهش سامعيه وحير ألبابهم، وأفهمهم أن البلاغة شيء وراء التنقيب والتعكير، وتخير ما يكد الألسن ويرهقها من الألفاظ، فعكفوا عليه يدبرونه، وجروه اليه يستمعونه ذلك أن القرآن الكريم قد انتهج في تعابيره أسلوباً له حلاوة، وعليه طلاوة، تنتقي فيه الكلمة انتقاء، حتى كانت مفردات القرآن الكريم من اللغة العربية بمثابة اللباب وغيرها كالقشور. وان القرآن الكريم قد أغرى العرب على محاكاته بفصاحته وروعة ألفاظه، فأقبلوا اليه يزفون، ويستقون من بحره وينهلون من رياضه، ويقتبسون من ألفاظه ومعانيه.^١

وألفاظ القرآن الكريم كلها "منتقاة وحروفها متألفة وما يوصف بالغرابة منها فالمقصود أنه حسن مستغرب في التأويل بحيث لا يتساوي في العلم به أهله وسائر الناس."^٢
ومن جهات الانتقاء:

الانسجام بين الحرف وحركته:

ولو تدبرنا ألفاظ القرآن في نظمها، لرأينا حركاتها الصرفية واللغوية تجري في الوضع والتركيب مجرى الحروف أنفسها فيما هي له من أمر الفصاحة فيهيء بعضها لبعض، ويساند بعضاً، ولن نجد الا مؤتلفة مع أصوات الحروف، مساوقة لها في النظم الموسيقي، حتى ان الحركة ربما كانت ثقيلة في نفسها لسبب من أسباب الثقل أيها كان، فلا تعذب ولا تُسأغ وربما كانت أو كس النصيبين في حظ الكلام من الحروف والحركة، فاذا هي استعملت في القرآن رأينا لها شأناً عجيباً، ورأينا أصوات الأحرف والحركات التي قبلها قد امتهدت لها طريقاً في اللسان، واكتفتها بضروب من النغم الموسيقي حتى اذا خرجت فيه كانت أعذب شيء وأرقه، وجاءت متمكنة في موضعها، وكانت لهذا الموضع أولى الحركات بالخفة والروعة.^٣

١. مجلة التراث العربي، دمشق، العدد ٩٠، يونيو ٢٠٠٣

أثر القرآن الكريم في اللغة العربية والتحديات المعاصرة، د. محمد يوسف الشريحي

على الصفح <http://www.awu-dam.org/trath/90/turath90-011.htm>

٢. بحوث في علوم القرآن، ص ٦٩

٣. اعجاز القرآن للرافعي ص ٢٢٧

ففي قوله تعالى :

﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ﴾^١

فيقول الرافعي في موقعية كلمات هذا القول القرآني:

”... لفظة (النذر) جمع نذير؛ فان الضمة ثقيلة فيها لتواليها على النون والذال معاً ، فضلاً عن جسأة هذا الحرف ونُبوه في اللسان، وخاصة اذا جاء فاصلة للكلام. فكل ذلك مما يكشف عنه ويفصح عن موضع الثقل فيه ؛ ولكنه جاء في القرآن على العكس وانتفى من طبيعته ... فتأمل هذا التركيب ، وأنعم ثم أنعم على تأمله ، وتذوق مواقع الحروف وأجر حركاتها في حس السمع وتأمل مواضع القلقلة في دال (لقد) ، وفي الطاء من (بطشتنا) وهذه الفتحات المتوالية فيما وراء الطاء الى واو (تماروا) ، مع الفصل بالمد ، كأنها تثقيل لخفة التتابع في الفتحات اذا هي جرت على اللسان ، ليكون ثقل الضمة عليه مستخفاً بعد ، ولكون هذه الضمة قد أصابت موضعها كما تكون الأحماض في الأطعمة . ثم ردّ نظرك في الراء من (تماروا) فانها ما جاءت الا مساندة لراء (النذر) حتى اذا انتهى اللسان الى هذه انتهى اليها من ثقلها ، فلا تحف عليه ولا تغلظ ولا تنبو فيه ، ثم اعجب لهذه الغنة التي سبقت الطاء في نون (أنذرهم) وفي ميمها ، وللغنة الأخرى التي سبقت الدال في (النذر).“^٢

ثم يستمر يقول: ”وما من حرف أو حركة في الآية الا وأنت مصيب من كل ذلك عجباً في موقعه والقصد به ، حتى ما تشك أن الجهة واحدة في نظم الجملة والكلمة والحرف والحركة ، ليس منها الا ما يشبه في الرأي أن يكون قد تقدم فيه النظر وأحكامته الرؤية وراضه اللسان ، وليس منها الا متخير مقصود اليه من بين الكلم ومن بين الحروف ومن بين الحركات.“^٣

وقد وردت في القرآن ألفاظ هي أطول الكلام عدد حروف ومقاطع مما يكون مستثقلاً بطبيعة وضعه أو تركيبه ، ولكنها بتلك الطريقة التي أو ما اليها الرافعي قد خرجت في نظمه ، ”فكانت من أحضر الألفاظ حلاوة وأعذبها منطقاً وأخفها تركيباً ، اذ تراه قد هيأ لها أسباباً عجيبة من تكرار الحروف وتنوع الحركات ، فلم يجرها في نظمه الا وقد وجد ذلك فيها.“^٤

١ . القرآن ٤؛ س: القمر؛ الآية: ٣٦

٢ . المرجع السابق ص ٢٢٧-٢٢٨

٣ . المرجع نفسه ، ص ٢٢٨

٤ . اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، ص ٢٢٩

ومن أمثلة ذلك قوله تعالى:

﴿لَيْسَتْخُلِفْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ﴾^١

فهي كلمة واحدة من عشرة أحرف. "وقد جاءت عذوبتها من تنوع مخارج الحروف ومن نظم حركاتها، فانها بذلك صارت في النطق كأنها أربع كلمات؛ اذ تُنطق على أربع مقاطع."^٢ وقوله تعالى:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ﴾^٣

فانها كلمة من تسعة أحرف، "وهي ثلاثة مقاطع وقد تكررت فيها الياء والكاف، وتوسط بين الكافين هذا المد الذي هو سر الفصاحة في الكلمة كلها."^٤

استعمال الجموع دون مفردها:

وردت في القرآن الكريم بعض الكلمات بصيغة الجمع فقط دون صيغة المفرد، "وذلك لثقلها مثل (الألباب) و(الأكواب) و(الأرجاء)."^٥ وكذلك يقول الرافعي أننا نجد بعض الألفاظ "لم يأت فيه الا مجموعاً ولم يستعمل منه صيغة المفرد، ... كلفظة (اللب) فانها لم ترد الا مجموعة"^٦ فمثاله قوله تعالى:

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِأُولِي الْأَلْبَابِ﴾^٧

وقوله تعالى:

﴿وَلْيَذَكِّرُوا وَلُوا الْأَلْبَابِ﴾^٨

ويقول فيه الرافعي: "و كذلك لفظة (الكوب) استعملت فيه مجموعة ولم يأت بها مفردة لأنه لا يتهياً فيها ما يجعلها في النطق من الظهور والرقه والانكشاف وحسن التناسب كلفظ (أكواب) الذي هو جمع."^٩ وقوله تعالى:

-
١. القرآن؛ س:النور؛ الآية: ٥٥
 ٢. المرجع السابق
 ٣. القرآن؛ س:البقرة؛ الآية: ١٣٧
 ٤. المرجع السابق
 ٥. بحوث في علوم القرآن، ص ٦٩
 ٦. المرجع السابق، ص ٢٣٢
 ٧. القرآن؛ س:الزمر؛ الآية: ٢١
 ٨. القرآن؛ س:ابراهيم؛ الآية: ٥٢
 ٩. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، ص ٢٣٢

﴿وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا﴾^١

ويقول فيه الرافعي أيضاً: "و(الأرجاء) لم يستعمل القرآن لفظها الا مجموعاً وترك المفرد — وهو الرجا: أي الجانب — لعله لفظه ، وأنه لا يسوغ في نظمه كما ترى."^٢

استعمال المفرد دون الجمع لثقله:

وقد استعمل القرآن كلمة مفردة في القرآن ولم يستعمل جمعها قط ، وذلك "بالنسبة لكلمة (الأرض) لثقلها."^٣ ويقول الرافعي ان "لفظة (الأرض) ؛ فانها لم ترد فيه الا مفردة ، فاذا ذكرت السماء مجموعة جيء بها مفردة في كل موضع منه ، ولما احتاج الى جمعها أخرجها على هذه الصورة التي ذهبت بسر الفصاحة وذهب بها ، حتى خرجت من الروعة بحيث يسجد لها كل فكر سجدة طويلاً ، وهي في قوله تعالى:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾^٤

ولم يقل : وسبع أرضين ؛ لهذه الجسأة التي تدخل اللفظ ويختل بها النظم اختلالاً.^٥

ترك الكلمة مطلقاً:

وقد حصل أن الخطاب القرآني ترك كلمة مطلقاً بسبب ما ، ومن ذلك تعبيره عن كلمة "الآجر" أو (القرمد) بقوله: ﴿فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ﴾^٦ فهذا اللفظ كثيراً وأخف من ذلك اللفظين اللذين استعملهما الفصحاء ولم يعرفوا غيرهما.^٧ عند ابن الأثير لفظة آجر مبتذلة جداً ، فهذا من سر الفصاحة التي تضمنها القرآن بأنه لما جيء بذكر الآجر لم يذكر بلفظه ولا بلفظ القرمد ولا بلفظ الطوب الذي هو لغة أهل مصر ، فان هذه الأسماء مبتذلة لذا تركها القرآن وعبر عنها بالوقود على الطين.^٨

١. القرآن ؛ س: الحاققة ؛ الآية: ١٧
٢. المرجع السابق
٣. بحوث في علوم القرآن ، ص ٦٩
٤. القرآن ؛ س: الطلاق ؛ الآية: ١٢
٥. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢٣٣
٦. القرآن ؛ س: القصص ؛ الآية: ٢٨
٧. بحوث في علوم القرآن ، ص ٧٠
٨. المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر ، ضياء الدين أبو الفتح ابن أثير الجزري الموصلية ، ص ٦٤

وفي رأي الرافعي ليس في لفظة (الآجر) من خفة التركيب الا الهمزة وسائرهما نافر متقلقل لا يصلح مع هذا المد في صوت ولا تركيب على قاعدة نظم القرآن ، فأخرج معناها بألطف عبارة وأرقها وأعذبها ، وساقها في بيان مكشوف ، وذلك في قوله تعالى :

﴿ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانَ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا ۗ ۱﴾

فعبّر عن الآجر بقوله: ﴿ فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانَ عَلَى الطِّينِ ﴾ ، وكذلك يلفت الرافعي أنظارنا الى موقع القلقلة التي هي في الدال من قوله (فأوقد) وما يتلوها من رقة اللام ، فانها في أثناء التلاوة مما لا يطاق أن يعبر عن حسنه ، وكأنما تنتزع النفس انتزاعاً .

وفيه نكتة أخرى يبين الرافعي في اختراع تلك العبارة ما ترمي اليه اعجاز آخر ؛ فانها تحقر شأن فرعون ، وتصف ضلاله ، وتسفه رأيه ، اذ طمع أن يبلغ الأسباب أسباب السموات فيطلع الى اله موسى ، وهو لا يجد وسيلة الى ذلك المستحيل ولو نصّب الأرض سلماً ، الا شيئاً يصنعه هامان من الطين .^٢

ثم يقول أن في التعبير حكمة أخرى جليلة : "وتلك أن فرعون يريد أن يبني صرحاً يبلغ به السماء فعبر بالايقاد على الطين تهكماً على فرعون ، لأن البناء في مثل هذا لا يزال يرتفع بلا نهاية ، واعداد الآجر يجب أن يكون كذلك مستمراً باستمرار الايقاد على الطين ، ثم تشعر العبارة أن النتيجة لا شيء ، فكأنه لم يخرج لا بناء ولا مبنياً به ، وما هو الا البدء والاستمرار في البدء."^٣

واختياره من كل لغة — غير العربية:

في هذا الموضوع اختلاف في العلماء اختلافاً نظرياً كما يقول السيوطي "اختلف الأئمة في وقوع المعرب في القرآن ، فالأكثر ومنهم الإمام الشافعي وابن جرير وأبو عبيدة والقاضي أبو بكر وابن فارس على عدم وقوعه فيه"^٤ وبعد تقديم أقوال أئمة اللغة العربية يقرر السيوطي "وأقوى ما رأيته للوقوع وهو اختياري ما أخرجه ابن جرير بسند صحيح عن أبي ميسرة التابعي الجليل قال : في القرآن من كل لسان . وروى مثله عن سعيد بن جبير ووهب بن منبه . فهذه اشارة الى أن حكمة وقوع هذه الألفاظ في القرآن أنه حوى علوم الأولين والآخرين ونبأ كل شيء ، فلا بد أن تقع فيه الاشارة الى أنواع اللغات والألسن ليتم احاطته بكل شيء ، فاختر له من

١ . القرآن ؛ س: القصص؛ الآية: ٣٨

٢ . اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢٣٤-٢٣٥

٣ . المرجع نفسه ، حاشية ص ٢٣٥

٤ . الاتقان في علوم القرآن، النوع ٣٨ ص ١٥٧

كل لغة أعذبها وأخفها وأكثرها استعمالاً للعرب... والقرآن احتوى على جميع لغات العرب ، وأنزل فيه بلغات غيرهم من الروم والفرس والحبشة شيء كثير... وأيضاً فالنبي ﷺ مرسل الى كل أمة ، وقد قال تعالى (وما أرسلنا من رسول الا بلسان قومه) فلا بد وأن يكون في الكتاب المبعوث به من لسان كل قوم وان كان أصله بلغة قومه هو.^١

وقد ذكر الجويني فائدة أخرى لوقوع المعرب في القرآن فقال: "ان قيل ان استبرق ليس بعربي وغير العربي من الألفاظ دون الفصاحة والبلاغة فنقول: لو اجتمع فصحاء العالم وأرادوا أن يتركوا هذه اللفظة ويأتوا بلفظ يقوم مقامها في الفصاحة لعجزوا عن ذلك... فان أراد الفصيح أن يترك هذا اللفظ ويأتي بلفظ آخر لم يمكنه، لأن ما يقوم مقامه اما لفظ واحد أو ألفاظ متعددة، ولا يجد العربي لفظاً واحداً يدل عليه ، لأن الثياب من الحرير عرفها العرب من الفرس ولم يكن لهم بها عهد ولا وضع في اللغة العربية للدجاج الثخين اسم"^٢

وقال أبو عبيد القاسم بن سلام في بحث الكلمات غير العربية الواردة في القرآن الكريم: "... هذه الأحرف أصولها أعجمية كما قال الفقهاء ، لكنها وقعت للعرب فعربتها بألسنتها وحولتها عن ألفاظ العجم الى ألفاظها فصارت عربية ، ثم نزل القرآن وقد اختلطت هذه الحروف بكلام العرب، فمن قال انها عربية فهو صادق ، ومن قال عجمية فصادق."^٣

وكذلك من الممكنات أن تكون هذه الألفاظ قد وجدت في العربية قبل زمن النبي ﷺ بوقت طويل واستقرت في اللغة العربية حتى أصبحت جزءاً منها وصارت من مفرداتها التي يروج استخدامها بين العرب.^٤

ويرى ابن عطية أن هذه الألفاظ في الأصل أعجمية لكن استعملتها العرب وعربتها في عربية بهذا الوجه وقد كان للعرب العاربة التي نزل القرآن بلسانها بعض مخالطة لسائر الألسنة بتجارات وبرحلتى قريش وكسفر مسافر بن أبي عمرو الى الشام وكسفر عمر بن الخطاب وكسفر عمرو بن العاص وعمارة بن الوليد الى أرض الحبشة وكسفر الأعشى الى الحيرة وصحبته لنصاراها مع كونه حجة في اللغة فعلمت العرب بهذا كله ألفاظاً أعجمية غيرت بعضها بالنقص من حروفها وجرت الى تخفيف ثقل العجمة واستعملتها في أشعارها ومحاوراتها حتى جرى مجرى العربي الصحيح ووقع بها البيان وعلى هذا الحد نزل بها القرآن.^٥

١. المرجع نفسه

٢. المرجع نفسه ، النوع ٣٨ ص ١٥٨

٣. المرجع نفسه

٤. المصطلحات الأعجمية في القرآن الكريم ، على الموقع www.ebnmaryam.com/unarabic.htm

٥. المرجع نفسه

وكذلك من الآراء عن الألفاظ التي استعملت في القرآن من غير اللغة العربية مثل: استبرق، وسندس، واليسم أن هذه الألفاظ كانت مأنوسة الاستعمال عند العرب حتى قبل نزول القرآن، وشائعة شيوعاً ظاهراً في محادثاتهم اليومية وكتاباتهم الدورية. ثم انها وان لم تكن عربية الأصل، فهي بالاجماع عربية الاستعمال، ومعانيها كانت - وما تزال - معروفة في القرآن، وفي الاستعمال العام.^١

وكذلك عدّ العلماء في القرآن من غير لغات العرب أكثر من مائة لفظة، ترجع الى لغات الروم والنبط والحبشة والبربر والسريان والعبران والقبط^٢، وهي كلما أخرجتها العرب على أوزان لغتها وأجرتها في فصيحها فصارت بذلك عربية، وانما وردت في القرآن لأنه لا يسد مسدّها الا أن توضع لمعانيها ألفاظ جديدة على طريقة الوضع الأول.^٣ ولذلك قال العلماء في تلك الألفاظ المعربة التي اختلطت بالقرآن: "ان بلاغتها في نفسها لأنه لا يوجد غيرها يغني عنها في مواقعها من نظم الآيات، لا افراداً ولا تركيباً."^٤ والحقيقة أن استعارة اللغات من بعضها من سنن الاجتماع البشري ودليل على حيوية اللغة، وهذه الظاهرة فاشية في اللغات عبر العصور حتى في العصر الحديث، وسماها اللغويون بـ (التقارض) بين اللغات.^٥

١. مقال: شبهة أن في القرآن كلاماً غريباً، البتار المشرف على الصفحة www.ipc-kw.com

على الموقع www.ipc-kw.com/vb/showthread.php?t=324

٢. النبط هم سكان سواد العراق (جنوب العراق) قبيل الفتح الاسلامي والذين كانوا يتحدثون اللغة الآرامية.

وتفصيل هذا على الموقع <http://ar.wikipedia.org/wiki/%D9%86%D8%A8%D8%B7>

القبط: كان العرب يسمون بلاد مصر قبط. وتفصيل هذا على الموقع

<http://st-takla.org/Coptic-Faith-Creed-Dogma/Coptic-Rite-n-Ritual-Taks-Al-Kanisa/Dictionary>

-of-Coptic-Ritual-Terms/7-Coptic-Terminology_Kaf-Kaaf-Laam/Keft__Copt.html

البربر: أصله لاتيني ويعني رجال الأحرار، كان الأغريق يسمون كل من لا يتكلم الاغريقية برباروس وكان العرب غالباً يطلقون عليهم اسم المغاربة وأهل المغرب أو البربر. وتفصيلهم على الموقع

<http://ar.wikipedia.org/wiki/%D8%A7%D9%84%D8%A3%D9%85%D8%A7%D8%B2%D9%8A%D8%BA>

وعلى الموقع <http://ar.wikipedia.org/wiki/%D8%A7%D9%84%D8%A8%D8%B1%D8%A8%D8%B1>

السريان: كان السريان قديماً يتسمون بالآراميين. وشاعت تسمية سريان بينهم بعد اعتناقهم الديانة المسيحية. كانوا قديماً قبائل كثيرة العدد منتشرة في كل انحاء (آراميا التاريخية القديمة)

وتفصيلهم على الموقع http://www.aramaic-dem.org/Arabic/Tarikh_Skafe/Tarihk1.htm

٣. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، ص ٧٢-٧٣

٤. المرجع نفسه

٥. المرجع نفسه

وقد جمع السيوطي في كتابه (المهذب فيما وقع في القرآن من المعرب) وابن حسنون في كتابه (اللغات في القرآن) الكلمات الواردة من اللغات الأجنبية تفصيلاً.

استخدام كلمات ووجوه من لغات مختلفة للعرب:

وفي ذلك من الأسرار اللغوية وعجائبها إضافة الى جمع قبائل العرب. كما أشار اليه الدكتور عبدالغفور: "ولم يقف الأمر في هذا عند حد السياسية اللغوية التي تجمع العرب على مائدة واحدة أو ما الى ذلك، بل زاد وحوى من الأسرار عجائب الاعجاز"^١ قال الله تعالى:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ۖ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۖ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝﴾^٢

فقال فيه عبد الغفور: "كلمة (براء) لغة الحجازيين (لسان العرب)... أما كلمة (بريء) فهي لغة تميم وبقية العرب (لسان العرب). وكلمة (براء) مصدر (لسان العرب) وهو أقوى في التعبير من (بريء) وموضع (براء) يحتاج الى القوة، لأن الخليل عليه السلام يواجه فيه بالخطاب أباه وقومه. أما (بريء) فقد واجه بها قومها فقط، فكانت كافية، في قوله تعالى: ﴿فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنَّنِي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ﴾^٣،^٤

وقال تعالى:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُكُمْ وَأَبْرَءُكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ...﴾^٥

شرح الدكتور عبدالغفور الفرق بين (برء اوأ) و(براء) ما ملخصة فيما يلي:

لفظ (بُرءَ آوَأ) مفردة (بريء) لا (براء) لأن هذا مصدر ولا يجمع كما هو معروف فالمواجهة هنا أيضاً كما ترى للقوم فقط فلا تحتاج الى مثل تلك القوة.

وقد جعل الله تعالى البراءة القوية مما يعبد من دونه.. أي جعل كلمة التوحيد — كلمة باقية في عقب الخليل عليه السلام، وخير عقبه نبينا ﷺ، وهو حجازي من الذين جرت على لسانهم

١. بحوث في علوم القرآن، ص ٧٠-٧١

٢. القرآن؛ س: الزخرف؛ الآية: ٢٦-٢٨

٣. القرآن؛ س: الانعام؛ الآية: ٧٨

٤. بحوث في علوم القرآن، ص ٧١

٥. القرآن؛ س: الممتحنة؛ الآية: ٤

كلمة (براء) وبقيت فيهم بقوتها ، ويكفي اللفظة قوة أنها لغته ﷺ تبعاً لحجازيته، ويكفي المعنى قوة — أنه المعنى الذي نصره ونشره وقواه وجالد دونه وأرساه صفوة الخلق ﷺ.

وان قوة الصدى بفخامة الراء في (براء) في هذا الموضع دون (بريء) تناسب قوة المواجهة ضد الأب والقوم — لا القوم فقط الذين في بقية المواضع . و(براء) بالألف أنسب السياق الذي جاءت فيه بعد ياءات وكسرات عديدة.

وهكذا قويت البراءة والمواجهة وبقي المعنى العظيم في العقب وقويت الكلمة وبقيت هي الأخرى في العقب ﷺ سيد الناطقين بهذه اللفظة ، وتجاوبت وتساوقت اللفظة والمعنى بشكل عجيب ، ومع ذلك صدى الكلمة وطعمها ونظامها في نظام الكلام .^١

ومنه ورود فعل التزويج بالباء وبدونها، قال تعالى:

﴿ فَلَمَّا قُضِيَ زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَا كَهَا ﴾^٢

وقال تعالى:

﴿ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴾^٣

قال ابن عاشور: "ولم يُعد فعل [زَوَّجْنَاهُمْ] الى [حور] بنفسه على المفعوليه كما في قوله تعالى ﴿ زَوَّجْنَا كَهَا ﴾ في هذه الآية ليس بمعنى: أنكحناهم، اذ ليس المراد عقد النكاح لُنُبُو المراد عن هذا المعنى، فالتزويج هنا وارد بمعناه الحقيقي في اللغة وهو جعل الشيء المفرد زوجاً وليس وارداً بمعناه المنقول عنه في العرف والشرع ، وليس الباء لتعدية فعل [زَوَّجْنَاهُمْ] بتضمينه معنى: قرناً ، ولا هو على لغة أزد شنوءة فإنه لم يسمع في فصيح الكلام: تزوج بامرأة."^٤

وورد في (الاتقان في علوم القرآن): "...هي لغة يمانية ، وذلك أن أهل اليمن يقولون زوجنا فلاناً بفلانة. قال الراغب في مفرداته: ولم يجيء في القرآن زوجناهم حوراً ، كم يقال زوجته امرأة تنبهاً أن ذلك لا يكون على حسب المتعارف فيما بيننا بالمناكحة."^٥ ويقول عبدالغفور: "لم يؤخذ من ذلك تنويع اللغات وتأليف اللهجات فقط ، بل استنبط منه — وهو مع الحور العين (البراء) فقط — اشارة الى أن ذلك لا يكون على حسب المتعارف بيننا في الزواج في الدنيا.

وأضيف أن زيادة المبنى تدل على زيادة المعنى . والزواج بالحور العين زائد في الارتباط ، لأنه لا

١ . بحوث في علوم القرآن ، ص ٧١-٧٢

٢ . القرآن ؛ س: الاحزاب ؛ الآية: ٣٧

٣ . القرآن ؛ س: الطور ؛ الآية: ٢٠

٤ . التحرير والتنوير ، س: الطور ؛ الآية: ٢٠

٥ . الاتقان في علوم القرآن ، النوع ٣٧ ص ١٥٤

طلاق فيه ولا منغصات ، فهو لاصق لا يفارق ، كما أن الباء تكون للاصاق.^١

وقال تعالى:

﴿ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَسِيئَتِهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾^٢

بضم الهاء في (عليه) في هذا الموضع فقط. أما غيره فبالكسر مثل:

﴿ وَلِيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ ﴾^٣

ففي ضم (الهاء) قال النحاس: "جاء به على الأصل"^٤ يقول طنطاوي في تفسيره بأن الضم هنا "توصلاً الى تفخيم لفظ الجلالة ، الملائم لتفخيم أمر العهد المشعر به الكلام"^٥ ونخبرنا الأستاذ عبد الغفور بأن الضم هو الأصل. والكسر تخفيفاً يناسب الباء. وهما لغتان. لكن اختص هذا الموضع بالضم لأنه كما هو الأصل فالفطرة السليمة والوفاء بعهد الله وطاعته هي الأصل. وهذا المعنى هو الموجود في موضع الضم المذكور، فاجتمع الأصلان وتناسبا — أي الضم والوفاء بالعهد. وقد استتبع الضم تفخيم لفظ الجلالة، وهو مناسب لفخامة المقام وعظمة الموضوع وأهمية المعنى وهو عهد الله الذي كانت يد الله فيه على يد المؤمنين وكانت يد الرسول ﷺ فيه في مقام الحس كمقام المعنى موصلة الى الله ونائبة عن يد الله جل جلاله.^٦

فنرى هنا كيف تكون كلمات القرآن حتى الحركات على الحروف له دور هام في تقديم المعاني، ولا يمكن استبدال كلمة مستعملة في النص القرآني وحتى الحركة عليها حيث يحل ذلك في أداء وظيفتها.

١. بحوث في علوم القرآن ، ص ٧٢-٧٣

٢. القرآن ؛ س: الفتح ؛ الآية: ١٠

٣. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٨٢

٤. اعراب القرآن ، أبو جعفر النحاس ، س: الفتح ؛ الآية: ١٠

على الموقع <http://www.altafsir.com/QuranSyntax.asp?>

٥. الوسيط في تفسير القرآن، س: الفتح ؛ الآية: ١٠، ص ٣

٦. بحوث في علوم القرآن ، ص ٧٣

الفصل الثاني

تناسب الكلمات

وهذا أنه لا يشدّد في القرآن الكريم حرف واحد عن قاعدة نظمه المعجز . كما يقول الرافعي: "انك لو تدبرت الآيات التي لا تقرأ فيها الا ما يسرده من الأسماء الجامدة ، وهي بالطبع مظنة أن لا يكون فيها شيء من دلائل الاعجاز؛ فانك ترى اعجازها أبلغ ما يكون في نظمها وجهات سردها ، ومن تقديم اسم على غيره أو تأخيره عنه، لنظم حروفه ومكانه من النطق في الجملة؛ أو لنكتة أخرى من نكت المعاني التي وردت فيها الآية بحيث يوجد شيئاً فيما ليس فيه شيء ."^١ وذلك الذي "يبدو في سلاسة الكلمات في تجاورها ، وتعاطفها بترتيب لا يبدو سره من أول وهلة."^٢

ولذلك أنسب مثال في قوله تعالى:

﴿ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴾^٣

ويبين ابن الأثير أن الآية قد تضمنت خمسة ألفاظ، وهي: الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم. وأحسنها هي (الطوفان والجراد والدم) فقدم (الطوفان) لمكان المدّين فيها؛ حتى يأنس اللسان بخفتها؛ ثم الجراد وفيها مد واحد؛ ثم اللفظان الشديدان مبتدئاً بأخفهما في اللسان وأبعدهما في الصوت للغة فيه؛ ثم لفظة (الدم) في الأخير، وهي أخف الخمسة وأقلها حروفاً؛ ليسرع اللسان فيها ويستقيم لها ذوق النظم ويتم بها هذا الاعجاز في التركيب.^٤

ويعلق الدكتور عبدالغفور على هذا التناسب المعجز: "فها قد رأيت لهذه الأسماء الخمسة ما لا تراه لها من فصاحة الا في هذا الوضع ، فلو قدمت أو أخرت لبادرك التهافت والتعثر."^٥

وكذلك نجد ظهور الحكمة في الترتيب والمعنى في قوله تعالى:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخْوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخْوَاتُكُمْ مِمَّنْ

١. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢٣٤

٢. بحوث في علوم القرآن ، ص ٧٤

٣. القرآن ؛ س: الاعراف ؛ الآية: ١٣٣

٤. المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر ، ص ٥٣

٥. بحوث في علوم القرآن ، ص ٧٥

الرِّضَاعِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِكُمْ الَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ
الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ
أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ
اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١﴾

وفي البيان كهذا لا يمكن للانسان اظهار البلاغة فيه، ولكن الخطاب القرآني جاء بظهور
الحكمة في الترتيب والمعنى. ففي رأي الباقلاني انه تعالى بدأ بذكر الأم لعظم حرمتها، وادلائها
بنفسها، ومكان بعضيتها، فهي أصل لكل من يدلي بنفسه منهن، لأنه ليس في ذوات الأنساب
أقرب منها، ولما جاء الى ذوات الأسباب ألحق لها حكم الأم من الرضاع؛ لأن اللحم ينشره اللبن
بما يغذوه فيحصل بذلك أيضاً لها حكم البعضية، فنشر الحرمة بهذا المعنى، وألحقها بالوادة.
وذكر الأخوات من الرضاعة فنبه بها على كل من يدلي بغيرها، وجعلها تلو الأم من الرضاع.^٢

ويضيف فيه الدكتور عبدالغفور بأنه أيضاً بدأ بالمحرمات من النسب ثم شرع في السبب بقوله
(وأمهاتكم اللاتي أرضعنكم) وهو ترتيب معقول التناسب. ^٣ فنرى أنه بدأ بذكر الأم، لعظم
حرمتها، وادلائها بنفسها، ومكان بعضيتها، فهي أصل لكل من يدلي بنفسه منهن، ولأنه ليس
في ذوات الأنساب أقرب منها. ولما جاء الى ذوات الأسباب، ألحق بها حكم الأم من الرضاع.
ومثال آخر للتناسب في قوله تعالى:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ • وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ • وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ •﴾^٤

وهذا مشهد القيامة - "مشهد المرء يفر وينسلخ من أُلصق الناس به ... أولئك الذين تربطهم به
وشائج وروابط لا تنفصم"^٥ ولكن هول القيامة تمزق هذه الروابط تمزيقاً، وتقطع تلك الشائج
تقطيعاً.

وفي رأي السنوخي عطف بالواو لأنه يفر من المفرور منه اذا لقيه، ولقاؤه لهم قد يكون في وقت
واحد وقد يكون في أوقات مختلفة، والواو هي الجامعة لذلك كله. وكذلك أنه قدم الأخ على
الأم، والأم على الأب، والأب على الصاحبة، والصاحبة على الأبناء، انتقالاً من كل واحد الى

١. القرآن؛ س: النساء؛ الآية: ٢٣

٢. اعجاز القرآن، القاضي أبو بكر محمد بن الطيب الباقلاني، ص ٦٦-٦٧

على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=51&page=1>

٣. بحوث في علوم القرآن، ص ٧٥

٤. القرآن؛ س: عبس؛ الآية: ٣٤-٣٦

٥. في ظلال القرآن، س: عبس؛ الآية: ٣٤-٣٦، ص ١٥

من هو أعز منه وأشد حفاوة . والأب وان كان كالأم أو مرجوحاً من جهة البر فانه يرجى نصره أكثر من الأم ، والمحافظة على الرجال أشد منها على النساء . وآخر الصاحبة عنه وان كانت لا يرجى نصرها لزيادة الأُنس والمودة التي جعل الله بينهما . وآخر البنين عنها لأنهم الغاية والنتيجة ، وزيادة حبهم بالطبع على كل أحد.^١

ويرى ابن عاشور في ترتيب أصناف القرابة في الآية بأنها حسب الصعود من الصنف الى من هو أقوى منه تدرجاً في تهويل ذلك اليوم . فابتدئ بالأخ لشدة اتصاله بأخيه من زمن الصبا فينشأ بذلك الف بينهما يستمر طول الحياة ، ثم أرقى من الأخ الى الأبوين وهما أشد قريباً لانيهما ، وقدمت الأم في الذكر لأن الف ابنها بها أقوى منه بأبيه وللرعي على الفاصلة ، وانتقل الى الزوجة والبنين وهما مجتمع عائلة الانسان وأشد الناس قرباً به وملازمة . وكذلك أنه أطنب بتعداد هؤلاء الأقرباء دون أن يقال: يوم يفر المرء من أقرب قرابته مثلاً لاحضار صورة الهول في نفس السامع.^٢

فهذا دليل قاطع على أنه في الخطاب القرآني جاء الكلمات على الترتيب المتناسب حسب المعاني . وأي تغيير في ترتيب الكلمات تؤثر على وظيفة ابلاغ المعاني .

١ . الاقصى القريب في البلاغة ، القاضي أبو علي المحسن التنوخي ، مطبعة السعادة القاهرة ، ص ٨٩

٢ . التحرير والتنوير ، س: عيس ؛ الآية: ٣٤-٣٦ ، ص ١

الفصل الثالث

المرونة والانتساع في دلالة الكلمات

وذلك حمل المعاني المتعددة لكلمة واحدة. يقول الدكتور فاضل صالح السامرائي: "التوسع في المعنى هو أن يؤتى بتعبير يحتمل أكثر من معنى وتكون كل هذه المعاني مرادة وهناك مواطن للتوسع في القرآن الكريم..."^١ ثم يقول: "وإذا أردنا التوسع في المعنى لا ضرورة عندها لوجود قرينة لأن القرينة هي التي تساعد على تحديد معنى واحد من المعاني المرادة دون غيره. إذن إذا أريد التوسع لا يؤتى بالقرينة وإذا أردنا تحديد معنى من المعاني يؤتى بالقرينة التي تدل عليه."^٢ قال الله تعالى:

﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيَّاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ...﴾^٣

ويخبرنا الأستاذ عبدالغفور بأن القدماء فسروا (لواقح) بـ(حوامل للسحب). وأضاف المحدثون معنى تلقيح الموجب للسالب في ماء السحاب مما ترتب عليه — كما عبرت عنه فاء الترتيب والتعقيب في (فأنزلنا) — أن أنزل الله تعالى بذلك الماء. وهذا التعدد في المعنى — بهذه الاضافة — أمر ساعد عليه تلك المرونة الكاملة التي تسمح بوجود الأسرار في الألفاظ والسياقات والتراكيب.^٤

وقال تعالى:

﴿أَوَلَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا...﴾^٥

وورد في الجلالين: "(رتقاً) سداً بمعنى مسدودة، (ففتقناهما) جعلنا السماء سبعاً والأرض سبعاً أو فتق السماء أن كانت لا تمطر فأمطرت وفتق الأرض أن كانت لا تنبت فأنبتت."^٦ ثم قيل — اضافة الى ذلك — "ان الأرض كانت جزءاً من الشمس (رتقا ملتئمة) ثم انفصلت لأسباب غير معروفة، وكذلك الحال بين الشمس والنجوم، ويصدق على النجوم أنها سموات أي مرتفعات

١. التوسع في المعنى في القرآن الكريم، الدكتور فاضل صالح السامرائي،

على الموقع www.islamiyyat.com/expansion.htm

٢. المرجع نفسه

٣. القرآن؛ س: الحجر؛ الآية: ٢٢

٤. بحوث في علوم القرآن، ص ٧٨

٥. القرآن؛ س: الأنبياء؛ الآية: ٣٠

٦. تفسير الجلالين، سورة الأنبياء؛ الآية: ٣٠

عاليات.^١

وجاء في الميزان: "وذكر بعض المفسرين وارتضاه آخرون أن المراد برتق السماوات والأرض عدم تمييز بعضها من بعض حال عدمها السابق، وبفتقها تمييز بعضها من بعض في الوجود بعد عدم فيكون احتجاجاً بحدوث السماوات والأرض على وجود محدثها وهو الله سبحانه."^٢

وقال تعالى:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ﴾^٣

كلمة (نهر) لها دلالات مختلفة منها ما بين الدكتور السامرائي وهي: السعة في الرزق والمعيشة وفي كل ما تقتضيه السعادة سعة فيه. ومن دلالاتها أيضاً الضياء لأنهم يقولون أن الجنة ليس فيها ليل ومن معاني النهر في اللغة أيضاً مجرى الماء. والآية تحتمل كل هذه المعاني وهي مرادة. ومن الملاحظ في القرآن كله أنه حيثما جمع الجنات جمع الأنهار الا في هذه الآية، فقد ورد في القرآن قوله تعالى ﴿جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾^٤ وجود كلمة تجري هنا تدل على أن المعنى المطلوب هو مجرى الماء. وفي آية أخرى قال تعالى ﴿فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ﴾^٥ وجود (غير آسن) في الآية تقيد جريان الماء لأن الماء لا يأسن الا اذا في حالة الركود وغير آسن قرينة الجريان. أما في سورة القمر جاءت كلمة نهر بدون قرينة (في جنات ونهر) وهي وردت في المتقين وهم المؤمنون... والمعنى المراد في الآية أن المتقين في جنات ونهر بمعنى في ماء وضياء وسعة وقد وردت في الحديث الشريف (الجنة نور يتلألأ وريحانة تهتز قصر مشيد) وهم في سعة من العيش والرزق والمنازل وما تقتضيه السعادة السعة فيه وهذا من التوسع في المعنى ولم يؤتى بأي قرينة تدل على معنى واحد فلم يذكر تجري أو غير آسن أو أي قرينة أخرى تحدد معنى واحد للنهر وانما كل المعاني مرادة.^٦

وقال تعالى:

﴿قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ﴾^٧

-
١. التوفيق العلمي بين الحضارة والاسلام، رضوان شافعي المتعافي ص: ٦٥-٦٦
 ٢. الميزان في تفسير القرآن، الطباطبائي، س: الأنبياء؛ الآية: ٣٠ على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
 ٣. القرآن؛ س: القمر؛ الآية: ٥٤
 ٤. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٥
 ٥. القرآن؛ س: محمد؛ الآية: ١٥
 ٦. التوسع في المعنى في القرآن الكريم
 ٧. القرآن؛ س: يوسف؛ الآية: ٨٥

ويشرح الدكتور فاضل السامرائي كلمة (تفتأ) هنا بمعنى لا يزال وهي من أخوات كان ونستعرض معنى كلمة فتى في اللغة فنجد من معانيها (سكن) بمعنى مستمر لأنه عندما لا يسكن فهو مستمر، ومعناها أطفأ النار (يقال فتى النار) ومن معانيها أيضاً نسي (فتت الأمر أي نسيته). اذن كلمة (فتأ) لها ثلاثة معاني. ونجد هذه المعاني كلها في هذا الموضوع. بأنها يسكن فاقد العزيز بمجرد مرور الزمن. فمن مات له ميت يسكن بعد فترة لكن الله تعالى أراد أن لا ينسى يعقوب ولا يكف. وفاقد العزيز كأنما هناك ناراً تحرق جنبه ويقال (حرق قلبي) والنار التي بين جنبي يعقوب لم تطفئ مع مرور الأيام ولم تنزل النار ملتهية مستعرة في قلب يعقوب، وهو لم ينسى وفاقد العزيز ينسى بعد فترة ولذا يدعو له المعزّون بالصبر والسلوان. اذن تفتأ جمعت كل هذه المعاني المرادة هنا في الآية ولا يؤدي أي لفظ آخر هذه المعاني مجتمعة غير هذه الكلمة. والقرآن الكريم لم يستعمل هذه الكلمة الا في هذا الموضوع.^١

وقال الله تعالى:

﴿الَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ﴾^٢

وفي نظر الدكتور السامرائي تحتمل كلمتان أحكم الحاكمين أن تكون من الحُكم أو من القضاء. وقد ورد في القرآن الكريم ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾^٣ تعني القضاء وقوله تعالى ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ يَقُصُّ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ﴾^٤ بمعنى الحكم. فهي تحتمل أن تكون من القضاء أو من الحكمة وهي تحتمل أن تكون أقضى القضاة وتحتمل أن تكون أفضى الحكماء، وأحكم القضاة وأحكم الحكماء، فهي اذن جمعت أربع معاني في كل كلمة احتمالين في الحكمة والقضاء. وهذا كله محتمل وجائز وليس هناك قرينة واحدة تحدد معنى واحداً من هذه المعاني دون غيره. اذن المراد كل هذه المعاني وهذا توسع في المعنى.^٥

وقال الله تعالى:

﴿وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ﴾^٦

ويشرح الدكتور عبدالغفور (شهيد) يحتمل أنه مبنى للفاعل، أي لا يدخل الكاتب والشهيد

١. المرجع السابق

٢. القرآن؛ س:التين؛ الآية: ٨.

٣. القرآن؛ س:المائدة؛ الآية: ٤٩.

٤. القرآن؛ س:الأنعام؛ الآية: ٥٧.

٥. التوسع في المعنى في القرآن الكريم

٦. القرآن؛ س:البقرة؛ الآية: ٢٨٢.

الضرر على صاحب الحق (بكتابة الحق بنقصان) بتحريف أو امتناع من الشهادة ، الا على المدين بزيادة في الكتابة أو تحريف في الشهادة يضره .
ويحتمل أنه مبني للمفعول ، أي لا يدخل صاحب الحق والمدين الضرر على الكاتب والشهيد بأن يدعيا وهما مشغولان ، أو بأن يمنعا الجعل على الكتابة والشهادة .
وتعدد الاحتمال راجع الى المرونة في العبارة واتساع التأويل فيها بحسب قوي الناظر فيها وبحسب ما تحتمله من المعاني ، كما وقع في فواتح السور .^١

ويقول الدكتور فاضل حسن السامرائي :

”ولا أراد التنصيص لفك الادغام كما في قوله تعالى ﴿ مَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ﴾^٢

وقوله ﴿ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ ﴾^٣ بمعنى أنه لو أراد الفاعل لقال (يُضَارِر) ولو

أراد اسم المفعول لقال (يُضَارَر). والله أراد الاثنين معاً ومعنى الآية أنه نهى الكاتب

والشاهد أن يضرّاً غيرهما اما بكتّم الشهادة أو الامتناع عن الحضور لها أو تحريفها

وأراد المعنى الآخر وهو نهى أن يقع الضرر على الكاتب والشهيد ممن يضغطون

عليهم لتغيير الشهادة أو تبديلها أو الامتناع عنها. اذن المطلوب منع الضرر من

الكاتب والشهيد ومنعه عنهما أيضاً في نفس الآية...“^٤

وقريب من هذا قوله تعالى :

﴿ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ﴾^٥

من المحتمل أن ”تضر الزوجة زوجها بزادها ومن المحتمل أن يضر الزوج زوجته بولده فأراد

تعالى المعنيين لكيلا يقع الضرر من أحدهما على الآخر فحاء بصيغة تدل على المعنيين وهذا من

باب التوسع في المعنى.“^٦

وقال الله تعالى :

﴿ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾^٧

١ . بحوث في علوم القرآن ، ص ٧٩-٨٠ .

٢ . القرآن ؛ س: الأنفال ؛ الآية: ١٣ .

٣ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢١٧ .

٤ . التوسع في المعنى في القرآن الكريم

٥ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٣٣ .

٦ . المرجع السابق

٧ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٤٥ .

وعند الدكتور السامرائي الفعل أقرض مصدره اقراضاً والفعل الثلاثي قرض مصدره قرضاً . ف جاء بالفعل الرباعي (يقرض) ولم يأت بمصدره انما جاء بمصدر الفعل الثلاثي (قرضاً) . ولو رجعنا الى معنى القرض في اللغة فهو يعني المال والاقراض . اذن القرض في الآية تحتل المعنيين ، فلو كان القصد الاقراض لكان اعرابها مفعول مطلق ، ولو كان المقصود المال لكان اعرابها مفعول به . والمعنى المراد من الآية الكريمة (من ذا الذي يقرض الله اقراضاً حسناً أي خالص النية لله محتسباً الأجر من الله ، ومالاً حسناً أي طيباً حلالاً) فهناك اذن اقراض حسن ومال حسن ولما قال تعالى قرضاً حسناً جمع بين الأمرين معاً اقراضاً حسناً ومالاً حلالاً طيباً .^١

وقال تعالى:

﴿وَاذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾^٢

يقول الدكتور السامرائي:

”القياس أن يقال تبتل تبتلاً أنما في الآية جاء بالفعل ولم يأت بمصدره وانما جاء بمصدره فعل آخر ليجمع بين أمرين . (صيغة تفعل تفيد التدرج مثل تجرع الماء أي جرعة جرعة تحسّر فيها التدرج والتكلف) ... وصيغة فعمل تفيد التكسير . فهو الآن في قوله تعالى (وتبتل اليه تبتيلاً) جمع بين المعنيين التدرج والتكلف والبمالغة والتكثير ووضهما وضعاً تربوياً عجيباً يبدأ التدرج ثم ينتهي بالتكثير فالتبتل هو الانقطاع الى الله في العبادة وقد علمنا تعالى أن نبدأ بالتدرج في العبادة شيئاً فشيئاً ثم ندخل في التكثير ولا ندخل في العبادة الكثيرة مباشرة لأن التدرج في العبادة تؤدي الى الكثرة فيها فيما بعد وهذه هي الطريقة التربوية للعبادة تبدأ بالتدرج وتحمل نفسك على العبادة شيئاً فشيئاً ثم تنتهي بالتكثير والكثرة في العبادة.“^٣

ومثال آخر قوله تعالى

﴿فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا﴾^٤

وهذا في القرآن ”كثير وهو ترك تعبير الى تعبير آخر ويحتمل أكثر من وجه اعرابي وأكثر من معنى.“^٥

١ . المرجع السابق

٢ . القرآن ؛ س: المزمّل ؛ الآية: ٨

٣ . التوسع في المعنى في القرآن الكريم

٤ . القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ٨٢

٥ . المرجع السابق

ويطرح الدكتور السامرائي الأسئلة مثل: ما المقصود ضحكاً قليلاً أو وقتاً قليلاً؟ أو بكاء كثيراً أو وقتاً كثيراً؟ ثم، يجيب لها بأن الآية تحتمل كل هذه المعاني. أراد الله تعالى معنى المصدر والظروف في آن معاً، فهو أراد ليضحكوا ضحكاً قليلاً وقتاً قليلاً وليبكوا بكاء كثيراً وقتاً كثيراً. ولو أراد معنى واحداً لحدد الظرف أو المصدر لكنه جمع بين الظرف والمصدرية في الآية الواحدة. والاعراب يختلف هنا لو أراد ضحكاً قليلاً تكون قليلاً مفعول مطلق ولو أراد وقتاً قليلاً لكانت ظرفاً وكذلك لو أراد بكاء كثيراً لكانت كثيراً مفعول مطلق ولو أراد وقتاً كثيراً لكانت ظرفاً اذن أراد تعالى أن يجمع بين الحدث القليل والزمن القليل (فليضحكوا قليلاً) والحدث الكثير والزمن الكثير (وليبكوا كثيراً).^١

وفي قوله تعالى:

﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾^٢

يقدم الدكتور عبدالغفور الآراء المختلفة فيها، فقيل ان النفي للصفة والموصوف جميعاً، فلا عمد، وبالتالي فلا رؤية. وقيل ان النفي للصفة فقط، فليس لها عمد مرئية، بل لها عمد غير مرئية، على جبل قاف، وهو جبل من زمرد محيط بالدنيا والسماء عليه مثل القبة، وهذا قول مجاهد وعكرمة (الجمل على الجالين)، والقولان جائزان الا ما لا دليل عليه من جبل قاف الخ. ثم قيل ان السموات رفعت بعمد أي جاذبية كالقوة المغناطيسية وهي بين الكواكب وكما أن العمد المحسة تمنع وقوع ما عليها على الأرض كذلك قوة الجذب تمنع من وقوع السماء على الأرض، فكانت عمداً.

ثم يقدم رأيه بأن السموات رفعت بغير عمد مرئية معتادة فيما يرفع لكنها رفعت بعمد غير مرئية لأنها عمد من غير ما تعودنا، انها عمد الجاذبية التي نعلم ولا نرى. وهكذا المرونة ذات الأسرار المعجزة في كثير من هذا النمط.^٣

فمعاني كلمات القرآن لا تنقيد في حيز ضيق بل تتسع الى آفاق جديدة ونجد تفاسيرها تتجدد بمرور الزمن وبتطور العلوم والفنون.

١. المرجع نفسه

٢. القرآن؛ س:الرعد؛ الآية:٢

٣. بحوث في علوم القرآن، ص ٧٩

الفصل الرابع

الإبداع والدقة في استعمال الكلمات

ونجد في القرآن الكريم مظاهر الابداع والدقة ، منها كما ذكر الباقلائي أنه "قد يكون البديع من الكلمات الجامعة الحكيمة ، كقوله:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ﴾^١

وفي الألفاظ الفصيحة كقوله:

﴿فَلَمَّا اسْتِيسَأُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا﴾^٢

وفي الألفاظ الالهية كقوله:

﴿وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ﴾^٣

وقوله:

﴿وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ﴾^٤

وقوله:

﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾^{٥،٦}

وعند الدكتور أحمد محمد ويس القضية الأكثر أهمية في أمر دلالة الألفاظ هي أن القرآن عمد الى ألفاظ كانت معروفة بدلالات معينة فأعطاهها دلالات جديدة لم يكن للناس بها عهد من قبل. وهي التي أطلق عليها فيما بعد الألفاظ الاسلامية وعلى رأسها ألفاظ ك(الاسلام والايمان والصلاة والزكاة والصوم والحج وغيرها). فهذه ونحوها ألفاظ يعرفها الجاهليون ، ولكنهم لا يعرفون منها الا المعنى اللغوي الأصلي. وأما الدلالات الجديدة فليس للناس بها عهد، ولكنها في الحق لم تكن دلالات منبثة الصلة عن أصلها اللغوي بل هي امتداد له، وهذا أمر بديهي، وذلك أن القرآن لما كان كتاب هداية للناس كان لا بد أن يكون مفهوماً ، وانما يكون مفهوماً اذا ما استعمل كلام القوم الذين نزل فيهم ، وهو أمر نبه عليه ابن خلدون : "اعلم أن القرآن نزل بلغة

١ . القرآن ؛ س:البقرة ؛ الآية: ١٧٩

٢ . القرآن ؛ س:يوسف ؛ الآية: ٨٠

٣ . القرآن ؛ س:النمل ؛ الآية: ٩١

٤ . القرآن ؛ س:النحل ؛ الآية: ٥٣

٥ . القرآن ؛ س:غافر ؛ الآية: ١٦

٦ . اعجاز القرآن للباقلاني ، ص ٢٥

العرب ، وعلى أساليب بلاغتهم فكانوا كلهم يفهمونه ويعلمون معانيه في مفرداته وتراكيبه^١ وهذا القول صحيح في مجمله ، وهو ينطبق على أهل العصر الذي نزل فيه القرآن أكثر مما ينطبق على من تلاهم . ولكن للفهم والعلم في كل العصور مستويات ودرجات لا يتفق فيها الناس جميعاً . ولعل في هذا تقييداً لصيغته التوكيد (كلهم) في عبارة ابن خلدون . أن قریشاً نفسها تفاوتت فيما بينها تذوقاً للكلام وادراكاً له ، والا فلم ير الوليد بن المغيرة في القرآن نحواً غير ما رأوه . وإذا فالفهم مستويات وذلك لا مجال فيه للخلاف^٢.

ومنها:

الابداع في استعمال حروف المعاني:

مثل في قوله تعالى:

﴿الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُواهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝﴾^٣

وفي شرح الدكتور السامرائي لكلمة (اكتيال): في الأصل يقال اکتال من ولا يقال اکتال على . وقد عدى فعل اکتال على في هذه الآية بحرف على للدلالة على التسلسل لأن هؤلاء المطففين لم يكتالوا من الناس بل تسلطوا عليهم بالاكتيال ولو كان الاكتيال طبيعياً لقال اکتالوا من الناس . يقال (كالوا الناس) كما في قوله تعالى . فعل كال وفعل وزن الأصل أن يتعدى بنفسه أو باللام ويمكن الحذف يقال: كال له أو وزن له ، اللام هنا تفييد الاستحقاق في أصل معناها في اللغة ثم تشعب الى معاني متعددة أخرى لكن هؤلاء المطففين لم يعطوا الناس حقوقهم، فحذف لام الاستحقاق فقال كالوهم لأنهم ظلموا الناس^٤.

ومنها:

تنوع المواضع القرآنية:

وهو أن القصة الواحدة تذكر مراراً وتكراراً بابدال حرف أو تقديم أو تأخير أو حذف أو تعريف أو تنكير أو ما الى ذلك .^٥

ومن أمثله لهذا قوله تعالى:

﴿وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَدَّبْحُونَ أَبْنَاءَكُمْ﴾

١ . المقدمة ، ابن خلدون ، ص ٢٦٩ ، على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=116&page=1>

٢ . الظاهرة القرآنية وامتيازها من فنون القول ، د. أحمد محمد ويس ، مجلة التراث العربي ، دمشق ،

العدد ٨٦-٨٧ ، على الموقع <http://www.awu-dam.org/trath/86-87/turath86-87-013.htm>

٣ . القرآن ؛ س: المطففين ؛ الآية: ٢-٣

٤ . التوسع في المعنى في القرآن الكريم

٥ . بحوث في علوم القرآن ، ص ٨١

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ﴿١﴾

ثم قال تعالى في سورة ابراهيم:

﴿وَإِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيَدْبِحُونَ أَبْنَاءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ...﴾^٢

وقد قال تعالى في الأعراف:

﴿وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُقْتَلُونَ أَبْنَاءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكَ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾^٣

فننظر في آية سورة البقرة (يدبحون) بدون العطف وفي آية سورة ابراهيم بالواو "لأن الأولى من كلامه تعالى لهم فلم يعدد عليهم المحن تكرماً في الخطاب، والثانية من كلام موسى عليه السلام فعدها وفي الأعراف يقتلون وهو من تنويع الألفاظ المسمى بالتفنن."^٤ وفي غير قصة، كقوله تعالى:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ...﴾^٥

مع قوله تعالى:

﴿قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ...﴾^٦

وورد في الاتقان: "لأن الأولى خطاب للمسلمين والثانية خطاب للنبي ﷺ، و(الى) ينتهي بها من كل جهة، و(على) لا ينتهي بها الا من جهة واحدة، وهي العلو، والقرآن يأتي المسلمين من كل جهة يأتي مبلغه اياهم منها، وانما أتى النبي ﷺ من جهة العلو خاصة، فناسب قوله (علينا)."^٧ ويقول الدكتور عبد الغفور: "كما بلغهم من رسول الله ﷺ وكان يبلغ من رجل آخر أو امرأة، من الصحابة ومن بعدهم ممن يعقل معناه أو لا يعقله، وكان يبلغهم مكتوباً مع وجود قارئ مع المكتوب، أو يبلغهم اليوم مسجلاً على أشرطة."^٨

١. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٤٩
٢. القرآن؛ س: ابراهيم؛ الآية: ٦
٣. القرآن؛ س: الأعراف؛ الآية: ١٤١
٤. الاتقان في علوم القرآن، النوع ٦٣، ص ٣٦٦
٥. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ١٣٦
٦. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ٨٤
٧. الاتقان في علوم القرآن، النوع ٦٣، ص ٣٦٦-٣٦٧
٨. بحوث في علوم القرآن، ص ٨١

ومنه:

مراعاة الحروف ومعانيها:

وهو كما شرحه التنوخي: "فانها في لغة الناس ذات مواقع لبس واشتباه ، مما يحتاجون فيه الى الطباع السليمة والتدرب . ومن أعظم الأعوان على ذلك النظر في القرآن الكريم وتفسيره وتأمل معانيه، وليس هذا مما يقدر على تعلمه كل أحد."^١

فننظر الى حروف العطف في قوله تعالى:

﴿ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ • فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ • أَنَا صَبِينَا الْمَاءَ صَبًّا • ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا • فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا • وَعَيْنًا وَقَضْبًا • وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا • وَحَدَائِقَ غُلْبًا • وَفَاكِهَةً وَأَبًّا • مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ • ﴾^٢

يقول التنوخي:

"لما زجر بكلا ، وأخبر أن المرء لم يقض ما أمره به عقب الزجر بالأمر، فأتى بالفاء مستأنفاً للجملة الأخرى وتعقيباً للزجر بالأمر وتنبهياً على أن غفلة الانسان مما ينبغي له سبب لأن يوعظ ، فالفاء هنا دلت على الاستئناف والتعقيب والتسبب . وعطف شق الأرض على صب الماء بثم ، اذ لا بد بينهما من مهلة . وقال (فأنبتنا) اذ انشقاق الأرض بالنبات ، فلا مهلة بينهما . ثم عطف النبات بعرضه على بعض بالواو ، لأن فيه ما ينبت بعرضه مع بعض وما ينبت بعرضه عقيب بعض وما يتقدم بعرضه على بعض ويتأخر من غير تعقيب ، والواو تستعمل في هذه المواضع كلها ، اذ هي لمجرد الاشتراك"^٣

وقوله تعالى:

﴿ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴾^٤

ويقول الطوفي: "فعلى للاستعلاء ، وفي للظرفية ، فشبّه المهدي بالمستعلى ، لاستعلائه حالاً ومالاً . والضال بالمغمور المغموس في ظلمة ، أو المظروف في الحجة ، ولهذا قال بنو يعقوب له ﴿ إِنَّكَ لَنفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴾^٥ وكذلك حيث أضيف الهدى الى أربابه في القرآن منكرأ كان

١ . الاقصى القريب في البلاغة ، ص ٨٨

٢ . القرآن ؛ س : عيس ؛ الآية : ٢٣ - ٣٢

٣ . المرجع السابق

٤ . القرآن ؛ س : سبا ؛ الآية : ٢٤

٥ . القرآن ؛ س : يوسف ؛ الآية : ٩٥

بد(على) نحو: ﴿أَوَلَيْكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ﴾^١ “٢

ومنه

إبدال حرف في كلمة:

”قد يستعمل كلمة في موطن ثم يستعملها في موطن آخر مُبدلاً فيها حرف، وذلك نحو مكة وبكة واللاتي واللاتي وبسطة وبسطة ونحوها وكل ذلك لغرض.“^٣ قال تعالى:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾^٤

وقال تعالى:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾^٥

فقال في آية آل عمران (بكة) وقال في الفتح (مكة) ”وسبب ايرادها بالباء في آل عمران أن الآية في سياق الحج ... فحاء بالاسم (بكة) من لفظ (البك) الدال على الزحام لأنه في الحج بيك الناس بعضهم بعضاً أي يزحم بعضهم بعضاً، سميت (بكة) لأنهم يزدحمون فيها... وليس السياق كذلك في آية الفتح بالاسم المشهور لها - أعني (مكة) بالميم - فوضع كل لفظ في السياق الذي يقتضيه والله أعلم“^٦ وقال الله تعالى:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ﴾^٧

وقال الله تعالى:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضُرَّعُونَ﴾^٨

١. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٥

٢. الاكسير في علم التفسير، نجم الدين سليمان الطوفي، تحقيق عبدالقادر حسين، ص ٢٤٢-٢٤٣

٣. التعبير القرآني، الدكتور فاضل صالح السامرائي، ص ١٥٦

على العنوان www.islamiyyat.com/taaebeer%20qurani.htm

٤. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآيتان: ٩٦-٩٧

٥. القرآن؛ س: الفتح؛ الآية: ٢٤

٦. التعبير القرآني للسامرائي، ص ٥٦

٧. القرآن؛ س: الأنعام؛ الآية: ٤٢

٨. القرآن؛ س: الاعراف؛ الآية: ٩٤

ويشرح الدكتور فاضل السامرائي بأن الارسال الى شخص ما يقتضي التبليغ ولا يقتضي المكث، فانك قد ترسل الى شخص رسالة فيبلغها ويعود، وأما الارسال في القرية أو في المدينة فانه يقتضي التبليغ والمكث، فان ﴿ في ﴾ تفيد الظرفية، وهذا يعني بقاء النبي بينهم يبلغهم ويذكرهم بالله، ويريهم آياته المؤيدة. ولا شك أن هذا يدعوهم الى زيادة التضرع والمبالغة فيه، فجاء بالصيغ الدالة على المبالغة في الحدث والاكثار منه فقال: ﴿ لَعَلَّهُمْ ﴾، فوضع كل مفردة في مكانها اللائق بها.^١

ومنه

وجود الوجوه والنظائر والأفراد:

وهو: "الوجوه جمع وجه، والوجه في اللغة له معان، منها: وجه الانسان، ومستقبل كل شيء، ومنه قوله تعالى: فأينما تولوا فثم وجه الله (البقرة ١١٥) ومنها نفس الشيء، ومنها الجهة. والنظائر: جمع نظير - كأمر - المثل والتشبيه. وفي الاصطلاح اختلف في المراد بهم."^٢

يقول ابن الجوزي^٣: "هو من فروع علم التفسير، ومعناه: أن تكون الكلمة واحدة ذكرت في مواضع من القرآن على لفظ واحد، وحركة واحدة، وأريد بها في كل مكان معنى غير الآخر، فلفظ كل كلمة ذكرت في موضع نظير لفظ الكلمة المذكورة في الموضع الآخر هو النظائر. وتفسير كل كلمة بمعنى غير معنى الآخر هو الوجوه. فاذا النظائر اسم الألفاظ والوجوه اسم المعاني."^٤ وهو عند الدكتور عبدالغفور: "وهو وجود بديع، لا يعرف لكتاب غير القرآن الكريم. وان ابداعه ليعد وجهاً من وجوه الامتياز والاعجاز، وخاصة من خصائص لغة القرآن الكريم."^٥

وفي رأي الدامغاني كان أول من عرف الوجوه والنظائر ابن الجوزي في كتابه (نزهة الأعين النواظر في علم الوجوه والنظائر في القرآن الكريم) حيث قال: واعلم أن معنى الوجوه والنظائر أن تكون الكلمة الواحدة قد ذكرت في مواضع القرآن الكريم على لفظ واحد وحركة واحدة وأريد بكل مكان معنى للكلمة غير معناها في المكان الآخر، وتفسير كل كلمة بمعنى يناسبها غير معنى الكلمة الأخرى هذا ما يسمى الوجوه أما النظائر فهو اسم للألفاظ وعلى هذا تكون

١. بلاغة الكلمة في التعبير القرآني، د. فاضل السامرائي،

على الموقع <http://www.lamasat.8m.com/balaagha.htm>

٢. وجوه القرآن، اسماعيل بن احمد الحيري، ج ١، الصفحة: على الموقع

http://www.al-shia.com/html/ara/books/lib-quran/vojoh_al_quran-1/vojoh101.htm#link7

٣. أبجد العلوم، محمد صديق بن حسن القنوجي، ج ٢ باب الواو ص ٣٥

على الموقع www.al-eman.com/IslamLib/viewchp.asp?BID=266&CID=35

٤. بحوث في علوم القرآن الكريم، ٨٣

الوجوه اسماً للمعاني.^١

يكسرر حاجي خليفة تعريف ابن الجوزي: "علم الوجوه والنظائر، وهو من فروع علم التفسير، ومعناه أن تكون الكلمة الواحدة ذكرت في مواضع القرآن على لفظ واحد وحركة واحدة، وأريد بها في كل مكان معنى غير الآخر. فلفظ كل كلمة ذكرت في موضع نظير للفظ الكلمة المذكورة في الموضع الآخر: هو النظائر. وتفسير كل كلمة بمعنى غير معنى الآخر هو الوجوه. فاذا النظائر اسم الألفاظ. والوجوه اسم المعاني"^٢ ويفرق اسماعيل بن أحمد الحيري بين الوجوه والنظائر: "ف عند ابن الجوزي ان النظر في الألفاظ والوجه في المعاني"^٣ ف"الوجوه والنظائر متلازمان. ومثال ذلك: (الامة)، قال الشافعي^٤: ((الامة على ثلاثة وجوه: قوله تعالى: ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ﴾^٥ قال (على دين)، وقوله تعالى: ﴿وَأَذَكَّرَ بَعْدَ أُمَّةٍ﴾^٥ قال (بعد زمان)، وقوله تعالى: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ﴾^٦ قال (معلما)"^٧ "لكن لا تراهما متلازمين في صنيع السيوطي فقد ذكر اللفظ الذي معناه واحد في مواضع كثيرة، فمثلاً ذكر عن رسول الله ﷺ: ((كل حرف في القرآن يذكر فيه القنوت فهو الطاعة)). (هذا اسناد جيد، وابن حبان يصححه). وعن ابن عباس قال: ((كل تسبيح في القرآن صلاة، وكل سلطان في القرآن حجة))^٨ ويقول الزركشي في كتابه البرهان: "فالوجه: اللفظ المشترك الذي يستعمل في عدة معان، والنظائر: الألفاظ المتواطئة."^٩ ويقول السيوطي:

"فالوجوه: اللفظ المشترك الذي يستعمل في عدة معان كلفظ الأمة... والنظائر: كالألفاظ المتواطئة. وقيل النظائر في اللفظ، والوجوه في المعاني. وضعف لأنه لو

١. تقرير عن كتاب الوجوه والنظائر لألفاظ كتاب الله العزيز للإمام أبي عبد الله الحسين بن محمد الداغاني، إعداد: أحمد بن صالح النقيب، إشراف: الدكتور حكمت بن بشير ياسين على الصفحة www.tafsir.org/vb/showthread.php?t=3277
٢. بحوث في علوم القرآن ص ٨٣، كشف الظنون، ج ٢، ص ٢٠٠
٣. وجوه القرآن، اسماعيل الحيري، على الموقع http://www.al-shia.com/html/ara/books/lib-quran/vojoh_al_quran-1/vojoh101.htm#link7
٤. القرآن؛ س: الزخرف؛ الآية: ٢٢
٥. القرآن؛ س: يوسف؛ الآية: ٤٥
٦. القرآن؛ س: النحل؛ الآية: ١٢٠
٧. أحكام القرآن للشافعي جمعه البيهقي، ج ١، ص ٤٢، نقلاً عن: بحوث في علوم القرآن الكريم، ٨٣
٨. بحوث في علوم القرآن الكريم، ٨٤
٩. وجوه القرآن لاسماعيل الحيري،

أريد هذا لكان الجمع في الألفاظ المشتركة ، وهم يذكرون في تلك الكتب اللفظ الذي معناه واحد في مواضع كثيرة ، فيجعلون الوجوه نوعاً لأقسام ، والنظائر نوعاً لآخر . وقد جعل بعضهم ذلك من أنواع معجزات القرآن حيث كانت الكلمة الواحدة تنصرف الى عشرين وجهاً وأكثر وأقل ، ولا يوجد ذلك في كلام البشر.^١

”وليس من الضروري أن يكون مفرداً بل الجملة من هذا الباب أيضاً“^٢ حيث ”أخرج أبو الشيخ

عن الضحاك قال: قال لي ابن عباس: احفظ عني كل شيء في القرآن وما لهم في الأرض من ولي ولا نصير فهو للمشركين ، فأما المؤمنون فما أكثر أنصارهم وشفعاءهم ... و... عن مسروق قال: ما كان في القرآن على صلاتهم يحافظون ، حافظوا على الصلوات فهو على موافقتها... و... عن سفيان بن عيينة قال: كل شيء في القرآن وما يدريك فلم يخبر به ، وما أدراك فقد أخبر به.“^٣

وأيضاً ليس من الضروري ... من توحد اللفظ والحركة ، فان في هذا الباب أيضاً ”عن مسروق قال: ما كان في القرآن ﴿ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴾^٤ ، ﴿ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ ﴾^٥ فهو على موافقتها“^٦

فالأولى — كما قال السيوطي — أن الوجوه: اللفظ المشترك الذي يستعمل في عدة معان، كلفظ (الأمه). والنظائر كالألفاظ المتواطئة . أما الألفاظ المشتركة فهي: الألفاظ المتحددة الدالة بالوضع المتساوي على مسميات مختلفة بالحقيقة ، كلفظ العين الدال على عين الماء، والذهب، والعضو الباصر، ونحوها.^٧

ومن الألفاظ المشتركة: (العين)

وفي القرآن ورد كلمة العين الدال على عين الماء في قوله تعالى:

﴿ فَأَنْفَجَرْتُ مِنْهُ اثْنَا عَشَرَ عَيْنًا ﴾^٨

١. الاتقان في علوم القرآن ، النوع ٣٩ ص ١٦٤
٢. بحوث في علوم القرآن ، ص ٨٤
٣. المرجع السابق ، النوع ٣٩ ص ١٦٨
٤. القرآن ؛ س: المعارج ؛ الآية: ٣٤
٥. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٣٨
٦. بحوث في علوم القرآن ، ص ٨٥
٧. المرجع نفسه
٨. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٦٠

وورد الدال على العضو الباصر في قوله تعالى:

﴿وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾^١

فهي أيضاً بمعنى (نفس الشيء وخياره) كما قوله تعالى:

﴿ثُمَّ لَتَرَوْهَا عَيْنَ الْيَقِينِ﴾^٢

قال النسفي: " (أي الرؤية التي هي نفس اليقين وخالصته) ، وهي أيضاً اسم حرف الهجاء المعروف في مثل (كهيعص) ، ونعلم أن المكتوب هو المسمى ، والمنطوق هو الاسم... فمثل هذا هو الوجوه."^٣ وأما الألفاظ المتواطئة فهي الألفاظ "المتحدة — الدالة على مسميات مختلفة الحقيقة — باعتبار معنى مشترك بينها."^٤

ومن الألفاظ المتواطئة لفظ (الانسان) ، وقد ورد في القرآن وأريد به "الجنس"^٥ في قوله تعالى:

﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾^٦

وأريد به "الكافر"^٧ في نحو قوله تعالى:

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ﴾^٨

وأريد به "أبي بن خلف أو الوليد بن المغيرة"^٩ في قوله تعالى:

﴿وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا﴾^{١٠}

و"العاصي بن وائل"^{١١} في قوله تعالى:

-
- ١ . القرآن ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٤٥
 - ٢ . القرآن ؛ س: التكاثر ؛ الآية: ٧
 - ٣ . بحوث في علوم القرآن ، ص ٨٥-٨٦
 - ٤ . المرجع نفسه ، ص ٨٦
 - ٥ . تفسير الجلالين ، جلال الدين السيوطي والمحلي ، س: العلق ؛ الآية: ٥
 - ٦ . على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
 - ٧ . القرآن ؛ س: العلق ؛ الآية: ٥
 - ٨ . المرجع السابق ، س: العاديات ؛ الآية: ٦
 - ٩ . القرآن ؛ س: العاديات ؛ الآية: ٦
 - ١٠ . المرجع السابق ، س: مريم ؛ الآية: ٦٦
 - ١١ . القرآن ؛ س: مريم ؛ الآية: ٦٦
 - ١٢ . المرجع السابق ، س: يس ؛ الآية: ٧٧

﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانَ إِذَا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾^١

و"أبوجهل"^٢ في قوله تعالى:

﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّاظِرٌ ۚ أَلَمْ يَرَأَهُ اسْتَخْنَىٰ ۖ﴾^٣

وأريد "آدم عليه السلام"^٤ في قوله تعالى:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾^٥

و"أبو بكر الصديق"^٦ في قوله تعالى:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمَلُهُ
وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي
أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ
وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾^٧

فيقول الأستاذ عبد الغفور عن استعمال لفظ الانسان هكذا: "فاطلاق لفظ (الانسان) متواطئاً على هؤلاء لأن الانسانية معنى مشترك بينهم بالتساوي ، ليست في واحد أولى منها في الآخر.... فهكذا النظائر."^٨

ويقول: "واتضح أن بين أفراد — أو ما صدقات — اللفظ الذي يكون نظيره من النظائر معنى متحد . وأن ما صدقات اللفظ الذي يكون من نوع الوجوه — أي اللفظ المشترك ، وهو ما كان ذا وجوه أي ذا ما صدقات مختلفة كما سبق — ليست ما صدقات ذات جامع من معنى متحد . فالوجوه قسم ، والنظائر قسم آخر."^٩

- ١ . القرآن ؛ س: يس ؛ الآية: ٧٧
- ٢ . المرجع السابق ، س: العلق ؛ الآية: ٦-٧
- ٣ . القرآن ؛ س: العلق ؛ الآية: ٦-٧
- ٤ . المرجع السابق ، س: الحجر ؛ الآية: ٢٦
- ٥ . القرآن ؛ س: الحجر ؛ الآية: ٢٦
- ٦ . المرجع السابق ، س: الاحقاف ؛ الآية: ١٥
- ٧ . القرآن ؛ س: الاحقاف ؛ الآية: ١٥
- ٨ . البحوث في علوم القرآن ، ص ٨٧
- ٩ . المرجع نفسه

ثم يقول الأستاذ عبدالغفور:

”وللحكيم الترمذي كتاب ”تحصيل نظائر القرآن“ تتبع فيه كلمات بوجوهها وردت في كتاب مؤلف في ذلك عنده ، فقام برد وجوه كل كلمة الى وجه واحد هو معنى هذه الكلمة وحده عنده ، فألغى — بذلك — ما يسمى بـ(الوجوه). فأقول: ان القرآن الكريم الذي استخدم اللفظة الواحدة في الوجوه المتشعبة التي ترجع الى وجه واحد: قد أتى عجباً في باب استخدام الألفاظ وتوظيفها. وليس هذا مني رضاها كاملاً بما فعل الحكيم الترمذي ، فقد تعسف في بعض الأحوال، كما يلزم من دارسته. ومع بقاء مزية محاولته يبقى ما تعسف فيه حالصاً لموضوع (الوجوه والنظائر) لا (النظائر) فقط كما أراد. ومن تأمله وجد الفرق بين النظائر عنده وعند غيره أنها عند غيره ذات قدر مشترك من المعنى وعنده ذات معنى واحد.“^١

ويقول الرافعي عن الأفراد: ”وأما الأفراد فهي ألفاظ تحيء، بمعنى مفرد غير المعنى الذي تستعمل فيه عادة.“^٢

ومن أمثلتها ما جاء في الاتقان: قال ابن عباس في كتاب الأفراد: كل ما في القرآن من ذكر الأسف فمعناه الحزن الا ﴿فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾^٣ فمعناه: أغضبونا.

وكل ما فيه من ذكر البروج فهي الكواكب الا ﴿وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ﴾^٤ فهي القصور الطوال الحصينة.

وكل ما فيه من ذكر البر والبحر فالمراد بالبحر الماء وبالبر التراب اليابس الا ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾^٥ فالمراد به البرية والعمران...

وكل ما من البعل فهو الزوج الا ﴿اتَدْعُونَ بَعْلًا﴾^٦ فهو الصنم...

وكل ما فيه من ريب فالشك الا ﴿رَيْبَ الْمُنُونِ﴾^٧ يعني حوادث الدهر...

١. بحوث في القرآن الكريم، حاشية ص ٨٧ — ٨٨

٢. اعجاز القرآن ، الرافعي ، ص ٧٣

٣. القرآن ؛ س: الزحرف ؛ الآية: ٥٥

٤. القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ٧٨

٥. القرآن ؛ س: الروم ؛ الآية: ٤١

٦. القرآن ؛ س: الصافات ؛ الآية: ١٢٥

٧. القرآن ؛ س: الطور ؛ الآية: ٣٠

وكل قنوت فيه طاعة الا ﴿كُلُّ لَهٗ قَانِتُونَ﴾^١ فمعناه مقرون...

وكل انفاق فيه فهو الصدقة الا ﴿فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُمْ مِثْلَ مَا أَنْفَقُوا﴾^٢ فالمراد به المهر.^٣

فهذا "وعد من مثل ذلك هو وغيره أشياء ؛ فهذا ما يسمونه في لغة القرآن بالأفراد."^٤
فهذه الألفاظ تؤثر في القاء المعاني الى ذهن المتلقي ولها أهمية كبيرة في علم التفسير والتشريح
لنصوص القرآن الكريم.

-
١. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١١٦
 ٢. القرآن ؛ س: الممتحنة ؛ الآية: ١١
 ٣. الاتقان في علوم القرآن ، ص ١٦٦
 ٤. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٧٣

الجدّة والاختراع في الكلمات

اختراع القرآن الكريم في خطابه تعبيرات جديدة ما لم يوجد من قبل في كلام العرب ، ومن ذلك في ألفاظ الأستاذ عبد الغفور:

”كأحرف التنبيه في فواتح السور ، مثل (الم) ، (حم) ، (طه) . وقد اتسع القول فيها، ثم لم يجرؤ أحد على استعمالها في رسالة أو خطبة أو قصيدة ، فانها من أسرار القرآن ومخترعاته . مما ترك للعلماء يجتهدون في تفسيره ، أو يتوقفون ، فمنهم من يقول الله أعلم بمراده ، ومنهم من يقول انها تنبيه على أن القرآن مؤلف من حروفكم وعجزتم عن معارضته فوجب أن تؤمنوا بأنه من عند الله العزيز الحكيم . ومنهم من أضاف الى ذلك أن فيها اشارة الى صفات الحروف ، فقد اشتملت تلك الفواتح على نصف الحروف المهموسة ونصف الشديدة الى آخر ما ذكره مما هو حقاً كشف عن عجيب أمر القرآن في هذا الحديد المخترع.“^١

و كتركيب :

﴿أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ﴾^٢

فيقول الأستاذ عبدالغفور عن هذا التعبير: ”فهو من الحديد المخترع في اصطلاح القرآن.“^٣ وكما ورد عن هذا في (في ظلال القرآن): ”وهو تعبير اصطلاحي يتضمن التهديد والوعيد، وقد أمسك رسول الله ﷺ بخناق أبي جهل مرة ، وهزه ، وهو يقول له: ((أولى لك فأولى . ثم أولى لك فأولى)).. فقال عدو الله : أتوعدني يا محمد؟ والله لا تستطيع أنت ولا ربك شيئاً . واني لأعز من مشي بين جبلية!! فأخذه الله يوم بدر بيد المؤمنين...“^٤ وعند الدكتور عبد الغفور: ”وكما يسمى بالألفاظ الاسلامية ، وهي تلك الألفاظ القديمة بمادتها الجديدة بمعناها الاسلامي“^٥ وهي كما يقول الرافعي: ”كالظلم ، والكفر ، والايمان ، ونحوها مما نقل عن مدلوله في لغة العرب الى المعاني الاسلامية المحدثه أو يكون سياق الألفاظ قد دل بالقرينة على

١ . بحوث في علوم القرآن ، ص ٨٩

٢ . القرآن ؛ س: القيامة ؛ الآية: ٣٤

٣ . المرجع السابق ، ص ٩٠

٤ . في ظلال القرآن ، سيد قطب ، سورة : القيامة ، الآية: ٣٤ ، ص ٩

٥ . المرجع السابق

معنى معين غير الذي يفهم من ذات الألفاظ...^١

ومنها "ألفاظ الاسلام والايمان والصلاة والزكاة والصوم والحج وما اليها مما قام عليه الاسلام واستقام."^٢

ومثل "استعمال لفظ الشهادة للقتل ، والتعبير للموت بقوله ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ﴾^٣ ، واستعمال (التوفي) بمعنى الموت أيضاً"^٤

ثم يشرح الدكتور عبدالغفور عن اصطلاح (التوفي) ما ملخصها كالاتي: لقد استبعد العرب النشأة الثانية واعتقدوا الفناء المحض وعدم بقاء الروح فتلطف القرآن في الدخول اليهم بالعقيدة الصحيحة فاستعمل لفظ (التوفي) كقوله تعالى: ﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يَتَوَفَّى﴾^٥ بمعنى استيفاء

الشيء كاملاً وتحصيله سالماً ، فلأرواح عنده تعالى مقرها ولأجزاء الجسد مستقرها . وأشار بلفظ (التوفي) الى أن المتوفى — بفتح الفاء — يكون حق المتوفى — بكسرها — فلا يقال مثلاً لأخذ الفرس من الصحراء (توفيت الفرس) وانما يقال (توفيت حقي) أي حصلته . والحق يكون عند الغير عارية لمدة مضروبة ، وهذا يتضمن اتمام المدة ، كما يشير الى أن صاحب الحق يستبد بقبضه متى شاء . ولفظ التوفي اذا كان مسنداً الى الله تعالى ففيه اشارة الى أن الشيء المتوفي لا يفنى بعده لصيرورته ملكاً للباقي ، وهو المراد بقوله تعالى:

﴿وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾^٦

أي الإماتة والاحياء مرة ثانية لا يدوم هكذا بل ينتهي على قوله (ثم اليه ترجعون) وعلى قوله: ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ﴾^٧ فاذا كان المتوفى هو الروح كان باقياً بعده. ولما كان البدن في سائر الناس غير متوفى لحضرته تعالى وكان سيدنا عيسى عليه السلام توفى الله بدنه مع روحه زاد في آل عمران بعده ﴿وَرَأَيْتَكَ إِلَيْهِ﴾^٨ وخصه به عليه السلام.

١. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص: ٧٢

٢. مجلة (التراث العربي) العددان ٨٦-٨٧ اغسطس ٢٠٠٢، مقال (الظاهرة القرآنية وامتيازها من فنون القول)

٣. القرآن ؛ س: الاحزاب ؛ الآية: ٢٣

٤. بحوث في القرآن الكريم ، ص ٩٠

٥. القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ٥

٦. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٨

٧. القرآن ؛ س: النحل ؛ الآية: ٩٦

٨. القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ٥٥

وقال تعالى:

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تُمُتْ فِي مَنَامِهَا...﴾^١

فأعلم الناس بأن في المنام توفياً أيضاً وأورد لفظ (الأنفس) اعلماً لهم وتعليماً فتعريف التوفي فيهم — المنامي — أيضاً فاستغنى بعده عن ذكر الأنفس في قوله تعالى: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ﴾^٢ فلما كان أهل الجاهلية يرون ان الموت فناء محض هداهم القرآن الى أن الأمر ليس

كذلك وأن في الموت توفياً. فحقيقة الأمر أن التوفي في كل مقام هو الأخذ (الوافي) ويصدق في الموت والنوم والرفع أن فيها توفياً. فهذه حقيقة الأمر وفقه لغة القرآن.

ويدلك على أن (التوفي) في لغة العرب قبل القرآن لم يكن يطلق على الموت أن الأزهرى في (تهذيب الألفاظ) والشعالبي في (فقه اللغة) لم يذكر التوفي في أسماء الموت ، وأن صاحب المخصص لما ذكره من أسمائه لم يستشهد له الا بالقرآن. "فلم يكن عندهم حقيقة الموت كما عند الاسلام ، فكيف يعبرون عنها بالتوفي ، فما كانوا يعرفونها بهذا المعنى ولا بهذا اللفظ بل كانوا يعرفون التوفي بأخذ الشيء وافياً أي استيفاء واستكمالاً."^٣ فقد رأيت القديم الجديد ، بل رأيت الجديد الجديد المخترع على نحو فريد شديد، باشتماله على أسرار اشارات من باب المعجزات.

وعن التوجيه اللغوي بالحدة والاختراع كما علمنا هنا يقول الدكتور عبدالغفور: "هذا من أدلة أن اللغة ليست ألفاظاً فقط ، بل الألفاظ ظاهرها والمعاني نصفها الباطن، بل جوهرها."^٤

فهذه ونحوها ألفاظ يعرفها الجاهليون ، ولكنهم لا يعرفون منها الا المعنى اللغوي الأصلي . وأما الدلالات الجديدة فليس للناس بها عهد ، ولكنها في الحقيقة لم تكن دلالات منبثة الصلة عن أصلها اللغوي بل هي امتداد له، وهذا أمر بديهي ، وذلك أن القرآن لما كان كتاب هداية للناس كان لا بد أن يكون مفهوماً ، وانما يكون مفهوماً اذا ما استعمل كلام القوم الذين نزل فيهم. وهو أمر نبه عليه ابن خلدون فقال: "اعلم أن القرآن نزل بلغة العرب ، وعلى أساليب بلاغتهم فكانوا كلهم يفهمونه ويعلمون معانيه في مفرداته وتراكيبه"^٥

١. القرآن ؛ س: الزمر ؛ الآية: ٤٢

٢. القرآن ؛ س: الانعام ؛ الآية: ٦٠

٣. يثيمة البيان في شيء من علوم القرآن للشيخ محمد يوسف البنورى: ٩٢-٩٧ ط باكستان

٤. بحوث في علوم القرآن، ص ٩٢

٥. مقدمة ابن خلدون ، ص ٢٦٩

ومنه:

استعمال المشترك في معنييه :

ومن أمثلة ذلك قوله تعالى:

﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ﴾^١

وورد في (بحوث في علوم القرآن): "فالحقيقة الشرعية للسجود هي وضع الجبهة على الأرض ، وهذا مقصود لأن الناس المذكورون ، وقصد معه معنى آخر بالنسبة للجبال وما معها." ^٢ فيقول

الامام الرازي: "المراد بالسجود في حق الأحياء العقلاء العبادة وفي حق الجمادات الانقياد"^٣

وقوله تعالى:

﴿ إِنْ يَتَفَقَّهُكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَسْطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتُهُم بِالسُّوءِ ﴾^٤

يقول الطبرسي: "أي يمدوا اليكم أيديهم بالضرب والقتل ويسطوا اليكم ألسنتهم بالشتيم والمعنى أنهم يعادونكم ولا ينفعكم ما تلقون اليهم ولا يتركون غاية في الحاق السوء بكم باليد واللسان." ^٥ ويقول الأستاذ عبد الغفور: "فبسط الأيدي حقيقة في مدها للضرب والسلب ، وبسط الألسنة مجاز في عدم امساكها عن القول البذيء ، وقد استعمل هنا في معنييه كليهما — الحقيقي والمجازي." ^٦

وقوله تعالى:

﴿ إِنْ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ﴾^٧

ومن معاني الصلاة — كما ورد في روح المعاني — هي : من الله عز وجل ثناؤه عليه عند ملائكته وتعظيمه. وهي من الملائكة الدعاء له عليه الصلاة والسلام. ويلزم على هذا وذلك

١. القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ١٨

٢. بحوث في علوم القرآن، ص ٩٢

٣. التفسير الكبير مفاتيح الغيب ، س: الحج ؛ الآية: ١٨، ص ٢

٤. القرآن ؛ س: الممتحنة ؛ الآية: ٢

٥. مجمع البيان في تفسير القرآن ، الطبرسي ، س: الممتحنة ؛ الآية: ٢، ص ٣

على الموقع www.altafsir.com.Tafsir.asp

٦. بحوث في علوم القرآن، ص ٩٣

٧. القرآن ؛ س: الاحزاب ؛ الآية: ٥٦

استعمال اللفظ في معنيين ولا يجوزه كثير. فقال بعضهم: في الآية حذف والأصل ان الله يصلي وملائكته يصلون فيكون قد أدى كل معنى بلفظ، وقال آخر: تعدد الفاعل صير الفعل كالمتعدد، وقال صدر الشريعة دون أن يكون المعنى واحداً حقيقياً وهو الدعاء والمعنى والله تعالى أعلم أنه تعالى يدعو ذاته والملائكة بايصال الخير وذلك في حقه تعالى بالرحمة وفي حق الملائكة بالاستغفار.^١

فالفعل (يصلون) واحد في النص، وقصد منه الصلاة بمعنى الرحمة من الله تعالى، والصلاة بمعنى الاستغفار من الملائكة — على قول من قال بذلك. فهذه الأمثلة تدل على طريقة اختراع القرآن من الكلمات الموجودة من قبل معاني جديدة ثلاثم موضوعاته وأغراضه في النظام القرآني.

١. روح المعاني، س: الاحزاب؛ الآية: ٥٦، ص ١-٢

الفصل السادس

إحياءات الكلمات

إحياءات جمع لإحياء وهو من مادة (وحي) والمعنى اللغوي للإحياء كما جاء في لسان العرب: "وأوحى: كلّمه بكلام يُخفيه من غيره. ووحي إليه وأوحى: أومأ... وقال الفراء في قوله، فأوحى إليهم: أي أشار إليهم، الكسائي: وَحَيْثُ إِلَيْهِ بِالْكَلامِ أَحْيَ بِهِ وَأَوْحَيْتُ إِلَيْهِ، وَهُوَ أَنْ تَكَلَّمَ بِكَلَامٍ تُخْفِيهِ مِنْ غَيْرِهِ."^١

وقال الله عزّ وجلّ:

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا...﴾^٢

معناه "يُسِرُّ بعضهم إلى بعض"^٣ والإحياء: "هو اعلام بخفاء، ان كان الهامأ في النفس، أو ان كان بالاشارة أو بالدس، أو ان كان بالوسوسة، أو ان كان بواسطة رسول نحن لا نراه، كل ذلك أساليب الوحي الشامل للخير والشر."^٤ ويبين معناه طنطاوي جوهرى: "الاعلام بالأشياء من طريق خفي دقيق سريع"^٥

فالمعنى الإيحائي للكلمة ذلك المعنى الذي تعطيه تلك الكلمة الى جنب الدلالة الأساسية التي قد تشترك فيها مع غيرها من المفردات، وهذا يعطيه أهميتها الخاصة لاختيارها في تركيب أدبي دون الأخرى المرادفة لها أو قريبة لها في المعنى الأساسي.

ويعرفها الدكتور حسين على الصغير بأنها "الدلالة التي يوحى بها اللفظ بالأصداء والمؤثرات في النفس فيكون له وقع خاص يسيطر على النفس، لا يوحيه لفظ يوازيه لغة، فهو مجال الانفعالات النفسية والتأثر الداخلي للانسان. وقد أدرك النقاد القدامى حقيقة اللفظ الإيحائي

١. لسان العرب؛ مادة وحي ص ٦١٦٩

٢. القرآن؛ س: الأنعام ١١٢

٣. المرجع السابق

٤. تفسير خواطر، محمد متولي الشعراوي، س: الأنعام؛ الآية: ١١٢، ص ٣،

على الموقع www.altafsir.com/Tafsir.asp

٥. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الأنعام؛ الآية: ١١٢

وان لم يحددوا للافصاح عنه عبارة كالتي نستخدمها في عصرنا الحاضر.^١ والدلالة الايحائية تُعرف أيضاً كالدلالة الهامشية و”هي الدلالة التي تصاحب اللفظ عند اطلاقه فيكسب دلالة معينة يفيدها كل سامع بحسب تجاربه.“^٢

وقد ذكر المفسرون — وأبرزهم في هذا المجال الزمخشري — في التفاسير احياءات الألفاظ، وما تلقيه من ظلال معنوية ونفسية، والأسرار الجمالية، والجمال المعنوي النفسي في بناء الكلمة، والألفة المعنوية والنفسية بين الألفاظ المنظومة.

أولاً: قد تنبه المفسرون الى احياءات الألفاظ وظلال معنوية ونفسية فيستشف الأسرار الجمالية لكلمات القرآن، مثلاً قال الله تعالى:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾^٣

يقول الزمخشري في الكشف في تفسير هذه الآية:

”فان قلت: ما معنى الاخبار عنهن بالتربص؟ قلت: هو خبر في معنى الأمر. وأصل الكلام: وليربص المطلقات. واخراج الأمر في صورة الخبر تأكيد للأمر واشعار بأنه مما يجب أن يتلقى بالمسارعة الى امثاله، فكأنهن امتثلن الأمر بالتربص. فهو يخبر عنه موجوداً... وبنائه على المبتدأ مما زاده أيضاً فضل تأكيد. ولو قيل: ويربص المطلقات، لم يكن بتلك الوكادة... في ذكر الأنفس تهيج لهن على التربص وزيادة بعث لأن فيه ما يستنكفن منه فيحملهن على أن يتربصن، وذلك أن أنفس النساء طوامح الى الرجال، فأمرهن أن يقمعن أنفسهن ويغلبن على الطموح ويجبرنها على التربص.“^٤

ويقول سيد قطب:

”ان المعنى الذهني المقصود هو أن ينتظرن دون زواج جديد حتى تنقضي ثلاث حيضات، أو حتى يطهرن منها.. ولكن التعبير القرآني يلقي ظلالاً أخرى بجانب ذلك المعنى الذهني.. انه يلقي ظلال الرغبة الدافعة الى استئناف حياة زوجية جديدة. رغبة الأنفس التي يدعوهن الى التربص بها، والامساك بزمامها، مع

١. نظرية النقد العربي: رؤية قرآنية معاصرة، محمد حسين على الصغير، ص ٤٤،

على الموقع <http://www.alkadhum.org/other/mktba/quran/naqid/03.html>

٢. دلالة الألفاظ؛ الدكتور ابراهيم أنيس؛ مكتبة الانجلو، الطبعة الرابعة، ١٩٨٠م، ص ١٠٧

٣. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٢٨

٤. الكشف عن حقائق التنزيل وعيون التأويل، الزمخشري، س: البقرة؛ الآية: ٢٢٨

التحفز، والتوفز، الذي يصاحب صورة التربص. وهي حالة طبيعية، تدفع اليها رغبة المرأة في أن تثبت لنفسها ولغيرها أن اخفاقها في حياة الزوجية لم يكن لعجز فيها أو نقص، وأنها قادرة على أن تجتذب رجلاً آخر، وأن تنشئ حياة جديدة.. هذا الدافع لا يوجد بطبيعته في نفس الرجل، لأنه هو الذي طلق؛ بينما يوجد بعنف في نفس المرأة لأنها هي التي وقع عليها الطلاق.. وهكذا يصور القرآن الحالة النفسية من خلال التعبير^١

ومثال آخر قوله تعالى:

﴿ لَا تَضَارَّ وَالِدَهَا وَلَا مَوْلُودَ لَهُ بِوَلَدِهِ ﴾^٢

يقول الزمخشري عن (بولدها) و(بولده) "لما نهيت المرأة عن المضارة أضيف اليها الولد استعطافاً لها عليه وأنه ليس بأجنبي منها فمن حقها أن تشفق عليه وكذلك الوالد."^٣

وللفظتي (كسبت) و(اكتسبت) ظلال نفسية في الآية:

﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ﴾^٤

فيقول الزمخشري خص الخير بالكسب والشر بالاكْتَسَابُ لأن "في الاكْتَسَابِ اعتمال فلما كان الشر مما تشتهي النفس وهي منجذبة اليه وأماره به، كانت في تحصيله أعمل وأجد، فجعلت لذلك مكتسبة فيه. ولما لم تكن كذلك في باب الخير وصفت بما لا دلالة فيه على الاعتمال."^٥ وقريب من هذا قول البيضاوي: "تخصيص الكسب بالخير والاكْتَسَابِ بالشر لأن الاكْتَسَابِ فيه احتمال والشر تشتهي النفس وتنجذب اليه فكانت أجد في تحصيله وأعمل بخلاف الخير."^٦

ويتغلغل الزمخشري الى الأعماق النفسية في التعبير بلفظتي (طبن) و(شيء) في الآية التشريعية:

﴿ وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدَقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طَبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنَيْئًا ﴾^٧

ونرى ما يقول الزمخشري في تفسيرها: "وفي الآية دليل على ضيق المسلك في ذلك ووجوب

١. في ظلال القرآن، س: البقرة؛ الآية: ٢٢٨، ص ١٣

٢. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٣٣

٣. الكشف، س: البقرة؛ الآية: ٢٣٣، ص ٢

٤. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٨٦

٥. المرجع السابق، س: البقرة؛ الآية: ٢٨٦، ص ١

٦. تفسير أنوار التنزيل وأسرار التأويل، البيضاوي، س: البقرة؛ الآية: ٢٨٦، ص ١

على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

٧. القرآن؛ س: النساء؛ الآية: ٤

الاحتياط حيث بنى الشرط على طيب النفس فقيل: فان طين ، ولم يقل: فان وهين أو سمحن ،
اعلاماً بأن المراعي هو تحافى نفسها عن الموهوب طيبة . وقيل : ان طين لكم عن شيء منه . ولم
يقل فان طين لكم عنها، بعثاً لهن على تقليل الموهوب.^١

وكذلك قال البيضاوي: "والمعنى فان وهين لكم شيئاً من الصداق عن طيب النفس ، لكن جعل
العمدة طيب النفس للمبالغة وعدها بـ(عن) لتضمن معنى التحافى والتجاوز، وقال منه بعثاً لهن
على تقليل الموهوب."^٢

ويستشف الزمخشري المعاني النفسية وراء لفظة يصنعون في تعبير الآية :

﴿لَوْ لَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ
لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾^٣

فيقول: "كانهم جعلوا آثم من مرتكبي المناكير لأن كل عامل لا يسمى صانعاً ، ولا كل عمل
يسمى صناعة حتى يتمكن فيه ويتدرب ينسب اليه وكان المعنى في ذلك أن مواقع المعصية معه
الشهوة التي تدعوه اليها وتحمله على ارتكابها، أما الذي ينهاه فلا شهوة معه في فعل غيره ، فاذا
فرط في الانكار كان أشد حالاً من المواقع."^٤

ويقول البيضاوي في هذا المقام: ﴿لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ أبلغ من قوله لبئس ما كانوا
يعملون من حيث ان الصنع عمل الانسان بعد تدرب فيه ترو و تحري اجادة، ولذلك ذم به
خواصهم ولأن ترك الحسنة أقبح من مواقعه المعصية، لأن النفس تلتذ بها وتميل اليها ولا كذلك
ترك الانكار عليها فكان جديراً بأبلغ الذم.^٥ ويلحظ حال المخاطبين ونفستهم والأسلوب

الذي ينبغي أن يجادلوا به فيقول في الآيات التي تتحدث عن النبي صالح:

﴿قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَأَتَانِي مِنْهُ رَحْمَةٌ فَمَنْ
يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ﴾^٦

يقول الزمخشري: "قيل ﴿إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي﴾ بحرف الشك وكان على يقين أنه على
بينة، لأن خطابه للجاحدين، فكأنه قال: قدرُوا أني على بينة من ربي، وأني نبي على الحقيقة،

١ . الكشاف ، س: النساء ؛ الآية: ٤ ، ص ٢

٢ . أنوار التنزيل وأسرار التأويل ، س: النساء ؛ الآية: ٤ ، ص ١

٣ . القرآن ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٦٣

٤ . الكشاف ، س: المائدة ؛ الآية: ٦٣ ، ص ١

٥ . أنوار التنزيل وأسرار التأويل ، س: المائدة ؛ الآية: ٦٣

٦ . القرآن ؛ س: هود ؛ الآية: ٦٣

وانظروا ان تابعتكم وعصيت ربي في أوامره، فمن يمنعي من عذاب الله؟^١

وكذلك قال الرازي: "ورد بحرف الشك وكان على يقين تام في أمره الا أن خطاب المخالف على هذا الوجه أقرب الى القبول،"^٢ ثم كرر كلام الزمخشري الى آخره ما ذكرت أعلاه.

وللتعبير بلفظة (وجه) ضلال نفسية في الآية :

﴿ يَخْلُ لَكُمْ وَجْهَ أَبِيكُمْ ﴾^٣

فيقول الزمخشري: "فكان ذكر الوجه لتصوير معنى اقباله عليهم؛ لأن الرجل اذا أقبل على الشيء أقبل بوجهه. ويجوز أن يراد بالوجه الذات."^٤ ويقول البيضاوي: "والمعنى يصف لكم وجه أبيكم فيقبل بكليته عليكم ولا يلتفت عنكم الى غيركم ولا ينازعكم في محبته أحد."^٥

وقال ابن عاشور: "والخلو: حقيقته الفراغ. وهو مستعمل هنا مجازاً في عدم التوجه لمن لا يرغبون توجهه له، فكان الوجه خلا من أشياء كانت حالة فيه. واللام في وقوله ﴿ لَكُمْ ﴾ لام العلة، أي يخل وجه أبيكم لأجلكم، بمعنى أنه يخلو ممن عداكم فينفرد لكم. وهذا المعنى كناية تلويح عن خلوص محبته لهم دون مشارك."^٦ وكذلك لفظه (كل) في الآية:

﴿ يَا تُوكُ بِكُلِّ سَحَابٍ عَلِيمٍ ﴾^٧

فيقول: "وعارضوا قوله: ﴿ إِنَّ هَذَا لَسَاجِرٌ ﴾^٨ بقولهم: بكل سحار فجاءوا بكلمة الاحاطة وصفة المبالغة ليظامنوا من نفسه ويسكنوا بعض قلقه."^٩ ومثله قال النسفي: "فجاءوا بكلمة الاحاطة وصيغة المبالغة ليسكنوا بعض قلقه."^{١٠} وقوله تعالى:

١. الكشاف ، س: هود؛ الآية: ٦٣، ص ١
٢. مفاتيح الغيب ، س: هود؛ الآية: ٦٣، ص ١
٣. القرآن ؛ س: يوسف؛ الآية: ٩
٤. الكشاف ، س: يوسف؛ الآية: ٩، ص ١
٥. أنوار التنزيل وأسرار التأويل ، س: يوسف؛ الآية: ٩، ص ١
٦. التحرير والتنوير، س: يوسف؛ الآية: ٩، ص ١
٧. القرآن ؛ س: الشعراء؛ الآية: ٣٧
٨. القرآن ؛ س: الأعراف؛ الآية: ٩، ص ١
٩. الكشاف ، س: الشعراء؛ الآية: ٣٧، ص ١
١٠. مدارك التنزيل وحقائق التأويل، عبد الله بن أحمد النسفي، س: الشعراء؛ الآية: ٣٧، ص ١

﴿ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا ﴾^١

يعرض الزمخشري للفظة ((العوج)) فيها وما تلقيه من ضلال معنوية ، وطريف منه المثال المستشهد به في تقرير أمر جمالي فيقول الزمخشري:

”فان قلت : قد فرقوا بين العِوَج والعَوَج فقالوا العِوَج بالكسر في المعاني . والعَوَج بالفتح في الأعيان ، والأرض عين ، فكيف صح فيها المكسور العين؟ قلت : اختيار هذا اللفظ له موقع حسن بديع في وصف الأرض بالاستواء والملاسة ، ونفي الاعوجاج عنها على أبلغ ما يكون ، وذلك أنك لو عمدت الى قطعة أرض فسويتها وبالغت في التسوية على عينك وعيون البصراء من الفلاحة ، واتفقتم على أنه لم يبق فيها اعوجاج قط ، ثم استطلعت رأي المهندس فيها وأمرته أن يعرض استواءها على المقاييس الهندسية ، لعثر فيها على عوج في غير موضع ، لا يدرك ذلك بحاسة البصر ولكن بالقياس الهندسي ، فنفي الله عز وعل ذلك العوج الذي دق ولطف عن الادراك ، اللهم الا بالقياس الذي يعرفه صاحب التقدير والهندسة ، وذلك الاعوجاج لما لم يدرك الا بالقياس دون الاحساس لحق بالمعاني ، ف قيل فيه عِوَج بالكسر.“^٢

ويقول البيضاوي: ”اعوجاجاً ولا نتواً ان تأملت فيها بالقياس الهندسي ، وثلاثتها أحوال مترتبة فالأولان باعتبار الاحساس والثالث باعتبار المقياس ولذلك ذكر العوج بالكسر وهو يخص بالمعاني“^٣

ثانياً: الجمال المعنوي النفسي في بناء الكلمة:

ويرى المفسرون في بناء الكلمة جمالاً معنوياً نفسياً ، مثلاً في قوله تعالى:

﴿ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ﴾^٤

فيقول الزمخشري: ”وفي بناء الحيوان زيادة معنى ليس في بناء الحياة، وهي ما في بناء فعلان من معنى الحركة والاضطراب، كالنزوان والنغصان واللهبان، وما أشبه ذلك. والحياة: حركة، كما أن الموت سكون، فمجيئه على بناء دال على معنى الحركة، مبالغة في معنى الحياة، ولذلك اختيرت على الحياة في هذا الموضع المقتضى للمبالغة.“^٥

ومثل هذه العبارة نجد في تفسير (روح البيان): ”والحيوان مصدر حي سمي به ذو الحياة

١. القرآن ؛ س: طه ؛ الآية: ١٠٧

٢. الكشاف ، س: طه ؛ الآية: ١٠٧ ، ص ١

٣. أنوار التنزيل وأسرار التأويل ، س: طه ؛ الآية: ١٠٧

٤. القرآن ؛ س: العنكبوت ؛ الآية: ٦٤

٥. الكشاف ، س: العنكبوت ؛ الآية: ٦٤ ، ص ١

وأصله حييان فقلبت الياء الثانية واواً لثلاثا يحذف احدى الألفات وهو أبلغ من الحياة لما في بناء فعلان من الحركة والاضطراب اللازم للحيوان ولذلك اختير على الحياة في هذا المقام المقتضى للمبالغة.^١ وكذلك في قوله تعالى:

﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ﴾^٢

يقول الرزمخشري في كلمة (المقنطرة): "المقنطرة مبنية من لفظ القنطار للتوكيد كقولهم: ألف مؤلفة، وبدرة مبدرة."^٣ وقال الألويسي: "وقيل: المقنطرة المضعفة، وخصها بعضهم بتسعة قناطر، وقيل: المقنطرة المحكمة المحصنة من قنطرت الشيء إذا عقدته وأحكمته، وقيل: المضروبة دنائير أو دراهم، وقيل: المنضدة التي بعضها فوق بعض، وقيل: المدفونة المكنوزة."^٤ وقال طنطاوي: "ومن عادة العرب أن يصفوا الشيء بما يشتق منه للمبالغة أي والقناطر المضاعفة المتكاثرة المجموعة قنطاراً قنطاراً كقولهم: دراهم مدرهمة وابل مؤبلة."^٥

ويقول ابن عاشور: "أريد بها هنا المضاعفة المتكاثرة، لأن اشتقاق الوصف من اسم الشيء الموصوف، إذا اشتهر صاحب الاسم بصفة، يؤذن ذلك الاشتقاق بمبالغة في الحصول به كقولهم: ليل أليل، وظل ظليل، وداهية دهياء، وشعرٌ شاعر، وابل مؤبلة، وآلاف مؤلفة."^٦

ثالثاً: الألفة المعنوية والنفسية بين الألفاظ المنظومة.

والرزمخشري يقول في الآية:

﴿ كَلِمًا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ﴾^٧

"فان قلت: كيف قيل مع الاضاءة: كلما، ومع الاظلام اذا؟ قلت: لأنهم حراس على وجود ما همهم به معقود من امكان المشي وتأتيه، فكلما صادفوا منه فرصة انتهزوها، وليس كذلك التوقف والتحبس."^٨

١. روح البيان، اسماعيل حقي، س: العنكبوت؛ الآية: ٦٤، ص ٢.

على الموقع www.alfafsir.com/Tafasir.asp

٢. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ١٤

٣. الكشاف، س: آل عمران؛ الآية: ١٤، ص ١

٤. روح المعاني، س: آل عمران؛ الآية: ١٤، ص ٢

٥. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: آل عمران؛ الآية: ١٤، ص ٢

٦. التحرير والتنوير، س: آل عمران؛ الآية: ١٤، ص ٣

٧. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٠

٨. الكشاف، س: البقرة؛ الآية: ٢٠، ص ٥

وقريب من ذلك ما قاله النسفي: "وذكر مع ((أضاء)) ((كلما)) ومع ((أظلم)) ((إذا)) لأنهم حراس على وجود ما همهم به معقود من امكان المشي، فكلما صادفوا منه فرصة انتهزوها ولا كذلك التوقف."^١

ومثله قال ابن عاشور: "وذكر (كلما) في جانب الاضاءة و(إذا) في جانب الاظلام لدلالة (كلما) على حرصهم على المشي وأنهم يترصدون الاضاءة فلا يفيتون زمناً من أزمان حصولها ليتبينوا الطريق في سيرهم لشدة الظلمة."^٢

ويعرض المفسرون لاقتران الناس بالحجارة في قوله تعالى:

﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾^٣

يقول الزمخشري:

"فان قلت: لم قرن الناس بالحجارة وجعلت الحجارة معهم وقوداً؟ قلت: لأنهم قرنوا بها أنفسهم في الدنيا حيث نحتوها أصناماً وجعلوها لله أنداداً وعبدوها من دونه: قال الله تعالى:

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾^٤

وهذه الآية مفسرة لما نحن فيه فقوله ((انكم وما تعبدون من دون الله)) في معنى الناس والحجارة، و(حصب جهنم) في معنى وقودها. فلما اعتقد الكفار في حجارتهن المعبودة من دون الله أنها الشفعاء والشهداء الذين يستشفعون بهم ويستدفعون المضارة عن أنفسهم بمكانهم، جعلها الله عذابهم، فقرنهم بها محماة في نار جهنم ابلاغاً في ايلامهم واعراقاً في تحسيرهم، ونحوهم ما يفعله بالكاذبين الذين جعلوا ذهبهم وفضتهم عدة وذخيرة فشحوا بها ومنعوا من الحقوق حيث يحمي عليها في نار جهنم فتكوى بها جباههم وجنوبهم."^٥

ويقول ابن عاشور: "وفي هذه الآية تعريض بتهديد المخاطبين والمعنى المعرض به فاحذروا أن تكونوا أنتم وما عبدتم وقود النار وقرينة التعريض قوله: ﴿فَاتَّقُوا﴾ وقوله: ﴿وَالْحِجَارَةُ﴾ لأنهم لما أمروا باتقائها أمرت تحذير علموا أنهم هم الناس، ولما ذكرت الحجارة علموا أنها أصنامهم، فلزم أن يكون الناس هم عباد تلك الأصنام فالتعريض هنا متفاوت فالأول منه بواسطة واحدة

١. مدارك التنزيل وحقائق التأويل، س: البقرة؛ الآية: ٢٠، ص ١

٢. التحرير والتنوير، س: البقرة؛ الآية: ٢٠، ص ٢

٣. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٤

٤. القرآن؛ س: الأنبياء؛ الآية: ٩٨

٥. الكشاف، س: البقرة؛ الآية: ٢٤، ص ٢

والثاني بواسطتين.^١

وقال الرازي: "السؤال العاشر: لِمَ قرن الناس بالحجارة وجعلت الحجارة معهم وقوداً؟ الجواب: لأنهم قرنوا بها أنفسهم في الدنيا حيث نحتوها أصناماً وجعلوها لله أنداداً وعبدوها من دونه"^٢ وتقرن الأفواه والقلوب في قوله تعالى:

﴿يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ﴾^٣

فيقول الزمخشري: "وذكر الأفواه مع القلوب تصوير لنفاقهم وأن إيمانهم موجود في أفواههم معدوم في قلوبهم، بخلاف صفة المؤمنين في مواطاة قلوبهم لأفواههم."^٤

ويقول فخر الدين الرازي: "والمراد أن لسانهم مخالف لقلوبهم، فهم وإن كانوا يظهرن الإيمان باللسان لكنهم يضمرون في قلوبهم الكفر."^٥

وكذلك في الجمع بين الحذر والأسلحة في قوله تعالى:

﴿وَلِيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ﴾^٦

يقول الزمخشري: "فإن قلت: كيف جمع بين الأسلحة وبين الحذر في الأخذ؟ قلت: جعل الحذر وهو التحرز والتيقظ آلة يستعملها الغازي، فلذلك جمع بينه وبين الأسلحة في الأخذ، وجعلها مأخوذين."^٧

وفي تشريح الرازي معناه أنه تعالى جعل الحذر وهو التحذر والتيقظ آلة يستعملها الغازي، فلذلك جمع بينه وبين الأسلحة في الأخذ وجعلها مأخوذين. قال الواحدي رحمه الله: وفيه رخصة للخائف في الصلاة بأن يجعل بعض فكره في غير الصلاة. فإن قيل: لم ذكر في الآية الأولى ﴿أَسْلِحَتَهُمْ﴾ فقط، وذكر في هذه الآية حذرهم وأسلحتهم. فيجيب عنه الرازي: لأن في أول الصلاة قلما يتنبه العدو لكون المسلمين في الصلاة، بل يظنون كونهم قائمين لأجل المحاربة أما في الركعة الثانية فقد ظهر للكفار كونهم في الصلاة، فهنا ينتهزون الفرصة في الهجوم عليهم، فلا حرم خص الله تعالى هذا الموضوع بزيادة التحذر.^٨

١. التحرير والتنوير، س: البقرة؛ الآية: ٢٤، ص ٣

٢. مفاتيح الغيب، س: البقرة؛ الآية: ٢٤، ص ٩

٣. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ١٦٧

٤. الكشاف، س: آل عمران؛ الآية: ١٦٧، ص ٢

٥. مفاتيح الغيب، س: آل عمران؛ الآية: ١٦٧، ص ٣

٦. القرآن؛ س: النساء؛ الآية: ١٠٢

٧. الكشاف، س: النساء؛ الآية: ١٠٢، ص ١

٨. مفاتيح الغيب، س: النساء؛ الآية: ١٠٢، ص ٣

وفي قوله تعالى:

﴿ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾^١

يرى الزمخشري أن العدول عن اللام الى ((في)) في الأربعة الأخيرة للايدان بأنهم أرسخ في استحقاق التصديق عليهم ممن سبق ذكره لأن في اللوعاء، فنبه على أنهم أحقاء بأن توضع فيهم الصدقات ويجعلوا مظنة لها ومصباً، وذلك لما في فك الرقاب من الكتابة أو الرق أو الأسر، وفي فك الغارمين من الغرم من التخليص والانقاذ، ولجمع الغازي الفقير أو المنقطع في الحج بين الفقر والعبادة وكذلك ابن السبيل جامع بين الفقر والغربة عن الأهل والمال، وتكرير ((في)) في قوله: ﴿ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ ﴾ فيه فضل ترجيح لهذين على الرقاب والغارمين.^٢

وأما رأى الألووسي ثمة أشياء أخرى وهي: لما أن ((في)) للظرفية المنبثة عن احاطتهم بها وكونهم محلها ومركزها وعليه فاللام لمجرد الاختصاص، وفي الانتصاف أن ثم سرّاً آخر هو أظهر وأقرب وذلك أن الأصناف الأوائل ملاك لما عساه أن يدفع اليهم وانما يأخذونه تملكاً فكان دخول اللام لاثقاً بهم، وأما الأربعة الأخيرة فلا يملكون لما يصرف نحوهم ولا يصرف اليهم ولكن يصرف في مصالح تتعلق بهم، فالمال الذي يصرف في الرقاب انما يتناوله السادة المكاتبون أو البائعون فليس نصيبهم مصروفاً الى أيديهم حتى يعبر عن ذلك باللام المشعرة بملكهم لما يصرف نحوهم وانما هم محال لهذا الصرف ولمصالحه المتعلقة به، وكذلك الغارمون انما يصرف نصيبهم لأرباب ديونهم تخليصاً لدممهم لا لهم، وأما في سبيل الله فواضح فيه ذلك، وأما ابن السبيل فكأنه كان مندرجاً في سبيل الله، وانما أفرد بالذكر تنبيهاً على خصوصيته مع أنه مجرد من الحرفين جميعاً.^٣

١. القرآن؛ س: التوبة؛ الآية: ٦٠.

٢. الكشاف، س: التوبة؛ الآية: ٦٠، ص ١

٣. روح المعاني، س: التوبة؛ الآية: ٦٠، ص ٦

الباب الثالث

البناء الدلالي للمفردة القرآنية

نناقش في هذا الباب عن المفردات القرآنية وخواصها وأسبابها لاختيارها للخطاب القرآني دون الكلمات الأخرى التي قد تؤدي ذلك المعنى في نظر عامة الناس. ولدلالة المفردة جوانب مختلفة نناقشها في الفصول الآتية.

- | | |
|---------------|--|
| الفصل الأول: | الدلالة الهامشية للمفردة القرآنية |
| الفصل الثاني: | اختيار المفردة للتسمية لعلاقة دلالية خاصة |
| الفصل الثالث: | اختيار المفردة للتعبير عن الشيء بما هو معه في علاقة خاصة |
| الفصل الرابع: | اختيار المفردة بناءً أعلى موافقة السياق |
| الفصل الخامس: | اختيار المفردة لاعتماد الأسلوب القرآني (الحسية في الوصف) |
| الفصل السادس: | اختيار المفردة ذات الدلالات المتعددة |
| الفصل السابع: | الدقة في اختيار من صيغ المفردات المتاحة |
| الفصل الثامن: | الدقة في اختيار من المترادفات المتيسرة |

الفصل الأول

الدلالة الهامشية للمفردة القرآنية

قد رأينا سابقاً بعض الجوانب للكلمات القرآنية التي لها دلالات هامشية أو جانبية للدلالات الأساسية لها التي بسببها أُختير للخطاب القرآني . هنا سنرى بعض جوانب أخرى لاختيار المفردات القرآنية من هذه الناحية. فلعل "العامل الأساس في اختيار المفردة دون غيرها هو ما تحققه اللفظة المختارة وما تعطيه من معانٍ ودلالاتٍ الى جنب الدلالة الأساسية التي قد تشترك فيها مع غيرها من المفردات، وبذلك تكون المفردة المختارة قد أدت المعنى الأساس في التعبير، فضلاً عما أوحى به ضمن الاطار السياقي نفسه"^١، ومن هنا كانت استحالة تغير أو استبدال هذه المفردة حتى مع مرادفتها ان كان هناك مرادف أصلاً، وأنا هنا لا أقصد بـ(الايحاء الدلالي) تأدية المعنى الدلالي المباشر بل المعاني الجانبية له والتي تدور حول هذا المعنى الأساس، ويمكن أن يتشكل هذا الايحاء في المحاور الآتية التي يتم اختيار المفردة بسببها:

أ) الايحاء المعتمد على التقابل الدلالي:

فقد تختار المفردة في التعبير القرآني مصورةً المعنى المراد وفي الوقت نفسه يكون لها مقابل على المستوى الدلالي توحي به الى جنب المعنى الذي أدته أساساً ففي قوله تعالى:

﴿ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴾^٢

يقول الزمخشري: "زيارة القبور: عبارة عن الموت"^٣ ويقول طنطاوي: "وعبر — سبحانه — عن

ذلك بالزيارة لأن الميت يأتي الى القبر كالزائر له، ثم بعد ذلك يخرج منه يوم البعث والنشور، للحساب والجزاء، فوجوده في القبر انما هو وجود مؤقت بوقت يعلمه الله — تعالى —".^٤

فان لفظه (زرتم) تمثل لفظه لها مقابل دلالي هو الرجوع فكل زائر لا شك وستنتهي به زيارته "فاستعمال الزيارة بهذا المعنى صريح الايحاء بأن الإقامة في القبر ليست إقامة دائمة... وسوف تنتهي الزيارة حتماً الى بعث وحساب وجزاء، وهذا الايحاء ينفرد به لفظ (زرتم) دون غيره فلا

١. الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية، الدكتور أبو عائشة عامر مهدي العلواني،

مقال نشر على الموقع <http://tafsir.net/vb/showthread.php?t=2351>

٢. القرآن؛ س: التكاثر؛ الآية: ٢

٣. الكشف؛ س: التكاثر؛ الآية: ٢؛ ص ١

٤. الوسيط في تفسير القرآن؛ س: التكاثر؛ الآية: ٢؛ ص ١

يمكن أن يؤديه لفظ آخر كأن يقال (قبرتم، أو سكنتم المقابر ... انها زيارة أي اقامة مؤقتة ويعقبها بعث ونشور)^١

ومن ذلك قوله تعالى:

﴿يَوْمَئِذٍ يُصْدِرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لَّيْرًا أَعْمَالَهُمْ﴾^٢

يقول طنطاوي في معنى (يصدر): "فعل مضارع من الصَدْر — بفتح الدال — وهو الرجوع عن الشرب ، يقال صدر الناس عن الورد، اذا انصرفوا عنه."^٣

ويقول ابن عاشور: "و حقيقة ﴿يصدر الناس﴾ الخروج من محل اجتماعهم ، يقال: صدر عن المكان ، اذا تركه وخرج منه صدوراً وصدراً بالتحريك . ومنه الصَدْر عن الماء بعد الورد، فأطلق هنا فعل ﴿يصدر﴾ على خروج الناس الى الحشر جماعات ، أو انصرفهم من المحشر الى مأويهم من الجنة أو النار، تشبيهاً بانصراف الناس عن الماء بعد الورد."^٤

فالصدور انما هو مقابل دلالي للورود فاستعمال الفعل (يصدر) "ليوحي الى أن الحياة الدنيا ليست بدار مقام وليس هذا فقط فقد (جرت أمثالهم بأن الوارد يجب أن يعرف كيف يصدر والآ ضاع ففي لفظ (يصدر) هنا لفت واضح الايحاء الى أن الحياة الدنيا ليست بدار مقام ، ان هي الا رحلة نجتازها ولا بد من تأمين طريق الصدر...) ولا يمكن أن يستبدل هذا اللفظ (يصدر) بلفظ آخر مثل (يخرج وينصرف) ويعطي من المعنى ما أعطاه الفعل الأول"^٥، وهذا كثير في القرآن.

ففي قوله تعالى:

﴿وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾^٦

يقول ابن عاشور: "وهم سيهلكون ويتركون أموالهم لمن قدر الله مصيرها اليه"^٧

ويقول الطبرسي: "يعنى يفني الخلق ويبقى هو، المعنى فيه أن الدنيا وأموالها ترجع الى الله فلا يبقى لأحد فيها ملك ولا أمر كما يرجع الميراث الى مستحقه"^٨

-
- ١ . الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية
 - ٢ . القرآن ؛ س: الزلزلة ؛ الآية: ٦
 - ٣ . الوسيط في تفسير القرآن ؛ س: الزلزلة ؛ الآية: ٦ ، ص ٢
 - ٤ . التحرير والتنوير ، س: الزلزلة ؛ الآية: ٦ ، ص ٣
 - ٥ . الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية
 - ٦ . القرآن ؛ س: الحديد ؛ الآية: ١٠
 - ٧ . التحرير والتنوير ، س: الحديد ؛ الآية: ١٠
 - ٨ . مجمع البيان في تفسير القرآن ، س: الحديد ؛ الآية: ١٠

فاذا ظهر تساؤل كيف يرث الله هذه؟ نستطيع الاجابة عندما نجد المقابل الدلالي وهو الموت ، وبهذا يكون اختيار لفظ (الميراث) احياء بأن كل من في السماوات والأرض سيموت ويبقى تعالى وحده^١ لأنه "الباقي بعد فنائهم والدائم بعد انقضائهم"^٢

ب) الايحاء المعتمد على الغرابة اللفظية:

قال تعالى:

﴿ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَى ﴾^٣

يقول طنطاوي في تفسيره: "أي جعلتم لله — تعالى — البنات ، وجعلتم لأنفسكم البنين ، مع تفضيلكم للبنين على البنات ، ومع اعترافكم بأن الله — تعالى — هو الخالق لكم ولكل شيء . ان فعلكم هذا لهو في غاية الجور والظلم ، لأنكم نسبتم الى الله — تعالى — وهو خالقكم ما استنكفتم من نسبة لأنفسكم . فأنت ترى أنه — سبحانه — لم يكتف بوصفهم بالكفر ، بل أضاف الى ذلك وصفهم بالجور والحقم وانطماس البصيرة."^٤

فهنا وصف لحكم المشركين بأن لله تعالى البنات ولهم البنون ، وهذا الحكم على ما فيه من انتفاء للعدل والغرابة فانه يحوي غرابة أكبر من خلال معرفتنا أن العرب أو قسماً منهم ما كانوا يرضون لأنفسهم ما رضوه لربهم وهو (البنات) كما قال تعالى في مقام آخر:

﴿ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ... ﴾^٥

لذلك قال تعالى:

﴿ الْكُفْرُ الدُّكْرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَى ۝ ﴾^٦

فالحكم ليس جائراً وحسب وانما هو غريب في العقل والمنطق — أن ينسب العبد ما لا يرضى لنفسه الى ربه — لذلك استعملت (ضيزى) والتي تعني القسمة الجائرة أو غير العادلة ، ولم تستعمل هاتان الكلمتان ، لهذه الزيادة في احياء (ضيزى) "فكانت غرابة اللفظ أشد الأشياء

١ . الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية

٢ . التفسير البياني للقرآن ، ج ١ ص ٢٠٦

٣ . القرآن ؛ س: النجم ؛ الآية: ٢٢

٤ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: النجم ؛ الآية: ٢٢ ، ص ٢

٥ . القرآن ؛ س: النحل ؛ الآية: ٥٨-٥٩

٦ . القرآن ؛ س: النجم ؛ الآية: ٢١-٢٢

ملائمة لغرابة هذه القسمة التي أنكرها^١

”والعرب يعرفون هذا الضرب في الكلام وله نظائر في لغتهم وكم من لفظة غريبة عندهم لا تحسن الا في موضعها ولا يكون حسنها على غرابتها الا أنها تؤكد المعنى الذي سيقى اليه بلفظها“^٢ وبهذا يتبين بُعد ما ذهبت اليه بنت الشاطي بقولها ”وقصارى ما ألمحه فيها — على بُعد — أن يكون فيها مع الجور حس مادتها فيما يلوك عبدة الأوثان من ألفاظ منقولة من: ضاز التمرة لا كها في فمه والله أعلم“^٣

ج) الايحاء النابع من دقة التصوير الحركي:

المفردة القرآنية قد تختار لتصوير الحركة بدقة كما في قوله تعالى:

﴿فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ﴾^٤

يقول ابن عاشور: ”و﴿رَاغَ﴾ مال في المشي الى جانب ، ومنه : روغان الثعلب.“^٥ ويقول طنطاوي: ”راغ فلان الى كذا ، اذا مال اليه في استخفاء وسرعة.“^٦ ويقول الزمخشري: ”﴿فراغ الى أهله﴾ ذهب اليهم في خفية من ضيوفه ، ومن أدب المضيف أن يخفي أمره وأن يبادره بالقرى من غير أن يشعر به الضيف حذراً من أن يكفه ويعذره“^٧

فراغ هنا أعطت للنص ايحاء أو بعداً جديدين ذلك أنها فضلاً عن تصويرها ذهاب ابراهيم عليه السلام صدرت حركته بدقة ما بعدها نظير من غير أن يكون ذلك لمجرد متعة أدبية في التصوير وانما هي الدقة مقرونة بالصدق الاخباري مع تحقيق ملحظ اجتماعي هنا. وكذلك في قوله تعالى:

﴿وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ﴾^٨

قال الزمخشري عن معنى تنفس الصبح: ”اذا أقبل الصبح: أقبل باقباله روح ونسيم، فجعل ذلك

١. الاعجاز البياني في كتاب العربية الأكبر، ص ٢١٤، نقلاً عن: الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية
٢. تلخيص البيان، الشريف الرضي، ص ٢٤٠، نقلاً عن: الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية
٣. الاعجاز البياني للقرآن، ص ٤٦١
٤. القرآن؛ س: الذاريات؛ الآية: ٢٦
٥. التحرير والتنوير، س: الذاريات؛ الآية: ٢٦، ص ٢
٦. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الذاريات؛ الآية: ٢٦، ص ١
٧. الكشاف؛ س: الذاريات؛ الآية: ٢٦
٨. القرآن؛ س: التكويرة؛ الآية: ١٨

نفساً له على المجاز^١ فاختيار لفظة (تنفس) للدقة في رسم المشهد الحركي هنا اذا ان خروج النور فحراً أشبه ما يكون بحركة النفس الذي ينساب بلا صوت متتابعاً ، ويقول سيد قطب في مثل هذا التعبير عن أثر المعنى الايحائي في النفوس: ”يلوح بهذه المشاهد الكونية التي يخلع عليها الحياة ؛ ويصل روح الانسان بأرواحها من خلال التعبير الحي الجميل عنها ؛ لتسكب في روح الانسان أسرارها، وتشفي له بالقدرة التي وراءها ، وتحديثها بصدق الحقيقة الايمانية التي تدعى اليها“^٢ ومثل هذا قوله تعالى:

﴿إِنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا﴾^٣

يقول ابن عاشور: ”والصبّ: القاء صيرة متجمعة من أجزاء مائة أو كالمائة في الدقة في وعاء غير الذي كانت فيه، يقال: صب الماء في الحجرة ، وصب القمح في الهري، وصب الدراهم في الكيس ، وأصله: صب الماء مثل نزول المطر وافرغ الدلو“^٤ ويقول طنطاوي: ”الصب: انزال الماء بقوة وكثرة“^٥

يقول الرازي: ”﴿صَبَبْنَا﴾ المراد منه الغيث، ثم انظر كيف حدث المشتمل على هذه المياه العظيمة ، وكيف بقي معلقاً في جو السماء مع غاية ثقله ، وتأمل أسبابه القريبة والبعيدة ، حتى يلوح لك شيء من آثار نور الله وعدله وحكمته ، وفي تديير خلقه هذا العالم.“^٦

ويكتب عنه سيد قطب بتفصيل علمي:

”حين تقدم الانسان في المعرفة فقد عرف من مدلول هذا النص ما هو أبعد مدى وأقدم عهداً من هذا المطر الذي يتكرر اليوم ويراه كل أحد. أقرب الفروض الآن لتفسير وجود المحيطات الكبيرة التي يتبخر ماؤها ثم ينزل في صورة مطر ، أقرب الفروض أن هذه المحيطات تكونت أولاً في السماء فوقنا ثم صبت على الأرض صباً!

وفي هذا يقول أحد علماء العصر الحاضر: ”اذا كان صحيحاً أن درجة حرارة الكرة الأرضية وقت انفصالها عن الشمس كانت حوالي ١٢٠٠٠ درجة. أو كانت تلك

١. الكشاف ؛ س: التكوير؛ الآية: ١٨
٢. في ظلال القرآن ؛ س: التكوير؛ الآية: ١٨؛ ص ٧
٣. القرآن ؛ س: عبس؛ الآية: ٢٥
٤. التحرير والتنوير ؛ س: عبس؛ الآية: ٢٥؛ ص ٢
٥. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ؛ س: عبس؛ الآية: ٢٥؛ ص ٣
٦. مفاتيح الغيب ، س: عبس؛ الآية: ٢٥، ص ٢

درجة حرارة سطح الأرض . فعندئذ كانت كل العناصر حرة . ولذا لم يكن في الامكان وجود أي تركيب كيميائي ذي شأن . ولما أخذت الكرة الأرضية ، أو الأجزاء المكونة لها في أن تبرد تدريجياً، حدثت تركيبات ، وتكونت بخليّة العالم كما نعرفه، وما كان للأكسيجين والهيدروجين أن يتحدوا الا بعد أن هبطت درجة الحرارة الى ٤٠٠٠ درجة فارنهايت . وعند هذه النقطة اندفعت معاً تلك العناصر ، وكونت الماء الذي نعرفه الآن أنه هواء الكرة الأرضية .

ولا بد أنه كان هائلاً في ذلك الحين . وجميع المحيطات كانت في السماء . وجميع تلك العناصر التي لم تكن قد اتحدت كانت غازات في الهواء، وبعد أن تكون الماء في الجو الخارجي سقط نحو الأرض، ولكنه لم يستطع الوصول إليها، إذ كانت درجة الحرارة على مقربة من الأرض أعلى مما كانت على مسافة آلاف الأميال، وبالطبع جاء الوقت الذي صار الطوفان يصل فيه الى الأرض ليطير منها ثانياً في شكل بخار، ولما كانت المحيطات في الهواء فان الفيضانات التي كانت تحدث مع تقدم التبريد كانت فوق الحساب ...

وهذا الفرض — ولو أننا لا نعلق به النص القرآني — يوسع من حدود تصورنا نحن للنص والتاريخ الذي يشير اليه تاريخ صب الماء صباً . وقد يصح هذا الفرض ، وقد تجدّ فروض أخرى عن أصل الماء في الأرض . ويبقى النص القرآني صالحاً لأن يخاطب به كل الناس في كل بيئة وفي كل جيل .

ذلك كان أول قصة الطعام: ﴿أنا صببنا الماء صباً﴾ .. ولا يزعم أحد أنه أنشأ هذا الماء في أي صورة من صورته ، وفي أي تاريخ لحدوثه ؛ ولا أنه صبه على الأرض صباً، لتسير قصة الطعام في هذا الطريق!^١

(د) الايحاء النابع من وصف خاص :

فقد يصف القرآن الشيء وصفاً خاصاً ليدل من خلال ايحاء هذا الوصف على دلالة تنصب في اغناء الدلالة العامة للسياق كما في قوله تعالى:

﴿وَفَاكِهَةً وَأَبًّا﴾^٢

ويشرح طنطاوي معنى الفاكهة والأب بأن الفاكهة: اسم للثمار التي يتناولها الانسان على سبيل

١ . في ظلال القرآن ، س:عبس ؛ الآية ٢٥، ص ١٣-١٤

٢ . القرآن ؛ س:عبس ؛ الآية: ٣١

التفكه والتلذذ، مثل الرطب والعنب والتفاح. والأب: اسم للكلاً الذي ترعاه الأنعام، مأخوذ من أب فلان الشيء، إذا قصده واتجه نحوه لحاجته إليه. ويتجه الانسان الى الكلاً والعشب بدوابه للرعي.^١ في حين ذهب الزمخشري الى أن الأب هو المرعى لأنه يؤب أي يؤم ويتجمع.^٢

وقد يوصف الشيء وصفاً خاصاً لأجل بيان تفاهة الشيء وخسته قال تعالى:

﴿فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ﴾^٣

والهشيم عند الزمخشري هو: الشجر اليابس المتهشم المتكسر ((والمحتظر)) الذي يعمل الحظيرة وما يحتظر به يبس بطول الزمان وتوطؤه البهائم فيتحطم ويتهشم.^٤ والهشيم عند طنطاوي هو: ما تهشم وتفتت وتكسر من الشجر اليابس، مأخوذ من الهشم بمعنى الكسر للشيء اليابس، أو الأجوف. والمحتظر عنده هو: الذي يعمل الحظيرة التي تكون مسكناً للحيوانات.^٥ أي اهانة أكبر من أن يجعل جمعهم كالهشيم المتخلف مما جمعه أصحاب الحظائر وهو ما جف من أغصان العضاة والشوك وعظيم الكلاً اليابس سريع الانكسار. وكانوا يتخذون منه حظائر لحفظ أغنامهم من الريح والعادية ولذلك. أي أنهم بادوا وهلكوا. ومن ذلك قوله تعالى:

﴿فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهَيْمِ﴾^٦

يقول الرازي: "الهيم وهي الجمال التي أصابها العطش فتشرب ولا تروى، وهذا البيان في الشرب لزيادة العذاب... يلزمون أن يشربوا كما يشرب الحمل الأهيم الذي به الهيام"^٧

ويقول الزمخشري: "أي: ما يشربه الهيم وهي الابل التي بها الهيام، وهو داء تشرب منه فلا تروى... وقيل الهيم: الرمال. ووجهه أن يكون جمع الهيام بفتح الهاء وهو الرمل الذي لا يتماسك... والمعنى: أنه يسلط عليهم من الجوع ما يضطرهم الى أكل الزقوم الذي هو كالمهل؛ فاذا ملئوا منه البطون يسلط عليهم العطش ما يضطرهم الى شرب الحميم الذي يقطع

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: عبس؛ الآية: ٣١، ص ٣

٢. الكشاف، س: عبس؛ الآية: ٣١

٣. القرآن؛ س: القمر؛ الآية: ٣١

٤. الكشاف، س: القمر؛ الآية: ٣١

٥. الوسيط في تفسير القرآن الكريم؛ س: القمر؛ الآية: ٣١

٦. القرآن؛ س: الواقعة؛ الآية: ٥٥

٧. مفاتيح الغيب؛ س: الواقعة؛ الآية: ٥٥

أمعاء هم ، فيشربون شرب الهيم. “^١ فلو أريد تحديد معنى (الهيم) لخرجنا بأنها تعني (جمع الرجل العطش) ”يقال: رجل هيمان، وهائم شديد العطش“^٢ ويمكن أن تعني الرمال التي تبتلع الماء وهيام من الرمال اليابس كما قاله الزمخشري. كأن به عطش لذلك أستعير هذا الاسم للعاشق، كما قاله الراغب: ”الهيام: داء يأخذ الأبل من العطش، ويضرب به المثل فيمن اشتد به العشق ... ومنه: الهائم على وجهه المخالف للقصد الذاهب على وجهه، وهام ذهب في الأرض، واشتد عشقه، وعطش، والهيم: الأبل العطاش، وكذلك الرمال تبتلع الماء، والهيام من الرمل: اليابس، كأن به عطشاً.“^٣

فهذه اللفظة أوحى بظلال المرض وشدة العطش والتوله والهروب وابتلاع الماء ... على هؤلاء.

١. الكشاف، س: الواقعة؛ الآية: ٥٥

٢. المفردات، كتاب الهاء؛ ص (هشش - هو)

٣. نفس المرجع

اختيار المفردة للتسمية (لعلاقة دلالية خاصة)

(أ) تسمية الشيء بوصفه جزءاً من معناه:

ولعل من أوضح التسميات هي تسميات يوم القيامة والتي زخرت بها قصار السور ان لم أقل انفردت بها فقد سُميت القيامة في القرآن بعدة تسميات منها: الحاقة والصاخة والأزفة والقارعة والطامة والواقعة والراجفة والرادفة، وعند تأمل في هذه التسميات تجد أن كل تسمية انما اختصت بجانب من جوانب هذا اليوم صورته لفظه، فالواقعة تدل على حتمية ووجوب الوقوع فقد "وصفت بالوقوع لأنها تقع لا محالة... ووقوع الأمر: نزوله"^١

يقول ابن عاشور: "والواقعة أصلها: الحادثة التي وقعت، أي حصلت، يقال: وقع أمر، أي حصل كما يقال: صدق الخبر مطابقته للواقع، أي كون المعنى المفهوم منه موافقاً لمسمى ذلك المعنى في الوجود الحاصل أو المتوقع على حسب ذلك المعنى"^٢ وقال الراغب: "والواقعة لا تقال الا في الشدة والمكروه، وأكثر ما جاء في القرآن من لفظ (وقع) جاء في العذاب والشدائد"^٣

ليصفها خلال وصفه لنظم القرآن المعجز سيد قطب "هذا الأسلوب الخاص يتناسب مع الصورة المروعة المفزعة التي يرسمها هذا المطلع بذاته. فالواقعة بمعناها وبحرس اللفظ ذاته — بما فيه من مدّ ثم سكون — تلتقي في الحس كأنما هي ثقل ضخيم ينقض من علي ثم يستقر، لغير ما زحزحة بعد ذلك ولا زوال"^٤

يقول الزمخشري عن الحاقة "الساعة الواجبة الوقوع الثابتة المجيء، التي هي آتية لا ريب فيها. أو التي فيها حواق الأمور من الحساب والثواب والعقاب. أو التي تحقق فيها الأمور"^٥

وتسمية يوم القيامة بالأزفة كان لأزوفها أي قربها كما قاله الزمخشري: "قربت الموصوفة

١. الكشاف، س: الواقعة؛ الآية: ١

٢. التحرير والتنوير، س: الواقعة؛ الآية: ١، ص ١

٣. مفردات ألفاظ القرآن الكريم، الراغب الاصفهاني، كتاب الواو، ص (وفد-ويح)

على الموقع <http://www.quranway.net/index.aspx?function=Item&id=7&lang=>

٤. في ظلال القرآن، س: الواقعة؛ الآية: ١، ص ٢

٥. الكشاف، س: الحاقة؛ الآية: ١، ص ١

بالقرب“^١ وقال الراغب: “أزف وأفد يتقاربان، لكن أزف يقال اعتباراً بضيق وقتها ويقال أزف الشخصوس، والأزف: ضيق الوقت، وسميت به لقرب كونها، وعلى ذلك عبر عنها بالساعة“^٢ وبهذا يتحقق وصف الشكل الخارجي ليوم القيامة كاملاً، فقد تمّ عن طريق التسمية تأكيد الوقوع وسرعته وتحقق ذلك ولم يبق الا وصف طبيعتها (القيامة) وأثرها لذلك سُميت بالقارعة “لأنه يقرع القلوب ويزجرها لشدة أهواله“^٣ وهي “التي تفرع الناس بالأفراع والأهوال“^٤ وسميت بالغاشية و”الغاشية داء يأخذ في الجوف أو ورمّ يكون في البطن... ومن هذا الهلاك تفسر الغاشية في استعمال القرآن... أي الجائحة المهلكة...“^٥ وقال الراغب: “الغاشية: كل ما يطغي الشيء كغاشية السرج“^٦ ويقول ابن عاشور: “سميت غاشية على وجه الاستعارة لأنها اذا حصلت لم يجد الناس مفراً من أهوالها فكانها غاش يغشي على عقولهم، ويطلق الغشيان على غيوبة العقل فيحوز أن يكون وصف الغاشية مشتقاً منه.“^٧

وسميت بالطامة الكبرى لأنها “الداهية التي تطم على الدواهي، أي تعلو وتغلب... وهي القيامة لطمومها على كل هائلة“^٨ يقول طنطاوي: “والطامة: اسم للمصيبة العظمى، التي تطم وتغلب وتعلو ما سواها من مصائب، من قولهم: طم الشيء يطمه طمًا، اذا غمره. وكل شيء أكثر وعلا على غيره، فقد طم عليه. ويقال: طم الماء الأرض اذا غمرها. وهذا وصف ليوم القيامة، من أوصاف التهويل والشدة، لأن أحوالها تغمر الناس وتجعلهم لا يفكرون في شيء سواها.“^٩

١. الكشاف، س: النجم؛ الآية: ٥٧
٢. المفردات، كتاب الألف، ص (أرب-أفل)
٣. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الحاقة؛ الآية: ٤، ص ٢
٤. الكشاف س: الحاقة؛ الآية: ٤
٥. الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية
٦. المفردات، كتاب الغين، ص (غبر-غفل)
٧. التحرير والتنوير، س: الغاشية؛ الآية: ١
٨. الكشاف، س: النازعات؛ الآية: ٣٤
٩. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: النازعات؛ الآية: ٣٤، ص ٢-٣

وفي المفردات: "الصاخة: شدة صوت ذي النطق، يقال: صخ يصخ صخاً فهو صاخ."^١ ويقول طنطاوي: "الصاخة: الصيخة الشديدة التي تَصْخُ الآذان، أي تزلزلها لشدة صوتها، وأصل الصخ: الصك الشديد، والمراد بها هنا: النفخة الثانية التي بعدها يبعث الناس من قبورهم..."^٢ "والصاخة لفظ ذو جرس عنيف نافذ، يكاد يحرق صماخ الأذن، وهو يشق الهواء شقاً، حتى يصل إلى الأذن صاخاً ملحاً!"^٣

وبهذا صورت كيفية وقوعها بالغاشية ومدى تأثيرها مقارنة بغيرها بالطامة وكيفية وقوعها بالقارعة وأثرها عند وقوعها بالصاخة، وبهذا وعن طريق تسميتها بجانب منها وصفت كلها ومن جميع جوانبها، والمهم هنا أن كل هذه التسميات إنما جاءت بصيغة الفاعل فكأنها هي التي تصخ وتقرع وتقع... الخ، فضلاً عن تعريفها بالألف واللام الذي هو تعريف جنس لتمييزها من بين الأجناس لأن في استحضاره زيادة تهويل لأنه حقيق بالتدبر.^٤ والأهم من كل هذا أن جميع هذه التسميات جاءت كناية عن يوم القيامة و"الكناية عبارة عن تذكير لفظة وتفيد بمعناها معنى ثانياً هو المقصود وإذا كنت تفيد المقصود بمعنى اللفظ وجب أن يكون معناه معتبراً..."^٥ فالكناية ارادة المعنى الثاني مع جواز ارادة المعنى الأول، وبهذا يكون التعبير بها هنا أقوى من أي تعبير آخر، أي أن الصاخة لا تتضمن أسلوباً مجازياً المقتضى منه التهويل والتخويف فقط وإنما هو كذلك ومضافاً إليه أن معناه الأول (الحقيقي) حقيق الوقوع على الارادة. والله أعلم.^٦

ب) تسميته باعتباره وصفاً لنفسه:

يكثُر في الاختيار القرآني مثل هذا حيث يتم العدول عن التسمية الأساسية إلى تسمية تتعلق بفعل خاص يكون هو المقصود الدلالي الذي يحتاجه السياق كقوله تعالى:

﴿كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ﴾^٧

١. المفردات، كتاب الصاد، ص (صبب - صغا)
٢. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، ص: عيس؛ الآية: ٣٣، ص ١
٣. في ظلال القرآن، ص: عيس؛ الآية: ٣٣، ص ١٥
٤. الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية
٥. المرجع نفسه
٦. المرجع نفسه
٧. القرآن؛ ص: الهمزة؛ الآية: ٤

قال طنطاوي: "والحطمة من الحطم، وهو كسر الشيء بشدة وقوة، ويقال: رجل حطمة، اذا كان شديداً في تحطيمه و كسره لغيره، والمراد بالحطمة هنا: النار الشديدة الاشتعال التي لا تبقى على شيء الا وأحرقته"^١

وقال الرازي: "قال المبرد: انها النار التي تحطم كل من وقع فيها وجل حطمة أي شديد الأكل يأتي على زاد القوم، وأصل الحطم في اللغة الكسر، ويقال: شرالوعاء الحطمة، يقال: راع حطمة وحطم بغير هاء كأنه يحطم الماشية أي يكسرها عند سوقها لعنفه، قال المفسرون: الحطمة اسم من اسماء النار وهي الدركة الثانية من دركات النار، وقال مقاتل: هي تحطم العظام وتأكل اللحوم حتى تهجم على القلوب"^٢

ثم يقول في نفس المضمون: "واعلم أن الفائدة في ذكر جهنم بهذا الاسم ههنا وجوه: أحدها: الاتحاد في الصورة كأنه تعالى يقول: ان كنت همزة لمزة فوراء ك الحطمة، والثاني: أن الهامز بكسر عين ليضع قدره فيلقيه في الحضيض فيقول تعالى: وراء ك الحطمة، وفي الحطم كسر فالحطمة تكسرك وتلقيك في حضيض جهنم لكن الهمز ليس الا الكسر بالحاجب، أما الحطمة فانها تكسر كسراً لا تبقي ولا تذر، الثالث: أن الهماز اللماز يأكل لحم الناس والحطمة أيضاً اسم للنار من حيث انها تأكل الجلد واللحم"^٣

ولأن من "شأنها أن تحطم كل ما يلقي فيها، ويقال للرجل الأكل انه لحطمة"^٤

كما أن "وزن فُعَلَة صيغة تدل على كثرة صدور الفعل المصاغ منه. وأنه صار عادة لصاحبه كقولهم ضُحِكَة لكثيرة الضحك، ولُعْنَة لكثير اللعن، وأصلها: أن صيغة فُعَل بضم ففتح ترد للمبالغة في فاعل كما صرح به الرضي في شرح الكافية يقال: رجل حُطِم إذا كان قليل الرحمة للماشية، أي الدواب."^٥

وانما اختيرت على هذا الوصف (صيغة المبالغة) لتكون على وزن الصيغة التي ضمنها الذنب (هُمزة ولمزة) حتى يحصل التعادل بين الذنب والجزاء فالمذنب الذي ضرى بالذنب جزاؤه هذه الحطمة التي هي ضاربة بحطم كل ما يُلقى إليها^٦

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الهمزة؛ الآية: ٤، ص ٢

٢. مفاتيح الغيب، س: الهمزة؛ الآية: ٤

٣. المرجع نفسه

٤. الكشاف، س: الهمزة؛ الآية: ٤، ص ١

٥. التحرير والتنوير، س: الهمزة؛ الآية: ١، ص ١

٦. الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية

ومن هذا قوله تعالى:

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً نَّجَاجًا﴾^١

أي "السحاب التي تعصر بالمطر أي تصب وقيل التي تأتي بالاعصار"^٢

وجاء في الوسيط: "والمعصرات — بضم الميم وكسر الصاد — السحب التي تحمل المطر ، جمع معصرة — بكسر الصاد — اسم فاعل ، من أعصرت السحابة اذا أوشكت على انزال الماء لامتلأها به .. قال ابن كثير: عن ابن عباس: المعصرات الرياح لأنها تستدر المطر من السحاب .. وفي رواية عنه أن المراد بها: السحاب ... وقال الفراء: هي السحاب التي تتحلب بالماء ولم تمطر بعد"^٣

واعتبرت بنت الشاطي هذا من قبيل الشرح فهي لا ترى ضرورة في تقييده بسحابتين ، وقالت بأن العصر في كل صيغة واستعماله يرجع الى أصل دلالة على الضغط لاستخلاص العصاره^٤

(ج) تسمية الشيء باعتبار ما سيكون عليه:

وهو من أساليب الإيجاز كما في قوله تعالى:

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِنْ تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝﴾^٥

يقول طنطاوي: "ان نوحاً — عليه السلام — ما دعا عليهم بهذا الدعاء وما قال في شأنهم هذا القول — وهو أحد من أولى العزم من الرسل — الا بعد أن يئس من إيمانهم ، والا بعد أن أخبره ربه: أنه لن يؤمن من قومك الا من قد آمن ، والا بعد أن أرى منهم — بعد ألف سنة الا خمسين عاماً عاشها معها — أنهم قوم قد استحجوا العمى على الهدى ، وأن الأبناء منهم يسبغون على طريقة الآباء في الكفر والفجور."^٦

١. القرآن ؛ س: النبأ ؛ الآية: ١٤

٢. المفردات ، كتاب العين ، ص(عصب - عكف)

٣. الوسيط في تفسير القرآن ، س: النبأ ؛ الآية: ١٤

٤. الاعجاز البياني للقرآن ، ص ٣٥٩

٥. القرآن ؛ س: نوح ؛ الآية: ٢٦-٢٧

٦. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: نوح ؛ الآية: ٢٧ ، ص ٣

فُسَمِيَ الأنبياء بما سيكون عليه من فجور وكفر وبذلك أصبح هذا الاخبار علة للاهلاك على أن هذا الاخبار لم يكن بمعناه المجازي لعلاقة الاستقبال لأنه اخبار عن وحي يصل الى الأمر الحقيقي قال تعالى:

﴿ وَأَوْحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنُ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ ۗ ﴾^١

فكانت تسميتهم بما سيكونون عليه علة لانزال العقاب عليهم فناسب السياق تسميتهم بهذا فكانت التسمية هنا لحاجة السياق كما هي في قوله تعالى:

﴿ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَاْفِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۗ ﴾^٢

يقول الزمخشري: "ووضع الكافرون موضع الضمير للشهادة على أنهم في قولهم هذا مقدمون على الكفر العظيم"^٣

وقال مثله ابن عاشور: "وَعَبَّرَ عَنْهُمْ بِالاسْمِ الظَّاهِرِ فِي ﴿ فَقَالَ الْكَاْفِرُونَ ﴾ دُونَ: فَقَالُوا، لِتَوْسِيمِهِمْ فَإِنَّ هَذِهِ الْمَقَالَةَ مِنْ آثَارِ الْكُفْرِ"^٤

وقد انتزع عمر بن الخطاب من قوله تعالى: ﴿ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ ﴾^٥ دليلاً على ابقاء أرض سواد العراق غير مقسومة بين الجيش الذي فتح العراق وجعلها خراجاً لأهلها قصداً لدوام الرزق منها لمن سيحييها من المسلمين.^٦

١. القرآن؛ س: هود؛ الآية: ٣٦

٢. القرآن؛ س: ق؛ الآية: ٢

٣. الكشاف؛ س: ق؛ الآية: ٢

٤. التحرير والتنوير؛ س: ق؛ الآية: ٢

٥. القرآن؛ س: الحشر؛ الآية: ١٠

٦. التحرير والتنوير، س: نوح؛ الآية: ٢٧

الفصل الثالث

اختيار المفردة للتعبير عن الشيء

بما هو معه في علاقة خاصة

قد يعدل التعبير القرآني عن لفظ ما الى لفظ آخر كونه يشترك مع مدلوله في علاقة تتحقق بالاجبار بها فائدة دلالية وهذه سمة أسلوبية كثيراً ما تستخدم في القرآن لأنها تعبر عن هذه العلاقة بأوجز تعبير من غير اطناب وتفصيل يضيع معه الترابط مثل:

أ) العلاقة السببية:

وهي أن يكون اللفظ المذكور مسبباً عن المعنى المقصود ... نحو قوله تعالى:

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾^١

قال الزمخشري عن الرجز: "وهو العذاب، ومعناه: اهجر ما يؤدي اليه من عبادة الأوثان وغيرها من المآثم."^٢

ويقول ابن عاشور: "الرجز بالكسر العذاب والنجاسة والمعصية، وبالضم الوثن. ويحمل الرجز هنا على ما يشمل الأوثان وغيرها من أكل الميتة والدم... والهجرجز هنا كناية عن ترك التلبس بالأحوال الخاصة بأنواع الرجز لكل نوع بما يناسبه في عرف الناس. والأمر بهجر الرجز يستلزم أن لا يعبد الأصنام وأن ينفي عنها الالهية."^٣

يقول طنطاوي: "والأصل في كلمة الرجز أنها تطلق على العذاب، قال تعالى: ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرُّجْزَ إِلَىٰ آجَلٍ هُم بِالْغُورَةِ إِذَا هُمْ يَنْكُتُونَ﴾^٤ والمراد به هنا: الأصنام والأوثان، أو المعاصي والمآثم التي يؤدي اقترافها الى العذاب"^٥

يقول الرازي: "أنه سمي الى ما يؤدي الى العذاب عذاباً تسمية للشيء باسم ما يجاوره ويتصل به"^٦ وهذا أبلغ لأنه أشد في صرفهم عن عبادة الأصنام لما ترتب من التذكير بالعاقبة من هذه

١. القرآن؛ س: المدثر؛ الآية: ٥

٢. الكشاف؛ س: المدثر؛ الآية: ٥

٣. التحرير والتنوير؛ س: المدثر؛ الآية: ٥

٤. القرآن؛ س: الأعراف؛ الآية: ١٣٥

٥. الوسيط في تفسير القرآن الكريم؛ س: المدثر؛ الآية: ٥؛ ص ٢

٦. مفاتيح الغيب؛ س: المدثر؛ الآية: ٥

ب) العلاقة الجزئية:

وهي أن يكون المذكور جزءاً من المعنى المقصود ، ومثاله التعبير عن الصلاة بالقيام في قوله تعالى:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ • قُمْ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴾^١

يقول ابن عاشور: "وفعل [قم] منزل منزلة اللازم فلا يحتاج الى تقدير متعلق لأن القيام مراد به الصلاة"^٢

ويقول الطبرسي: "فان القيام بالليل عبارة عن الصلاة بالليل."^٣

فالقيام انما هو جزء من الصلاة فعبر بالجزء وهو القيام وأراد الكل . وانما عُبر عن الصلاة هنا لأن المشقة في صلاة الليل ترجع الى القيام فقد قاموا "وشق عليهم ذلك حتى ورمت أقدامهم وسوقهم"^٤

ومنه قوله تعالى:

﴿ سَنَسِئُمُ عَلَى الْخُرطومِ ﴾^٥

"وانما خص الأنف لأن الانسان يعرف بوجهه والأنف وسط الوجه وهذا على عادة العرب فانهم يقولون شمع فلان بأنفه وأرغم الله أنفه وحمي فلان أنفه."^٦

أي سنجعل له علامة على أنفه الذي هو الأظهر في الوجه وفي ذلك كناية عن عار يلزمه لأن الوجه أكرم موضع في الجسم والأنف أكرم موضع منه لتقدمه ، لذلك جعلوه مكان العز والحمية واشتقوا منه الأنفة فعبر بالوسم على الخرطوم عن غاية الاذلال والاهانة لأن السمة على الوجه شين فكيف بها على أكرم موضع منه ، والتسمية بالعلاقة الخاصة واحد من أبرز الأساليب التي يظهر فيها توافق المفردة والسياق ومجيئها له دون غيره وبما يحقق للبنية وحدتها الموضوعية قال تعالى:

- ١ . القرآن ؛ س:المزمل ؛ الآية: ١-٢
- ٢ . التحرير والتنوير ؛ س:المزمل ؛ الآية: ٢
- ٣ . مجمع البيان في تفسير القرآن ؛ س:المزمل ؛ الآية: ٢ ، ص ٢
- ٤ . مفاتيح الغيب ، س:المزمل ؛ الآية: ٢
- ٥ . القرآن ؛ س:القلم ؛ الآية: ١٦
- ٦ . مجمع البيان في تفسير القرآن ؛ س:القلم ؛ الآية: ١٦ ، ص ٦

﴿ كَلَّا إِنَّهَا لَأَطْيَىٰ ۖ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ۖ ﴾^١

والشوى "الأطراف أو جمع شواة وهي جلدة الرأس تنتزعها نزعاً فتبتكها ثم تعاد"^٢ فأى أجزاء الجسم أشد ايلاماً من هذه مما ناسب تخصيصها دون سواها بالعذاب ، في حين اختار من الأشجار أفنانها لما كان الحديث ضمن سياق النعم قال تعالى:

﴿ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ﴾^٣

فقد اختار هذا الجزء دون غيره لما ناسب من ملائمته للسياق الذي يتحدث عن دقائق النعم فقد "خص الأفنان بالذكر وهي الغضة التي تتشعب من فروع الشجرة لأنها هي التي تورق وتثمر ، فمنها تمتد الظلال ومنها تحتني الثمار"^٤ وقد يعبر عن الشيء ببعضه لما يحققه هذا الأسلوب من تكثيف في المعاني بأوجز الألفاظ وأبسطها كما في قوله تعالى:

﴿ أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءً هَا وَمَرَعَاهَا ۖ ﴾^٥

"فالاقتصار على المرعى اكتفاء عن ذكر ما تخرجه الأرض من الثمار والحبوب لأن ذكر المرعى يدل على لطف الله بالعجماوات فيعرف منه أن اللطف بالإنسان أحرى بدلالة فحوى الخطاب، والقرينة على الاكتفاء قوله بعده ﴿مَتَاعاً لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ﴾^٦ وقد دل بذكر الماء والمرعى على جميع ما تخرجه الأرض قوتاً للناس وللحيوان حتى ما تعالج به الأطعمة من حطب للطبخ فانه مما تنبت الأرض ، وحتى الملح فانه من الماء الذي على الأرض."^٧

"فانظر كيف دلّ بقوله ﴿مَاءً هَا وَمَرَعَاهَا﴾ على جميع ما أخرج من الأرض قوتاً ومتاعاً للأنام من العشب والشجر والحب والتمر والعصف والحطب ، واللباس والدواء حتى النار والملح ، أما النار فلا شك أنها من العيدان ... وأما الملح فلا شك أنه متولد من الماء، وأنت اذا تأملت علمت أن جميع ما يتنزه به الناس في الدنيا ويتلذذون به فأصله الماء والنبات"^٨

١. القرآن ؛ س: المعارج ؛ الآية: ١٥-١٦

٢. الكشاف، س: المعارج ؛ الآية: ١٦ ، ص ٣

٣. القرآن ؛ س: الرحمن ؛ الآية: ٤٨

٤. الكشاف ، س: الرحمن ؛ الآية: ٤٨

٥. القرآن ؛ س: النازعات ؛ الآية: ٣١

٦. القرآن ؛ س: النازعات ؛ الآية: ٣٣

٧. التحرير والتنوير ، س: النازعات ؛ الآية: ٣١ ص ١

٨. مفاتيح الغيب ، س: النازعات ؛ الآية: ٣١

ج) العلاقة المحلية:

وهي تسمية الشيء باسم محله كقوله تعالى:

﴿ قَلِيدٌ نَادِيَةٌ ﴾^١

وعند الزمخشري النادي: المجلس الذي ينتدى فيه القوم. أي يجتمعون. والمراد: أهل النادي، واطلاق النادي على أهله نظير اطلاق القرية على أهلها.^٢ وكذلك عند ابن عاشور النادي: اسم للمكان الذي يجتمع فيه القوم.^٣ وناديه "أي أهل مجلسه"، وبالجملة فالمراد من النادي أهل النادي... ذكر ذلك على سبيل التهكم^٤ "أي أهل ناديه"، والنادي لا يُدعى وإنما هو مكان اجتماع الناس فعبر بالمحل وأراد ما يحل فيه.

والدرس الأسلوبى يتعامل مع المذكور ويعطيه قيمة تعبيرية بالتضمن فكأنه تعالى استهزاءً به أمره أن يدعو كل من في ناديه بل ليدع ناديه نفسه وفي هذا عدول عن ألفاظ مثل (عشيرتك، أصحابك...) إلى هذا أو على نية حذف المضاف وإقامة المضاف إليه مقامه غير أن هذا الحذف لا بد من أن يكون لوجه تأثير ولغاية في التعبير، ذلك أن القوة كثيراً ما تُستمد من قرب الإنسان من محله ومنزله فلفظ ناديه المعبر به يحمل من المعاني الأشياء الكثيرة ففيه عصبية الرجل وأصحابه وفيه رمز لقوته وبأسه واطمئنانه، ومع ذلك أمره وتحده أن يدعوه ولعل فيه تهكماً بهؤلاء باستخدام لفظ (ناديه) لأنهم غالباً ما يكونون فيه مخمورين لاهين لا قوة أو ادراك لهم، وقد قرن الله تعالى المنكر بلفظ النادي في قوله تعالى:

﴿ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ الْمُنْكَرَ ﴾^٥

وبهذا يصبح من الواضح "أن سخرية القرآن تحتوي على ألفاظ حين تتأملها ونحاول تذوقها نجد أنها توحى بمعانٍ ومشاعر وأجواء فوق دلالتها الأصلية وكثيراً ما تتركز سخرية المعنى كله في لفظ واحد"^٦

١. القرآن؛ س: العلق؛ الآية: ١٧
٢. الكشاف، س: العلق؛ الآية: ١٧؛ ص ٢
٣. التحرير والتنوير، س: العلق؛ الآية: ١٧
٤. مفاتيح الغيب، س: العلق؛ الآية: ١٧، ص ٣
٥. القرآن؛ س: العنكبوت؛ الآية: ٢٩
٦. الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية

اختيار المفردة بناءً على موافقة السياق

فقد تختار المفردة القرآنية مع أنه يتصور قيام غيرها مقامها وعند التأمل نجد أن هذا الاختيار مشروط بموافقة لمعنى يفهم من السياق ، فلو أقيمت أية مفردة غير هذه المفردة لما كان لقيامها محلها شيء من الفائدة التي حققها الاستخدام الأول كقوله تعالى:

﴿ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ۚ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُونَ ۚ ﴾^١

ويقول ابن عاشور في هذا التعبير القرآني:

”وأوثر نفي الايمان عنهم في جانب انتفاء أن يكون قول شاعر، ونفي التذكر في جانب انتفاء أن يكون قول كاهن، لأن نفي كون القرآن قول شاعر بديهي اذ ليس الشعر من اتزان أجزائه في المتحرك والساكن والتقفية المتماثلة في جميع أواخر الأجزاء ، فادعواؤهم أنه قول شاعر بهتان متعمد ينادي على أنهم لا يرجي ايمانهم، وأما انتفاء كون القرآن قول كاهن فمحتاج الى أدنى تأمل اذ قد يشبه في بادئ الرأي على السامع من حيث انه كلام منشور مؤلف على فواصل ويؤلف كلام الكهان على أسجاع مثناة متماثلة زوجين زوجين ، فاذا تأمل السامع فيه بأدنى تفكر في نظمه ومعانيه علم أنه ليس بقول كاهن ، فنظمه مخالف لنظم كلام الكهان اذ ليست فقراته قصيرة ولا فواصله مزدوجة ملتزم فيها السجع ، ومعانيه ليست من معاني الكهانة الرامية الى الاخبار عما يحدث لبعض الناس من أحداث ، أو ما يلزم بقوم من مصائب متوقعة ليحذروها، فلذلك كان المخاطبون بالآية منتفياً عنهم التذكر والتدبر“^٢

فالداعي الى أن تكون الفاصلة في الآية الأولى (تؤمنون) وفي الثانية (تذكرون) هو أن مخالفة القرآن لنظم الشعر مخالفة ظاهرة وواضحة لا تخفى على أحد فالقائلون بأنه شعر كان قولهم كفراً وعناداً محضاً، فناسب ختمه بقوله (قليلاً ما تؤمنون) أما مخالفته لنظم الكهان وألفاظ السجع فليست بمثل ذلك الواضح فيحتاج فيها الى تدبر وتذكر لأن كلاً منهما نثر فليست مخالفته لهما في وضوحها لكل أحد كمخالفته للشعر.. فحسن ختمه بقوله (قليلاً ما تذكرون)

١. القرآن ؛ س:الحاقة ؛ الآيتان: ٤١-٤٢

٢. التحرير والتنوير، س:الحاقة ؛ الآية: ٤١ ، ص ٢

الفصل الخامس

اختيار المفردة لاعتماد الأسلوب القرآني

(الحسية في الوصف)

عند التأمل في السور القرآنية يتبين أن الأسلوب القرآني يعتمد الى الوصف الحسي الذي تمرّ عليه النفس دون أن تتنبه الى أن هذا مستعار أو أنه عموماً أسلوب مجازي خرج عن المعنى المباشر الى معنى ثانوي ، بل أن الملاحظ في الأسلوب القرآني ما يمكن أن يسمى (التشريك في الوصف) ما يبين المعنى الحسي والمعنوي الذي يصور به ، اذ تتماهى اللفظة ما بين معناها المباشر والمعنى الذي تخرج اليه بدلالة السياق من غير أن يكون هناك ما يرجح أحد الاستعمالين على الآخر ، فمثلاً قوله تعالى:

﴿ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴾^١

و﴿ أَوْسَطُهُمْ ﴾ "أفضلهم وأقربهم الى الخير وهو أحد الاخوة الثلاثة. والوسط: يطلق على الأخير الأفضل، قال تعالى: ﴿ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا ﴾^٢ "٣

وفي معنى (وسط) وجوه "أحدها: أن الوسط حقيقة في البعد عن الطرفين ولا شك أن طرفي الافراط والتفريط رديتان فالمتوسط في الأخلاق يكون بعيداً عن الطرفين فكان معتدلاً فاضلاً. وثانيها: انما سمي العدل وسطاً لأنه لا يميل الى أحد الخصمين، والعدل هو المعتدل الذي لا يميل الى أحد الطرفين... القول الثاني: أن الوسط من كل شيء خياره قالوا: وهذا التفسير أولى من الأول لوجوه: الأول أن اللفظ الوسط يستعمل في الجمادات... ووصف العدالة لا يوجد في الجمادات فكان هذا التفسير أولى. الثاني: أنه مطابق لقوله تعالى: ﴿ كنتم خير أمة أخرجت للناس ﴾^٤ القول الثالث: أن الرجل اذا قال: فلان أو سطناً نسباً فالمعنى أنه أكثر فضلاً وهذا وسط فيهم كواسطة القلادة، وأصل هذا أن الاتباع يتحوشون الرئيس فهو في وسطهم وهم حوله فقيل وسط لهذا المعنى.^٥

فلم أجد من فسره بغير (أعدلهم) و(أفضلهم) فاذا كان الأمر هكذا فليَمَّ عُبِّرَ عن هذا المعنى بلفظ

١. القرآن ؛ س: القلم ؛ الآية: ٢٨
٢. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١٤٣
٣. التحرير والتنوير، س: القلم ؛ الآية: ٢٨
٤. القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١١٠
٥. مفاتيح الغيب ، س: البقرة ؛ الآية: ١٤٣، ص ١-٢

(أو سطمهم) ولم يقل (أفضلهم) أو (أعدلهم)؟ انها الحسية في الوصف التي تلتصق المعنى بذهن المتلقي مباشرة دون أن يحس بانتقال على مستوى السرد هنا من المعاني المباشرة الى المعاني الثانية في اللفظة لأنهما لا يتقاطعان في أي وجه داخل السياق القرآني ، ومثل هذا قوله تعالى:

﴿بَلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَبِي وَأَمْرٌ ﴿١﴾﴾

قال ابن عاشور: "وأمر: أي أشد مرارة . واستعيرت المرارة للاحساس بالمكروه على طريقة تشبيه المعقول الغائب بالمحسوس المعروف." ^٢ وقال الآلوسي: "وأشد مرارة في الذوق وهو استعارة لصعوبتها على النفس" ^٣ فالمرارة لا يوصف بها الا المذوقات والمطعمومات ولكن الساعة لما كانت مكروهة عند مستحقي العقاب حسن وصفها بما يوصف به الشيء المكروه المذاق. وكذلك قوله تعالى:

﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۖ إِنَّ رَبَّكَ لِبِالْمِرْصَادِ ۖ ﴿٤﴾﴾

يقول طنطاوي:

"والسوط: آلة تتخذ من الجلود القوية ، يضرب بها الحاني ، وازافتها الى العذاب من اضافة الصفة الى الموصوف . أي: فصب عليهم ربك عذاباً "سوطاً" أي كالسوط في سرعته وشدته وتتابعه ، فهو تشبيه بليغ . وعبر — سبحانه — على انزال العذاب بهم بالصب — وهو الافراغ لما في الظرف بقوة — للايدان بكثرتة وتتابعه . وسميت أنواع العذاب النازلة بهم سوطاً تسمية للشيء باسم آله... والمرصاد في الأصل: اسم للمكان الذي يجلس فيه الجالس لترقب أو رؤية شيء ما . والمراد: ان ربك — أيها الرسول الكريم — يرصد عمل كل انسان، ويحصيه عليه ويحازيه به ، دون أن يخفى عليه — سبحانه — شيء في الأرض أو السماء." ^٥

فليس من السهولة تمييز المعنى المراد على وجه التحقيق والفصل بين ما توحى به اللفظة وتخرج اليه من الدلالات وبين معناها المباشر، فلقد أصبح النص وكأنه قد استغل كل هذه المعاني في لفظة بقيت بين الحقيقة والمجاز تفهم الأمرين من غير التباس أو غموض . وبهذا تُدرك استخدام الأسلوب القرآني (الْمُ تَر) في مخاطبة المتلقي وهي كما قال المفسرون

- ١ . القرآن ؛ س: القمر؛ الآية: ٤٦
- ٢ . التحرير والتنوير، س: القمر؛ الآية: ٤٦
- ٣ . روح المعاني ، س: القمر؛ الآية: ٤٦
- ٤ . القرآن ؛ س: الفجر؛ الآية: ١٣-١٤
- ٥ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الفجر؛ الآية: ١٣-١٤ ، ص ٥

بمعنى (ألم تعلم) ^١ فلم استخدم الفعل (ترى) دون (تعلم) مع أنه بمعناه وقال طنطاوي: "والرؤية
أما بمعنى الابصار مجازاً عن النظر، فائدة التجوز الحث على الاعتبار، لأن النظر اختياري دون
الادراك الذي بعده. وأما بمعنى الادراك القلبي متضمناً معنى الوصول والانتهاء." ^٢

ويقول ابن عاشور: "واعلم أن التركيب (ألم تر إلى كذا) إذا جاء فعل الرؤية فيه متعدياً إلى ما ليس
من شأن السامع أن يكون رآه، كان كلاماً مقصوداً منه التحريض على علم ما عدي إليه فعل
الرؤية، وهذا ما اتفق عليه المفسرون ولذلك تكون همزة الاستفهام مستعملة في غير معنى
الاستفهام بل في معنى مجازي أو كنائي، من معاني الاستفهام غير الحقيقي، وكان الخطاب به
غالباً موجهاً إلى غير معين، وربما كان المخاطب مفروضاً متخيلاً." ^٣ فهذا هو حسية التعبير.

-
١. مفاتيح الغيب؛ س: الفجر؛ الآية: ٦، ص ١
 ٢. المرجع السابق، س: البقرة؛ الآية: ٢٤٣
 ٣. التحرير والتنوير، س: البقرة؛ الآية: ٢٤٣، ص ١

اختيار المفردة ذات الدلالات المتعددة

فالتعبير القرآني كثيراً ما يختار مفردة معينة ولها أكثر من دلالة واحدة مما يعني أننا سنكون حيال مهمة تحديد القصدية في هذا! وهل قصد إلى أحد هذه المعاني أم ان المعاني مرادة على التوسع؟ فمن الناحية الأصولية ذهب أغلب الأصوليين إلى جواز ارادة أكثر من معنى واحد للفظه فقد "أجاز مالك والشافعي استعمال اللفظ الواحد في معنيين فأكثر في حالة واحدة ومنعه قوم"^١، وقد رد الدكتور أحمد نصيب الجنابي القول بأن وجود المشترك اللفظي يولد الابهام أو الغموض أو التعمية، وذهب إلى أن سبب هذا القول وغيره "كان نتيجة عدم مراعاة السياق والمعنى الحضورى للتركيب اللغوي والتركيز الدلالي"^٢ وهذا الذي يهمني هنا في هذه الدراسة أي "تكثيف أكثر من معنى في اللفظة الواحدة في جملة واحدة في سياق واحد لغاية وهدف مقصودين بحيث تكون كل تلك المعاني مطلوبة في التركيب اللغوي مقصودة من ارادة"^٣

وقد ابتعدت عن تسمية هذه الظاهرة الأسلوبية بالمشترك اللفظي لكونه لا يمثل الا جانباً من جوانبها كلفظة (قسورة) التي فسرت بأنها الأسد أو جماعة الرماة أو ركز الناس وأصواتهم أو ظلمة الليل.^٤ وبهذا تتواشج هذه المعاني لترسم أبلغ صورة لهؤلاء الذين كانوا ينفرون من مجرد صوت القرآن كما تنفر الحمر من أي صوت تسمعه أو أي شخص تراه أو أي حيوان تشاهده خوفاً من أن يفترسها ف"الصفة الجامعة بينهما أن كلاً منهما ضعيف منهار أمام جبار قوي، مقدر أنه واقع لامحالة لأن الصائد مما لا تمكن مقاومته لأنه قسورة فالأسلم اذن الهزيمة والفرار"^٥

فاذا أضيف إلى كل هذا أن (قسورة) تعني ظلمة الليل والركز والصوت المزعج حيث الخوف أكبر وأكبر وبهذا لا يزداد التصوير الا تكثيفاً في الدلالة على مصدر الخوف.

١. الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية

٢. المرجع نفسه

٣. المرجع نفسه

٤. الكشف؛ ٤ س: المدثر؛ الآية: ٥١

٥. الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية

ومن ذلك قوله تعالى:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَا أَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝﴾^١

وورد في الوسيط: "أي لأخذنا منه باليد اليمنى من يديه ، وهو كناية عن اذلاله واهانته . أو : لأخذناه بالقوة والقدرة ، وعبر عنهما باليمين ، لأن قوة كل شيء في ميامنه . والمقصود بالجملة الكريمة: التهويل من شأن الأخذ ، وأنه أخذ شديد سريع لا يملك معه تصرفاً أو هرباً."^٢

وكما قال الرازي: "ان اليمين بمعنى القوة والقدرة ... والمعنى لأخذ منه اليمين ، أي سلبنا عنه القوة ، ... قال مقاتل: ﴿لَا أَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ﴾ يعني انتقمنا منه بالحق ، واليمين على هذا القول بمعنى الحق."^٣

فيجوز أن تكون اليمين ههنا بمعنى: لو فعل ذلك لسلبناه قدرته وانتزعنا منه قوته ، بالاضافة الى المعنى المتبادر الى الذهن.

ففي هذا الباب علمنا أسس دلالية لاختيار المفردات القرآنية . ومعرفة هذه الأسس والأسباب تساعدنا الى فهم معاني النصوص القرآنية.

١. القرآن ؛ س:الحاقة ؛ الآية: ٤٤-٤٥

٢. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س:الحاقة ؛ الآية: ٤٥ ، ص ٢

٣. مفاتيح الغيب ، س:الحاقة ؛ الآية: ٤٥

الفصل السابع:

الدقة في اختيار صيغ الكلمات المتاحة

رأينا سابقاً أن الخطاب القرآني قد دق في اختيار الحروف والألفاظ ، فمن الصيغ المتنوعة لمادة ما اختار القرآن أنسب لنفسه، فننظر الى بعض الأمثلة منها:
مُخْرَجٌ وَيُخْرَجُ:

قال تعالى في سورة الأنعام — مستعملاً اسم الفاعل (مُخْرَجٌ):

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمْ اللَّهُ فَانِّي تَوْفَكُونَ﴾^١

أما في سورة آل عمران فقال تعالى — مستعملاً الفعل المضارع (تُخْرَجُ):

﴿تُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾^٢

قال الألوسي في استعمال المضارع دون الماضي أو اسم الفاعل:

”كان الأصل أن يؤتى بصيغة اسم الفاعل أسوة أمثاله في الآية الا أنه عدل عن ذلك الى المضارع في هذا الوصف وحده ارادة لتصوير اخراج الحي من الميت واستحضاره في ذهن السامع وذلك انما يتأتى بالمضارع دون اسم الفاعل والماضي ... ولا شك أن اخراج الحي من الميت أشهر في القدرة من عكسه وهو أيضاً أول الحالين والنظر أول ما يبدأ فيه ثم القسم الآخر ناشئ عنه فكان الأول جديراً بالتصوير والتأكيد في النفس ولذلك هو مقدم أبداً على القسم الآخر في الذكر حسب ترتبهما في الواقع ، وسهل عطف الاسم على الفعل وحسنه أن اسم الفاعل في معنى المضارع وكل منهما يقدر بالآخر فلا جناح في عطفه عليه.“^٣

وكذلك يرى فخر الدين الرازي أن لفظ الفعل عدل على أن ذلك الفاعل يعتني بذلك الفعل في كل حين وأوان . وأما لفظ الاسم فانه لا يفيد التجدد والاعتناء به ساعة فساعة.^٤

وعند الدكتور فاضل صالح السامرائي هناك قاعدة في اللغة وعلم البلاغة أن الاسم يدل على

١. القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ٩٥

٢. القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ٢٧

٣. روح المعاني ، س: الأنعام ؛ الآية: ٩٥ ، ص ١-٢

٤. مفاتيح الغيب ، س: الأنعام ؛ الآية: ٩٥ ، ص ٤

الثبوت والاستمرار والفعل يدل على الحدوث والتجدد نقول هو يتعلم وهو متعلم (ثابت) ، هو يتفقه وهو متفقه. ^١ والقاعدة العامة هذه يُنظر إليها في سياقها البلاغي . والبلاغة هي مطابقة

الكلام لمقتضى الحال . في سورة الأنعام قال تعالى :

﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكَ اللَّهُ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ • فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ •﴾^٢

يقول الدكتور السامرائي عن استعمال الصيغ في هذه القطعة القرآنية: "من أبرز صفات الحي هي الحركة والتجدد وأبرز صفات الميت الثبوت والسكون والله أعلم عندما ذكر الحي ذكره بصفة التجدد (يُخرج الحي) ولما ذكر الميت ذكره بصفة الجمود (مُخرج)"^٣

أما في الثانية استعملها بالفعل نظراً لسياق الآية فيجب أن يؤخذ المعنى كاملاً حتى تتضح الصورة:

﴿قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ • تُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾^٤

كلها تغيرات بينما في الأنعام ليس السياق في ذلك حتى أنه بدأ بالاسم (ان الله فالق الحب والنوى) لكن الذي قد يثير السؤال اذا كان الأمر كذلك فلماذا في قوله تعالى (فالق الاصبح) جعلها بالاسم و(جعل الليل) فعلها بالفعل فما الداعي للتغيير؟ لما قال فالق الاصبح هل ربطه بمستفيد أو منتفع؟ كلا سواء كان مستفيداً أو غير مستفيد. جعل الليل سكيناً هل ربطه بمنتفع؟ نعم جعله سكيناً لكل من يسكن ربطه بصاحب صفة من هذه الصفات لو لم يكن هناك من يسكن ما كان هناك سكن لشيء و كذلك الحسبان . ((فالق الاصبح)) أطلقها من كل قيد فجاءت بالاسم لأنها أثبتت ولو حصل مما يفسده البشر في الأرض ولو أهلكوا الحياة في الأرض سيبقى فالق الاصبح لكن السكن والحسبان لا يبقى لأنه لا يبقى من يسكن ولا من

١ . البنية والدقة في اختيار اللفظة، الدكتور فاضل صالح السامرائي

على الموقع www.islamiyyat.com/tape1.htm

٢ . القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ٩٥-٩٦

٣ . المرجع السابق

٤ . القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ٢٦-٢٧

يحسب. ففالق الاصبح هنا أدوم.^١

دعوتموهم وصامتون:

قال تعالى:

﴿فَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدْعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ﴾^٢

قال الزمخشري: "فان قلت: هلا قيل: أم صمتم؟ ولم وضعت الجملة الاسمية موضع الفعلية؟ قلت: لأنهم كانوا اذا حذبهم أمر دعوا الله دون أصنامهم، كقوله: ﴿وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ﴾^٣

فكانت حالهم المستمرة أن يكونوا صامتين عن دعوتهم، فقيل: ان دعوتموهم لم تفرق الحال بين احداثكم دعائهم، وبين ما أنتم عليه من عادة صمتمكم عن دعائهم."^٤

وقال الرازي: "واعلم أنه ثبت أن عطف الجملة الاسمية على الفعلية لا يجوز الا لفائدة وحكمة، وتلك الفائدة هي أن صيغة الفعل مشعرة بالتحدد والحدوث حالاً بعد حال، وصيغة الاسم مشعرة بالدوام والثبات والاستمرار. اذا عرفت هذا فنقول: ان هؤلاء المشركين كانوا اذا وقعوا في مهم وفي معضلة تضرعوا الى تلك الأصنام واذا لم تحدث تلك الواقعة بقوا ساكتين صامتين، فقيل لهم لا فرق بين احداثكم دعائهم وبين أن تستمروا على صمتمكم وسكوتكم، فهذا هو الفائدة في هذه اللفظة"^٥

أما ابن عاشور فقد اختلف في تفسيره حيث يرى أن وقع قوله: ﴿أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ﴾ معادل أدعوتموهم مع اختلاف الأسلوب بين الحملتين بالفعلية والاسمية، فلم يقل: أم صمتم، ففي ((تفسير القرطبي)) عن ثعلب: أن ذلك لأنه رأس الآية (أي لمجرد الرعاية على الفاصلة) قال: وصامتون وصمتم عند سبويه واحد، (أي الفعل والوصف المشتق منه سواء) يريد لا تفاوت بينهما في أصل المعنى، لأن ما بعد همزة التسوية لما كان في قوة المصدر لم يكن فيه أثر للفرق بين الفعل والاسم اذ التقدير: سواء عليكم دعوتكم اياهم وصمتمكم عنهم، فيكون العدول الى الجملة الاسمية ليس له مقتضى من البلاغة بل هما عند البليغ سيان، ولكن العدول الى الاسمية من مقتضى الفصاحة، لأن الفواصل والأسجاع من أفانين الفصاحة، وفيها تظهر براعة الكلام اذ يكون فيه ايفاء بحق الفاصلة مع السلامة من التكلف، كما تظهر براعة الشاعر في توفيقه بحق

١. البنية والدقة في اختيار اللفظة

٢. القرآن؛ س: الأعراف؛ الآية: ١٩٣

٣. القرآن؛ س: الروم؛ الآية: ٣٣

٤. الكشاف؛ س: الأعراف؛ الآية: ١٩٣، ص ١

٥. مفاتيح الغيب، س: الأعراف؛ الآية: ١٩٣، ص ٢

القافية اذا سلم مع ذلك من التكلف... والتحقيق أن الجملة الاسمية دلت على ثبوت الوصف المتضمنة ، مع عدم تقييد بزمان ولا افادة تجدد ، بخلاف الفعلية ...
وظاهر كلام الشيرازي في ((شرح المفتاح)) أن الثبوت يستلزم الاستمرار ، وقال الشارح التفتازاني ، في ((شرح المفتاح)): الحق أن الجملة الاسمية التي تكون عدولاً عن الفعلية تفيد الدوام الذي هو كالثبوت، وفسر في ((شرح تلخيص المفتاح)) الثبوت بمقارنة الدوام ، وأما السيد في ((شرح المفتاح)) و((حاشية على المطول)) فقد جعل الجملة الاسمية قد يقصد بها الدوام اثباتاً ونفيّاً بحسب المقامات .

وعند ابن عاشور الجملة الاسمية لا تفيد أكثر من الثبوت المقابل للتجدد، وأما الاستمرار والدوام فهو معنى كنائي لها يُحتاج في استفادته الى القرينة المعينة وهي منفية هنا، فالمعنى: سواء عليكم ادعوتموهم دعوة متجددة أم لازمتم الصمت، وليس المعنى على الدوام^١
والأصل هو الصمت وليس الحديث عندما ينام أو يخلو الانسان الى نفسه يكون صامتاً هو لا يتحدث الا اذا عرض له أمر ما، اذا لم يعرض له أمر فهو صامت . اذن الصمت هو الحالة الثانية الدائمة لذلك لا يسوي بين الطرفين (ادعوتموهم أو صمتتم)^٢

يعذبهم ومعذبهم:

ورد في القرآن الكريم قوله تعالى:

﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾^٣

يقول الدكتور السامرائي في هذا القول القرآني: "وجود الرسول ﷺ بينهم مانع للعذاب لكن هذا المنع موقوت ببقاء الرسول ﷺ فيما بينهم أما الاستغفار فقد جعله الله تعالى مانعاً ثابتاً والاستغفار يدفع العذاب (وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ) ، بقاء الرسول ﷺ بينهم متغير ولو تركهم حق عليهم العذاب . ونلاحظ من كرم الله تعالى ما قال (وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ) ربنا يدفع العذاب ولو لم يكن الاستغفار صفة ثابتة فيهم لأن رحمته واسعة تسع كل شيء"^٤

وفي آية أخرى قال تعالى:

﴿وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ﴾^٥

١ . التحرير والتنوير ، س: الأعراف ؛ الآية: ١٩٣ ، ص ٢

٢ . البنية والدقة في اختيار اللفظة

٣ . القرآن ؛ س: الأنفال ؛ الآية: ٣٣

٤ . المرجع السابق

٥ . القرآن ؛ س: القصص ؛ الآية: ٥٩

فينظر الدكتور السامرائي فيه بأنه: "إذا كان الظلم صفة ثابتة يفضي بهم الى الهلاك لكن في الاستغفار حتى لو لم يكن ثابتاً يغفر الله تعالى من رحمته"^١

تعبدون وعابدون وأعبد وعابد:

قال تعالى في سورة الكافرون:

﴿لَا أُعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ • وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أُعْبُدُ • وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا
عَبَدْتُمْ • وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أُعْبُدُ •﴾^٢

﴿وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أُعْبُدُ﴾ ... فحاء به على طريقة ﴿وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أُعْبُدُ﴾ بالجملة الاسمية للدلالة على الثبات ، ويكون الخبر اسم فاعل دالاً على زمان الحال ، فلما نفي عن نفسه أن يعبد في المستقبل ما يعبدونه بقوله: ﴿لَا أُعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ ... صرح هنا بما تقتضيه دلالة الفحوى على نفي أن يعبد آلهتهم في الحال ، بما هو صريح الدلالة على ذلك لأن المقام يقتضي مزيد البيان، فافتضى الاعتماد على دلالة المنطوق اطناباً في الكلام ، لتأسيسهم مما راودوه عليه ولمقابلة كلامهم المردود بمثله في افادة الثبات. وحصل من ذلك تقرير المعنى السابق وتأكيده، تبعاً لمدلول الجملة لا لموقعها، ... وجيء بالفعل الماضي في قوله: ﴿مَا عَبَدْتُمْ﴾ للدلالة على رسوخهم في عبادة الأصنام من أزمان مضت ، وفيه رمز الى تنزهه ﷺ من عبادة الأصنام من سالف الزمان.^٣

وقال الشوكاني:

"قال الزجاج: نفي رسول الله ﷺ بهذه السورة عبادة آلهتهم عن نفسه في الحال وفيما يستقبل ، ونفي عن عبادة الله في الحال وفيما يستقبل . وقيل: ان كل واحد منهما يصلح للحال ، والاستقبال ، ولكننا نخص أحدهما بالحال ، والثاني بالاستقبال رفعاً للتكرار . وكل هذا فيه من التكلف والتعسف ما لا يخفى على منصف ، فان جعل قوله: ﴿لَا أُعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ للاستقبال ، وان كان صحيحاً على مقتضى اللغة العربية ، ولكنه لا يتم جعل قوله: ﴿وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أُعْبُدُ﴾ للاستقبال ؛ لأن الجملة اسمية تفيد الدوام ، والثبات في كل الأوقات ، فدخل النفي عليها يرفع ما دلت عليه من الدوام ، والثبات في كل الأوقات"^٤

١ . المرجع السابق

٢ . القرآن ؛ س: الكافرون ؛ الآية: ٢-٥

٣ . التحرير والتنوير ، س: الكافرون ؛ الآية: ٤

٤ . فتح القدير ، الشوكاني ، س: الكافرون ، ص ١ ، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

وفي نفس المقام احتج الشوكاني أن الجملة الثانية والثالثة والرابعة حمل اسمية مصدرية بالضمائر التي هي المبتدأ في كل واحد منها مخبر عنها باسم الفاعل العامل فيما بعده منفية كلها بحرف واحد، وهو لفظ لا في كل واحد منها، فكيف يصح القول مع هذا الاتحاد بأن معانيها في الحال والاستقبال مختلفة.

وفي نظر الدكتور السامرائي: لا أعبد (فعل) للرسول ﷺ ثم ولا أنا عابد (اسم) وللكافرين (ولا أنتم عابدون ما أعبد) هل لهذا أثر في المعنى؟ يدخل ضمن القاعدة اللغوية (لا أعبد ما تعبدون) نفي عن عبادة ما يعبدون بالصيغتين الاسمية والفعلية بالحالة المتحددة (لا أعبد) والثابتة (عابد) لأنه أحياناً الإنسان قد يكون على حالة ثابتة لكن قد يخرج عنها أحياناً لكن تكون الصفة الغالبة عليه. إذا قلنا كريم لا يعني أنه كريم طيلة أربع وعشرين ساعة. بالنسبة للرسول ﷺ إذا خرج من الحالة الثابتة يكون في الحالة المتحددة التي نفي تعالى عنه العبادة للأوثان فيها، لكن بالنسبة للكافرين نفي عنهم حالة الثبات ولو لاحظنا الفعل (تعبدون) في الحال والمستقبل (عبدتم) في الماضي استوفى كل الأزمنة الماضي والحال والمستقبل. بالنسبة للرسول ﷺ نفي عنه عبادة ما يعبدون في الماضي والحال والمستقبل الثابتة والمتحددة بينما هم نفي عنهم (ولا أنتم عابدون ما أعبد) في الحالة الاسمية ببقاؤه ﷺ على عقيدته أقوى وأثبت وأدوم من بقائهم على عقيدتهم.^١

الهداية والضلالة:

قال الله تعالى في صفة الاضلال المتحددة له محازاةً للظالمين:

﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾^٢

وكذلك قال تعالى:

﴿كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ﴾^٣

وقال تعالى في صفة الهداية المتحددة والثابتة له:

﴿وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا﴾^٤

وقال تعالى في مقام آخر:

﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ

١. البنية والدقة في اختيار اللفظة

٢. القرآن؛ س: ابراهيم؛ الآية: ٢٧

٣. القرآن؛ س: غافر؛ الآية: ٣٤

٤. القرآن؛ س: الفرقان؛ الآية: ٣١

إِلَى النُّورِ بِأَذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١﴾

وقال تعالى عن الشيطان بيناً صفة الاضلال المتحددة والثابتة له:

﴿ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِينٌ ﴾^٢

وقال تعالى:

﴿ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴾^٣

وورد في القرآن الكريم من دعوى الشيطان ضد الانسان:

﴿ وَلَا ضِلَّيْنَهُمْ ﴾^٤

يقول الدكتور السامرائي عن وقوع تعبيرات الهداية والضلال في القرآن أن الهداية جاءت بالاسم والفعل أما الضلالة فجاءت بالفعل ﴿ وَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ ﴾ أما في الحديث عن الشيطان جاء ﴿ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ ﴾ و ﴿ إِنَّهُ يُضِلُّ ﴾ و ﴿ لَا ضِلَّيْنَهُمْ ﴾. وصفة الله تعالى الثابتة والمتحددة هي الهداية ﴿ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ﴾ وهو يهدي حالته الثابتة والمتحددة هي الهداية ولا يضل الا مجازاة للظالم . أما صفة الشيطان الثابتة والمتحددة هي الاضلال فجاءت مضل بالاسم الثابت وبفعل التجدد. ولم يقل تعالى عن نفسه مضل وانما قال ﴿ يُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ﴾ مجازاة لهم.^٥

سنبلات وسنابل:

قال الله تعالى في بيان ضرب المثل عن فائدة الانفاق في سبيل الله:

﴿ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِئَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾^٦

وورد في القرآن الكريم بيان رؤيا ملك مصر في زمن يوسف عليه السلام:

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ﴾^٧

١. القرآن ٤ س: المائدة ٤ الآية: ١٦

٢. القرآن ٤ س: القصص ٤ الآية: ١٥

٣. القرآن ٤ س: النساء ٤ الآية: ٦٠

٤. القرآن ٤ س: النساء ٤ الآية: ١١٩

٥. البنية والدقة في اختيار الكلمة

٦. القرآن ٤ س: البقرة ٤ الآية: ٢٦١

٧. القرآن ٤ س: يوسف ٤ الآية: ٤٣

يقول الدكتور السامرائي عن ورود سنبله وسنابل في القرآن: "سنبلات قلة وسنابل للكثرة. العدد واحد سبع في الآيتين... قد يقع الكثرة مكان القلة والعكس حسب المقام. في سورة البقرة المقام في مضاعفة الأجور، (والله يضاعف لمن يشاء) السياق أصلاً في مقام تكثير الأجور والمضاعفة، بينما في آية سورة يوسف هو رأى رؤية ونقلها كما هي (سنبلات) فالسياق في مقام ذكر حادثة كما هي".^١

أنعم ونعم:

قال تعالى في صفة خليله:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا
لَّأَنْعَمِهِ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾^٢

وقال تعالى أيضاً في بيان نعمته على الانسان:

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ
نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾^٣

فيقول الدكتور السامرائي عن ورود هاتين كلمتين أي (أنعم) و(نعم) في القرآن:

"أنعم جمع قلة على وزن أفعل، نعم جمع كثرة. ونعم الله تعالى لا تحصى ولا يمكن أن تُشكر ولا نستطيع شكرها فالله تعالى مدح ابراهيم على أنه شكر الأنعم أي القليل من النعم فمدحه على ذلك لأنه لا يمكن لأحد أن يشكر نعم الله تعالى التي لا تحصى فأثنى على ابراهيم لأنه كان شاكراً لأنعم الله تعالى. والله تعالى لم يسبغ علينا أنعماً ولكنه أسبغ نعماً ظاهرة وباطنة لا تحصى.

والاسبغ هو الافاضة في ذكر النعم. قال تعالى: ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِنَّمَا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾^٤ شاكراً اسم فاعل والكفور مبالغ في الكفر. وتوجد نعم مستديمة منها ما نعلم وما لا نعلم والله تعالى أفاض علينا بالنعم الكثيرة ولو شكرنا نشكر باللسان وهو بحد ذاته نعمة".^٥

١. البنية والدقة في اختيار الكلمة

٢. القرآن ٤ س: النحل؛ الآية: ١٢١

٣. القرآن ٤ س: لقمان؛ الآية: ٢٠

٤. القرآن ٤ س: الانسان؛ الآية: ٣

٥. البنية والدقة في اختيار الكلمة

خالد بن خالد:

قال تعالى في بيان الطائعين والجاحدين:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾^١

يقول الدكتور السامرائي في استعمال كلمة (خالد بن) في حق الطائعين وكلمة (خالداً) في حق الجاحدين العصاة أن للعلم ربنا تعالى لم يذكر مرة واحدة في القرآن عن أصحاب الجنة خالداً فيها إنما جاءت بالجمع (خالد بن) أما في النار فيستعمل خالداً وخالد بن وهذا خطأ عام في القرآن . (من) تدل على الواحد والكثير لكن هو بالنسبة لأهل النار عذبهم بالنار وبالوحدة والانفراد والوحدة لا تطاق ولو كنت في قصر . اذن بينما أصحاب الجنة فيها السعادة والتنعم بالاجتماع على الأرائك ولذلك يذكر في أهل الجنة بأنهم خالد بن للدلالة على الجماعة ثم ان خالد بن مناسبة للجنات وهي جمع وللمؤمنين أكثر من جنة ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٌ﴾^٢ أما تلك فهي نار . عندما ذكر الجنات قال خالد بن وعندما قال نار قال خالداً وقد تأتي خالد بن.^٣

كسب واكتساب

قال الله تعالى في بيان عدله ونصيب الانسان في كسبه واكتسابه:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾^٤

يقول ابن جنى ان زيادة في حروف الكلمة تزيد في المعنى ، فباب افتعل أقوى من باب فعل في دلالته يقول: في قوله تعالى ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ﴾ ان تأويل ذلك أن كسب الحسنة بالاضافة الى اكتساب السيئة أمر يسير ومستصغر.^٥

ويستدل على هذا بقوله تعالى:

﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا﴾^٦

١. القرآن ٤ س: النساء ٤ الآية: ١٣-١٤

٢. القرآن ٤ س: الرحمن ٤ الآية: ٤٦

٣. البنية والدقة في اختيار اللفظة

٤. القرآن ٤ س: البقرة ٤ الآية: ٢٨٦

٥. الحصائص ، ص ٣١٠

٦. القرآن ٤ س: الأنعام ٤ الآية: ١٦٠

ثم يأتي مزيداً من تشريح قوله بأن الحسنه تصغر باضافتها الى جزائها ، صغر الواحد الى العشرة ، ولما كان جزاء السيئة انما هو بمثلها ، لم تحتقر الى الجزاء عنها ، فعلم بذلك قوة فعل السيئة على فعل الحسنه.^١

ويستوضح لنا عظم السيئة مفسراً قوله تعالى:

﴿ تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا أَنْ
دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ﴾^٢

ويقول كذلك: "فاذا كان فعل السيئة ذاهباً بصاحبه الى هذه الغاية البعيدة المترامية ، عظم قدرها ، وفخم لفظ العبارة عنها ، فقليل : لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت . فزيد في لفظ فعل السيئة ، وانتقص من لفظ فعل الحسنه"^٣

يتضح من هذه الدراسة الموجزة من تشريح بعض الآيات القرآنية وأقوال العلماء فيها أن الخطاب القرآني اختار لنفسه أنسب الصيغ من الكلمات ولا نستطيع أن نأتي بصيغة أخرى من كلمة ما من الخطاب القرآني حيث هذا يفسد هدف الخطاب القرآني في ابلاغ المعاني . وينبغي لقارئ القرآن أن يفهم الفروق الدقيقة بين صيغ الكلمات المختلفة كي يتلقى جيداً مفاهيم رسالة القرآن .

١ . المرجع السابق

٢ . القرآن ؛ س: مريم ؛ الآية: ٩٠

٣ . المرجع السابق

الفصل الثامن

الدقه في اختيار من المترادفات المتيسرة

الترادف في اصطلاح لغوي هو وجود كلمتين لهما دلالة واحدة ، كما يروي السيوطي : "قال الامام فخر الدين : هو الألفاظ المفردة الدالة على شيء واحد باعتبار واحد"^١

ويقول عبدالرحمن الشهري: "المقصود بالترادف اصطلاحاً : هو أن يدل لفظان مفردان فأكثر دلالة حقيقية مستقلة على معنى واحد ، باعتبار واحد ، وفي بيئة لغوية واحدة.... وليس مجرد الاختلاف في اللفظ والمعنى واحد.."^٢

وأنكره بعضهم وأقره بعضهم الآخر ، فيقول ابن فارس:

"يسمى الشيء الواحد بالأسماء المختلفة ، نحو: السيف والمهند والحسام ، والذي نقوله في هذا أن الاسم واحد وهو السيف وما بعده من الألقاب صفات ، ومذهبنا أن كل صفة منها فمعناها غير معنى الأخرى ، وقد خالف في ذلك قوم فزعموا أنها وإن اختلفت ألفاظها فإنها ترجع الى معنى واحد وذلك قولنا: سيف وعضب وحسام ، وقال آخرون : ليس منها اسم ولا صفة الا ومعناه غير معنى الآخر ، قالوا: وكذلك الأفعال ، نحو: مضى وذهب وانطلق وقعد وجلس ورقد ونام وهجع . قالوا: فففي (قعد) معنى ليس في (جلس) وكذلك القول فيما سواه. وبهذا نقول ، وهو مذهب شيخنا أبي العباس أحمد بن يحيى ثعلب"^٣

ثم يقول : "ونحن نقول : ان في (قعد) معنى ليس في (جلس) ، ألا ترى أنا نقول : قام ثم قعد... ثم نقول: كان مضطجعاً فجلس ، فيكون القعود عن قيام ، والجلوس عن حالة هي دون الجلوس ... وعلى هذا يجري الباب كله."^٤

ويبين ابن درستويه أسباب نشأة الترادف ويرجع سبب ذلك الى اختلاف اللهجات أو المجاز أو عدم ادراك الفروق الدلالية بين الكلمات أو اختلاف الصيغ ، فيقول: "لا يكون فعل وأفعال بمعنى واحد كما لم يكونا على بناء واحد ، الا أن يجيء ذلك في لغتين مختلفتين ، فأما في لغة واحدة

١ . المزهر للسيوطي ص ١٢٥

٢ . الترادف في القرآن الكريم ، عبدالرحمن الشهري : المشرف العام للصفحة www.tafsir.net

على الصفحة www.tafsir.net/vb/showthread.php?p=2723

٣ . الصحابي في فقه اللغة ، ابن فارس ص ٢٠ على عنوان ww.alwaraq.net/index2.htm?i=317&page=1

٤ . المرجع نفسه ، ص ٢١

فمحال أن يختلف اللفظان والمعنى واحد كما يظن كثير من اللغويين ، وإنما سمعوا العرب تتكلم بذلك على طباعها وما في نفوسها من معانيها المختلفة ، وعلى ما جرت به عاداتها وتعارفها ، ولم يعرف السامعون لذلك العلة فيه والفروق ؛ فظنوا أنهما بمعنى واحد ...^١

و((ثعلب)) من الذين أنكره انكاراً باتاً ، قال ينقل عن ابن الأعرابي: "كل حرفين أوقعتهما العرب على معنى واحد ، في كل منهما معنى ليس في صاحبه ، ربما عرفناه فأخبرنا به ، وربما غمض علينا فلم نلزم العرب جهله." ^٢ وصنف ((أبوهلال العسكري)) كتابه (الفروق اللغوية) لبيان فروق الدلالات بين معاني ألفاظ مقول بترادفها. وصدره بباب ((في الابانة عن كون اختلاف الألفاظ في لغة واحدة ، يوجب اختلاف المعاني)) فإذا جرى اسمان على معنى من المعاني أو عين من الأعيان في لغة واحدة ، فإن كل واحد منهما يقتضي خلاف ما يقتضيه الآخر ، والا لكان الثاني فضلاً لا يحتاج إليه. يقول أبو هلال: "الشاهد على اختلاف العبارات والأسماء يوجب اختلاف المعاني ، ان الاسم يدل على المعنى دلالة الاشارة ، واذا أشير الى الشيء مرة واحدة فعرف ، فالاشارة اليه ثانية وثالثة غير مفيدة ، وواضع اللغة حكيم لا يأتي فيها بما لا يفيد ، فكل اسمين يجرىان على معنى من المعاني وعين من الأعيان في لغة واحدة ، فكل منهما يقتضي خلاف ما يقتضيه الآخر ، والا لكان الثاني فضلاً لا يحتاج اليه." ^٣

وهؤلاء ينكرون الترادف لأنهم يرون أن الشارع حكيم ، ومن العبث أن يأتي الترادف الا ولكل كلمة دلالة ، فاذا سلمنا بتلك الدلالات المتعددة فلا ترادف بل ان أبا هلال العسكري قد أنكر حتى المشترك اللفظي ، وأن يكون فعل وأفعل بمعنى واحد ، بل ان أصحاب هذا الرأي ... يقولون بعدم تعاقب حروف الجر ، وعللوا ذلك بأنه بوقع في الاشكال واللبس على المخاطب ، وليس من الحكمة ، وضع الأدلة المشككة .. وقال المحققون : لا يجوز أن تختلف الحركتان في الكلمتين ومعناهما واحد ، ثم يقول : واذا كان اختلاف الحركات يوجب اختلاف المعاني ، فاختلاف المعاني أنفسها أولى أن يكون كذلك. ^٤

ومن العلماء القدامى الذين ينكرون وجود الترادف يمكن أن نستنبط عندهم ونحملها في النقاط التالية كما بينها أحمد عبدالرحمن:

١. المزهر ، ص ١١٩
٢. الاعجاز البياني للقرآن ، عائشة عبد الرحمن ، دار المعارف القاهرة ، ط ٣ ، ص ١٩٦
٣. الفروق في اللغة ، أبو هلال العسكري ، مقدمة ص ١٣ ، تحقيق: محمد باسل عيون السود ، دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة ١ ، سنة النشر ٢٠٠٠ م
٤. قضية الترادف : النظرية والتطبيق ، أحمد عبدالرحمن ،

”أولاً: ان الشارع حكيم ، واذا سلمنا بالترادف ، وقعنا في عبثية لفظية ، ينزه الشارع عنها ، ورأيهم هذا ينطلق من قولهم بتوقيفية اللغة...“

ثانياً: ان لكل كلمة دلالة تدور في محيطها ، وما لم نعلم علته ، فهو معلوم في العربية ، وان جهلناه .

ثالثاً: اذا قلنا بانكار الترادف ، فهذا يدفعنا الى بحث العلل وفي هذا ما يدل على سعة الكلام عند العرب.^١

أما الرأي الآخر فثبت الترادف وهم يرون أن هناك كلمات مترادفة تؤدي معنى واحداً تاماً ، لم تأت في العربية عبثاً ، وانما جاءت لأغراض ومقاصد ، ويستدلون على صواب رأيهم بأدلة عقلية وخرجوا الآية الكريمة مخارج تدعم أو تسالم رأيهم ، وحديثهم في اثبات الترادف قائم من منطلق أن اللغة اصطلاحية حتى صرح بذلك السيوطي في المزهري... ولعل من أبرز القائلين به الأمدي صاحب الاحكام في أصول الأحكام اذ نص على ذلك ، وآتهم أصحاب الرأي السابق وسرد أدلة عقلية على وقوعه ... ويؤيد هذا الرأي القائل بالترادف مجموعة من علماء اللغة لعل من أبرزهم ابن خالويه ... وأبوسكر الزبيدي والرماني ، وابن جنبي ، وقد أفرد له باباً في خصائصه ومنهم الباقلاني ، وابن سيده ، والفيروزآبادي ... والسيوطي ممن يثبتون وجود الترادف في اللغة.^٢

أما الذين أنكروا وقوع الترادف فكانوا ينظرون الى اللغة العربية ”نظرة تاريخية Diachronic أي عبر فترات زمنية تطورت فيها اللغة ، من خلال التداخل اللهجي أو التطور الدلالي.“^٣

أما الذين قالوا بوقوع الترادف ينظرون الى الثروة اللفظية في اللغة العربية ”نظرة وصفية آنية Synchronic أي ينظرون الى اللغة كما هي في زمانهم مع ابعاد أي نظرة تاريخية.“^٤

ويذكر السيوطي أسباب وقوع الترادف وفوائده التالية:

الأولى: قال أهل الأصول: لوقوع الألفاظ المترادفة سببان:

أحدهما: أن يكون من واضعين ، وهو الأكثر بأن تضع إحدى القبيلتين أحد الاسمين ، والأخرى الاسم للمسمى الواحد ، من غير أن تشعر احدهما بالأخرى ، ثم يشتهر الوضاعان ، ويخفى الوضاعان ، أو يلتبس وضع أحدهما بوضع الآخر ؛ وهذا مبني على كون اللغات اصطلاحية.

١ . المرجع نفسه

٢ . المرجع نفسه

٣ . الترادف ، الدكتور محمد محمد الحناش ، صاحب الموقع

<http://www.ajman.ac.ae/hannach/doc/synonimie.doc>

٤ . المرجع نفسه

وثانيهما: أن يكون من واضع واحد وهو الأقل؛ وله فوائد منها:

أن تكثر الوسائل... إلى الاخبار عما في النفس؛ فانه ربما نسي أحد اللفظين أو عسر عليه النطق به؛ وقد كان بعض الأذكياء في الزمن السالف أُلثغ، فلم يُحفظ عنه أنه نطق بحرف الراء، ولولا المترادفات تعينه على قصده لما قدر على ذلك.

والتوسع في سلوك طرق الفصاحة، وأساليب البلاغة في النظم والنثر؛ وذلك لأن اللفظ الواحد قد يتأتى باستعماله مع لفظ آخر السجع والقافية والتجنيس والترصيع، وغير ذلك من أصناف البديع، ولا يتأتى ذلك باستعمال مرادفه مع ذلك اللفظ.

الثانية: ذهب بعض الناس إلى أن الترادف على خلاف الأصل، والأصل هو التباين، وبه جزم البيضاوي في منهاجه.

الثالثة: قد يكون أحد المترادفين أجلى من الآخر؛ فيكون شرحاً للآخر الخفي؛ وقد ينعكس الحال بالنسبة إلى قوم دون آخرين. قال وزعم كثير من المتكلمين أن التحديدات كلها كذلك؛ لأنها تبديل اللفظ الخفي بلفظ أجلى منه، قال: ولعل ذلك يصح في البسائط دون المركبات.

الرابعة: الألفاظ التي بمعنى واحد تنقسم إلى ألفاظ متواردة، وألفاظ مترادفة؛ فالمتواردة كما تسمى الخمر عقاراً وصهباء وقهوة، والسبع أسداً وليثاً وضرغاماً. والمترادفة هي التي يُقام لفظ مقام لفظ لمعان متقاربة يجمعها معنى واحد؛ كما يقال: أصلح الفاسد، ولم الشعث، ورتق الفتق، وشعب الصدع. انتهى. وهذا تقسيم غريب.

الخامسة: ممن ألف في المترادف العلامة مجد الدين الفيروزآبادي صاحب القاموس، ألف فيه كتاباً سماه الروض المسلوف فيما له اسمان إلى ألوف. وأفرد خلق من الأئمة كتباً في أسماء أشياء مخصوصة؛ فألف ابن خالويه كتاباً في أسماء الأسد، وكتاباً في أسماء الحية.^١

وكان علماء القدامى يقسم الكلمات تقسيماً ثلاثياً أي (ما اختلف لفظه واختلف معناه) و(وما اتفق لفظه واختلف معناه) و(اختلف لفظه واتفق معناه).

فبينها السيوطي بأن من كلام العرب اختلاف اللفظين لاختلاف في المعنيين؛ واختلاف اللفظين والمعنى واحد؛ واتفق اللفظين واختلاف المعنيين؛ فأما اختلاف اللفظ لاختلاف المعنيين فهو مثل: ذهب وجاء، وقام وقعد، ورجل وفرس، ويذ ورجل. أما اختلاف اللفظين والمعنى واحد فمثاله: ظننت وحسبت؛ وقعدت وجلست؛ وذراع وساعد؛ وأنف ومرسن. وأما اتفاق اللفظين واختلاف المعنيين فمثاله: وجدت شيئاً إذا أردت وجدان الضالة، ووجدت على الرجل من

الموجدة ، ووجدت زيدا كريماً أي علمت.^١

فيقول ((المبرد)) في كتابه (ما اتفق لفظه واختلف معناه من القرآن المجيد): "هذه حروف ألفناها من كتاب الله عز وجل ، متفقة الألفاظ مختلفة المعاني متقاربة في القول مختلفة في الخبر ، على ما يوجد في كلام العرب ، لأن من كلامهم اختلاف اللفظين لاختلاف المعنيين ، واختلاف اللفظين والمعنى واحد ، واتفاق اللفظين والمعنى واحد." ^٢ ويقرر ابن الأنباري في (كتاب الأضداد) أن هناك علة لغوية كامنة وراء تعدد لفظين في معنى واحد ، إذ أن كل لفظ منها يختلف عن الآخر في المعنى اختلافاً ما "وقد يكون الفرق دقيقاً لا ينتبه له الا العارف بلغة العرب"^٣

ويرى ابن تيمية أن الترادف في اللغة قليل وأما في القرآن فإما نادر ، وأما معدوم ، وقل أن يعبر عن لفظ واحد بلفظ يؤدي جميع معناه ، بل يكون فيه تقريب لمعناه. ^٤ ويرى الامام الراغب الاصفهاني أن الترادف في القرآن الكريم معدوم اذ يقول في مقدمة مفرداته: "وأنبع هذا الكتاب ان شاء الله تعالى ونسأله في الأجل ، بكتاب ينبي عن تحقيق الألفاظ المترادفة على المعنى الواحد وما بينها من الفروق الغامضة ، فبذلك يعرف اختصاص كل خبر بلفظ من الألفاظ المترادفة دون غيره من أخواته"^٥

ويناقش الدكتور الحناش عن بحث الترادف تفصيلاً:

"عرف علماء المحدثون الترادف كما عرفه علماء العربية القدماء ، فهو عندهم عبارة عن كلمتين فأكثر تتطابق في الدلالة ، كما حكموا السياق في القول بالترادف في بعض الكلمات ، فقسّموا الى قسمين : ١- مطلق أو تام ، ويحدث عندما تحل كلمة محل أخرى في جميع السياقات المختلفة (Connotation) وهو أمر نادر الوقوع (وفكرة السياق ليست غريبة على القدماء ، فقد وظفوها هم أيضاً). ٢- شبه الترادف ، ويكون بالتشابه الدلالي بين كلمتين أو أكثر ، سواء في المعنى الأصلي أو في الدلالات المرتبطة أو المتضمنة في الكلمة ، مع الاقرار بوجود خلاف في الدلالة يطبق عليه علماء المعاجم "التطابق الدلالي" ، حيث تستعمل الكلمة في سياق معين

١. المرجع نفسه ، ص ١٢٠

٢. ما اتفق لفظه واختلف معناه ، المبرد ، ص ٤٧ ، نقلًا عن الاعجاز البياني للقرآن ، ص ١٩٦

٣. الأضداد ، ابن الأنباري ، ص ٧

٤. الترادف في القرآن الكريم ، عبدالرحمن الشهري

٥. مفردات ألفاظ القرآن الكريم ، المقدمة

ولا تصلح الأخرى في السياق نفسه ، وكلاهما بمعنى واحد ، وهذا الاختلاف يؤدي الى شبه الترادف ، ويكون في الهامش الدلالي لا في جوهره.^١

ومن العلماء المتأخرين الذين يؤمنون بوجود الترادف في اللغة العربية ، الدكتور علي عبد الواحد الذي "كان مما عده من مزاياها ، أنها تستطيع لثرائها أن تؤدي المعنى الواحد بعشرات الألفاظ . والأستاذ الدكتور ابراهيم انيس ، قطع في كتابه (دلالات الألفاظ) بوجود الترادف في العربية.^٢ قطعت الدكتورة عائشة عبدالرحمن أن القرآن الكريم "يهدى الى سر الكلمة لا تقوم مقامها كلمة سواها من الألفاظ المقول بترادفها."^٣ ثم تقول: "ما من لفظ فيه يمكن أن يقوم غيره مقامه . وذلك ما أدركه العرب الخُلص الفصحاء الذين نزل فيهم القرآن."^٤

وعند روضة عبدالكريم لكل لفظة في اللغة العربية معنى خاص به يميزه عن غيره من الألفاظ ، فهناك فروق بين الكلمات ، هذه الفروق هي التي جعلت لكل كلمة موقعها الذي يناسبه غيرها... وينقل عن د. محمد المبارك من كتابه (فقه اللغة وخصائص العربية): لقد أصاب العربية في عصور الانحطاط المنصرمة مرض العموم والغموض والابهام ، كما أصابت هذه الآفات التفكير نفسه ، فضاعت الفروق الدقيقة بين الألفاظ المتقاربة فعدت مترادفة.. وكما ينقل عنه: وقد كان كتاب العربية في العصور الزاهرة يحرصون على دقة التعبير ووضع الألفاظ في مواضعها،... ونحن اليوم بحاجة للتحرر من آفات عصور الانحطاط في ميدان اللغة، والعودة الى خصائص العربية في استعمال اللفظ الخاص والعام ، وكل في موضعه اللائق به ، ومكانه المناسب له.^٥

ورَدَ الامام محمد عبده بشدة القول بوجود كلمات مترادفة ، حيث قال:

"أنا لا أجزئ لمسلم أن يقول في نفسه أو بلسانه ان في القرآن كلمة تغاير أخرى ، ثم تأتي لمجرد تأكيد غيرها بدون أن يكون لها في نفسها معنى تستقل به ، نعم قد يكون معنى الكلمة هو عن معنى الأخرى تقريراً أو ايضاحاً ، ولكن الذي لا أجزئه هو أن يكون معنى الكلمة هو عين معنى الأخرى بدون زيادة ، ثم يؤتى بها لمجرد التأكيد لا غير، بحيث تكون من قبيل ما يُسمى بالمترادف في عرف أهل اللغة ، فان

١. الترادف ، الدكتور محمد محمد الحناش

٢. الاعجاز البياني للقرآن ، ص ١٩٧-١٩٨

٣. المرجع نفسه ، ص ١٩٨

٤. المرجع نفسه ، ص ١٩٤

٥. الأسماء الحسنی في الفاصلة القرآنية ، روضة عبدالكريم ، على شبكة التفسير والدراسات القرآنية

ذلك لا يقع الا في كلام من يرمي في لفظه الى مجرد التلميح والتزويق ، وفي العربية طرق للتأكيد ليس هذا منها^١

والقرآن الكريم هو معجزة الله سبحانه وتعالى أعطاه لنبيه الكريم وهو معجزة لغوية في أول الأمر. ونجد خلال "التتبع الاستقرائي لألفاظ القرآن الكريم في سياقها ، أنه يستعمل اللفظ بدلالة معينة لا يمكن أن يؤديها لفظ آخر ، في المعنى الذي تحشد له المعاجم وكتب التفسير عدداً قَلَّ أو أكثر من الألفاظ."^٢

وقد تنبه القدماء الى ما امتاز به القرآن من دقة في استعمال الألفاظ ومن ذلك الجاحظ يقول مقارناً بين استعمال القرآن للألفاظ واستعمال الناس لها فقال:

"وقد يستخف الناس ألفاظاً ويستعملونها ، وغيرها أحق بذلك منها ، ألا ترى أن الله تبارك وتعالى لم يذكر في القرآن الجوع الا في موضع العقاب، أو في موضع الفقر المدقع والعجز الظاهر. والناس لا يذكرون السغب ويذكرون الجوع في حالة القدرة والسلامة ، وكذلك ذكر المطر؛ لأنك لا تجد القرآن يلفظ به الا في موضع الانتقام ، والعامية وأكثر الخاصة لا يفصلون بين ذكر المطر وبين ذكر الغيث ، ولفظ القرآن الذي عليه نزل أنه اذا ذكر الأبصار لم يقل الأسماع ، واذا ذكر سبع سموات لم يقل الأرضين ، ألا تراه لا يجمع الأرض أرضين ، ولا السمع أسماعاً . والجاري على أفواه العامة غير ذلك لا يتفقدون من الألفاظ ما هو أحق بالذكر وأولى بالاستعمال."^٣

على أن ما قاله الجاحظ يحد صدقاً واسعاً لدى الخطابي فيتسع به ويقف على كثير مما يبدو أنه من المترادفات لينتهي الى تبيان ما بينها من دقيق الفروق ، وليقرر من ثمة أن الدقة في استعمال الألفاظ مواضعها هي من أمارات البلاغة، ويقول: "... اعلم أن عمود هذه البلاغة التي تجمع لها هذه الصفات هو وضع كل نوع من الألفاظ في التي تشتمل عليها فصول الكلام موضعه الأخص الأشكل به ، الذي اذا أبدل مكانه غيره جاء منه : اما تبدل المعنى الذي يكون منه فساد الكلام ، واما ذهاب الرونق الذي يكون معه سقوط البلاغة ، ذلك أن في الكلام ألفاظاً متقاربة في المعاني يحسب أكثر الناس أنها متساوية في افادة بيان مراد الخطاب ، كالعلم والمعرفة ، والحمد والشكر ، والبخل والشح ، وكالنعمة والصفة ... ونحو [ذلك] من الأسماء والأفعال والحروف والصفات ، [بيد أن] الأمر فيها وفي ترتيبها عند علماء أهل اللغة بخلاف ذلك ، لأن

١. الأسماء الحسنى في الفاصلة القرآنية

٢. الاعجاز البياني؛ عائشة ١٩٨

٣. البيان والتبيين ، الجاحظ ، ص ٦ على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=65&page=6

لكل لفظة منها خاصية بها عن صاحبته في بعض معانيها وان كانا قد يشتركان في بعضها^١
 ”والمحققون من فقهاء العربية لم ينكروا الترادف في الألفاظ التي تختلف حروفها وموادها
 فحسب ، بل أنكروه كذلك في الألفاظ تتفق مادتها وحروفها ، وتختلف صيغتها وأبنيته ، إلا أن
 يحيى ذلك في لغتين ، بل انه لا يجوز أن تختلف الحركتان في الكلمتين ومعناهما واحد.“^٢
 ونقل ((أبو هلال)) من ذلك مثلاً ، صيغ المبالغة:

”اذا كان الرجل قوياً على الفعل قيل فعول ، مثل صبور وشكور . واذا فعل الفعل وقتاً
 بعد وقت ، قيل فعّال ، مثل عَلام وصبّار . واذا كان ذلك عادة له ، قيل مفعال ، مثل
 معوان ومعطاء . ومن لا يتحقق المعاني يظن أن ذلك كله يفيد المبالغة فقط . وليس
 الأمر كذلك ، بل هي مع افادتها المبالغة تفيد المعاني التي ذكرناها .
 وكذلك قولنا: فعلت ، يفيد خلاف قولنا : أفعلت ، في جميع الكلام ، إلا ما كان من
 لغتين . فقولك : سقيت الرجل ، يفيد أنك أعطيته ما يشربه أو صببته في حلقه .
 وأسقيته : يفيد أنك جعلت له سقياً أو حظاً من الماء . وقولك : شرقت الشمس ،
 يفيد خلاف غرّبت ، وأشرقت : يفيد أنها صارت ذات اشراق .
 فأما قول بعض أهل اللغة ان الشَّعر والشَّعر ، والنَّهر والنَّهر ، بمعنى واحد ، فان ذلك
 لغتان . واذا كان اختلاف الحركات يوجب اختلاف المعاني ، فاختلاف المعاني
 أنفسها أولى أن يكون كذلك.“^٣

والآن ننظر الى بعض الأمثلة من الألفاظ القرآنية التي تبدو مترادفة بادئ الأمر ولكن لها معانيها
 الخاصة لها:

الرؤيا والحلم:

يقول أبو هلال العسكري: ”كلاهما ما يراه الانسان في المنام ، لكن غلب الرؤيا على ما يراه من
 الخير ، والشيء الحسن ، والحلم : ما يراه من الشر والشيء القبيح ، ويؤيده الحديث: ((الرؤيا من
 الله والحلم من الشيطان))“^٤ وتقول الدكتورة عائشة عبدالرحمن : ”استعمل القرآن
 ((الأحلام)) ثلاث مرات ، يشهد سياقها بأنها الأضغاث المشوشة والهواجس المختلفة .
 وتأتي في المواضع الثلاثة بصيغة الجمع ، دلالة على الخلط والتشوش لا يتميز فيه حلم عن

١ . تأويل مشكل القرآن ، ابن قتيبة ، شرحه السيد أحمد صقر ، دار التراث القاهرة ، ط ٢ ، ١٩٧٣ م ، ص ٢٩

٢ . الاعجاز البياني في القرآن ، ص ٢١٥

٣ . الفروق في اللغة ، ص ١٢-١٣

٤ . المرجع نفسه ، ص ٥٣

آخر.^١ والآيات التي جاءت فيها كلمة ((أحلام)) هي:

﴿بَلْ قَالُوا أَضْغَاتٌ أَحْلَامٌ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوْلُونَ﴾^٢

وعلى لسان الملائكة، من قوم العزيز، حين سألهم أن يفتوه في رؤياه:

﴿قَالُوا أَضْغَاتٌ أَحْلَامٌ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالَمِينَ﴾^٣

أما الرؤيا "فجاءت في القرآن سبع مرات، كلها في الرؤيا الصادقة. وهو لا يستعملها الا بصيغة المفرد، دلالة على التمييز والوضوح والصفاء. ومن بين المرات السبع، جاءت الرؤيا خمس مرات للأنبياء، فهي من صدق الالهام القريب من الوحي"^٤

ورؤيا ابراهيم عليه السلام:

﴿وَنَادَيْنَا أَنْ يَا إِبْرَاهِيمَ قَدْ صَدَقْتَ الرَّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾^٥

ورؤيا يوسف عليه السلام:

﴿يَا بَنِيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَيَّ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ

لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾^٦

﴿وَرَفَعَ أَبْوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ

رُؤْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا﴾^٧

ورؤيا رسول الله ﷺ:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرَّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾^٨

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ

اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا

فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾^٩

١. الاعجاز البياني للقرآن، ص ١٩٩

٢. القرآن؛ س: الأنبياء؛ الآية: ٥

٣. القرآن؛ س: يوسف؛ الآية: ٤٤

٤. الاعجاز البياني للقرآن، ص ١٩٩

٥. القرآن؛ س: الصافات؛ الآية: ١٠٩

٦. القرآن؛ س: يوسف؛ الآية: ٥٠

٧. القرآن؛ س: يوسف؛ الآية: ١٠٠

٨. القرآن؛ س: الاسراء؛ الآية: ٦٠

٩. القرآن؛ س: الفتح؛ الآية: ٢٧

وتقول الدكتورة عائشة عن رؤيا عزيز مصر: "والمرتان الأخريان في رؤيا العزيز وقد صدقت... عبر عنها القرآن مرتين على لسان الملك بالرؤيا، لوضوحها في منامه وجلالتها وصفاتها، وان بدت للملأ من قومه هو اجس أو هام وأضغاث أحلام"^١

﴿ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ۝ قَالُوا أَوْضَغَاتُ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالَمِينَ ۝ ﴾^٢

ويقول سيد قطب: معنى ((أضغاث أحلام)) "أي أخلاط أحلام مضطربة وليست رؤيا كاملة تحتمل التأويل."^٣ ويقول البقاعي عن معنى حلم: "ومادة (حلم) بجميع تقاليبها تدور على صرف شيء عن وجهه وعادته وما تقتضيه الجبلة — كما يأتي في الرعد ﴿ شَدِيدُ الْمِحَالِ ﴾"^٤ وتستمر الدكتورة عائشة تقول في حديثها عن رؤيا الملك: "وتمضي القصة في سياقها القرآني، فاذا رؤيا الملك صادقة الالهام، وليست كما بدت للملأ من قومه أضغاث أحلام."^٥

آنس وأبصر:

ومرة أخرى تحدث الدكتورة عائشة عن كلمتين (آنس) و(أبصر) وقعتا في القرآن: "نستقري الاستعمال القرآني، فيعطينا حسن العربية المرهف، لا تقول (آنس) في الشيء تبصره أو تسمعه دون أن تجد فيه أنساً. فاذا قال العربي الأصيل: آنست، فقد رأى أو سمع ما يؤنسه. والقرآن قد استعمل الفعل (آنس) خمس مرات، منها أربع في النار التي رآها موسى عليه السلام اذ سار بأهله في البرية، فآنس اليها."^٦

ونرى استعمال القرآني لكلمة (آنس) في قوله تعالى:

﴿ إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ... ﴾^٧

١. الاعجاز البياني للقرآن، ص ٢٠٠
٢. القرآن؛ س: يوسف؛ الآيتان: ٤٣-٤٤
٣. في ظلال القرآن، س: يوسف؛ الآيتان: ٤٣-٤٤، ص ٧
٤. القرآن؛ س: الرعد؛ الآية: ١٣
٥. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور، البقاعي، س: يوسف؛ الآيتان: ٤٣-٤٤، ص ٣، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
٦. الاعجاز البياني للقرآن، ص ٢٠٠
٧. المرجع نفسه
٨. القرآن؛ س: طه؛ الآية: ١٠

وقوله تعالى:

﴿وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا...﴾^١

وعن معنى الایناس نجد عند الطبري: " (آنست نار) أي وجدت، ومن أمثال العرب: بعد اطلاع ایناس، ويقال أيضاً: بعد طلوع ایناس، وهو مأخوذ من الأنس"^٢

وعند الطبرسي "الایناس وجدان الشيء الذي يؤنس به..."^٣

وقال الجوهري: "الایناس: خلاف الایحاش"^٤

وفي تاج العروس "وأنسه ایناساً: ضدّ أو حشه... أنس فرعاً: أحس به ووجده في نفسه. أنس الصوت: سمعه"^٥

"وأنست به أنساً ألفتة... أي أحسستم بمعنى وجدت... معناه فان وجدت منهم رشداً أو عرفتموه"^٦

والایناس في الكشاف "الاستيضاح فاستعير للتبيين."^٧

وجاء في لسان العرب "أنس الشيء: أحسّه... آنستُ الصوت: سمعته."^٨ "ليس الایناس هنا مجرد ابصار لظواهر الرشد المادية الحسية في سن البلوغ ولكنه الطمأنينة المؤنسة بالابتلاء والامتحان، الى أنهم قد رشدوا حقاً."^٩

وفي القرآن من المادة، صيغة الفعل المضارع من الاستئناس:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْذِنُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا﴾^{١٠}

١. القرآن؛ س: النساء؛ الآية: ٦

٢. جامع البيان في تفسير القرآن، الطبري، س: طه؛ الآية: ١٠، ص ١

على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

٣. مجمع البيان في تفسير القرآن، س: طه؛ الآية: ١٠، ص ٢

٤. الصحاح، الجوهري ص ٢٤ على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=273&page=1

٥. تاج العروس، مرتضى الزبيدي ص ٣٨٤٤ على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=282&page=1

٦. مجمع البيان في تفسير القرآن، س: النساء؛ الآية: ٦، ص ١

٧. الكشاف، س: النساء؛ الآية: ٦، ص ١

٨. لسان العرب، ابن منظور، مادة (أن س) ص ٢١٨،

على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=89&page=1

٩. الاعجاز البياني للقرآن، ص ٢٠١

١٠. القرآن؛ س: النور؛ الآية: ٢٧

والاستثناس فيها "ليس مجرد استئذان كما وهم الذين فسروا بذلك ، وانما هو حس الايناس لأهل البيت قبل دخوله. ولا يساغ في ذوق العربية أن يقال مثلاً: استأنس الشرطي ، أو جابي الضرائب ، أو الدائن. وانما هو الاستئذان ليس فيه حس ايناس." ^١ كما لا يسوغ استعمال ((أنس)) في رؤية عدو أو نار حريق ، أو في سماع هزيم رعد وزئير وحش.. وكلمة أبصر جاء في القرآن كما يأتي:

﴿ قَدْ جَاءَكُمْ بِصَآئِرٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَمَن أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَن عَمِيَ فَعَلَيْهَا ﴾ ^٢

وفي الكشاف "البصيرة نور القلب الذي به يستبصر ، كما أن البصر نور العين الذي به تبصر..." ^٣

وفي رأي فخر الدين الرازي: "والبصائر جمع البصيرة ، وكما أن البصر اسم للدراك التام الكامل والحاصل بالعين التي في الرأس ، فالبصيرة اسم للدراك التام الحاصل في القلب... والمعنى من أبصر الحق وآمن فلنفسه أبصر ، وإياها نفع ، ومن عمي عنه فعلى نفسه عمي وإياها ضر بالعمى... أن المرء بعدوله عن النظر والتدبر يضر بنفسه..." ^٤ ويرى ابن عطية: "و(البصائر) جمع

بصيرة وهي ما يتفق عن تحصيل العقل للأشياء المنظور فيها ، بالاعتبار ، فكأنه قال قد جاءكم في القرآن والآيات طرائق ابصار الحق والمعينة عليه ، والبصيرة للقلب مستعارة من ابصار العين... (من أبصر ومن عمي) عبارة مستعارة فيمن اهتدى ومن ضل..." ^٥ وعدّ السيوطي "فمن

أبصر فلنفسه) أي من اهتدى فانما يهتدي لنفسه..." ^٦ يقول سيد قطب "فهذا الذي جاء من عند

الله - بصائر - والبصائر تهتدي وتهدي - وهذا بذاته - بصائر - تهدي. فمن أبصر فلنفسه فانما يحدد الهدى والنور. وليس وراء ذلك الا العمى..." ^٧ ويقول ابن عاشور: "فاستعير الابصار في قوله (أبصر) للعلم بالحق والعمل به لأن المهتدي بهذا الهدى الوارد من الله بمنزلة الذي نُور له الطريق بالبدر أو غيره ، فأبصره وسار فيه ، وبهذا الاعتبار يجوز أن يكون (أبصر)

١. الاعجاز البياني للقرآن ، ص ٢٠١

٢. القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ١٠٤

٣. الكشاف ، س: الأنعام ؛ الآية: ١٠٤

٤. مفاتيح الغيب ، س: الأنعام ؛ الآية: ١٠٤

٥. المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز ، ابن عطية ، س: الأنعام ؛ الآية: ١٠٤

على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

٦. الدر المنثور في التفسير بالمأثور ، السيوطي ، س: الأنعام ؛ الآية: ١٠٤

على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

٧. في ظلال القرآن ، س: الأنعام ؛ الآية: ١٠٤

تمثيلاً موجزاً ضمّن فيه تشبيه هيئة المرشد الى الحق اذا عمِل بها أرشيد به ، بهيئة المبصر اذا انتفع ببصره.^١

ويقول طباطبائي في معنى ﴿فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ﴾ "ليس يعني من البصر بعينه (عمى فعليها) ليس يعني عمى العيون انما عنى احاطة الوهم كما يقال : فلان بصير بالشعر، وفلان بصير بالفقه ، وفلان بصير بالدارهم ، وفلان بصير بالثياب ..."^٢ وعند الطبرسي: "﴿فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ﴾ أي من تبين هذه الحجج بأن نظر فيها حتى أوجبت له العلم"^٣

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُؤُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا
وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ﴾^٤

"(ربنا أبصرنا وسمعنا) فلا يغاثون ، يعني : أبصرنا صدق وعدك ووعيدك وسمعنا منك تصديق رسلك، أو كنا عمياً وصماً فأبصرنا وسمعنا..."^٥

وفي التفاسير نجد معنى (الابصار) كما يأتي:

جاء في التفسير الكبير مفاتيح الغيب: "أي أبصرنا الحشر..."^٦ وقال السمرقندي "يقال : أبصرنا

يوم القيامة بالمعانية"^٧ كما قال ابن الجوزي: "أي علمنا صحة ما كنا به مكذبين"^٨

قال "ابن الأعرابي: أبصر الرجل اذا خرج من الكفر الى بصيرة الايمان... ابن سيده: أراه لمحا باصراً أي نظراً بتحديق شديد... والتبصر التأمل والتعرف... وقال ابن بزرج: أبصر الي أي انظر الي ، وقيل: أبصر الي أي التفت الي..."^٩

١. التحرير والتنوير ، س: الأنعام ؛ الآية: ١٠٤
٢. الميزان في تفسير القرآن ، س: الأنعام ؛ الآية: ١٠٤
٣. مجمع البيان في تفسير القرآن ، س: الأنعام ؛ الآية: ١٠٤
٤. القرآن ؛ س: السجدة ؛ الآية: ١٢
٥. الكشاف ، س: السجدة ؛ الآية: ١٢
٦. التفسير الكبير مفاتيح الغيب، س: السجدة ؛ الآية: ١٢
٧. بحر العلوم ، السمرقندي، س: السجدة ؛ الآية: ١٢ على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
٨. زاد المسير في علم التفسير ، ابن الجوزي، س: السجدة ؛ الآية: ١٢ ، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
٩. لسان العرب ، مادة (ب ص ر) ، ص ٤١٩-٤٢٠

النأي والبعد:

يأتي بهما أكثر اللغويين والمفسرين تأويلاً لأحدهما بالآخر ، دون إشارة الى فرق بينهما. وفرق بينهما من أنكروا الترادف. ونستقرئ مواضع الاستعمال القرآني للنأي والبعد فلا يترادفان: "النأي لا يأتي الا بمعنى الاعراض والصدواشاحة ، بصريح السياق في آياته... أما البعد ، فيأتي بمختلف صيغته في القرآن ، على الحقيقة أو المجاز ، في البعد المكاني أو الزماني ، المادي منهما والمعنوي"^١

والآيات التي وردت فيها كلمة (النأي) بصيغها قوله تعالى:

﴿وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَى بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا﴾^٢

ويقول الزمخشري في معنى النأي: " (ونأى بجانبه) تأكيد للاعراض : لأن الاعراض عن الشيء أن يوليه عرض وجهه. والنأي بالجانب : أن يلوي عنه عطفه ويوليه ظهره، وأراد الاستكبار ؛ لأن ذلك من عادة المستكبرين"^٣ وعند الطبرسي (النأي) "أي بعد بنفسه عن القيام بحقوق انعامنا فلا يشكره كما أعرض عن النعمة بالقرآن وقال مجاهد معناه تباعد منا وعلى هذا فيكون معناه تجبر وتكبر وأعجب بنفسه لأن المعجب نافر عن الناس متباعد عنهم."^٤ وقوله تعالى:

﴿وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَى بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ﴾^٥

وفي صيغة المضارع قوله تعالى:

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأُونَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾^٦

"أي يتباعدون عنه بأنفسهم اظهاراً لغاية نفورهم عنه وتأكيداً لنهيهم عنه فان اجتناب الناهي عنه المنهى عنه من متممات النهي ولعل ذلك هو السر في تأخير النأي عن النهي. والنأي البعد"^٧

"وأخرج ابن أبي شيبة وابن جرير وابن المنذر وابن أبي حاتم عن محمد بن الحنفية في قوله (وهم ينهون عنه وينأون عنه) قال: كفار مكة كانوا يدفعون الناس عنه ولا يحييون النبي ﷺ..."

١. الاعجاز البياني للقرآن ، ص ٢٠٢

٢. القرآن ؛ س: الاسراء ؛ الآية: ٨٣

٣. الكشاف ، س: الاسراء ؛ الآية: ٨٣

٤. مجمع البيان في تفسير القرآن ، س: الاسراء ؛ الآية: ٨٣

٥. القرآن ؛ س: فصلت ؛ الآية: ٥١

٦. القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ٢٥-٢٦

٧. روح البيان في تفسير القرآن ، وروح المعاني ، س: الأنعام ؛ الآية: ٢٥-٢٦

وأخرج ابن أبي حاتم عن محمد بن كعب في قوله (وهم ينهون عنه) قال: عن قتله (وينأون عنه) قال: لا يتبعونه.^١

أما البعد يأتي في مثل الآيات:

﴿لَوْ كَانُ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ﴾^٢

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ نَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبُئْسَ الْقَرِينُ﴾^٣

﴿إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيظًا وَزَفِيرًا﴾^٤

﴿فَمَكَتْ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطُ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَأٍ يَقِينُ﴾^٥

”أي فلم يلبث سليمان الا زماناً يسيراً...“^٦

”وكلها في البعد المكاني أو الزمني.“^٧

وكذلك ”جاء البعد نقيضاً للقرب في لعنة الطرد...“^٨ وهو كما يلي:

﴿أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعَدَتْ ثَمُودُ﴾^٩

”البعد: بمعنى البعد وهو الهلاك“^{١٠}

﴿وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾^{١١}

”يقال بعد بعداً وبعداً، اذا أرادوا البعد البعيد من حيث الهلاك والموت ونحو ذلك، ولذلك

اختص بدعاء السوء ومجيء أخباره“^{١٢}

١. الدر المنثور في التفسير بالمأثور، س: الأنعام؛ الآية: ٢٥-٢٦

٢. القرآن؛ س: التوبة؛ الآية: ٤٢

٣. القرآن؛ س: الزخرف؛ الآية: ٣٨

٤. القرآن؛ س: الفرقان؛ الآية: ١٢

٥. القرآن؛ س: النمل؛ الآية: ٢٢

٦. مجمع البيان في تفسير القرآن، س: النمل؛ الآية: ٢٢، ص ٣

٧. الاعجاز البياني للقرآن، ص ٢٠٣

٨. المرجع نفسه

٩. القرآن؛ س: هود؛ الآية: ٩٥

١٠. الكشاف؛ س: هود؛ الآية: ٩٥

١١. القرآن؛ س: هود؛ الآيات: ٤٤، ٦٠، ٦٨، والمؤمنون؛ الآيات: ٤١، ٤٤

١٢. المرجع السابق؛ س: هود؛ الآية: ٤٤

كما جاء البعد في المعنويات في:

﴿ شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴾^١

﴿ ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴾^٢

والبعد فيها جميعاً "نقيض للقرب. على حين يخلص النأي للصد والاعراض — نقيض الاقبال."^٣

وكذلك أبو هلال العسكري لا يرى في النأي والبعد لفظين مترادفين، بل هما عنده لفظان متباينان، وذلك "أن النأي يكون لما ذهب عنك الى حيث بلغ، وأدنى ذلك يقال له نأي. والبعد تحقيق الترويح والذهاب الى الموضع السحيق."^٤

الحلف والقسم:

كثيراً ما يفسر أحدهما بالآخر. وقلما تفرق بينهما المعاجم "من حس العربية النقية، أنها تقول: حلفة فاجر، وأحلوقة كاذبة، ولم يسمع: حلفة برّ وأحلوقة صادقة، الا أن تأتي في بيت شعر."^٥

وفي العربية: "أحلف الغلام إذا جاوز رهاق الحلم... انما يقال أحلف الغلام اذا رهاق الحلم فاختلف الناظرون اليه... وكل شيء يختلف فيه الناس ولا يقفون منه على أمر صحيح، فهو مُحلفٌ. والعرب تقول للشيء المختلف فيه: مُحلفٌ ومحنٌ"^٦

جاءت مادة ((ح ل ف)) في ثلاثة عشر موضعاً كلها — بغير استثناء — في الحنث باليمين. والغالب أن يأتي الفعل مسنداً الى المنافقين، كآيات التوبة التي فضحت زيف النفاق:

﴿ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴾^٧

"أي سيحلف هؤلاء المنافقون بالله — كذباً وزوراً" —^٨

-
١. القرآن؛ س: البقرة: ١٧٦
 ٢. القرآن؛ س: النساء: ٦
 ٣. الاعجاز البياني للقرآن، ص ٢٠٣
 ٤. الفروق في اللغة، ص ١١
 ٥. المرجع السابق، ص ٢٠٤
 ٦. لسان العرب، مادة (حلف) ص ١٣١٠
 ٧. القرآن؛ س: التوبة؛ الآية: ٤٢
 ٨. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: التوبة؛ الآية: ٤٢

﴿ وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ ﴾^١

”أي: أن هؤلاء المنافقين يحلفون بالله لكم — أيها المؤمنون — ((انهم لمنكم)) أي: في الدين والملة والحق أنهم ما هم منكم...“^٢ ”ويؤيدونه بالإيمان الفاجرة“^٣

﴿ وَلِيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴾^٤

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكُذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾^٥

﴿ يَوْمَ يَسْعَتُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ إِلَّا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴾^٦

﴿ وَلَا تُطِيعُ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ • هَمَّازٍ مَشَاءٍ بِنَمِيمٍ • مَنَاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أُثِيمٍ ﴾^٧

وجاء الفعل مرة واحدة مسنداً الى ضمير الذين آمنوا ، فوجبت عليهم كفارة الحلف ، وهو في قوله تعالى:

﴿ ذَلِكَ كَفَّارَةٌ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ﴾^٨

أما ((القسم)) فيأتي في الأيمان الصادقة. وجاء موصوفاً بالعظمة في قوله تعالى:

﴿ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴾^٩

وعلى وجه الاعتبار جاء سؤالا من الله تعالى لكل ذى حجر في قوله تعالى:

﴿ هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِذِي حِجْرٍ ﴾^{١٠}

واختص القسم بحرمة الشهادة على الوصية ، حيث لا يحل الحنث باليمين في قوله تعالى:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ جِئِينَ

١. القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ٥٦

٢. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: التوبة ؛ الآية: ٥٦

٣. روح المعاني ، س: التوبة ؛ الآية: ٥٦

٤. القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ١٠٧

٥. القرآن ؛ س: المجادلة ؛ الآية: ١٤

٦. القرآن ؛ س: المجادلة ؛ الآية: ١٨

٧. القرآن ؛ س: القلم ؛ الآية: ١٠

٨. القرآن ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٨٩

٩. القرآن ؛ س: الواقعة ؛ الآية: ٧٦

١٠. القرآن ؛ س: الفجر ؛ الآية: ٥

الْوَصِيَّةِ اُنَّانَ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخِرَانَ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي
الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ
بِاللَّهِ إِنْ أَرَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ
إِنَّا إِذَا لَمِنَ الْإِثْمِينَ ۝ فَإِنْ عُرِضَ عَلَيْنَا فَاسْتَحَقَّا إِنَّمَا فَآخِرَانَ يَقُومَانِ
مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلِيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ
مِنْ شَهَادَتَيْهِمَا وَمَا اعْتَدِينَا إِنَّا إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١﴾

وكان أصحاب الحنة صادقين في قوله تعالى:

﴿ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۝ وَلَا يَسْتُنُونُ ﴾^٢

ولا يكذب المجرمون اذ يقسمون يوم تقوم الساعة في قوله تعالى:

﴿ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ﴾^٣

وكذلك جاء ((القسم)) في القرآن مسنداً الى الضالين ، حين يكون قسمهم عن اقتناع منهم
بالصدق ، قبل الانكشاف لهم أنهم كانوا على ضلال كما في آيات:

﴿ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنَنَّ بِهَا قُلُوبُهُمْ إِنَّمَا
الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾^٤

﴿ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ
إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ نَذِيرٌ مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝^٥

﴿ وَنَادَى الْأَعْرَابُ الْأَعْرَابُ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ
جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تُسْتَكْبِرُونَ ۝ أَهْلُوا لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ﴾^٦

﴿ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا إِلَىٰ آجَلٍ قَرِيبٍ
نُحِبُّ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ أَوْلَمَ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلِ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ﴾^٧

﴿ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ بَلَىٰ وَعَدَا عَلَيْهِ

١ . القرآن ؛ س : المائدة ؛ الآيات : ١٠٦-١٠٧

٢ . القرآن ؛ س : القلم ؛ الآيات : ١٧-١٨

٣ . القرآن ؛ س : الروم ؛ الآية : ٥٥

٤ . القرآن ؛ س : الأنعام ؛ الآية : ١٠٩

٥ . القرآن ؛ س : فاطر ؛ الآية : ٤٢

٦ . القرآن ؛ س : الأعراف ؛ الآية : ٤٨-٤٩

٧ . القرآن ؛ س : ابراهيم ؛ الآية : ٤٤

حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١﴾

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ﴾^٢

وهذه الآيات كلها "يحتمل سياقها أن يكون هذا القسم قبل أن يُبتلى المنافقون بالتجربة الكاشفة عن كذبهم."^٣ وأمام هذا البيان القرآني "لا يهون أبداً أن نفسر القسم بالحلف ، وصنيع القرآن يلفت الى فرق دقيق بينهما. فان لم نقل ان القسم لليمين الصادقة — حقيقة أو وهماً — والحلف لليمين الكاذبة على اطلاقها، فلا أقل من أن يكون بين دالتهما الفرق بين العام والخاص : فيكون القسم لمطلق اليمين بعامه ، ويختص الحلف بالحنث في اليمين ، على ما اطرده استعماله في البيان القرآني."^٤

التصدع والتحطم:

وفي قوله تعالى في آية الحشر:

﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ
وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾^٥

"الصدع: الشق في الأجسام الصلبة كالزجاج والحديد ونحوهما ... وعنه استعير: صدع الأمر ، أي: فصله ... وكذا استعير منه الصداع ، وهو شبه الاشتقاق في الرأس من الوجع."^٦ "وتصدع القوم تفرقوا"^٧

وتقول الدكتورة عائشة عن (متصدعاً) مشتقة من التصدع: "ليس التصدع فيها مرادفاً للتحطم: التصدع من الصدع ، والأصل فيه الشق في الأجسام الصلبة ، وتستعمله العربية مجازاً في الصداع ، كأنه انشقاق في الرأس من الألم أو الحمار"^٨. ومنه آية الواقعة:

١. القرآن ؛ س: النحل ؛ الآية: ٣٧
٢. القرآن ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٥٣
٣. الاعجاز البياني في القرآن ، ص ٢٠٦
٤. المرجع نفسه
٥. القرآن ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٢١
٦. المفردات ، كتاب الصاد ، ص (صبب- صغا)
٧. لسان العرب ، مادة (صدع) ص: ١٣٤٠
٨. المرجع السابق ، ص: ٢٠٧

﴿ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۚ لَا يُصَدِّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ﴾^١

كما يستعمل معنوياً في التصدع بمعنى التفرق والتمزق ، والصدع بالأمر: الفصل فيه بحسم قاطع^٢ ومنه آية الحجر:

﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴾^٣

أما الحطم فأصله في العربية: "كسر الشيء مثل الهشم ونحوه، ثم استعمل لكل كسر متناه"^٤ مع اختصاص بما هو "اليابس خاصة كالعظم ونحوه"^٥ "ورجل حُطِمَ وحُطِمَ لا يشيع لأنه يَحُطِمُ كل شيء... ورجل حُطِمَ وحُطِمَةٌ إذا كان قليل الرحمة للماشية يهشم بعضها ببعض"^٦

وهذا الملحظ الأصيل من التهشيم مع العنف والقسوة ، نجده في الاستعمال القرآني للمادة ، في كل المواضع الستة التي جاءت فيها: فالفعل في آية النمل:

﴿ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴾^٧

وحطام للزرع المصفر البيس المهشم ، في آيتي الزمر والحديد:

﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زُرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيَجُ فِتْرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ﴾^٨

﴿ اِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوٌّ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيَجُ فِتْرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا ﴾^٩

وحطمة ، في آيتي ((الهمزة)) لنار الله الموقدة تهشم كل همزة لمزة :

١. القرآن ٤:س: الواقعة ؛ الآية: ١٩

٢. لسان العرب ، مادة: ص د ع ، ص ٣١٣٩-٣١٤١

٣. القرآن ٤:س: الحجر ؛ الآية: ٩٤

٤. المفردات ، ص: حص - حلى

٥. لسان العرب ، مادة (حطم) ص ١٢٤٢

٦. المرجع نفسه ، مادة (حطم) ص ١٢٤٣

٧. القرآن ٤:س: النمل ؛ الآية: ١٨

٨. القرآن ٤:س: الزمر ؛ الآية: ٢١

٩. القرآن ٤:س: الحديد ؛ الآية: ٢٠

﴿كَأَلَّا لَيِّنَبَدِّدٌ فِي الْحُطْمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطْمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝﴾^١

وهذا الحطم للهشيم للبيس ، غير التصدع للجبل الصلب في آية الحشر ، وصدع الأرض في آية الطارق:

﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝﴾^٢

الخشوع والخشية والخضوع والخوف:

يستعمل عامة الناس هذه الكلمات بعضها مكان البعض ، ولكن القرآن الكريم يختص لكل واحد منها استعمالها الخاص . أولاً الى الفرق بين هذه الكلمات المبين في المعاجم العربية:

”الخشوع: الضراعة ، وأكثر ما يستعمل الخشوع فيما يوجد على الجوارح . والضراعة أكثر ما تستعمل فيما يوجد في القلب“^٣ و”الخشوع قريب من الخضوع الا أن الخشوع في البدن ، وهو الاقرار بالاستخياء ، والخشوع في البدن والصوت والبصر كقوله تعالى: ﴿خاشعة أبصارهم﴾ و﴿خشعت الأصوات للرحمن﴾... قال ابن الأثير: والخشوع في الصوت والبصر كالخضوع في البدن.“^٤

و”الخشوع والخشية ، كلاهما ، من أفعال القلوب التي لا تصدر عن جماد ، الا أن يكون ذلك من صنيع البيان اذ يث الحياة في الصخر الأصم.“^٥ ”الخشية: خوف يشوبه تعظيم ، وأكثر ما يكون ذلك عن علم بما يخشى منه... أي لمن خاف خوفاً اقتضاه معرفته بذلك من نفسه.“^٦

”وتفترق الخشية عن الخوف ، بأنها تكون عن يقين صادق بعظمة من نخشاه ، كما يفترق الخشوع عن الخضوع ، بأننا لا نخشع الا عن افعال صادق بهجالات من نخشع له.“^٧

والخوف هو ”توقع مكروه عن أماراة مظنونة ، أو معلومة ، كما أن الرجاء والطمع توقع محبوب عن أماراة مظنونة ، أو معلومة ، ويضاد الخوف الأمن ، ويستعمل في الأمور الدنيوية والأخروية.“^٨

١. القرآن ؛ من: الهمزة ؛ الآيات: ٤-٦

٢. القرآن ؛ من: الطارق ؛ الآية: ١١-١٢

٣. المفردات ، كتاب الخاء ، ص (حبت - خطو)

٤. لسان العرب ، مادة (خشع) ص ١٥٦٠

٥. الاعجاز البياني للقرآن ، ص: ٢٠٩

٦. المفردات ، كتاب الخاء ، ص (حبت - خطو)

٧. المرجع السابق

٨. المرجع السابق ، ص (خف - حوى)

ويجوز "أن يحدث عن تسلط بالقهر والارهاب ، كما أن الخضوع قد يكون تكلفاً عن نفاق وخوف ، أو تقية ومداراة . والعرب تقول : خشع قلبه ، ولا تقول : خضع ، الا تجوزاً. وعجيب أمر هذا البيان المعجز في اطراد نسقه ولطف دلالاته وباهر أسراره."^١

"كل خشية فيه ، على اختلاف صيغها ، لا تكون الا في الحياة الدنيا ، لا في الآخرة ، اذ الدنيا هي مجال الابتلاء: واذا تعلق الخشية، في القرآن ، بأمر يُخشى ، فانه الغيب ، والساعة ، واليوم الآخر. أو العنت والكساد والاملاق ، وضياح اليتامى ، والارهاق طغياناً وكفراً. أما اذا تعلق بذات ، لا بأمر ، فانها في تقدير القرآن ، لا تكون الا الخشية لله وحده دون أي مخلوق. يطرد ذلك في كل مواضع استعمالها في الكتاب المحكم."^٢

مثل في قوله تعالى:

﴿ إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبَ ﴾^٣

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴾^٤

﴿ إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ﴾^٥

﴿ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۗ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴾^٦

وتسند خشية الله في القرآن الى "الذين يبلغون رسالات ربهم ، ومن اتبع الذكر ، والمؤمنين ، والعلماء ، والذين رضي الله عنهم ورضوا عنه" فاذا كانت خشية الله متوقعة من الجبل كما في آية الحشر ، أو من الحجارة كما آية البقرة:

﴿ وَإِنْ مِنْهَا لَمَّا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ﴾^٧

فذلك "من رائع البيان القرآني اذ يبيث الحياة في الجامد الأصم ، فيجعله بحيث يحس وينفعل ، ويخشى الله ويخشع."^٨ والخشوع كذلك ، ليس من شأن الجبل الجامد ، لأنه من أفعال القلوب. واذا خشع الصوت أو خشع الوجه أو البصر ، فانما يكون ذلك من خشوع القلب.

١. المرجع السابق

٢. الاعجاز البياني للقرآن ، ص: ٢٠٩

٣. القرآن ؛ س: يس ؛ الآية: ٣١

٤. القرآن ؛ س: الملك ؛ الآية: ١٢

٥. القرآن ؛ س: المؤمنون ؛ الآية: ٥٧

٦. القرآن ؛ س: البيئنة ؛ الآية: ٨

٧. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٧٤

٨. الاعجاز البياني للقرآن ، ص ٢١٠

ويتسق البيان القرآني في استعماله للخشوع ، كمثل اتساقه في استعمال الخشية: "فكل خشوع في القرآن إنما هو لله تعالى يأتي وصفاً أو بياناً لحال المؤمنين ، في هذه الدنيا.." ^١

وجاء (الخشوع) بصيغها:

﴿ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ • الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴾ ^٢

﴿ خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾ ^٣

﴿ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴾ ^٤

﴿ أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ ... ﴾ ^٥

فاذا جاء الخشوع ، في البيان القرآني ، من المحرمين والكفار ، فذلك إنما يكون منهم في اليوم الآخر الذي كانوا يوعدون ، بصريح السياق ، مثلاً في الآيات:

﴿ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ • عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ • تَصَلَّى نَارًا حَامِيَةً ﴾ ^٦

﴿ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ • أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴾ ^٧

﴿ خَاشِعَةٌ أَبْصَارُهُمْ تَرَاهُمْ ذَلَّةً ذَلِكَ الْيَوْمِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴾ ^٨

﴿ خُشَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَانَهُمْ جَرَادٌ مُنتَشِرٌ ﴾ ^٩

خشوع المؤمنين لله في الدنيا ، وخشوع الكفار والمجرمين والظالمين في الآخرة . وسره البياني "هو أن خشوع الكفار لا يكون الا بعد أن يأتي اليوم الذي يوعدون فيخشعوا خوفاً ورهبة وذلة ، على حين يخشع المؤمنون في الدنيا ، عن صدق ايمان وتقوى ، وخشية لله.." ^{١٠}

١ . الاعجاز البياني للقرآن ، ص ٢١٠

٢ . القرآن ؛ س: المؤمنون ؛ الآية: ١-٢

٣ . القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١٩٩

٤ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٤٥

٥ . القرآن ؛ س: الحديد ؛ ١٦

٦ . القرآن ؛ س: الغاشية ؛ الآية: ٢-٤

٧ . القرآن ؛ س: النازعات ؛ الآية: ٨-٩

٨ . القرآن ؛ س: المعارج ؛ الآيات: ٤٣-٤٤

٩ . القرآن ؛ س: القمر ؛ الآية: ٧

١٠ . الاعجاز البياني للقرآن ، ص ٢١١-٢١٢

الوالد والأب والوالدة والأم والولادة والوضع:

وعامة الناس يستعملون كلمات (الأب والوالد) و(الأم والوالدة) و(الولادة والوضع) بعضاً مكان بعض، ويقول الأستاذ محمد شحرور: "فالأب لا تعني بالضرورة الوالد والأم لا تعني بالضرورة والدة، ومن هنا ندرك قوله تعالى ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ﴾^١ فالوالدة والوالد مفهوم بيولوجي بحت، والأب والأم مفهوم بيولوجي. وأيضاً الولادة لا تعني الوضع، خروج الجنين هو الوضع، ومنه الآية ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ﴾^٢ وأيضاً ﴿أُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾^٣ وليس (يلدن). الولادة عندما تلد البويضة في جسم المرأة لذلك عندما قالوا الزوجة ابراهيم أنها ستحمل قالت ﴿يَا وَيْلَتَىٰ أَلِدُّ وَأَنَا عَجُوزٌ﴾^٤ بما معناه أنني لا أحيض وأنا عجوز عقيم"^٥

ويقول أبو هلال العسكري: "الفرق بينهما: أن الوالد لا يطلق الا على من أولدك من غير واسطة. والأب: قد يطلق على الحد البعيد، قال تعالى: ﴿مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ﴾^٦ وفي الحديث النبوي: ((هذا أبي آدم، وهذا أبي نوح)) منه يظهر الفرق بين الولد والمولود، فان الولد يطلق على ولد الولد أيضاً، بخلاف المولود، فانه لمن ولد منك من غير واسطة ويدل عليه قوله تعالى: ﴿وَإِخْشَاؤُا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَارٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا﴾^٧. فانه تضمن نفى النفع والشفاعة بأبلغ وجه، فكأنه قيل: ان الواحد منهم لو شفع للأب الأدنى الذي ولد منه لم تقبل شفاعته، فضلاً أن يشفع لمن فوقه."^٨

الجسم والجسد:

يقول عبد الكريم ياسين: "الجسم يطلق على ما يكون فيه روح وحركة، أما الجسد فيدل على ما ليس فيه روح أو حياة، وذلك استناداً لقوله تعالى:

١. القرآن ٤ س: النساء؛ الآية: ٢٣
٢. القرآن ٤ س: آل عمران؛ الآية: ٣٦
٣. القرآن ٤ س: الطلاق؛ الآية: ٤
٤. القرآن ٤ س: هود؛ الآية: ٧٢
٥. جريدة ((الغد))، الثلاثاء، ١١ شوال ١٤٢٨هـ - ٢٣ تشرين الأول ٢٠٠٧م
٦. ترجمة الأستاذ الدكتور محمد شحرور، على الموقع <http://www.alghad.jo/?news=16676>
٧. القرآن ٤ س: الحج؛ الآية: ٧٨
٨. القرآن ٤ س: لقمان؛ الآية: ٣٣
٨. الفروق في اللغة، ص ١٥١

﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ﴾^١

وقوله تعالى:

﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجَلًا جَسَدًا﴾^٢ .“^٣

ويقول أبو هلال: ”أن الجسد يفيد الكثافة ... دم جاسد أي دم جامد ، والجسد أيضاً الدم بعينه ... انه سمي جسداً لما فيه من الدم فلهذا خص به الحيوان فيقال جسد الانسان وجسد الحمار...“^٤

الصب والسكب:

يقول عبدالكريم ياسين: ”السكب هو الصب المتتابع ، وقد ورد هذا اللفظ في موضع واحد في القرآن الكريم ﴿وِظِلٍّ مَمْدُودٍ ۝ وَمَاءٍ مَسْكُوبٍ﴾^٥ اما الصب ففيه القوة والعنف مثل قوله تعالى ﴿فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ﴾^٦ وكما في قوله تعالى ﴿ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ﴾^٧ وعليه فاستعمال لفظ (الصب) في العذاب يوحي بظلال آخر غير التي نحسها في لفظ (السكب) ، اذ نلاحظ القوة والعنف مع الصب ، والهدوء والسلامة مع السكب ..“^٨

ويقول أبو هلال العسكري: ”ان السكب هو الصب المتتابع ... ومنه قوله تعالى: ﴿وَمَاءٍ مَسْكُوبٍ﴾ لأنه دائم لا ينقطع ، والصب يكون دفعة واحدة...“^٩

الاستماع والانصات والاصغاء:

يقول عبدالكريم ياسين: ”الاستماع: هو ادراك المسموع اما الانصات: فهو السكوت بغية الاستماع لشيء ما ، وعلى ذلك فقد جمع الله بينهما في قوله تعالى: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ﴾

١. القرآن ؛ س: المنافقون ؛ الآية: ٤
٢. القرآن ؛ س: الاعراف ؛ الآية: ١٤٨
٣. قطوف من اللغة: الترادف في اللغة العربية ، عبدالكريم ياسين ط ٢٠٠٦ / ٨ / ٢٦
٤. الفروق في اللغة ، ص ٤٤
٥. القرآن ؛ س: الواقعة ؛ الآية: ٣٠-٣١
٦. القرآن ؛ س: الفجر ؛ الآية: ١٣
٧. القرآن ؛ س: الدخان ؛ الآية: ٤٨
٨. قطوف من اللغة الترادف في اللغة العربية
٩. الفروق في اللغة ، ص ٧٥

فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١﴾ حيث أن الواجب على المسلم الاستماع للقرآن دون حديث أو حركة وذلك هو الانصات ، أما الاصغاء فمعناه لفه (الميل) وذكر لسان العرب ان (اصغيت اليه) أي ملت برأسك نحوه والاصغاء ، اذن يكون للسمع وغيره ، فاذا مال الانسان بسمعه قلنا: اصغى سمعه ، واذا مال بقلبه قلنا اصغى قلبه ، ومن ذلك في القرآن ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾^٢ وكما في قوله تعالى ﴿وَلِتُصَغِيَ إِلَيْهِ أَفئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾^٣ .“٤

يقول أبو هلال العسكري: ”أن السمع هو ادراك المسموع ... والاصغاء هو طلب ادراك المسموع بامالة السمع اليه يقال صغا يصغو اذا مال وأصغى غيره وفي القرآن ﴿فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾^٥ أي مالت ، وصغوك مع فلان أي ميلك.“^٦

الغيث والمطر:

يقول أبو هلال العسكري: ”الغيث: المطر الذي يغيث من الجذب . وكان نافعاً في وقته. والمطر: قد يكون نافعاً وقد يكون ضاراً في وقته ، وفي غير وقته ، قاله الطبرسي.“^٧

ومرة أخرى يقول عبد الكريم ياسين: ”في القرآن الكريم نجد ان الماء النازل من السماء يذكر باسمه والغيث والغوث هو العون والمساعدة كما في قوله تعالى ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْرِضُونَ﴾^٨ كما ان مادة (غيث) تأتي بمعنى: الماء المغيث الذي يسقي الناس والزرع ، كما في قوله تعالى ﴿إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾^٩ اما المطر فقد ورد ذكره في القرآن الكريم سواء جاء اسماً أو فعلاً في خمسة عشر موضعاً منها أربعة عشر في العذاب والعقاب صراحة منها: ﴿وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْظَرِينَ﴾^{١٠}

١. القرآن ؛ س: الاعراف ؛ الآية ٤٤؛ ٢٠

٢. القرآن ؛ س: التحريم ؛ الآية ٤؛

٣. القرآن ؛ س: الانعام ؛ الآية ١١٣؛

٤. قطوف من اللغة الترادف في اللغة العربية

٥. القرآن ؛ س: التحريم ؛ الآية ٤؛

٦. الفروق في اللغة ، ص ٧٦

٧. المرجع نفسه ، ص ١٠٤

٨. القرآن ؛ س: اليوسف ؛ الآية ٤٩؛

٩. القرآن ؛ س: لقمان ؛ الآية ٣٤؛

١٠. القرآن ؛ س: الشعراء ؛ الآية ١٧٣؛

وقوله تعالى ﴿وَلَقَدْ آتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أَمْطَرْتُ مَطَرًا سَوِيًّا﴾^١ .^٢

الزواج والنكاح:

يقول عبد الكريم ياسين: "كلمة (الزواج) والفعل (زوج) يستعملان الا بعد تمام العقد والدخول واستقرار الحياة الزوجية ، لذا نلاحظ استعمال الفعل (زوج) بصيغة الماضي الذي يدل على وقوع الحدث ، كما في قوله تعالى: ﴿كَذَلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ﴾^٣ وكما في قوله تعالى ﴿فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَا كَهَا﴾^٤ أما (النكاح) فانه يعني الرغبة في الزواج ، أو ارادة وقوعه أي قبل ان يتحقق الزواج فهو نكاح ، لذلك نجد ان الأفعال التي تؤدي هذا المعنى في القرآن الكريم جميعها دالة على المستقبل ، كما في قوله تعالى ﴿قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ نُنِكَحَكَ إِحْدَى ابْنَتِي هَاتَيْنِ﴾^٥ وكما في قوله تعالى ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ ...﴾^٦ .^٧

الريب والشك:

قال الله تعالى :

﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾^٨

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾^٩

يقول أبو هلال العسكري: "الشك : هو تردد الذهن بين أمرين على حد سواء . وأما الريب فهو الشك مع التهمة . ودل عليه قوله تعالى ﴿ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾^{١٠} . وقوله تعالى: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا﴾^{١١} . فان المشركين مع شكهم في القرآن كانوا يتهمون

- ١ . القرآن ؛ س: الفرقان ؛ الآية؛ ٤٠
- ٢ . قطوف من اللغة الترادف في اللغة العربية
- ٣ . القرآن ؛ س: الدخان ؛ الآية؛ ٥٤
- ٤ . القرآن ؛ س: الاحزاب ؛ الآية؛ ٣٤
- ٥ . القرآن ؛ س: القصص ؛ الآية؛ ٢٧
- ٦ . القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية؛ ٣
- ٧ . قطوف من اللغة الترادف في اللغة العربية
- ٨ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية؛ ٢
- ٩ . القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية؛ ٩
- ١٠ . المرجع السابق
- ١١ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية؛ ٢٣

النبي بأنه هو الذي افتراه وأعانه عليه قوم آخرون ... وأما قوله تعالى: ﴿إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكِّ مِّنْ دِينِي﴾^١ فيمكن أن يكون الخطاب مع أهل الكتاب أو غيرهم ممن كان يعرف النبي ﷺ بالصدق ولا ينسبه الى الكذب والخيانة.^٢

يقول الراغب الاصفهاني: "فالريب: تحصيل القلق وافادة الاضطراب، والشك: وقوف النفس بين شيئين متقابلين بحيث لا تراجع أحدهما على الآخر، فتقع في الاضطراب والحيرة. فاستعمال الريب في الشك مجاز من اطلاق اسم المسبب واردة السبب."^٣

اللعب واللغو:

قال الله تعالى:

﴿قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝ أَرْسِلْهُ

مَعَنَا غَدًا يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝﴾^٤

﴿لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ آلَاتٍ لَّآتَخَذْنَاهُ مِن لَّدُنَّا إِنْ كُنَّا فَاعِلِينَ ۝﴾^٥

واللعب واللغو مختلفان أيضاً وليسا مترادفين كما يقول لنا الأستاذ أحمد محمد جمال حيث يصرح بأن اللعب يأتي دائماً للعبث والتطريب والتضحيك والسخرية والهزل، وأمثلة ذلك محسوسة في الواقع البشري لا تحتاج الى ذكر أو سرد. أما اللغو فهو ما يلتهى صاحبه عن المكارم والمحاسن، وقد يكون سخرية وهزلاً وعبثاً واضاعة للوقت والمال، وقد يكون انشغالاً بالتجارة الدائبة والكسب الناصب عن أعمال البر والعبادة، أو انصرافاً الى النساء والبنين عن الخدمات الوطنية والاجتماعية. وعلى ذلك يكون معنى (اللغو) الانشغال سواء أكان بشاغل مُسعد أو مُشقى، أو شاغل مُضحك أو مُبكي.^٦

ويفرق بينهما الطبرسي أن اللعب ما لا يعقب نفعاً واللغو ما يصرف من الحدّ الى الهزل وهذا انما يتصور في المعاصي.^٧ وحقبة اللعب عند القرطبي ما لا ينتفع به واللغو ما يلتهى به.^٨

١. القرآن؛ س: يونس؛ الآية: ١٠٤

٢. الفروق في اللغة، ص ٧١

٣. المفردات مقدمة، على الموقع <http://www.quranway.net/index.aspx?function=Item&id=7&lang=>

٤. القرآن؛ س: يوسف؛ الآية: ١٢

٥. القرآن؛ س: الأنبياء؛ الآية: ١٧

٦. هل نزل جبريل بمعاني القرآن؟، الأستاذ أحمد محمد جمال، مقال على الموقع

<http://www.darululoom-deoband.com/arabic/magazine/11234906/fix3sub2file.htm>

٧. مجمع البيان في تفسير القرآن، س: الأنعام؛ الآية: ٦

٨. تفسير الجامع لاحكام القرآن، س: الأنعام؛ الآية: ٦

زوج وامرأة:

يستعمل الخطاب القرآني لفظ ((زوج)) في قصة آدم:

﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ...﴾^١

﴿وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ...﴾^٢

﴿فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَزَوْجُكَ...﴾^٣

ويستعمل لفظ (امرأة) في مثل: امرأة العزيز، وامرأة نوح، وامرأة لوط، وامرأة فرعون. تقول
الدكتورة عائشة:

”وقد يبدو من اليسير أن يقوم أحد اللفظيين مقام الآخر وكلاهما من الألفاظ
القرآنية، فنقول في ((زوج آدم)) مثلاً امرأة آدم، وفي ((امرأة العزيز)) زوج العزيز..
وذلك ما ياباه البيان المعجز وهو الذي يعطينا سر الدلالة في الزوجية مناط العلاقة
بين آدم وزوجه في قصة أول زوجين من البشر. ولم تكن زوج آدم امرأة من
أخريات، بل كانت وحدها الزوج، وكانت زوجية، ولا شيء غيرها، مناط
علاقتها بآدم، وسر وجودها.“^٤

ونتدبر سياق استعمال القرآن للكلمتين، فيهدينا الى سر الدلالة: كلمة زوج تأتي حيث تكون
الزوجية هي مناط الموقف: حكمة وآية، أو تشريعاً وحكماً. والأمثلة ذلك قول الله تعالى:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ
بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾^٥

﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا
لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾^٦

وكذلك الأمر في ((أزواج)) بالحياة الآخرة مثل قوله تعالى:

﴿وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً﴾^٧

-
١. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٣٥
 ٢. القرآن؛ س: الأعراف؛ الآية: ١٩
 ٣. القرآن؛ س: طه؛ الآية: ١١٧
 ٤. الاعجاز البياني في القرآن، ص ٢١٢
 ٥. القرآن؛ س: الروم؛ الآية: ٢١
 ٦. القرآن؛ س: الفرقان؛ الآية: ٧٤
 ٧. القرآن؛ س: الواقعة؛ الآية: ٧

﴿... وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ...﴾^١

فاذا تعطلت آيتها من السكن والمودة والرحمة ، بخيانة أو تباين في العقيدة ، فامرأة لا زوج ونجد أمثلة ذلك في القرآن الكريم كالاتي:

﴿إِمْرَأَةُ الْعَزِيزِ تَرَاوَدُّ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ﴾^٢

﴿إِمْرَأَةُ نُوحٍ وَإِمْرَأَةُ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَخَانَتَاهُمَا﴾^٣

﴿فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ﴾^٤

واستعمل (امرأة فرعون) وقد "تعطلت آية الزوجية بينهما ، بإيمانها وكفره"° كما جاء في قوله تعالى:

﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأَتَ فِرْعَوْنَ...﴾^٦

وحكمة الزوجية في الانسان وسائر الكائنات الحية من حيوانات ونبات "هي اتصال الحياة بالتوالد ، وفي هذا السياق يكون المقام لكلمة زوج ، وزوجين وأزواج ، من ذكر وأنثى"^٧

كآيات :

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾^٨

﴿... قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ...﴾^٩

﴿... جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا...﴾^{١٠}

﴿... وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ...﴾^{١١}

١. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٥
٢. القرآن ؛ س: يوسف ؛ الآية: ٣٠
٣. القرآن ؛ س: التحريم ؛ الآية: ١٠
٤. القرآن ؛ س: الأعراف ؛ الآية: ٨٣
٥. الاعجاز البياني في القرآن ، ص ٢١٣
٦. القرآن ؛ س: التحريم ؛ الآية: ١١
٧. المرجع السابق
٨. القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ١
٩. القرآن ؛ س: هود ؛ الآية: ٤٠
١٠. القرآن ؛ س: الشورى ؛ الآية: ١١
١١. القرآن ؛ س: الرعد ؛ الآية: ٣

”فاذا تعطلت حكمة الزوجية في البشر بعقم أو ترميل ، فامرأة لا زوج“^١ كآيات في امرأة ابراهيم

وامرأة عمران وامرأة زكريا ، فجاء في قصة ابراهيم عليه السلام:

﴿وَأَمْرَاتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكْتُ...﴾^٢

وجاء في قصة مريم عليها السلام:

﴿إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ...﴾^٣

وفي قصة زكريا عليه السلام:

﴿وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا﴾^٤

ولما استجاب له ربه وحققت الزوجية حكمتها وصلحت زوجته كانت الآية:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ﴾^٥

وفي آيات التشريع ”تتعلق الأحكام بالزوج والأزواج حين تكون الزوجية قائمة أو حكماً كأحكام المواريث ، وعدة اللائي توفي أزواجهن“^٦ نجد قوله تعالى في هذا الموضوع:

﴿وَالَّذِينَ يَتُوفُونَ مِنْكُمْ وَيَذُرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ﴾^٧

”أما حين تنقطع العلاقة الزوجية بطلاق أو ايلاء ، فالأحكام متعلقة بالنساء لا بالأزواج“^٨ فجاء

في القرآن بهذا الصدد قوله تعالى:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ...﴾^٩

وقوله تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ...﴾^{١٠}

١. الاعجاز البياني في القرآن ، ص ٢١٣

٢. القرآن ؛ س: هود ؛ الآية: ٧١

٣. القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ٣٥

٤. القرآن ؛ س: مريم ؛ الآية: ٥

٥. القرآن ؛ س: الأنبياء ؛ الآية: ٩٠

٦. الاعجاز البياني ص ٢١٣-٢١٤

٧. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٤٠

٨. المرجع السابق ص ٢١٤

٩. القرآن ؛ س: البقرة: ٢٣٦

١٠. القرآن ؛ س: الطلاق: ١

ومقتضى قوله تعالى: ﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ﴾^١ "أن تقوم الزوجية فعلاً بين المطلقة طلاقاً بائناً والمحلل، لا أن تحلل عودتها الى مطلقها، باجراء عقد زواج صوري، على المحلل!"^٢

وفي آيات الظهار "تجادل مسلمة في زوجها من حيث تشكو أن يظاهر منها والزوجية قائمة. وينزل الحكم في: ﴿ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ... ﴾^٣ من حيث عطلوا هذه الزوجية بالظهار."^٤

فهذه الشواهد تؤيد بأن القرآن الكريم استخدم الألفاظ في معانيها الصحيحة. وفي هذا المجال يقول أبو هلال: "كل حرفين أوقعتهما العرب على معنى واحد، في كل منهما معنى ليس في صاحبه، ربما عرفناه فأخبرنا به، وربما غمض علينا فلم نُلزم العرب جهله"^٥ ونستقرئ هذا الملحظ الدقيق من فروق الدلالات بين الألفاظ تختلف حركاتها أو صيغها من المادة الواحدة في القرآن الكريم.

-
١. القرآن س: البقرة؛ الآية: ٢٣٠
 ٢. الاعجاز البياني في القرآن، ص ٢١٤
 ٣. القرآن س: المجادلة؛ الآية: ٣
 ٤. المرجع السابق
 ٥. الفروق في اللغة، ص ٦٥

تقديم المعنى على مستوى المفردات

الباب الرابع

تقديم المعنى خلال الأساليب البلاغية

- | | |
|---------------|------------------------------|
| الفصل الأول: | الأساليب القرآنية من المعاني |
| الفصل الثاني: | مميزات الأساليب القرآنية |
| الفصل الثالث: | أسلوب التكرار |
| الفصل الرابع: | التحليل الجمالي للنظم |

ان البلاغة المعجزة للقرآن الكريم تبعث من جزالة نظمه وحسن متانته ومن بداعة أساليبه وغرابتها وجودتها، ومن براعة بيانه وتفوقه وصفوته، ومن قوة معانيه وصدقها، ومن فصاحة ألفاظه وسلاستها. يقول الزمخشري: "النظم الذي هو أم اعجاز القرآن والقانون الذي وقع عليه التحدي ومراعاته أهم ما يجب على المفسر"^١ ويقول عن أسرار الجمال القرآني: "... وهذه الأسرار والنكت لا يبرزها الا علم النظم والا بقيت محتجبة في أكمامها"^٢ والنظم تشمل في جوفها علوم البلاغة الثلاثة أي المعاني والبيان والبديع. وننظر نظرة طائفة عليها مرة بعد أخرى:

١ . الكشاف ؛ س: طه ؛ الآية: ٣٩
٢ . المرجع نفسه ؛ س: الزمر ؛ الآية: ٤٩

الفصل الأول

الأساليب القرآنية من المعاني

اسم الإشارة:

في التعبير بأسماء الإشارة أسرار جمالية . فالإشارة ((بذلك)) قد تكون للتعظيم والإشارة بهذه تكون للتحقير بحسب السياق والمقام . ففي الآية:

﴿قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنِّي فِيهِ﴾^١

”ولم تقل فهذا وهو حاضر رفعا لمنزلته في الحسن واستحقاق أن يحب ويفتن به وربما بحاله واستبعادا لمحله“^٢

ويقول الآلوسي: ”والإشارة بما يشار به الى البعيد مع قرب المشار اليه وحضوره قيل : رفعا لمنزلته في الحسن واستبعادا لمحله فيه ، وإشارة الى أنه لغرابته بعيد أن يوجد مثله . وقيل: ان يوسف عليه السلام كان في وقت اللوم غير حاضر وهو عند هذا الكلام كان حاضرا فان جعلت الإشارة اليه باعتبار الزمان الأول كانت على أصلها، وان لوحظ الثاني كان قريبا، وكانت الإشارة بما ذكر لتنزيله لعلو منزلة البعيد“^٣

وفي قوله تعالى:

﴿وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ﴾^٤

يقول الزمخشري : ”هذه فيها ازدراء للدنيا وتصغير لأمرها.“^٥ ويقول ابن عاشور: ”هذه الآية لم يتقدم فيها ما يقتضي تحقير الحياة فحيء باسم الإشارة لافادة تحقيرها“^٦

ويقول الآلوسي: ”إشارة تحقير وكيف لا والدنيا لا تزن عند الله تعالى جناح بعوضة ... وقال بعض العارفين: الدنيا أحقر من ذراع خنزير ميت بال عليها كلب بيد مجذوم ، ويعلم مما ذكر حقارة ما فيها من الحياة بالطريق الأولى ﴿إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ﴾“^٧

١. القرآن ؛ س: يوسف ؛ الآية: ٣٢

٢. المرجع السابق ؛ س: يوسف ؛ الآية: ٣٢؛ ص ٣

٣. روح المعاني ، س: يوسف؛ الآية: ٣٢، ص ١

٤. القرآن ؛ س: العنكبوت ؛ الآية: ٦٤

٥. الكشاف ؛ س: العنكبوت ؛ الآية: ٦٤

٦. التحرير والتنوير ، س: العنكبوت ؛ الآية: ٦٤

٧. روح المعاني ؛ س: العنكبوت ؛ الآية: ٦٤

اسم الموصول:

في استعمال الأدوات الموصولة مزايا منها أن استبدال أداة العاقل بغير العاقل تكون للتحقير مثل ما في الآية:

﴿بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَّهُ قَانِتُونَ﴾^١

فان قلت : كيف جاء بما التي لغير أولي العلم مع قوله: قانتون؟ قلت : هو كقوله: سبحانه ما سخر كنّ لنا. وكأنه جاء بـ(ما) دون (من) تحقيراً لهم وتصغيراً لشأنهم.^٢ وكما يقول ابن عاشور "... أنها من قبيل التغليب تنزيلاً للعقلاء في كونهم من صنع الله بمنزلة مساوية لغيره من بقية الموجودات تصغيراً لشأن كل موجود... وانما جاء [قانتون] بجمع المذكر السالم المختص بالعقلاء تغليبا لأنهم أهل القنوت عن ارادة وبصيرة."^٣

ويقول الألوسي عن مجيء أداة (ما) و (كل) في هذه الآية: "... جاء بكلمة (ما) المختصة بغير أولي العلم ... اشارة الى أن هؤلاء الذين جعلوهم ولد الله تعالى سبحانه في جنب عظمتهم جمادات مستوية الأقدام معها في عدم الصلاحية لاتخاذ الولد، وقيل: أتى بما في الأول لأنه اشارة الى مقام الألوهية، والعقلاء فيه بمنزلة الجمادات، وجمع العقلاء في الثاني لأنه اشارة الى مقام العبودية، والجمادات فيه بمنزلة العقلاء."^٤

الجملة الاسمية:

وإذا ما كانت الجملة الاسمية أكد من الفعلية، فان الزمخشري يتبين عناصر أخرى للتأكيد في الآية:

﴿وَإِخْشَؤُاْ يَوْمًا لَا يَحْزِي وَالِدٌ عَنْ وُلْدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا﴾^٥

فيقول: "فان قلت: قوله ﴿وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا﴾ وارد على طريق من التوكيد لم يرد عليه ما هو معطوف عليه. قلت: الأمر كذلك؛ لأن الجملة الاسمية أكد من الفعلية، وقد انضم الى ذلك قوله: (هو) وقوله: (مولود) والسبب في مجيئه على هذا السنن أن الخطاب للمؤمنين عليتهم: قبض آباؤهم على الكفر وعلى الدين الجاهلي، فأريد حسم أطماعهم وأطماع الناس

١. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ١١٦

٢. الكشاف؛ س: البقرة؛ الآية: ١١٦

٣. التحرير والتنوير، س: البقرة؛ الآية: ١١٦

٤. روح المعاني؛ س: البقرة؛ الآية: ١١٦

٥. القرآن؛ س: لقمان؛ الآية: ٣٣

فيهم أن ينفعوا آباءهم في الآخرة وأن يشفعوا لهم وأن يغنوا عنهم من الله شيئاً؛ فلذلك جيء به على الطريق الأكدر. ومعنى التوكيد في لفظ المولود: أن الواحد منهم لو شفع للأب الأدنى الذي ولد منه، لم تقبل شفاعته، فضلاً أن يشفع لمن فوقه من أجداده لأن الولد يقع على الولد وولد الولد؛ بخلاف المولود فإنه لمن ولد منك.^١

وكما قال اسماعيل حقي: "وتغيير النظم للدلالة على أن المولود أولى بأن لا يحزى ولقطع طمع من توقع من المؤمنين أن ينفع أباه الكافر في الآخرة ولذا قالوا ان هذا الخبر خاص بالكفار فان أولاد المؤمنين وآباءهم ينفع بعضهم بعضاً"^٢

ويقول الآلوسي: "واختيار ما لا يفيد التأكيد في الجملة الأولى وما يفيد في الجملة الثانية لأن أكثر المسلمين وأجلتهم حين الخطاب كان آباؤهم قد ماتوا على الكفر وعلى الدين الجاهلي فلما كان غناء الكافر عن المسلم بعيداً لم يحتج نفيه إلى التأكيد، ولما كان غناء المسلم عن الكافر مما يقع في الأوهام أكد نفيه."^٣

تقديم الخبر على المبتدأ:

وتقديم الخبر هنا ذو مزية في التأكيد من مضمونه والركون إليه في الآية:

﴿ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ ﴾^٤

"فان قلت: أي فرق بين قولك: وظنوا أن حصونهم تمنعهم أو مانعتهم، وبين النظم الذي جاء عليه؟ قلت: في تقديم الخبر على المبتدأ دليل على فرط وثوقهم بحصانتها ومنعها إياهم؛ وفي تصيير ضميرهم اسماً لأن واسناد الجملة إليه دليل على اعتقادهم في أنفسهم أنهم في عزة ومنعة لا يبالي معها بأحد يتعرض لهم أو يطمع في معازتهم وليس ذلك في قولك: وظنوا أن حصونهم تمنعهم."^٥

ويقول الآلوسي: "والعدول إلى ما في ((النظم الحليل)) للاشعار بتفاوت الظنين، وأن ظنهم قارب اليقين فناسب أن يؤتى بما يدل على فرط وثوقهم بما هم فيه فجيء — بمانعتهم وحصونهم — مقدماً فيه الخبر على المبتدأ؛ ومدار الدلالة التقديم لما فيه من الاختصاص فكأنه

١. الكشاف؛ س: لقمان؛ الآية: ٣٣

٢. روح البيان، س: لقمان؛ الآية: ٣٣

٣. روح المعاني؛ س: لقمان؛ الآية: ٣٣

٤. القرآن؛ س: الحشر؛ الآية: ٢

٥. الكشاف؛ س: الحشر؛ الآية: ٢، ص ١

لا حصن أمنع من حصونهم ، وبما يدل على اعتقادهم في أنفسهم أنهم في عزة ومنعة لا يبالي معهما بأحد يتعرض لهم أو يطمع في معازتهم^١ " وورد في روح البيان: "وقدم الخبر وأسند الجملة الى ضميرهم للدلالة على فرط وثوقهم بحصانيتها واعتقادهم في أنفسهم أنهم في عزة ومنعة لا يبالي بسببها فتقديم المسند يفيد قصر المسند اليه على المسند"^٢

استخدام التثنية لا بلاغ المعنى:

استخدام التثنية قد يكون أبلغ وأكد في تقدير المعنى المراد ففي الآية:

﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾^٣

يقول الزمخشري: "ان قلت: لم ثبت اليد في قوله تعالى: ((بل يده مبسوطتان)) وهي مفردة في قوله: ﴿يد الله مغلولة﴾ قلت: ليكون رد قولهم وانكاره أبلغ وأدل على اثبات غاية السخاء له ونفي البخل عنه وذلك أن غاية ما يبذله الخير بماله من نفسه أن يعطيه بيديه جميعاً فبنى المجاز على ذلك."^٤

ويقول الألوسي بأن أشير اليه بتثنية اليد "فإن أقصى ما تنتهي اليه همم الأسخياء أن يعطوا بكلتا يديهم ، وقيل: اليد هنا أيضاً بمعنى النعمة ، وأريد بالتثنية نعم الدنيا نعم الآخرة ، أو النعم الظاهرة والنعم الباطنة أو ما يعطى للاستدراج وما يعطى للاكرام ، وقيل: وروي عن الحسن أنها بمعنى القدرة كاليد الأولى ، وتثنيها باعتبار تعلقها بالثواب وتعلقها بالعقاب ، وقيل: المراد من التثنية: التكثير كما في ﴿ثم ارجع البصر كرتين﴾^٥ والمراد من التكثير: مجرد المبالغة في كمال القدرة وسعتها لا أنها متعددة"^٦

صيغة التأنيث لدلالة على الضعف:

لكل لفظة مؤنثة دلالتها من ضعف ولين ورخاوة مرة وهنا يستوحى الزمخشري الجامل النفسي المعنوي في التعبير بلفظ التأنيث في الآية:

١. روح المعاني ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٢ ، ص ٢

٢. روح البيان ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٢

٣. القرآن ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٦٤

٤. الكشاف ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٦٤

٥. القرآن ؛ س: الملك ؛ الآية: ٤

٦. روح الماني ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٦٤ ، ص ٢-٣

﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ﴾^١

فان قلت : لم قيل كاشفات وممسكات على التانيث قلت: أنثهن وكن اناثاً وهن اللات والعزى ومناة، قال الله تعالى:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ﴾^٢

ليضعفها ويعجزها زيادة تضعيف تعجيز عما طالبهم به من كشف الضر وامسك الرحمة؛ لأن الأنوثة من باب اللين والرخاوة ، كما أن الذكورة من باب الشدة والصلابة ، كأنه قال: الاناث اللاتي هن اللات والعزى ومناة أضعف مما تدعون لهن وأعجز. وفيه تهكم أيضاً.^٣ وقيل: [كاشفات] على ما يصفونها به من الأنوثة تنبيهاً على كما ضعفها^٤

وقال اسماعيل حقي: "وانما قال كاشفات وممسكات ابانة لكمال ضعفها واشعاراً بأنوثتها كما قال: ﴿إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا﴾^٥ وهم كانوا يصفونها بالأنوثة مثل العزى واللات ومناة فكانه قال كيف أشركتم به تعالى هذه الأشياء الحمادية البعيدة عن الحياة والعلم والقدرة والقوة والتمكن من الخلق هلا استحبيبتهم من ذلك..."^٦

النسب يزيد قوة الفعل:

في زيادة النسب قوة للفعل المسندة اليه مثل الآية :

﴿فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا﴾^٧

ويقول الزمخشري: "في ياء النسب زيادة قوة في الفعل ، كما قيل الخصوصية في الخصوص."^٨ ويقول الألوسي: "زيدت فيه ياء النسبة للمبالغة"^٩ ويقول ابن عاشور: "فلما قصد منه المبالغة في

-
١. القرآن ؛ س: الزمر ؛ الآية: ٣٨
 ٢. القرآن ؛ س: النجم ؛ الآية: ١٩-٢١
 ٣. الكشاف ج ٤ ؛ ص ٣٠٠
 ٤. روح المعاني ؛ س: الزمر ؛ الآية: ٣٨
 ٥. القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ١١٧
 ٦. روح البيان ، س: الزمر ؛ الآية: ٣٨
 ٧. القرآن ؛ س: المؤمنون ؛ الآية: ١١٠
 ٨. الكشاف ؛ س: المؤمنون ؛ الآية: ١١٠
 ٩. روح المعاني ؛ س: المؤمنون ؛ الآية: ١١٠

حصول المصدر أدخلت ياء النسبة^١

التنكير الدال على الندرة:

ويسفر عن حسن التنكير المومئ الى الندرة والقلة في الآية:

﴿وَتَعِيهَا أُذُنٌ وَأَعِيَةٌ﴾^٢

يقول الزمخشري: "فان قلت: لم قيل أذن واعية على التوحيد والتنكير؟ قلت: للايدان بأن الوعاة فيهم قلة ولتوبيخ الناس بقلة من يعي منهم للدلالة على أن الأذن الواحدة اذا وعت وعقلت عن الله فهي السواد الأعظم عند الله وأن ما سواها لا يبالي بهم باله وان ملثوا ما بين الحافقين".^٣

ويقول اسماعيل حقي: "والتنكير والتوحيد حيث لم يقل الأذان الواعية للدلالة على قلتها وان من هذا شأنه مع قلته يستبب لنجاة الجحيم الغفير وادامة نسلهم يعني ان من وعى هذه القصة انما يعيها ويحفظها لأجل أن يذكرها للناس ويرغبهم في الايمان المنجي ويحذرهم عن الكفر المردي فيكون سبباً للنجاة والادامة"^٤

الاضمار ابلغ من التصريح:

وللاضمار سر جمالي يشير المفسرون الى معاني الفخامة والشهرة حتى ليغني عن التصريح في الآية:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَيَّ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾^٥

يقول الزمخشري: "الضمير في (نزله) للقرآن ونحو هذا الاضمار أعني اضمار ما لم يسبق ذكره فخامة لشأن صاحبه حيث يجعل لفرط شهرته كأنه يدل على نفسه يتكفي عن اسمه الصريح بذكر شيء من صفاته".^٦ ويقول اسماعيل حقي: "[نزله] أي القرآن أضمره لكمال شهرته"^٧

١. التحرير والتنوير؛ س: المؤمنون؛ الآية: ١١٠.
٢. القرآن؛ س: الحاقة؛ الآية: ١٢.
٣. الكشاف؛ س: الحاقة؛ الآية: ١٢.
٤. روح البيان؛ س: الحاقة؛ الآية: ١٢.
٥. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٩٧.
٦. الكشاف؛ س: البقرة؛ الآية: ٩٧.
٧. روح البيان؛ س: البقرة؛ الآية: ٩٧.

وعند الآلوسي: "والضمير الأول البارز لجبريل، والثاني: للقرآن كما يشير إليه الأحوال لأنها كلها من صفات القرآن ظاهراً، وقيل: الأول لله تعالى والثاني لجبريل أي — فان الله نزل جبريل بالقرآن على قلبك — وفي كل من الوجهين اضمار يعود على ما يدل عليه السياق، وفي ذلك فخامة الشأن ما لا يخفى"^١

الوجوه الحسنة في استعمال الفعل:

(١) واستعمال الأفعال في القرآن فيه وجوه من الحسن يعالجها المفسرون . فالفعل اللازم يدع للفكر مجالاً كي يسبح في الآية:

﴿لِنُبَيِّنَ لَكُمْ...﴾^٢

فيقول الزمخشري: "ورود الفعل غير معدي الى المبين اعلام بأن أفعاله هذه يتبين بها من قدرته وعلمه ما لا يكتننه الذكر ولا يحيط به الوصف."^٣

ويرى الآلوسي أن ترك المفعول لتفخيمه كما وكيفاً أي خلقناكم على هذا النمط البديع لنبين لكم ما لا يحصره العبارة من الحقائق والدقائق التي من جملتها أمر البعث فان من تأمل فيما ذكر من الخلق التدريجي جزم بأن من قدر على خلق البشر أولاً من تراب لم يذق ماء الحياة قط وانشائه على وجه مصحح لتوليد مثله مرة بعد أخرى بتصريفه في أطوار الخلقة وتحويله من حال الى حال مع ما بين تلك الأطوار والأحوال من المخالفة والتباين فهو قادر على اعادته بل هي أهون في القياس، وقدر بعضهم المفعول خاصاً أي لنبين لكم أمر البعث وليس بذلك.^٤

ويرى البقاعي: "وحذف المفعول اشارة الى أنه يدخل فيه كل ما يمكن أن يحيط به العقول."^٥

(ب) واستعمال الفعل الماضي فيما هو مستقبل يعني تحققه والقطع بكونه . في الآية:

﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَنَزَعُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ﴾^٦

فان قلت : لم قيل (فنزح) دون (فيفزع) ؟ قلت : لنكتة وهي الاشعار بتحقيق الفزع وثبوته وأنه كائن لا محالة واقع على أهل السموات والأرض لأن الفعل الماضي يدل على وجود الفعل

١. روح المعاني ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٩٧

٢. القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ٥

٣. الكشاف ؛ س: الحج ؛ الآية: ٥

٤. روح المعاني ؛ س: الحج ؛ الآية: ٥ ، ص ٢

٥. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ؛ س: الحج ؛ الآية: ٥ ، ص ٤

٦. القرآن ؛ س: النمل ؛ الآية: ٨٧

و كونه مقطوعاً به والمراد فزعهم عند النفخة الأولى حين يصعقون.^١

”والتعبير بالماضي للدلالة على وقوعه لأن المستقبل من فعل الله تعالى متيقن الوقوع كتيقن الماضي من غيره لأن اخباره تعالى حق.“^٢

”ولما كان ما ينشأ عنه من فزعهم مع كونه محققاً مقطوعاً به كأنه وجد ومضى ، يكون في آن واحد ، أشار الى ذلك وسرعة كونه بالتعبير بالماضي.“^٣

(ج) واستخدام المضارع في فعل مضى لاستحضار ذلك الفعل والتنفير منه؛ يقول الزمخشري في الآية:

﴿فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ﴾^٤

فان قلت : لم جيء بأحد الفعلين ماضياً والآخر مضارعاً؟ قلت جيء يقتلون على حكاية الحال الماضي استفظاعاً للقتل واستحضاراً لتلك الحال الشنيعة للتعجب منها.^٥

”ودل على شدة بشاعة القتل وعظيم شناعته بالتعبير بالمضارع تصويراً للحال الماضية وتنبهاً على أن هذا ديدنهم وهو أشد من التكذيب“^٦

”والتعبير - بيقتلون - مع أن الظاهر قتلوا ككذبوا لاستحضار الحال الماضية من أسلافهم للتعجب منها ولم يقصد ذلك في التكذيب لمزيد الاهتمام بالقتل، وفي ذلك أيضاً رعاية الفواصل، وعلل بعضهم التعبير بصيغة المضارع فيه، بالتنبيه على أن ذلك ديدنهم المستمر فهم بعد يحومون حول قتل رسول الله ﷺ ، واقتصر البعض على قصد حكاية الحال لقريظة ضمائر الغيبة.“^٧

أو قد يدل على الاستمرار مثل الآية:

﴿فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً﴾^٨

فان سُئِلَ: هلا قيل فأصبحت ولم صرف الى لفظ المضارع؟ فيجيب الزمخشري: لنكتة فيه وهي

١. الكشاف ؛ س: النمل ؛ الآية: ٨٧
٢. روح البيان ؛ س: النمل ؛ الآية: ٨٧
٣. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ؛ س: النمل ؛ الآية: ٨٧ ، ص ١
٤. القرآن ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٧٠
٥. الكشاف ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٧٠
٦. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٧٠ ، ص ١
٧. روح المعاني ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٧٠ ، ص ٣
٨. القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ٦٣

إفادته بقاء أثر المطر زماناً بعد زمان. ^١ ويرى الألوسي أن العدول عن الماضي الى المضارع لإفادة بقاء أثر المطر زماناً بعد زمان كما تقول: أنعم على فلان عام كذا فاروح وأغدو شاكرآله ولو قلت: فرحت وغدوت لم يقع ذلك الموقع أو لاستحضار الصورة البديعة ^٢ يقول أو يسحضر

الفعل الماضي في صورة المضارع لتأمله العقول لما فيه من فضل مزية. يقول في الآية:

﴿ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فُسْقِنَاهُ إِلَىٰ بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأُحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ^٣

يقول الزمخشري عن مجيء (فتثير) على المضارعة دون ما قبله وما بعده: "ليحكي الحال التي تقع فيها اثاره الرياح السحاب وتستحضر تلك الصور البديعة الدالة على القدرة الربانية وهكذا يفعلون بفعل فيه نوع تمييز وخصوصية بحال تستغرب أو تهتم المخاطب أو غير ذلك." ^٤

ويرى الألوسي أن صيغة المضارع في قوله تعالى: ﴿ فَتُثِيرُ سَحَابًا ﴾ لحكاية الحال الماضية استحضاراً لتلك الصورة البديعة الدالة على كمال القدرة والحكمة وكثيراً ما يفعلون ذلك بفعل فيه نوع تمييز وخصوصية بحال تستغرب أو تهتم المخاطب أو غير ذلك. ولأن الاثارة خاصة للرياح وأثر لا ينفك في الغالب عنها فلا يوجد الا بعد ايجادها فيكون مستقبلاً بالنسبة الى الارسال، وعلى هذا يكون استعمال المضارع على ظاهره وحقيقته من غير تأويل لأن المعبر زمان الحكم لا زمان التكلم. ويجوز عنده أن يكون الاثارة بما يدل على الماضي ثم بما يدل على المستقبل اشارة الى استمرار الأمر وأنه لا يختص بزمان دون زمان اذ لا يصح الماضي والاستقبال في شيء واحد الا اذا قصد ذلك، واختلاف الفعلين لأنه لما أسند فعل الارسال الى الله تعالى وما يفعل سبحانه يكون بقوله عز وجل: ﴿ كُنْ ﴾ [يس: ٨٢] فلا يبقى في العدم زماناً ولا جزء زمان جيء بلفظ الماضي دون المستقبل لوجوب وقوعه وسرعة كونه كأنه كان ولأنه فرغ من كل شيء فهو سبحانه قدر الارسال في الأوقات المعلومة والى المواضع المعينة والتقدير كالارسال ولما أسند فعل الاثارة الى الرياح وهي تؤلف في زمان قال سبحانه: ﴿ تُثِيرُ ﴾ بلفظ المستقبل. ^٥

١. الكشاف؛ س: الحج؛ الآية: ٦٣
٢. روح المعاني؛ س: الحج؛ الآية: ٦٣، ص ١
٣. القرآن؛ س: فاطر؛ الآية: ٩
٤. الكشاف؛ س: فاطر؛ الآية: ٩
٥. روح المعاني؛ س: فاطر؛ الآية: ٩، ص ١

ويرى البقاعي: "ولما كانت اثارها تتجدد كلما أراد أن يسقي أرضاً ، قال مسنداً الى الرياح لأنها السبب ، معبراً بالمضارع حكاية للحال لتستحضر تلك الصورة البديعة الدالة على تمام القدرة ، وهكذا تفعل العرب فيما فيه غرابة تنبيهاً للسامع على ذلك وحثاً على تدبره وتصوره: [فتثير] أي بتحريكه لها اذا أراد [سحاباً] أي أنه أجرى سبحانه سنته أن تظهر حكمته بالتدريج . ولما كان المراد على القدرة على البعث ، وكان التعبير بالمضارع يرد التعنت ، عبر بالمضارع."^١

استعمال اسم الفاعل:

واستعمال اسم الفاعل دون صيغة النسب توحى اليه تحليلاً تصويرياً جمالياً في الآية:

﴿يَوْمَ تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ﴾^٢

وفي رأي الزمخشري: "فان قلت : لم قيل مرضعة دون مرضع؟ قلت : المرضعة التي هي في حال الارضاع ملقمة نديها الصبي والمرضع التي من شأنها أن ترضع وان لم تباشر الارضاع في حال وصفها به فقيل مرضعة ليدل على أن ذلك الهول اذا فوجئت به هذه وقد ألقمت الرضيع نديها نزعتة عن فيه لما يلحقها من الدهشة."^٣ فمزية اسم الفاعل كما نرى أنه يقصد الفعل المشتق منه من ناحية ثم انه متصف بما يفعل من ناحية أخرى . وهذا أكد في تصوير الفعل.

حذف المفعول به:

ويبين الجمال الكامن في حذف المفعول به الذي يذهب العقل فيه مذاهب ويكون غايته من ثم هنا التوبيخ في الآية:

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أُنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾^٤

ويرى الزمخشري: "ومفعول تعلمون متروك كأنه قيل وأنتم من أهل العلم والمعرفة والتوبيخ فيه أكد أي أنتم العرفون المميزون ثم ان ما أنتم عليه في أمر ديانتكم من جعل الأصنام لله أنداداً هو غاية الجهل ونهاية سخافة العقل."^٥

ويقول الألوسي: "والمفعول مطروح أي: وحالكم أنكم من أهل العلم والمعرفة والنظر واصابة

١. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ؛ س: فاطر ؛ الآية: ٩ ، ص ٢

٢. القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ٢

٣. الكشاف ؛ س: الحج ؛ الآية: ٢

٤. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٢

٥. الكشاف ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٢

الرأي فاذا تأملتم أدنى تأمل علمتم وجود صانع يجب توحيده في ذاته وصفاته لا يليق أن يعبد سواه ، أو مقدر حسبما يقتضيه المقام ويسد مسد مفعولي العلم ، أي: تعلمون أنه سبحانه لا يماثله شيء ، أو أنها لا تماثله ولا تقدر على مثل ما يفعله^١

جمال معنوي في استعمال البدل:

وفي الخطاب القرآن نرى في البدل جمالاً معنوياً مفاده أنه تأكيد وتكرير فضيلته فضيلة المفسر والتفسير ، والتفصيل بعد الاجمال . عرض للحمال الكامن وراء البدل في الآية:

﴿وَلَا بُؤْيُوهُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾^٢

فيقول الزمخشري: "و(لكل واحد منهما) بدل من (لأبويه) بتكرير العامل ... فان قلت: فهلا قيل ولكل واحد من أبويه السدس وأي فائدة في ذكر الأبوين أولاً ثم في الابدال منهما؟ قلت: لأن في الابدال والتفصيل بعد الاجمال تأكيداً وتشديداً كالذي تراه في الجمع بين المفسر والتفسير."^٣

يقول البقاعي: "ثم فصل بعد أن أجمل ليكون الكلام أكد، ويكون سامعه اليه أشوق بقوله مبدلاً بتكرير العامل"^٤ ويرى الألوسي: "وانما فائدته التأكيد بمجموع الاسمين لا غير بلا زيادة معنى فاذا تحقق ما بينهما من التباين تعذرت البدلية المذكورة وليس من بدل التقسيم أيضاً على هذا الاعراب، والالزم زيادة معنى في البدل"^٥ وكذلك في الآية:

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾^٦

يقول الزمخشري: "بدل من الصراط المستقيم وهو في حكم تكرير العامل كأنه قيل اهدنا الصراط المستقيم اهدنا صراط الذين أنعمت عليهم كما قال: ﴿لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ﴾^٧ فان قلت: ما فائدة البدل وهلا قيل اهدنا صراط الذين أنعمت عليهم؟ قلت: فائدته التوكيد لما فيه من الثنية والتكرير والاشعار بأن الطريق المستقيم بيانه وتفسيره صراط المسلمين

١ . روح المعاني ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٢ ، ص ٦

٢ . القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ١١

٣ . الكشاف ؛ س: النساء ؛ الآية: ١١

٤ . نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ؛ س: النساء ؛ الآية: ١١ ، ص ١

٥ . روح المعاني ؛ س: النساء ؛ الآية: ١١ ، ص ١٠

٦ . القرآن ؛ س: الفاتحة ؛ الآية: ٦

٧ . القرآن ؛ س: الاعراف ؛ الآية: ٧٥

ليكون ذلك شهادة لصراط المسلمين بالاستقامة على أبلغ وجه وأكده.^١

ويقول الألووسي: "وتكرار الصراط اشارة الى أن الصراط الحقيقي صراطان من العبد الى الرب ومن الرب الى العبد فالذي من العبد الى الرب طريق مخوف كم قطع فيه القوافل وانقطع به الرواحل ونادى منادى العزة لأهل العزة الطلب رد والسبيل سد وقاطع الطريق يقطع على هذا الفريق ﴿لَا قُعْدَدٌ لَهُمْ صِرَاطُكَ الْمُسْتَقِيمَ﴾^٢ والذي من الرب الى العبد طريق آمن وبالامان كائن قد سلم فيه القوافل بالنعم محفوف المنازل يسير فيه سيارته ويقاد بالدلائل قاده"^٣

ويتكلم ابن عاشور عن هذا الموضوع بالتفصيل فيما يلي:

جاء نظم الآية بأسلوب الابدال أو البيان دون أن يقال: اهدنا الصراط الذين أنعمت عليهم المستقيم، لفائدتين:

الأولى: ان المقصود من الطلب ابتداء هو كون المهدي اليه وسيلة للنجاة واضحة سمحة سهلة، وأما كونها سبيل الذين أنعم الله عليهم فأمر زائد لبيان فضله.

الثانية: ما في أسلوب الابدال من الاجمال المعقب بالتفصيل ليتمكن معنى الصراط للمطلوب فضل تمكن في نفوس المؤمنين الذين لقنوا هذا الدعاء فيكون له من الفائدة مثل ما للتوكيد المعنوي، وأيضاً لما في هذا الأسلوب من تقرير حقيقة هذا الصراط وتحقيق مفهومه في نفوسهم فيحصل مفهومه مرتين فيحصل له من الفائدة ما يحصل بالتوكيد اللفظي واعتبار البدلية مساوٍ لاعتباره عطف بيان لا مزية لأحدهما على الآخر خلافاً لمن حاول التفاضل بينهما. فائدة الابدال أمران يرجعان الى التوكيد وهما ما فيه من التثنية أي تكرار لفظ البدل ولفظ المبدل منه...^٤

ويحمل هذه الأساليب المؤكدة ويكشف عن حسنها في الآية التشريعية:

﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾^٥

يبين الزمخشري أن في هذا الكلام أنواع من التوكيد والتشديد منها: قوله ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ يعني أنه حق واجب لله في رقاب الناس لا ينفكون عن أدائه والخروج من عهده ومنها أنه ذكر الناس ثم أبدل عنه ﴿مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ ويذكر فيه ضربان من التأكيد: أحدهما

١. الكشاف ؛ س: الفاتحة ؛ الآية: ٦، ص ١

٢. القرآن ؛ س: الأعراف ؛ الآية: ١٦

٣. روح البيان ؛ س: الأعراف ؛ الآية: ١٦، ص ١

٤. التحرير والتنوير ؛ س: الأعراف ؛ الآية: ١٦، ص ١

٥. القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ٩٧

أن الابدال ثننية للمراد وتكرير له والثاني أن الايضاح بعد الابهام والتفصيل بعد الاجمال ايراد له في صورتين مختلفتين ومنها قوله: ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ مكان ومن لم يحجج تغليظاً على تارك الحجج... ومنها ذكر الاستغناء عنه وذلك مما يدل على المقت والسخط والخذلان ومنها قوله: ﴿عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ وان لم يقل عنه وما فيه من الدلالة على الاستغناء عنه يبرهان لأنه اذا استغنى عن العالمين تناوله الاستغناء لا محالة ولأنه يدل على الاستغناء الكامل فكان أدل على عظم السخط الذي وقع عبارة عنه.^١

ويقول ابن عاشور: ﴿من استطاع اليه سبيلاً﴾ بدل من الناس لتقييد حال الوجوب، وجوز الكسائي أن يكون فاعل حجج، ورد بأنه يصير الكلام: لله على سائر الناس أن يحجج المستطيع منهم، ولا معنى لتكليف جميع الناس بفعل بعضهم، والحق أن هذا الرد لا يتجه لأن العرب تفتن في الكلام لعلم السامع بأن فرض ذلك على الناس فرض محتمل يبينه فاعل حجج^٢

النداء:

استخدام أداة ((بأيها)) للنداء فيه ضروب من التأكيد في الآية:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ﴾^٣

تستوقف الزمخشري فيها النكات الآتية:

((يا)) حرف وضع في أصله لنداء البعيد، صوت يهتف به الرجل بمن يناديه... فاذا نودي به القريب المفاطن فذلك للتأكيد المؤذن بأن الخطاب الذي يتلوه معني به جداً... أي وصلة الى نداء ما فيه الألف واللام كما أن ذو والذي وصلتان الى الوصف بأسماء الأجناس ووصف المعارف بالحمل وهو اسم مبهم مفتقر الى ما يوضحه ويزيل ابهامه فلا بد أن يردفه اسم جنس أو ما يجري مجراه يتصف به حتى يتضح المقصود بالنداء فالذي يعمل فيه حرف النداء هو أي والاسم التابع له صفته... وفي هذا التدرج من الابهام الى التوضيح ضرب من التأكيد والتشديد وكلمة التنبيه المقحمة بين الصفة وموصوفها لفائدتين:

معاوضة حرف النداء

ومكاتفته بتأكيد معناه ووقوعها عوضاً مما يستحقه أي من الاضافة.

وكثر في كتاب الله النداء على هذه الطريقة ما لم يكثر في غيره لاستقلاله بأوجه من التأكيد وأسباب من المبالغة لأن كل ما نادى الله له عباده من أوامر ونواهي وعظاته وزواجره ووعد

١. الكشاف؛ س: آل عمران؛ الآية: ٩٧

٢. التحرير والتنوير؛ س: آل عمران؛ الآية: ٩٧، ص ٨

٣. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢١

ووعيده واقتصاص أخبار الأمم الدارجة عليهم وغير ذلك مما أنطق به كتابه أمور عظام وخطوب
جسام ومعان عليهم أن يتيقظوا لها، ويميلوا بقلوبهم وبصائرهم إليها وهم عنها غافلون فافتضت
الحال أن ينادوا بالآكد الأبلغ.^١

ونجد عند البقاعي: "[يا] تنبيه من يكون بمسمع من المنبه ليقبل على الخطاب، وهو تنبيه في
ذات نفس المخاطب ويفهم توسط البعد بين أيا الممدودة وأي المقصورة ((أي)) اسم مبهم،
مدلوله اختصاص ما وقع عليه من مقتضى اسم شامل، ((ها)) كلمة مدلولها تنبيه على أمر
يستفيدة المنبه... وأكد سبحانه الكلام بالابهام والتنبيه والتوضيح بتعيين المقصود بالنداء تنبيهاً
على أن ما يأتي بعده أمور مهمة يحق لها تشمير الذبول والقيام على ساق ساجد."^٢

١. الكشاف؛ س: البقرة؛ الآية: ٢١
٢. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: البقرة؛ الآية: ٢١، ص ٦

الفصل الثاني

مميزات الأساليب القرآنية

أسلوب الإيجاز:

وحين يعرض الزمخشري لأسلوب الإيجاز في القرآن نراه معنياً بالإشارة إلى ما أوجز فحسب دون أن يرمي إلى موضع الحسن في ذلك الأسلوب يقول في الآية:

﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾^١

”فان قلت: فهلا قيل هدى للضالين؟ قلت: لأن الضالين فريقان فريق علم بقاؤهم على الضلالة وهم المطبوع على قلوبهم وفريق علم أن مصيرهم إلى الهدى فلا يكون هدى للفريق الباقيين على الضلالة فبقي أن يكون هدى لهؤلاء فلو جيء بالعبارة المفصحة عن ذلك لقليل هدى للضالين إلى الهدى بعد الضلال فاختصر الكلام باجرائه على الطريقة التي ذكرنا فقليل هدى للمتقين... والإيجاز في ذكر المتقين.“^٢

ويقول فيه البقاعي: ”فقال [للمتقين] أي الذين جبلوا في أصل الحلقة على التقوى؛ فافهم ذلك أن غيرهم لا يهتدي به بل يرتاب وان كان ليس موضعاً للريب أصلاً... جمع المتقي وهو المتوقف عن الأقدام على كل أمر لشعوره بتقصيره عن الاستبداد وعلمه بأنه غير مستغن بنفسه فهو متق لوصفه وحسن فطرته والمتقي كذا متوقف لأجل ذلك، والتقوى أصل يتقدم الهدى وكل عبادة، لأنها فطرة توقف تستحق الهدى“^٣

وفي تعبير طنطاوي: ”والمراد بكونه ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ مع أنه هداية لهم وغيرهم، لأنهم هم المستفعدون به دون سواهم... ومعنى كونه هدى لهم أنه يزيدهم هدى على ما لديهم من الهدى... ويصح أن يكون المعنى: هدى للناس الذين صاروا متقين بهذه الهداية“^٤

وفي الآية:

﴿... وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ وَلَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ
وَمَا كُنْتَ نَازِلًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝﴾

١. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢.

٢. الكشاف؛ س: البقرة؛ الآية: ٢.

٣. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: البقرة؛ الآية: ٢، ص ١

٤. الوسيط في تفسير القرآن الكريم؛ س: البقرة؛ الآية: ٢، ص ٤

٥. القرآن؛ س: القصص؛ الآية: ٤٤-٤٥

يقول الزمخشري: "وما كنت شاهداً لموسى وما جرى عليه ولكننا أوحينا اليك. فذكر سبب الوحي الذي هو اطالة الفترة؛ ودل به على المسبب على عادة الله عز وجل في اختصاراته."^١

ويرى البقاعي أنه لما كان التقدير: وما كنت من أهل ذلك الزمان الحاضرين لذلك الأمر، وامتد عمرك الى هذا الزمان حتى أحبرت بما كنت حاضره، استدرك ضد ذلك فقال: [ولكننا] أي بما لنا من العظمة [أنشأنا] أي بعد ما أهلكنا أهل ذلك الزمان الذين علموا هذه الأمور بالمشاهدة والاختبار، كلهم [قروناً] أي ما أحرنا أحداً من أهل ذلك الزمان، ولكننا أهلكناهم وأنشأنا بعدهم أجيالاً كثيرة [فتطاول] بمروره وعلوه [عليهم العمر] جداً بتدرج من الزمان شيئاً فشيئاً فنسبت تلك الأخبار، وحرفت ما بقي منها الرهبان والأخبار، ولا سيما في زمان الفترة، فوجب في حكمتنا ارسالك فأرسلناك لتقوم المحجة، وتقوم بك الحجة، فعلم أن اخبارك بهذا والحال أنك لم تشاهده ولا تعلمته من مخلوق انما هو عنا وبوحينا.^٢

أسلوب الالتفات:

أسلوب آخر جرى عليه البيان القرآني هو أسلوب الالتفات. "وهو نقل الكلام من أسلوب الى أسلوب آخر تطرية واستداراً للسامع، وتجديداً لنشاطه، وصيانة لخاطره من الملل والضجر، بدوام الأسلوب الواحد على سماعه"^٣ قال حازم القرطاجني في ((منهاج البلغاء وسراج الأدباء)): "وهم يسأمون الاستمرار على ضمير متكلم أو ضمير مخاطب، فينتقلون من الخطاب الى الغيبة، وكذلك أيضاً يتلاعب المتكلم بضميره، فتارة يجعله ياءً على جهة الاخبار عن نفسه، وتارة يجعله كافاً أو تاءً فيجعل نفسه مخاطباً وتارة يجعله هاءً، فيقيم نفسه مقام الغائب، فلذلك كان الكلام المتوالي فيه ضمير متكلم أو مخاطب لا يستطاب وانما يحسن الانتقال من بعضها الى بعض."^٤ "وهو نقل معنوي لا لفظي، وشرطه أن يكون الضمير في المتنقل اليه عائداً في نفس الأمر الى الملتفت عنه"^٥

والزمخشري يبين عن حسن هذا الأسلوب في القرآن الذي بالتفنن فيه يطري نشاط السامع يقول: "الالتفات في علم البيان قد يكون من الغيبة الى الخطاب، ومن الخطاب الى الغيبة، ومن

١. الكشاف؛ س:القصص؛ الآية:٤٥

٢. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س:القصص؛ الآية:٤٥، ص ١

٣. البرهان في علوم القرآن؛ الموضوع: أساليب القرآن وفنونه البليغة؛ العنوان: الالتفات

٤. منهاج البلغاء وسراج الأدباء، حازم القرطاجني؛ ص: ١١١

٥. على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=3241&page=1>

٥. المرجع السابق

الغيبة الى التكلم، كقوله تعالى: ﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِّ وَجَرَّيْنَهُمَا﴾^١ وقوله تعالى: ﴿وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فُسُقْنَاهُ﴾^٢... وذلك على عادة افتنانهم في الكلام وتصرفهم فيه ولأن الكلام اذا نقل من أسلوب الى أسلوب، كان ذلك أحسن تطرية لنشاط السامع، وايقاظاً للاصغاء اليه من اجرائه على أسلوب واحد، وقد تختص موافقه بفوائد.^٣

ويقول ابن عاشور: "والانتقال من أسلوب الحديث بطريق الغائب المبتدأ من قوله: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾ الى قوله: ﴿مَلِكٌ يَوْمَ الدِّينِ﴾ الى أسلوب طريق الخطاب ابتداءً من قوله ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ الى آخر السورة، فن بديع من فنون نظم الكلام البليغ عند العرب، وهو المسمى في علم الأدب العربي والبلاغة التفاتاً."^٤

وعن تسميتها يقول: "وفي ضابط أسلوب الالتفات رأيان لأئمة علم البلاغة: أحدهما رأي من عدا السكاكي من أئمة البلاغة وهو أن المتكلم بعد أن يعبر عن ذات بأحد طرق ثلاثة من تكلم أو غيبة أو خطاب ينتقل في كلامه ذلك فيعبر عن تلك الذات بطريق آخر من تلك الثلاثة، وخالفهم السكاكي فجعل مسمى الالتفات أن يعبر عن ذات بطريق من طرق التكلم أو الخطاب أو الغيبة عادلاً عن أحدهما الذي هو التحقيق بالتعبير في ذلك الكلام الى طريق آخر منها"^٥

ثم يقول: "ولأهل البلاغة عناية بالالتفات لأن فيه تجديد أسلوب التعبير عن المعنى بعينه تحاشياً من تكرار الأسلوب الواحد عدة مرار فيحصل بتجديد الأسلوب تجديد نشاط السامع كي لا يمل من إعادة أسلوب بعينه."^٦

ومن استعمالات الالتفات ما يرمي الى غاية التفخيم والتعظيم مثل الآية:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا...﴾^٧

يقول الزمخشري: "لم يقل واستغفرت لهم وعدل عنه الى طريقة الالتفات تفخيماً لشأن رسول

١. القرآن؛ س: يونس؛ الآية: ٢٢

٢. القرآن؛ س: فاطر؛ الآية: ٩

٣. الكشاف؛ س: الفاتحة؛ الآية: ٥

٤. التحرير والتنوير؛ س: الفاتحة؛ الآية: ٥؛ ص ١

٥. المرجع نفسه

٦. المرجع نفسه

٧. القرآن؛ س: النساء؛ الآية: ٦٤

اللَّهُ ﷻ وتعظيماً لاستغفاره وتنبهياً على أن شفاعته من اسمه الرسول من الله بمكان^١ ويقول الخازن: "... فان الله تعالى لا يردّ شفاعته فلهذا السبب عدل الى طريقة الالتفات من لفظ الخطاب الى لفظ الغيبة"^٢

ويقول أبو حيان: "ولم يحيى على ضمير الخطاب في جاؤوك تفخيماً لشأن الرسول، وتعظيماً لاستغفاره، وتنبهياً على أن شفاعته من اسمه الرسول من الله تعالى بمكان، وعلى أن هذا الوصف الشريف وهو ارسال الله اياه موجب لطاعته..."^٣

وقوله تعالى:

﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَئِكَ يَكْفُرُونَ مِنْ رَحْمَتِي ﴾^٤

يقول ابن عاشور: "لاعتبار تشنيع كفر المتحدث عنهم بأنهم كفروا بآيات صاحب ذلك الاسم الجليل، وبعد تقرر ذلك انتقل الى أسلوب ضمير المتكلم اذ هو الأصل في التعبير عن الأشياء المضافة الى ذات المتكلم."^٥

ويقول في تفسير الآية: "والتعبير بالاسم الظاهر في قوله ﴿ بآيات الله ﴾ دون ضمير التكلم للتنبه به بشأن الآيات حيث أضيفت الى الاسم الجليل لما في الاسم الجليل من التذكير بأنه حقيق بأن لا يكفر بآياته. والعدول الى التكلم في قوله ﴿ رحمتي ﴾ التفات عاد به أسلوب الكلام الى مقتضى الظاهر"^٦

وقد ذكر الزركشي عدّة فوائد لأسلوب الالتفات عامة وخاصة، فمن العامة: "التفنن والانتقال من أسلوب الى آخر لما في ذلك من تنشيط السامع، واستحلاب صفاته، واتساع مجاري الكلام، وتسهيل الوزن والقافية شعراً ونثراً."^٧

ومن الخاصة: قصد تعظيم شأن المخاطب، التنبه على ما حق الكلام أن يكون وارداً عليه، أن يكون الغرض به التتميم لمعنى مقصود للمتكلم؛ فيأتي به محافظة على تميم ما قصد اليه من المعنى المطلوب له، قصد الدلالة على الاختصاص، قصد الاهتمام.^٨

١. الكشاف؛ س: النساء؛ الآية: ٦٤
٢. لباب التأويل في معاني التنزيل، س: النساء؛ الآية: ٦٤؛ ص ١
٣. البحر المحیط؛ س: النساء؛ الآية: ٦٤؛ ص ٢
٤. القرآن؛ س: العنكبوت؛ الآية: ٢٣
٥. التحرير والتنوير؛ س: الفاتحة؛ الآية: ٥
٦. المرجع نفسه؛ س: العنكبوت؛ الآية: ٢٣
٧. البرهان في علوم القرآن؛ الموضوع: أساليب القرآن وفنونه البليغة؛ العنوان: الالتفات
٨. نفس المرجع

ومن شروط الالتفات يذكر "أن يكون الضمير في المنتقل اليه عائداً في نفس الأمر الى المنتقل عنه؛ وشروطه أيضاً أن يكون في جملتين، أي كلامين مستقلين، حتى يمتنع بين الشرط وجوابه."^١

أسلوب الوصل والاستئناف:

عرض المفسرون لهذا الأسلوب البلاغي المتفنن في القرآن ورأوا أن الاستئناف أقوى من الوصل بحرف الوصل. يقول الزمخشري في الآية:

﴿يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَيَّ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ
عَذَابٌ يُخْذِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ﴾^٢

فان قلت: أي فرق بين ادخال الفاء ونزعها في (سوف تعلمون)؟ قلت: ادخال الفاء وصل ظاهر بحرف موضوع للوصل ونزعها وصل خفي تقديري بالاستئناف الذي هو جواب لسؤال مُقدر كأنهم قالوا: فماذا يكون اذا عملنا نحن على مكانتنا وعملت أنت؟ قال: سوف تعلمون. فوصل تارة بالفاء وتارة بالاستئناف للفتن في البلاغة كما هو عادة بلغاء العرب وأقوى الوصلين وأبلغهما الاستئناف وهو باب من أبواب علم البيان تتكاثر محاسنه.^٣ ويقول البقاعي: "فهذا وصل خفي مشير الى تقدير السؤال ولو ذكر الفاء لكان وصلاً ظاهراً"^٤ وفي قوله تعالى:

﴿إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لَّهُمْ ائْبَعْتُ لَنَا مَلِكًا نَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾^٥

"مستأنف استئنافاً بيانياً كأنه قيل: فماذا تفعلون مع الملك؟ فأجيب نقاتل"^٦ كما قال الزمخشري فيها.

وقوله تعالى:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَالُوا لَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةَ أَوْ نَرَى رَبَّنَا
لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا﴾^٧

-
١. نفس المرجع
 ٢. القرآن؛ س: هود؛ الآية: ٩٣
 ٣. الكشاف؛ س: هود؛ الآية: ٩٣؛ ص ٢
 ٤. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: هود؛ الآية: ٩٣؛ ص ٢
 ٥. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٤٦
 ٦. روح المعاني؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٤٦؛ ص ١
 ٧. القرآن؛ س: الفرقان؛ الآية: ٢١

يقول ابن عاشور في قوله تعالى: ﴿لَقَدْ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا﴾: "والجملة استئناف يتنزل منزلة جواب عن قولهم." ^١ ويقول الزمخشري: "وهذه الجملة في حسن استئنافها غاية." ^٢

ويقول البقاعي: "وفي حسن هذا الاستئناف وفحوى هذا السياق دلالة على التعجب من غير لفظ تعجب." ^٣

الاعتراض والاستفهام التقريريان:

التقرير معنى من معاني نظم القرآن، وقد يكون بالجملة الاعتراضية وقد يكون بالجملة الاستفهامية. وأما الجملة الاعتراضية فهو "عند النحاة جملة صغرى تتخلل جملة كبرى على جهة التأكيد. وقال الشيخ عز الدين في أماليه: "الجملة المعترضة تارة تكون مؤكدة، وتارة تكون مشددة لأنها إما ألا تدل على معنى زائد على ما دل عليه الكلام بل دلت عليه فقط، فهي مؤكدة. وإما أن تدل عليه وعلى معنى زائد، فهي مشددة." ^٤

والزمخشري يدل عليها في القرآن فحسب دون بحث جمالي فيها، فالتقرير قد يكون بالجملة الاعتراضية يقول في الآية:

﴿كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأَتُوا بِه مُتَشَابِهًا﴾ ^٥

يقول الزمخشري: "فان قلت: كيف موقع قوله: ﴿وَأَتُوا بِه مُتَشَابِهًا﴾ من نظم الكلام؟ قلت: هو كقولك فلان أحسن بفلان، ونعم ما فعل ورأى من الرأي كذا وكان صواباً ومنه قوله تعالى: ﴿وَجَعَلُوا أَعِزَّةً أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ ^٦ وما أشبه ذلك من الجمل التي تساق في الكلام معترضة للتقرير." ^٧

ويقول طنطاوي: "وهذه الجملة مع كدة لما قبلها في معنى أن كل ثمر يشابه ما قبله في حسن المنظر ولذة الطعم مشابهة لا يفضل فيها ثمر على آخر؛ بخلاف ثمر الدنيا، فإنه يتفاوت في

-
١. التحرير والتنوير؛ س: الفرقان؛ الآية: ٢١
 ٢. الكشاف؛ س: الفرقان؛ الآية: ٢١
 ٣. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: الفرقان؛ الآية: ٢١؛ ص ٣
 ٤. البرهان في علوم القرآن؛ الموضوع: أساليب القرآن وفنونه البليغة؛ العنوان: الاعتراض
 ٥. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٥
 ٦. القرآن؛ س: النمل؛ الآية: ٣٤
 ٧. الكشاف ج ١؛ ص ٤٥

مناظره حسناً، وفي طعومه لذة. ^١ ويقول البيضاوي: ﴿وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا﴾ اعتراض يقرر ذلك ^٢

وفي قوله تعالى:

﴿وَجَعَلُوا أَعِزَّةً أَهْلَهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ ^٣

يقول البيضاوي: ﴿وَكذلك يَفْعَلُونَ﴾ تأكيد لما وصفت من حالهم وتقرير بأن ذلك من عاداتهم الثابتة المستمرة، أو تصديق لها من الله عز وجل. ^٤ وقال الألوسي في هذه الجملة الاعتراضية: "تصديق لها من جهته عز وجل على ما أخرج ابن أبي حاتم عن ابن عباس، أو هو من كلامها جاءت به تأكيداً لما وصفت من حالهم بطريق الاعتراض التذييلي وتقرير له بأن ذلك عاداتهم المستمر" ^٥

كما يكون التقرير بالاستفهام، فيقول ابن عاشور عن أداة الاستفهام (هل):

"وحرف (هل) مفيد الاستفهام ومفيد التحقيق ويظهر أنه موضوع للاستفهام عن أمر يراد تحقيقه، فلذلك قال أئمة المعاني أن هل لطلب تحصيل نسبة حكمية تحصل في علم المستفهم وقال الزمخشري في ((الكشاف)): أن أصل هل أنها مرادفة قد في الاستفهام خاصة، يعني قد التي للتحقيق وإنما اكتسبت افادة الاستفهام من تقدير همزة الاستفهام معها كما دل عليه ظهور الهمزة في قيل زيد الخيل:

سائل فوارس برُيوعِ بِشَدَّتْنَا أَهْلُ رَأُونَا بَسْفَحِ الْقَاعِ ذِي الْأَكْمِ

وقال في ((المفصل)): وعن سيبويه أن هل بمعنى قد إلا أنهم تركوا الألف قبلها؛ لأنها لا تقع الا في الاستفهام. يعني أن همزة الاستفهام التزم حذفها للاستغناء عنها بملازمة هل للوقوع في الاستفهام، اذ لم يقل أحد أن هل ترد بمعنى قد مجردة عن الاستفهام... ^٦

يقول الزمخشري في الآية:

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٥؛ ص ١

٢. أنوار التنزيل وأسرار التأويل؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٥؛ ص ٣

٣. القرآن؛ س: النمل؛ الآية: ٣٤

٤. المرجع السابق؛ س: النمل؛ الآية: ٣٤؛ ص ١

٥. روح المعاني؛ س: النمل؛ الآية: ٣٤

٦. التحرير والتنوير؛ س: البقرة؛ الآية: ٢١٠؛ ص ١-٢

﴿ هَلْ عَسَيْتُمْ أَنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا... ﴾^١

”أدخل هل مستفهماً عما هو متوقع عنده ومظنون. وأراد بالاستفهام التقرير، وتثبيت أن المتوقع كائن وأنه صائب في توقعه، كقوله تعالى: ﴿ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ ﴾^٢ معناه التقرير.“^٣ وجاء في روح المعاني: ”والمعنى هل قاربتم أن لا تقاتلوا كما أتوقعه منكم، والمراد تقرير أن المتوقع كائن“^٤ وقوله تعالى:

﴿ هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا ﴾^٥

وورد فيه أيضاً: ”الاستفهام للتقرير أي الحمل على الاقرار بما دخلت عليه والمقرر به من ينكر البعث وقد علم أنهم يقولون نعم قد مضى على الانسان حين لم يكن كذلك“^٦

ويقول ابن عاشور: ”استفهام تقريرى والاستفهام من أقسام الخطاب وهو هنا موجه الى غير معين ومستعمل في تحقيق الأمر المقرر به على طريق الكناية لأن الاستفهام طلب الفهم، والتقرير يقتضي حصول العلم بما قرر به وذلك ايماء الى استحقاق الله أن يعترف الانسان له بالوحدانية في الربوبية ابطالاً لإشراك المشركين. وتقديم هذا الاستفهام لما فيه من تشويق الى معرفة ما يأتي بعده من الكلام.“^٧

الاستغناء عن الفاعل:

ومن الظواهر الأسلوبية اللافتة في البيان القرآني، ظاهرة الاستغناء عن الفاعل. فنجد ظاهرة الاستغناء عن الفاعل في البيان القرآني، في موقف القيامة، إما بالبناء للمجهول، وإما أن يستغني البيان القرآني عن ذكر الفاعل في موقف الآخرة، باسناده الى غير فاعله، مطاوعة أو مجازاً. فالأول: بناء للمجهول في مثل آية:

١. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٤٦
٢. القرآن؛ س: الانسان؛ الآية: ١
٣. الكشاف ج ١؛ ص ١١٦
٤. روح المعاني؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٤٦؛ ص ٢
٥. القرآن؛ س: الانسان؛ الآية: ١
٦. المرجع السابق؛ س: الانسان؛ الآية: ١
٧. التحرير والتنوير؛ س: الانسان؛ الآية: ١

﴿فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ نَفْحَةً وَاحِدَةً ۝ وَحَمَلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝﴾^١

يقول البقاعي: "وبني الفعل للمجهول دلالة على هوان ذلك عليه وأنه ما تأثر عنه لا يتوقف على نافع معين بل من أقامه من جنده لذلك تأثر عنه ما يريده"^٢ وعند ابن عاشور: "وبنيت أفعال ((نفخ، وحملت، ودكنا)) للمجهول لأن الغرض متعلق ببيان المفعول لا الفاعل وفاعل تلك الأفعال إما ملائكة أو ما أودعه الله من أسباب تلك الأفعال، والكل باذن الله وقدرته"^٣ وفي قوله تعالى:

﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۝ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۝ وَسِيرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝﴾^٤

فيقول البقاعي: "ولما كان الهائل المفزع النفخ، لا كونه من معين، بنى للمفعول قوله ﴿ينفخ﴾ أي من نافع أذن الله له... قال بانياً للمفعول لأن المفزع مطلق التفتيح، ولأن ذلك أدل على قدرة الفاعل وهوان الأمور عليه ﴿وفتحت السماء﴾"^٥

ويرى ابن عاشور: "وبُني ﴿ينفخ﴾ الى النائب لعدم تعلق الغرض بمعرفة النافع وإنما الغرض معرفة هذا الحادث العظيم وصورة حصوله."^٦ وفي قوله تعالى:

﴿كَأَلَا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝﴾^٧

يقول البقاعي: "وأشار بالبناء للمفعول الى سهولة ذلك لأن الأمر عظيم لعظمة الفاعل الحق."^٨ وقوله تعالى:

﴿وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۝﴾^٩

-
١. القرآن؛ س: الحاقة؛ الآية: ١٣-١٤
 ٢. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: الحاقة؛ الآية: ١٣؛ ص ٣
 ٣. التحرير والتنوير؛ س: الحاقة؛ الآية: ١٣-١٤؛ ص ٢
 ٤. القرآن؛ س: النبأ؛ الآية: ١٨-٢٠
 ٥. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: النبأ؛ الآية: ١٨-١٩؛ ص ١-٢
 ٦. التحرير والتنوير؛ س: النبأ؛ الآية: ١٨؛ ص ٢
 ٧. القرآن؛ س: الفجر؛ الآية: ٢١
 ٨. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: الفجر؛ الآية: ٢١؛ ص ٢
 ٩. القرآن؛ س: الفجر؛ الآية: ٢٣

ومرة ثانية يقول البقاعي: "ولما كانت جهنم لا تأتي بنفسها لأنها لو أتت بنفسها لربما ظن أنها خارجة عن القدرة بل تقودها الملائكة، فكلمها عالحوها ذهاباً وإياباً حصل للناس من ذلك من الهول ما لا يعلمه إلا الله تعالى، وكان المهول نفس المحييء بها لا تعيين الفاعلين، لذلك بني للمفعول قوله (وجاء) أي بأسهل أمر"^١

ومعها سائر آيات النسخ في الصور، وكلها مبنية للفعل المجهول، الماضي منها والمضارع. والثاني: أن يستغني البيان القرآني عن ذكر الفاعل في موقف الآخرة، باسناده إلى غير فاعله، مطاوعة أو مجازاً، كمثل الآيات:

﴿إِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ﴾^٢

﴿فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾^٣

﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ • وَإِذَا الْكُورُكِبُ انْتَثَرَتْ﴾^٤

وهكذا نجد أمثلة كثيرة في القرآن الكريم للاستغناء عن ذكر الفاعل في موقف الآخرة، باسناده إلى غير فاعله، مطاوعة أو مجازاً.

وتقول الدكتورة عائشة أن البلاغيين يقولون في حذف الفاعل أنه يحذف للعلم أو الجهل به، أو الخوف منه أو عليه ولكنه لا يصح هذا الوجه للبيان القرآني لأن القرآن لم يحذف الفعل في مواضع العلم به يقيناً،^٥ مثل:

﴿يُغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ﴾^٦

﴿يَرْزُقُ لِمَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾^٧

﴿يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾^٨

-
١. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: الفجر؛ الآية: ٢٣؛ ص ١
 ٢. القرآن؛ س: القمر؛ الآية: ١
 ٣. القرآن؛ س: الرحمن؛ الآية: ٣٧
 ٤. القرآن؛ س: انفطار؛ الآية: ١-٢
 ٥. الاعجاز البياني للقرآن؛ ص ٢٢٤
 ٦. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ١٢٩
 ٧. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢١٢
 ٨. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٥٨

﴿يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾^١
 ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾^٢

فعن سرّ ظاهرة الاستغناء عن ذكر الفاعل في أحداث يوم القيامة ، تستنج الدكتورة عائشة من البيان القرآني أنه:

أساليب البناء للمجهول والمطاوعة والاسناد المجازي تلتقي جميعاً في الاستغناء عن ذكر الفاعل ، وان كان لكل أسلوب منها ملحظه البياني الخاص يجلوه استقراء مواضعه في الكتاب المحكم.

اطراد هذه الظاهرة في موقف البعث والقيامة ، ينبه الى أسرار بيانية وراء ضوابط الصنعة البلاغية واجراءات الاعراب الشكلية:

فبناء الفاعل للمجهول: فيه تركيز الاهتمام على الحدث ، بصرف النظر عن محدثه. والمطاوعة: فيها بيان للطواعية التي يتم بها الحدث تلقائياً أو على وجه التسخير ، وكأنه ليس في حاجة الى فاعل...

والاسناد المجازي: يعطي المسند اليه فاعلية محققة يستغني بها عن ذكر الفاعل الأصلي.^٣

١. القرآن ؛ س: النحل ؛ الآية: ٣٧

٢. القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ١

٣. الاعجاز البياني للقرآن ، ص ٢٢٤-٢٢٥

الفصل الثالث

أسلوب التكرار في القرآن

التكرار في اللغة أصله من الكرّ بمعنى الرجوع ، ويأتي بمعنى الاعادة والعطف ، فالمراد منه اعادة الشيء مرة بعد أخرى كما جاء في اللسان : كرّر الشيء : " أعاده مرة بعد أخرى... ويقال : كرّرت عليه الحديث ... اذا ردّدت عليه... كرّرت الشيء تكريراً وتكراراً"^١ فالتكرير والتكرار شيء واحد.

أما في المعنى الاصطلاحي فالمقصود به: "تكرار كلمة أو لفظ أكثر من مرة في سياق واحد لنكتة ما، وذلك إما للتوكيد ، أو لزيادة التنبيه أو للتهويل ، أو للتعظيم."^٢ وقد عرفه بدر الدين الزركشي بقوله: "وحقيقته اعادة اللفظ أو مرادفه لتقرير معنى"^٣ التكرار فن من الأساليب الأدبية المعروفة عند العرب ، "وهو أبلغ من التأكيد وهو من محاسن الفصاحة خلافاً لبعض من غلط"^٤ واختلفوا العلماء في دلالة توظيف التكرار الوارد في القرآن الكريم باختلاف صورته ، فانقسموا الى قسمين . رأى فريق في التكرار ظاهرة ملحّة ، يركز عليها القرآن الكريم في بنيته ، لا سيّما أن من وظائفه البلاغة والتأكيد على المعنى المقصود من الألفاظ المكررة.^٥

ونفي الفريق الآخر التكرار من القرآن الكريم تماماً ، بادعاء عدم الفائدة من تكرار اللفظ نفسه في السياق نفسه للمعنى نفسه . فحتى لو كانت الألفاظ مكررة ، فانها تدلّ بنظرهم على معانٍ مختلفة.^٦

١. لسان العرب ، حرف الكاف ، مادة كزر ، ص ٤٩٦٦
٢. أنوار الربيع في أنواع البديع لابن معصوم ، ج ٥ ، ص ٣٤-٣٥ ، نقلاً عن: ظاهرة التكرار في القرآن ، على الموقع www.al-i3jaz.com/MathMiracle_sd003.html
٣. البرهان في علوم القرآن ، للزركشي ، الموضوع: أساليب القرآن وفنونه البليغة؛ العنوان: التكرار على وجه التأكيد ؛ على الموقع <http://www.altafsir.com/MiscellaneousBooks.asp>
٤. الاتقان في علوم القرآن ؛ النوع: في الإيجاز والاطناب ؛ ص ٣٠٥
٥. انظر: معاني القرآن للفراء ، ج ٣ ، ص ٢٨٧ .
- على الموقع www.altafsir.com/QuranWordsMeaning.asp?img=B وتأويل مشكل القرآن لابن قتيبة ٢٣٥-٢٤٠ ،
- والعمدة لابن رشيح ص ١٣٤ وما بعده على الموقع www.alwaraq.net/nidex2.htm?i=389&page=1 والبرهان السابق ، والاتقان: المرجع نفسه
٦. انظر: درة التنزيل وغرة التأويل للخطيب الاسكافي ٥٣٣

ويقول الزركشي:

”وقد غلط من أنكر كونه من أساليب الفصاحة ، ظناً أنه لا فائدة له؛ وليس كذلك بل هو من محاسنها، لا سيما اذا تعلق بعبءه ببعض؛ وذلك أن عادة العرب في خطاباتهما اذا أبهمت بشيء ارادة لتحقيقه وقرب وقوعه ، أو قصدت الدعاء عليه، كررته توكيداً ، وكأنها تقيم تكراره بمقام المقسم عليه ، أو الاجتهاد في الدعاء عليه، حيث تقصد الدعاء؛ وانما نزل القرآن بلسانهم ، وكانت مخاطباته جارية فيما بين بعضهم وبعض ، وبهذا المسلك تستحكم الحجة عليهم في عجزهم عن المعارضة. وعلى ذلك تحتل ما ورد من تكرار المواعظ والوعد والوعيد ، لأن الانسان مجبول من الطبائع المختلفة ، وكلها داعية الى الشهوات ، ولا يجمع ذلك الا تكرار المواعظ والقوارع ، قال تعالى: ﴿وَلَقَدْ يَسْرُنَا الْقُرْآنَ لِلدِّكْرِ﴾^١ قال في الكشاف: ”أي سهلنا لبلادك والانعاظ بأن شحناه بالمواعظ الشافية وصرّفنا فيه من الوعد والوعيد“^٢

ويمكن أن نقسم التكرار في القرآن من خلال الآيات التي ورد فيها على الأقسام الآتية:

١) التكرار اللفظي:

وهو أن يعاد اللفظ الواحد بنصه ، وكذا العبارة أو الآية الكاملة .

ويمكن أن نقسم التكرار اللفظي على قسمين أيضاً ، هما:

- أ) التكرار اللفظي المتصل ، وهو ما كرر فيه اللفظ أو العبارة من غير فاصل بين الأول والثاني
- ب) التكرار اللفظي المنفصل ، وهو ما كررت فيه العبارة مفصولة عن الموضع الأول الذي وردت فيه بفاصل قد يطول وقد يقصر .

٢) التكرار المعنوي:

وهو تكرار المعنى الواحد ، أو القصة الواحدة بالفاظ مترادفة أو عبارات متباينة.

ويعد عبدالرحمن الميداني التكرار من طرائق الزيادات الاطنابية المفيدة ودواعيها البلاغية حيث يقول:

”التكرير لداعٍ بلاغي ... والدواعي البلاغية للتكرير متعددة فمنها ما يلي:

١. القرآن ؛ س: القمر؛ الآية: ١٧
٢. البرهان في علوم القرآن ؛ الموضوع: أساليب القرآن وفنونه البليغة ؛ العنوان: التكرار على وجه التأكيد.

- ١) تمكين المعنى وتأكيده في نفس المتلقي ، وزيادة التنبيه على ما ينفي التهمة اذا كان البيان يقتضي ذلك.
 - ٢) التلذذ بتكرير عبارات الفخر والاشادة بالمآثر الحميدة.
 - ٣) التنفيس عن النفس بعبارات التحسر والندم أو الحزن ، أو الفرح.
 - ٤) طول التفاصيل في الكلام الذي تدعو الحاجة معه الى التنبيه بالتكرير.
 - ٥) المدح أو الذم أو الشتيمة.
 - ٦) التنبيه على تعدد المقتضى لذكر العبارة المكررة.
 - ٧) جعل العبارة المكررة فاصلة في الكلام ذات تأثير فني جمالي بديع مستطرف ، كأنها أعلام ترفرت على مفاصل السور ، أو لوحة مكررة على مقاطع من الطريق.
 - مع ما فيها من معنى قد يحتاج تكريراً لتثبيته ، أو استثارة دافع من دوافع النفس به ، أو تهييج عاطفة ، كالكليات العامة ، و كالمعاني التي فيها ترغيب أو ترهيب ، أو تحذير أو انذار ، أو تشويق ، أو تنديم أو تحسير ، أو نحو ذلك.
 - ٨) أن يكون المكرر متعلقاً في الذكر الثاني بغير ما تعلق به في الذكر الأول ، ويسمى هذا "ترديداً" ويكثر فيه الداعي الجمالي الفني.
 - ٩) التعظيم والتهويل.
- الى غير ذلك من دواعي بلاغية.^١

وكذلك عدد الزر كشي أنواع التكرار بالتفصيل مثلها.^٢

صور التكرار في القرآن الكريم:

كما ذكرنا سابقاً للتكرار ثلاثة أقسام: اللفظي المتصل ، واللفظي المنفصل ، والمعنوي، فنذكر الأمثلة من القرآن الكريم لكل من هذه الأقسام الثلاثة فيما يلي:

التكرار اللفظي المتصل:

وهو ما يشمل تكرار الكلمة ، وتكرار جملة أو آية. فمما وقع في القرآن الكريم من تكرار الكلمة:

﴿ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ﴾^٣

١. البلاغة العربية أسسها وعلومها وفنونها ؛ عبدالرحمن الميداني ؛ الموضوع: (علم المعاني: الباب

الخامس: الايجاز الاطناب والمساواة) ؛ العنوان: (الفصل الرابع: الاطناب) ؛

على الموقع www.altafsir.com/MiscellaneousBooks.asp

٢. البرهان في علوم القرآن ؛ الموضوع: أساليب القرآن وفنونه البليغة ؛ العنوان: التكرار على وجه التأكيد.

٣. القرآن ؛ س: المؤمنون ؛ الآية: ٣٦

﴿ كَانَتْ قَوَارِيرًا • قَوَارِيرًا مِنْ فِضَّةٍ • ﴿^١
 ﴿ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا • وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا • ﴿^٢

ومما وقع في القرآن الكريم من تكرار الجملة:

﴿ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَرًا • ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَرًا • ﴿^٣
 ﴿ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ • ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ • ﴿^٤
 ﴿ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ • ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ • ﴿^٥
 ﴿ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ • ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ • ﴿^٦
 ﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا • إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا • ﴿^٧
 ﴿ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ • ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ • ﴿^٨

التكرار اللفظي المنفصل:

وهو ما يشمل تكرار جملة أو آية أو عدة آيات. ومما وقع في القرآن الكريم منه قوله تعالى:

﴿ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ • وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ • ﴿^٩

تكررت هاتان الآيتان سبع مرات بعد هذا الموضع في السورة ذاتها (وهي الآيات ٦٧-٦٨،

١٠٣-١٠٤، ١٢٢-١٢١، ١٣٩-١٤٠، ١٥٨-١٥٩، ١٧٤-١٧٥، ١٩٠-١٩١)

﴿ ءَ إِلَهٌ مَعَ اللَّهِ • ﴿^{١٠}

تكررت هذه الجملة في سورة النمل أربع مرات بعد هذا الموضع (الآيات ٦١-٦٥)

-
١. القرآن ؛ س: الانسان ؛ الآية: ١٥-١٦
 ٢. القرآن ؛ س: الفجر ؛ الآية: ٢١-٢٢
 ٣. القرآن ؛ س: المدثر ؛ الآية: ١٩-٢٠
 ٤. القرآن ؛ س: القيامة ؛ الآية: ٣٤-٣٥
 ٥. القرآن ؛ س: النبا ؛ الآية: ٤-٥
 ٦. القرآن ؛ س: الانفطار ؛ الآية: ١٧-١٨
 ٧. القرآن ؛ س: الشرح ؛ الآية: ٥-٦
 ٨. القرآن ؛ س: التكاثر ؛ الآية: ٣-٤
 ٩. القرآن ؛ س: الشعراء ؛ الآية: ٨-٩
 ١٠. القرآن ؛ س: النمل ؛ الآية: ٦٠

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾^١

تكررت هذه الآية ثلاث مرات بعد هذا الموضع (الآيات ٢٢، ٣٢، ٤٠)

﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرِي﴾^٢

تكررت أربع مرات (القمر ١٦، ١٨، ٣٠، ٢١)

﴿فَبِأَيِّ آيَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾^٣

تكررت هذه الآية في سورة الرحمن بعد هذا الموضع ثلاثين مرة.

﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾^٤

تكررت هذه الآية سبع مرات بعد هذا الموضع في السورة ذاتها.

التكرار المعنوي:

ورد في القرآن الكريم الحديث عن عدد من الموضوعات في سور متعددة ، مثل قصص عدد من الأنبياء - عليهم السلام - كآدم ونوح وإبراهيم وموسى ، ومثل الحديث عن مشاهد القيامة والجنة والنار ، والحديث عن الظواهر الكونية ودلائل التوحيد . وحديث القرآن عن هذه الموضوعات لم يتكرر بصورة متطابقة في كل المواضع ، فهناك تنوع في العبارات ، وهناك تنوع في المعاني ، مما يخرج هذه الموضوعات عن ظاهرة التكرار اللفظي المحض .

موقف علماء السلف من تفسير ظاهرة التكرار في القرآن الكريم:
تناول علماء السلف كل آية فيها تكرار بالتفسير والتحليل ملخصه فيما يأتي:

التكرار اللفظي المتصل:

ان دلالة التكرار العامة هي التوكيد ، ويقول الزركشي في فائدة من التكرار: "فائدته العظمى التقرير ، وقد قيل: الكلام اذا تكرر تقرر" ° وقد صرح الفراء يحيى بن زياد بذلك في أثناء حديثه

١ . القرآن ؛ س: القمر ؛ الآية: ١٧

٢ . القرآن ؛ س: القمر ؛ الآية: ١٦

٣ . القرآن ؛ س: الرحمن ؛ الآية: ١٣

٤ . القرآن ؛ س: المرسلات ؛ الآية: ١٥

٥ . البرهان في علوم القرآن ، النوع: أساليب القرآن وفنونه البليغة ؛ العنوان: التكرار على وجه التأكيد

عن الآيات التي فيها هذا النوع من التكرار في كتابه معاني القرآن ، فقال ، وهو يتحدث عن قوله تعالى في سورة التكاثر ﴿ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴾ ” والكلمة قد تكررها العرب على التعليل والتخويف ، فهذا من ذلك“^١

ثم يقول: ”أنه تغليظ فلا ينبغي أن يختلف لفظه ، ألا ترى قوله: ﴿ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴾ وقوله عز وجل: ﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ ، ومن التعليل قوله في سورة ﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ﴾ مكرر، كرر فيها وهو معنى واحد، ولو رفعت التاء في الثانية ، كما رفعت الأولى كان وجهاً جيداً“^٢

ويقول الزمخشري في تفسير سورة الشرح الآية الخامسة:

” والقول في أنه يحتمل أن تكون الجملة الثانية تكريراً للأولى كما كرر قوله ﴿ وَيَلْ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴾ (الطور: ١١) لتقرير معناها في النفوس وتمكينها في القلوب ، وكما تكرر المفرد في قولك : جاءني زيد زيد ، وأن تكون الأولى عدة بأن العسر مردوف بيسر لا محالة ، والثانية عدة مستأنفة بأن العسر متبوع بيسر ، فهما يسران على تقدير الاستئناف ، وإنما كان العسر واحداً لأنه لا يخلو ، أما أن يكون تعريفه للعهد ، وهو العسر الذي كانوا فيه ، فهو هو ؛ لأن حكمه حكم زيد في قولك : ان مع زيد مالاً ، ان مع زيد مالاً . وأما أن يكون للجنس الذي يعلمه لك كل أحد فهو أيضاً . وأما اليسر فمكرر متناول لبعض الجنس ، فاذا كان الكلام الثاني مستأنفاً غير مكرر فقد تناول بعضاً غير البعض الأول بغير اشكال .“^٣

وقال الخازن : ” ﴿ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ وإنما كرهه لتأكيد الوعد وتعظيم الرجاء“^٤

ويقول أبو حيان في الآية ﴿ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴾ ”كرر ذلك مبالغة في حصول اليسر. ولما كان اليسر يعتقب العسر من غير متطاول أزمان، جعل كأنه معه، وفي ذلك تبشيراً للرسول ﷺ بحصول اليسر عاجلاً. والظاهر أن التكرار للتوكيد ، كما قلنا. وقيل: تكرر اليسر باعتبار المحل، فيسر في الدنيا ويسر في الآخرة. وقيل: مع كل عسر يسر، ان من حيث أن العسر معرف بالعهد ،

١ . معاني القرآن ، للفراء ، س: التكاثر، ص ١

٢ . المرجع نفسه

٣ . الكشاف ، س: الشرح الآية ٥ ، ص ١

٤ . لباب التأويل في معاني التنزيل، الخازن ، س: الشرح ؛ الآية: ٥-٦

واليسر منكر، فالأول غير الثاني. وفي الحديث: ((لن يغلب عسر يسرين)).^١

ويقول الطباطبائي: "قوله تعالى: ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ تكرر للتأكيد والتثبيت وقيل: استئناف أن في الآيتين دلالة على أن مع العسر الواحد يسران بناء على أن المعرفة اذا أعيدت ثانية في الكلام كان المراد بها عين الأولى بخلاف النكرة...".^٢

ويقول سيد قطب في تفسير نفس الآية:

"ان العسر لا يخلو من يسر يصاحبه ويلازمه. وقد لازمه معك فعلاً. فحينما ثقل العبء شرحنا لك صدرك، فحرف حملك، الذي أنقض ظهرك. وكان اليسر مصاحباً للعسر، يرفع اصره، ويضع ثقله. وانه لأمر مؤكد يكرره بألفاظه: ﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾. إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا .. وهذا التكرار يشي بأن الرسول ﷺ كان في عسرة وضيق ومشقة، اقتضت هذه الملاحظة، وهذا التذكير، وهذا الاستحضار لمظاهر العناية، وهذا الاستعراض لمواقع الرعاية، وهذا التوكيد بكل ضروب التوكيد.. والأمر الذي يثقل على نفس محمد هكذا لا بد أنه كان أمراً عظيماً..".^٣

والآن ننظر الى أقوال بعض المفسرين في تفسير الآيتين: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾

يقول الزمخشري: "والتكرير تأكيد للردع والانذار عليهم. و(ثم) دلالة على أن الانذار الثاني أبلغ من الأول وأشد"^٥

كما يقول البيضاوي: "﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ تكرر للتأكيد وفي (ثم) دلالة على أن الثاني أبلغ من الأول، أو الأول عند الموت أو في القبر والثاني عند النشور."^٦

وفي لباب التأويل: "﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ كرهه توكيداً"^٧

١. البحر المحيط، أبو الحيان الأندلسي، س: الشرح الآية ٥، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
٢. الميزان في تفسير القرآن، س: الشرح: الآية: ٥-٦؛ ص ٣
٣. في ظلال القرآن، س: الشرح؛ الآية: ٥-٦؛ ص ٢
٤. القرآن؛ س: التكاثر؛ الآية: ٣-٤
٥. الكشاف، س: التكاثر؛ الآية: ٣-٤؛ ص ١
٦. انوار التنزيل و اسرار التأويل، س: التكاثر، الآية: ٤
٧. لباب التأويل في معاني التنزيل؛ س: التكاثر؛ الآية: ٤

ويقول ابن عاشور: "فجملته: ﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ توكيد لفظي لجملته: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ وعن ابن عباس: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ ما ينزل بكم من عذاب في القبر: ﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ عند البعث أن ما وعدتم به صدق، أي تجعل كل جملة مراداً بها تهديد بشيء خاص. وهذا من مستبعات التراكيب والتعويل على معونة القرائن بتقدير مفعول خاص لكل من فعلي (تعلمون)، وليس تكرير الجملة بمقتضى ذلك في أصل الكلام. ومفاد التكرير حاصل على كل حال.^١

يكتب سيد قطب: "... ثم يقرع قلوبهم بهول ما ينتظرهم هناك بعد زيارة المقابر في ايّاق رزين: ﴿كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ ويكرر هذا الايقاع بألفاظه وجرسه الرهيب الرصين: ﴿ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ ثم يزيد التوكيد عمقاً ورهبة. وتلويحاً بما وراءه من أمر ثقيل. لا يتبينون حقيقته الهائلة في غمرة الخمار والاستكثار..."^٢

وفي سورة الكافرون:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ • لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ • وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ • وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ • وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ • لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾^٣

يقول الخازن:

﴿لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ في معنى الآية قولان: أحدهما أنه لا تكرر فيها، فيكون المعنى لا أعبد ما تعبدون لا أفعل في المستقبل ما تطلبونه مني من عبادة آلهتكم ﴿وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾ أي ولا أنتم فاعلون في المستقبل ما أطلبه منكم من عبادة الهية ثم قال ﴿وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ﴾ أي ولست في الحال بعباد معبودكم ﴿وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ﴾ أي ولا أنتم في الحال بعبادين معبودي وقيل يحتمل أن يكون الأول للحال، والثاني للاستقبال، وقيل يصلح كل واحد منهما أن يكون للحال، والاستقبال، فيكون المعنى لا أعبد ما تعبدون في الحال ولا أنتم عابدون ما أعبد في الاستقبال وما بمعنى من أي من أعبد ويحتمل أن تكون بمعنى الذي أي الذي أعبد.

والقول الثاني: حصول التكرار في الآية، وعلى هذا القول يقال ان التكرار يفيد التوكيد، وكلما كانت الحاجة الى التوكيد أشد كان التكرار أحسن، ولا موضع

١. تفسير التحرير والتنوير؛ س: التكاثر؛ الآية: ٤؛ ص ٢

٢. في ظلال القرآن؛ س: التكاثر؛ الآية: ٤

٣. القرآن؛ س: الكافرون؛ الآيات: ١-٦

أحوج الى التوكيد من هذا الموضوع لأن الكفار راجعوا النبي ﷺ في هذا المعنى مراراً فحسن التوكيد ، والتكرار في هذا الموضوع لأن القرآن نزل بلسان العرب وعلى مجاري خطابهم ، ومن مذاهبهم التكرار ارادة التوكيد والافهام ، كما أن من مذاهبهم الاختصار ارادة التخفيف ، والايجاز ، وقيل تكرار الكلام لتكرار الوقت ، وذلك أنهم قالوا للنبي ﷺ ان سررك أن ندخل في دينك عاماً فأدخل في ديننا عاماً ، فنزلت هذه السورة جواباً لهم على قولهم...^١

ويقول ابن عطية في تكرر الآية: " ثم جاء قوله ﴿ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ﴾ الثاني حتماً عليهم أنهم لا يؤمنون به أبداً كالذي كشف الغيب ،... فهذا معنى التردد الذي في السورة وهو بارع الفصاحة وليس يتكرر فقط ، بل فيه ما ذكرته مع التأكيد والابلاغ ، وزاد الأمر بياناً وتبرياً منهم...^٢

التكرار اللفظي المنفصل:

"كان الاتجاه البارز لدى العلماء في تفسير هذا النوع من التكرار ، الى جانب ما يؤديه من معنى التوكيد والتقرير ، هو أن السياق استدعى تكرر الآية المكررة ، وأنها تتعلق بغير ما تعلقت به الآية الأولى ، فهو تكرر في الظاهر فقط ، أما في الحقيقة فانه تأسيس لمعنى جديد.^٣

قال ابن قتيبة: " وأما تكرر ﴿ فَبِأَيِّ آيَةٍ رَبِّكُمْ تَكْذِبَانِ ﴾ فانه عدّد في هذه السورة نعماءه ، وذكر آلائه ، ونبههم على قدرته ولطفه بخلقه ، ثم أتبع ذكر كل خلة وصفها بهذه الآية ، وجعلها فاصلة بين كل نعمتين ليفهمهم النعم ويقررهم بها ... ومثل ذلك تكرر ﴿ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ ﴾ في سورة اقتربت الساعة ، أي هل من معتبر ومتعظ؟^٤ قال الخطيب الاسكافي " واذا كان قوله:

﴿ وَيُلْ يُؤْمِسِدُ لِلْمُكذِبِينَ ﴾ ردف كلام يدل على ما يجب تصديقه وترك التكذيب به ، وكانت المعاني مختلفة ، سلم من التكرار"^٥

وقال النسفي حول قول الله تعالى:

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ • وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ •﴾^٦

١. لباب التأويل في معنى التنزيل ؛ س: الكافرون
٢. المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز ؛ س: الكافرون
٣. حكمة التكرار ، غانم قدوري ، ص ٥
٤. تأويل مشكل القرآن ، ابن قتيبة ، ص ٢٣٩
٥. درة التنزيل وغرة التأويل ، الخطيب الاسكافي ، دار الكتب العلمية ، ط ١ ، ١٩٩٥ م ، ص ٥١٣
٦. القرآن ؛ س: الشعراء ؛ الآية: ٨-٩

”وقد قرر في هذه السورة في أول كل قصة وآخرها ما كرر تقريراً لمعانيها في الصدور، ليكون أبلغ في الوعظ والزجر، ولأن كل قصة منها كتنزيل برأسه، وفيها من الاعتبار مثل ما في غيرها، فكانت جديرة بأن تفتح بما افتتحت به صاحبها، وأن تختتم بما اختتمت به“^١

وقال القاضي البيضاوي وهو يفسر قوله تعالى:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ﴾^٢

”كرر ذلك في كل قصة إشعاراً بأن تكذيب كل رسول مقتض لنزول العذاب، واستماع للادكار الاتعاض، واستثناءً للتنبية والاتعاض لئلا يغلبهم السهو والغفلة، وهكذا تكرير قوله: ﴿فَبِأَيِّ آيَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ و ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ونحوهما“^٣

وأما الزمخشري فيطيل وفتته الجمالية المستقصية عند التكرار في القرآن ويقرر المعاني النفسية الكامنة وراء التكرير في القرآن فيقول:

”فان قلت ما فائدة تكرير قوله :

﴿فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذِرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ﴾^٤

قلت : فائدته أن يحددوا عند استماع كل نبأ من أنباء الأولين اذكاراً واتعاضاً وأن يستأنفوا تنبهاً واستيقاظاً اذا سمعوا الحث على ذلك والبعث عليه وأن يقرع لهم العصا مرات ويقعق لهم الشن تارات لئلا يغلبهم اللهو ولا تستولى عليهم الغفلة وهكذا حكم التكرير كقوله ﴿فَبِأَيِّ آيَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ [الرحمن: ١٣] عند كل نعمة عدها في سورة الرحمن، وقوله ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ [المرسلات: ١٥] عند كل آية أوردتها في سورة المرسلات وكذلك تكرير الأنباء والقصص في أنفسها لتكون تلك العبرة حاضرة للقلوب مصورة للأذهان مذكورة غير منسية في كل أوان.“^٥

ويقول الزمخشري عن التكرير في القرآن أيضاً: ”وكذلك مذهب كل تكرير جاء في القرآن فمطلوب به تمكين المكرر في النفوس وتقريره.“^٦ والزمخشري يكشف عن المعنى النفسي

١. مدارك التنزيل وحقائق التأويل ، س: الشعراء؛ الآية: ١٩١

٢. القرآن ؛ س: القمر؛ الآية: ١٧

٣. انوار التنزيل وأسرار التأويل ، س: القمر؛ الآية: ٤٠

٤. القرآن ؛ س: القمر؛ الآية: ٣٩-٤٠

٥. الكشاف س: القمر؛ الآية: ٤٠

٦. المرجع نفسه ؛ س: البقرة؛ الآية: ١؛ ص: ٦

لأسلوب التكرير في الآيات:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ٥ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ١﴾

فيقول: "اعادة النداء عليهم استدعاء منهم لتحديد الاستبصار عند كل خطاب وارد وتطرية الانصات لكل حكم نازل وتحريك منهم لثلا يفتروا ويغفلوا عن تأملهم وما أخذوا به عند حضور مجلس رسول الله ﷺ من الأدب الذي المحافظة عليه تعود عليهم بعضهم الحدودى في دينهم." ٢

ويسفر عن الغاية النفسية في تكرير القصص ؛ ففي سورة الشعراء تصدر كل قصة بتكذيب كل أمة من الأمم رسولها المبعوث اليها ثم تختتم بأن الله عزيز رحيم. فمثلاً قوله تعالى:

﴿كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ...﴾ ٣

وتنتهي بالآية :

﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ٤﴾

ويقول الزمخشري عن تكرار في أول كل قصة وآخرها ما كرر:

"كل قصة منها كتنزيل برأسه وفيها من الاعتبار مثل ما في غيرها فكانت كل واحدة منها تدلى بحق في أن تفتح بما افتتحت به صاحبها وأن تختتم بما اختتمت به ولأن في التكرير تقريراً للمعاني في الأنفس وتثبيتاً لها في الصدور ألا ترى أنه لا طريق الى تحفظ العلوم الا ترديد ما يراد تحفظه منها وكما زاد ترديده كان أمكن له في القلب وأرسخ في الفهم وأثبت للذكر وأبعد من النسيان ولأن هذه القصص طرقت بها آذان وقر عن الانصات للحق وقلوب غلف عن تدبره فكوثر بالوعظ والتذكير وروجعت بالترديد والتكرير لعل ذلك يفتح أذناً أو يفتق ذهناً أو يصقل عقلاً طال عهده بالصقل أو يجلو فهماً قد غطى عليه تراكم الصدا." ٥

فجماع غاية التكرير عنده : تمكين المعاني في النفوس ، وبسطها بالايضاح والتفسير لتوقظ الغافل أو تثير الفكر الراكد.

- ١ . القرآن ؛ س:الحجرات ؛ الآية: ١-٢
- ٢ . الكشاف ؛ س:الحجرات ؛ الآية: ٢
- ٣ . القرآن ؛ س:الشعراء ؛ الآية: ١٧٦
- ٤ . القرآن ؛ س:الشعراء ؛ الآية: ١٩١
- ٥ . الكشاف ؛ س:الشعراء ؛ الآية: ١٩١

التكرار المعنوي:

وهو ذكر القصة الواحدة أو الموضوع الواحد في أماكن متعددة بألفاظ مختلفة، فكأن القصة أو الموضوع يعاد ذكرهما المرة بعد الأخرى، فيكون في الظاهر نوعاً من التكرار، وكان علماء السلف قد تعرضوا له بالتفسير والتعليل ضمن معالجتهم لظاهرة التكرار في القرآن الكريم.

إن المقصود من التكرار في المعنى دون اللفظ، هو عادة ما يرد في القصص، كما هو الحال في قصص الأنبياء، كقصة آدم، وقصة نوح، وقصة لوط عليهم السلام، أو العذاب والنعيم في الآخرة، أو أحياء الموتى يوم القيامة، وبعض الظواهر الكونية كخلق السماوات والأرض.. فمع أن هذه القصص والظواهر المذكورة تتكرر في السور القرآنية، إلا أنها تجيء في كل مرة بصيغة مختلفة، وبمفردات مختلفة، ومن ثم فهي تعرض لأهداف مختلفة. فالألفاظ المستعملة في سياق هذه القصص تختلف من موضع لآخر، أما المعاني والعبر فتكرر من حين لآخر.^١

وفي هذا النوع من التكرار فوائد جمّة، يقول ابن قتيبة مبيّناً أحداها: "وأما تكرار الأنبياء والقصص فإن الله تبارك وتعالى أنزل القرآن نجوماً في ثلاث وعشرين سنة... وكانت وفود العرب ترد على رسول الله ﷺ للإسلام، فيقرئهم المسلمون شيئاً من القرآن، فيكون ذلك كافياً لهم. وكان يبعث إلى القبائل المتفرقة بالسور المختلفة، فلو لم تكن الأنبياء والقصص مثناة ومكررة لوقعت قصة موسى إلى قوم، وقصة عيسى إلى قوم، وقصة نوح إلى قوم، وقصة لوط إلى قوم، فأراد الله بلطفه ورحمته أن يُشهر هذه القصص في أطراف الأرض، ويُلقِيها في كل سمع، ويثبتها في كل قلب، ويزيد الحاضرين في الأفهام والتحذير"^٢

ويقول ابن فارس "فأما تكرار الأنبياء والقصص في كتاب الله - جل ثناءه - فقد قيلت فيه وجوه. وأصح ما يقال فيه: إن الله - جل ثناءه - جعل هذا القرآن وعجز القوم عن الاتيان بمثله آية لصحة نبوة محمد ﷺ ثم بين وأوضح الأمر في عجزهم بأن كرّر ذكر قصة في مواضع، اعلماً أنهم عاجزون عن الاتيان بمثله، بأي نظم جاء، وبأي عبارة عبّر عنه، فهذا أولى ما قيل في هذا الباب"^٣

وتحدث كل من الزركشي في كتابه البرهان، والسيوطي في كتابه الاتقان عن تكرار قصص الأنبياء والنعيم والعذاب، في القرآن وقد ذكر الزركشي فوائد عدة لذلك، وأعاد السيوطي ذكر معظمها وذكر أنه أخذها من كتاب البدر بن جماعة سماه المقتنص في فوائد تكرار القصص.

١. ظاهرة التكرار في القرآن الكريم، لؤي غازي الطيبي، www.al-i3jaz.com/MathMiracle_sd003.html

٢. تأويل مشكل القرآن، ص ٢٣٢-٢٣٤

٣. الصحابي في فقه اللغة ص ٣٤٣

التحليل الجمالي للنظم

(١) قال الله تعالى:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾^١

والزمخشري يحلل جمالياً المعاني النفسية الكامنة وراء نظم هذا الكلام بأن هذه الآية بنظمها الذي رتب عليه من إيقاع الغاضين أصواتهم اسماً لـ (إِنَّ) المؤكدة. وتصيير خبرها جملة من مبتدأ وخبر معرفتين معاً والمبتدأ اسم الإشارة واستئناف الجملة المستودعة ما هو جزاؤهم على عملهم إيراد الجزاء نكرة مبهماً أمره ناظرة في الدلالة على غاية الاعتداد والارتضاء لما فعل الذين وقرروا رسول الله ﷺ من خفض أصواتهم وفي الإعلام بمبلغ عزة رسول الله ﷺ وقدر شرف منزلته وفيها تعريض بعظيم ما ارتكب الرافعون أصواتهم واستيجابهم ضد ما استوجب هؤلاء.^٢

كما يقول الآلوسي: "وجملة [لَهُمْ] الخ مستأنفة لبيان جزاء الغاضين احكاماً لحالهم كما أخبر عنهم بجملة مؤلفة من معرفتين، والمبتدأ اسم الإشارة المتضمن لما جعل عنواناً لهم، والخبر الموصول بصلة دلت على بلوغهم أقصى الكمال مبالغة في الاعتداد بغضهم والارتضاء له وتعريضاً بشناعة الرفع والجهر وان حال المرتكب لهما على خلاف ذلك"^٣ ويشير ابن عاشور الى ناحية أخرى هي أن افتتاح الكلام بحرف التأكيد للاهتمام بمضمونه من الشاء عليهم وجزاء عملهم، وتفيد الجملة تعليل النهيين بذكر الجزاء عن ضد المنهي عنهما وأكد هذا الاهتمام باسم الإشارة في قوله: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى﴾ مع ما في اسم الإشارة من التنبيه على أن المشار اليهم جديرون بالخبر المذكور بعده لأجل ما ذكر من الوصف قبل اسم الإشارة.^٤

ويتابع الزمخشري قوله في الآي بعد ما سبق:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُتَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾^٥

١. القرآن ؛ س: الحجرات ؛ الآية: ٣
٢. القرآن ؛ س: الحجرات ؛ الآية: ٣
٣. روح المعاني ؛ س: الحجرات ؛ الآية: ٣؛ ص ٢
٤. التحرير والتنوير ؛ س: الحجرات ؛ الآية: ٣
٥. القرآن ؛ س: الحجرات ؛ الآية: ٤

والزمخشري يستعيننا أن نتذوق معه حلاوة الآي فيكر مرة أخرى عليها منذ أول السورة مستجلباً
جديداً في جمالها كاشفاً عن حبيء من أسرار حسننها في النكات التالية:
ورود الآية على النمط الذي وردت عليه فيه ما لا يخفى على الناظر من بينات اكبار محل رسول
الله ﷺ واجلاله، منها:

- مجيئها على النظم المسجل على الصائحين بالسفه والجهل لما أقدموا عليه.
- لفظ الحجرات وابقاعها كناية عن موضع خلوته. ومقبيله مع بعض نسائه.
- المرور على لفظها بالاختصار على القدر الذي تبين به ما استنكر عليهم.
- التعريف باللام دون الاضافة.

— أن شفع ذمهم باستحفائهم واستر كاك عقولهم وقلة ضبطهم لمواضع التمييز
في المخاطبات، تهويناً للخطب على رسول الله ﷺ تسلية له واماطة لما تداخله من ايحاش
تعرفهم وسوء أدبهم. وهلم جراً من أول السورة الى آخر هذه الآية.
ابتدئ بايحاب أن تكون الأمور التي تنتمي الى الله ورسوله متقدمة على الأمور كلها من غير
حصر ولا تقييد ثم أردف ذلك النهي عما هو من جنس التقديم من رفع الصوت والجهر كأن
الأول بساط للثاني ووطاء لذكره ثم ذكر ما هو ثناء على الذين تحاموا ذلك فغضوا أصواتهم
دلالة على عظيم موقعه عند الله ثم جيء على عقب ذلك بما هو أتم وهجته أتم من الصباح
يرسول الله ﷺ في حال خلوته ببعض حرماته من وراء الجدر كما يصاح بأهون الناس قدراً لينبه
على فظاعة ما أجروا اليه وجسروا عليه لأن من رفع الله قدره عن أن يجهر له بالقول حتى خاطبه
جلة المهاجرين والأنصار بأخي السرار كان صنيع هؤلاء من المنكر الذي بلغ من التفاحش مبلغاً
ومن هذا وأمثاله يقتطف ثمر الألباب وتقتبس محاسن الآداب.^١

يقول الآلوسي: "وفي ذكر [الحجرات] كناية عن خلوته عليه الصلاة والسلام بنسائه لأنها معدة
لها، ولم يقل: حجرات نسائك ولا حجراتك توقيراً له ﷺ وتحاشياً عما يوحشه عليه الصلاة
والسلام"^٢

يقول طنطاوي: "والمتدبر في هذه الآية الكريمة يراها قد رسمت للمؤمنين أسمى ألوان الأدب
في مخاطبتهم لرسول الله ﷺ وفي الزامهم بالأقوال أو يفعلوا فعلاً يتعلق بشأن من شئون
دينهم الا بعد معرفتهم بأن هذا القول أو الفعل يستند الى حكم شرعي، شرعه الله تعالى ورسوله
ﷺ. كما أنه يراها قد مدحت الذين يغضون أصواتهم عند رسول الله ﷺ وذمت الذين لا

١. الكشاف ٤ س: الحجرات ٤ الآية: ٤

٢. روح المعاني ٤ س: الحجرات ٤ الآية: ٤ ص ١

يلتزمون هذا الأدب عند مخاطباته أو ندائه.^١

(ب) والآية:

﴿ أَلَمْ يَأْتِ الْكِتَابَ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝ ﴾^٢

بعد اذ يورد الزمخشري وجوهاً في اعرابها يقول نائياً بنا عن رياضة النحو سالكاً بنا وادي الجمال الأسلوبى للقرآن ناظماً معانيها في سلك معنوي واحد:

”والذي هو أرسخ عرفاً في البلاغة أن يضرب عن هذا المحال صفحاً وأن يقال ان قوله الم جملة برأسها أو طائفة من حروف المعجم مستقلة بنفسها . وذلك الكتاب جملة ثانية ولا ريب فيه ثلاثة وهدى للمتقين رابعة وقد أصيب بترتيبها مفصل البلاغة وموجب حسن النظم حيث جيء بها متناسقة هكذا من غير حرف نسق وذلك لمحيئها متآخية آخذاً بعضها بعنق بعض فالثانية متحدة بالأولى معتنقة لها وهلم جراً الى الثالثة والرابعة بيان ذلك أنه نبه أولاً على أنه اللام المتحدى به ثم أشير اليه بأنه الكتاب المنعوت بغاية الكمال فكان تقريراً لجهة التحدي وشداً من أعضاده ثم نفى عنه أن يتشبه به طرف من الريب فكان شهادة وتسجيلاً بكماله لأنه لا كمال أكمل مما للحق واليقين ولا نقص أنقص مما للباطل والشبهة وقيل لبعض العلماء فيم لذتك فقال : في حجة تتبختر اتضاحاً وفي شبهة تتضاءل اقتضاحاً ثم أخبر عنه بأنه هدى للمتقين فقرر بذلك كونه يقيناً لا يحوم الشك حوله وحقاً لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه ثم لم تخل كل واحدة من الأربع بعد أن رتبت هذا الترتيب الأنيق ونظمت هذا النظم السري من نكتة ذات جزالة ففي الأولى الحذف والرمز الى الغرض بالطف وجه وأرشفه وفي الثانية ما في التعريف من الفخامة وفي الثالثة ما في تقديم الريب على الظرف وفي الرابعة الحذف ووضع المصدر الذي هو هدى موضع الوصف الذي هو هاد وابراده منكراً والايجاز في ذكر المتقين زادنا الله اطلاعاً على أسرار كلامه وتبيناً لنكت تنزيله وتوفيقاً للعمل بما فيه.“^٣

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ؛ س:الحجرات ؛ الآية:٤؛ ص ٥

٢. القرآن ؛ س:البقرة ؛ الآية:١-٢

٣. الكشاف ؛ س:البقرة ؛ الآية:١-٢

(ج) وقوله تعالى:

﴿وَأذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۖ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ۖ يَا أَبَتِ إِنَّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۖ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ۖ يَا أَبَتِ إِنَّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۖ قَالَ أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنْ إِلَهِي يَا إِبْرَاهِيمُ...﴾^١

يقول الزمخشري وهو يحلل جمالياً نظم الآيات متوقفاً عند تعبيراتها وكاشفاً عن مضامينها البلاغية:

”... انظر حين أراد أن ينصح أباه ويعظه فيما كان متورطاً فيه من الخطأ العظيم والارتكاب الشنيع الذي عصا فيه أمر العقلاء وانسخ عن قضية التمييز ومن الغباوة التي ليس بعدها غباوة كيف رتب الكلمات معه في أحسن اتساق وساقه أرشق مساق مع استعمال المجاملة واللفظ والرفق واللين والأدب الحميل والخلق الحسن منتصحاً في ذلك بنصيحة ربه عز وعلا... وذلك أنه طلب منه أولاً العلة في خطئه طلب منبه على تماديه موقظ لافراطه وتناهيه لأنه المعبود لو كان حياً مميّزاً سميعاً بصيراً مقتدرراً على الثواب والعقاب نافعاً ضاراً إلا أنه بعض الخلق لاستخف عقل من أهله للعبادة ووصفه بالربوبية ولسجل عليه بالغي المبين والظلم العظيم وان كان أشرف الخلق وأعلاهم منزلة كالملائكة والنبیین . قال الله تعالى:

﴿وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾^٢

وذلك أن العبادة هي غاية التعظيم فلا تحق الا لمن له غاية الانعام وهو الخالق الرازق المحيي المميت المثيب المعاقب الذي منه أصول النعم وفروعها فاذا وجهت الى غيره وتعالى علواً كبيراً أن تكون هذه الصفة لغيره لم يكن الا ظلاماً وعتواً وغياً وكفراً وجحوداً وخروجاً عن الصحيح النير الى الفاسد المظلم فما ظنك بمن وجه عبادته الى جماد ليس به حس ولا شعور فلا يسمع يا عابده ذكرك له وثناؤك عليه ولا يرى هيآت خضوعك وخشوعك له فضلاً أن يغني عنك بأن

١. القرآن؛ س: مريم؛ الآية: ٤١-٤٥

٢. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ٨٠

تستدفعه بلاء فيدفعه أو تسنح لك حاجة فيكفيكها. ثم ثنى بدعوته الى الحق مترفقاً به متلطفاً فلم يسم أباه بالجهل المفرط ولا نفسه بالعلم الفائق ولكنه قال: ان معي طائفة من العلم وشيئاً منه ليس معك وذلك علم الدلالة على الطريق السوي فلا تستكف وهب أني واياك في مسير وعندى معرفة بالهداية دونك فاتبعني أنجك من أن تضل وتتيه. ثم ثلث بتثبيطه ونهيه عما كان عليه بأن الشيطان الذي استعصى على ربك الرحمن الذي جميع ما عندك من النعم من عنده وهو عدوك الذي لا يريد بك الا كل هلاك وحزى ونكال وعدو أهلك آدم وأبناء جنسك كلهم هو الذي ورطك في هذه الضلالة وأمرك بها وزينها لك فأنت ان حققت النظر عابد الشيطان الا أن ابراهيم عليه السلام لامعانه في الاخلاص ولارتقاء همته في الربانية لم يذكر من جنايتي الشيطان الا التي تختص منهما برب العزة من عصيانه واستكباره ولم يلتفت الى ذكر معاداته لآدم وذريته كأنه النظر في عظم ما ارتكب من ذلك غمر فكره وأطبق على ذهنه. ثم رُبّع بتخويفه سوء العاقبة وبما يحجره ما هو فيه من التبعة والوبال ولم يخل ذلك من حسن الأدب حيث لم يصرح بأن العقاب لاهق له وأن العذاب وجعل ولاية الشيطان ودخوله في جملة أشياعه وأوليائه أكبر من العذاب وذلك أن رضوان الله أكبر من الثواب نفسه وسماه الله تعالى المشهود له بالفوز العظيم حيث قال:

﴿رَضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾^١

فكذلك ولاية الشيطان التي هي معارضة رضوان الله أكبر من العذاب نفسه وأعظم وصدر كل نصيحة من النصائح الأربع بقوله يا أبت توَسَّلْ اليه واستعظافاً... لما أطلعه على سماجة صورة أمره وهدم مذهبه بالحجج القاطعة وناصحة المناصحة العجيبة مع تلك الملاطفات أقبل عليه الشيخ بفضاظة الكفر وغلظة العناد فناده باسمه ولم يقابل يا أبت بيا بني وقدم الخبر على المبتدأ في قوله:

﴿أَرَاغِبُ أَنْتَ عَنِ إِلَهِي يَا إِبْرَاهِيمُ﴾^٢

لأنه كان أهم عنده وهو عنده أعني وفيه ضرب من التعجب والانكار لرغبته عن إلهته وأن إلهته ما ينبغي أن يرغب عنها أحد.^٣

١. القرآن ؛ س:التوبة ؛ الآية:٧٢

٢. القرآن ؛ س:مريم ؛ الآية:٤٦

٣. الكشاف ؛ س:مريم ؛ الآية:٤٦

وواضح من هذا مدى ما يتمتع به الزمخشري من نفس بلاغي طويل ينم عن اقتدار. ثم هو يستعين ثقافته في تحليله الجمالي للآي . يستعين ثقافته المنطقية في الكشف عن وجوه الحسن في الآية:

﴿ أَلَمْ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ
بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ﴾^١

يقول الزمخشري في نظم الكلام:

”هذا أسلوب صحيح محكم: أثبت أولاً أن تنزيهه من رب العالمين، وأن ذلك ما لا ريب فيه، ثم أضرب عن ذلك الى قوله: [أم يقولون افتراه] لأن ((أم)) هي المنقطعة الكائنة بمعنى: بل، والهمزة انكاراً لقولهم وتعجباً منه لظهور أمره في عجز بلغائهم عن مثل ثلاث آيات منه، ثم أضرب عن الانكار الى اثبات أنه الحق من ربك. ونظيره أن يعلل العالم في المسألة بعلة صحيحة جامعة، قد احترز فيها أنواع الاحتراز. كقول المتكلمين: النظر أول الأفعال الواجبة على الاطلاق التي لا يعري عن وجوبها مكلف، ثم يعترض عليه فيها ببعض ما وقع احترازه منه، فيرده بتلخيص أنه احترز من ذلك، ثم يعود الى تقرير كلامه وتمشيطه.“^٢

ويقول ابن عاشور كلام قريبه منه: ”وقد جاءت هذه الآيات على أسلوب بديع الاحكام اذ يثبت أن الكتاب تنزيل من رب جميع الكائنات ، وأنه يحق أن لا يرتاب فيه مرتاب، ثم انتقل الى الانكار والتعجب من الذين جزموا بأن الجائي به مفتر على الله ، ثم رد عليهم باثبات أنه الحق الكامل من رب الذي نسبوا اليه افتراءه فلو كان افتراه لقدرة الله على اظهار أمره ... ثم جاء بما هو أنكى للمكذبين وأبلغ في تسفيه أحلامهم وأوغل في النداء على اهمالهم النظر في دقائق المعاني ، فبين ما فيه تذكرة لهم ببعض المصالح التي جاء لأجلها هذا الكتاب ...“^٣ ويستعين الزمخشري ثقافته العلمية في الكشف عن مزية نظم الآية :

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَاتٍ وَيَقْبِضْنَ ﴾^٤

- ١ . القرآن ؛ س:الم السجدة ؛ الآية:١-٣
- ٢ . الكشاف ؛ س:الم السجدة ؛ الآية:١-٣
- ٣ . التحرير والتنوير ؛ س:السجدة ؛ الآية:٣ ؛ ص ١-٢
- ٤ . القرآن ؛ س:الملك ؛ الآية:١٩

فيقول: "فان قلت : لم قيل ويقبضن ولم يقل وقابضات ؟ قلت : لأن الأصل في الطيران هو صف الأجنحة؛ لأن الطيران في الهواء كالسباحة في الماء، والأصل في السباحة مد الأطراف وبسطها. أما القبض فطارئ على البسط للاستظهار به على التحرك، فجيء بما هو طار غير أصل بلفظ الفعل، على معنى أنهم صافات، ويكون منهن القبض تارة بعد تارة كما يكون من السابح."^١ ويقول البقاعي في نفس الآية:

"ولما كان الجو كله مباحاً للطيران نزع الجار فقال: [فوقهم] وبين حال الطير في الفوقية بقوله واصفاً لها بالتأنيث اشارة الى ضعفها في أنفسها لو لا تقويته لها [صافات] أي باسقاط أجنحتها تمدها غاية المد بحيث تصير مستوية لا اعوجاج فيها مع أنه اذا كان جماعة منها كانت صفوفاً أو صفواً واحداً في غاية الانتظام تابعة لإمام منها.

ولما عبر عن الصف بالاسم لأنه الأصل الثابت، عبر عن التحريك بالفعل لأن الطيران في ساحة الهواء كالسباحة في باحة الماء، والأصل في السباحة مد الأطراف وبسطها، والقبض طارئ على البسط فقال: [يقبضن] أي يوقعن قبض الأجنحة وبسطاً وقتاً بعد وقت للاستراحة والاستظهار به على السبح في الهواء."^٢

١. الكشاف ٤ س: الملك؛ الآية: ١٩

٢. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: الملك؛ الآية: ١٩؛ ص ٣

الباب الخامس

أسلوب التصوير لتقديم المعنى في القرآن

الفصل الأول: الوصف — بناء التصوير

الفصل الثاني: الصورة الكلامية

الفصل الثالث: الوصف التصويري

الفصل الرابع: الأساليب التصويرية

الفصل الخامس: من الأداة التصويرية في القرآن — ضرب الأمثال

الفصل السادس: أسلوب التصوير في القرآن

الفصل السابع: الصورة القرآنية بين الحقيقة والمجاز

الفصل الثامن: الصور القرآنية والصور البيانية

قد قدّم الأستاذ سيد قطب نظرية تقديم المعاني بطريقة التصوير اللغوي في تفسيره (في ظلال القرآن) وكتايبه (التصوير الفني في القرآن) و(مشاهد القيامة)، وقال: "التصوير هو الأداة المفضلة في أسلوب القرآن."^١

ونجد بذور هذه النظرية وبعض الاشارات الى هذا الأسلوب الأدبي عند العلماء مثل الزمخشري وكذلك نجد بعض العلماء الجدد مثل طنطاوي جوهرى ، وصلاح قنسوة ، وابن عاشور ، وطباطبائي من مؤيدي هذه النظرية ، ولنتناول هذا الموضوع بالتفصيل في هذا الباب.

تصوير المعنى:

وجدت من أجود التعريفات لهذا المصطلح عند الدكتور فهد الرومي يقول: "ويراد بها اظهار المعاني بكلمات تكاد أن تجعلها بصورة المحسوس حتى تهتم بلمسها بيدك وحتى تلج غلي ذهنك مترابطة متكاملة ، لا تكلف ذهنك مشقة تركيبها ، ولا تثقفه بمهمة تجميعها ، فتفسره قسراً على الفهم والادراك ، بل تفجؤه بانطباعها فيه بمجرد توجهه اليها."^٢

وتصوير المعاني يضم في داخله عدة من أضرب الأدبية مثل الوصف و ضرب الأمثال والصور الكلامية كالتشبيه والتمثيل وغيرها كثير. وسوف نناقشها محملة فيما يأتي:

١. التصوير الفني في القرآن ، ص ٣٢

٢. خصائص القرآن الكريم ، الدكتور فهد الرومي

الفصل الأول

الوصف

للو وصف علاقة بالتصوير فسنظراً النظر فيه اجمالاً. وننظر الى المراد بكلمة الوصف لغة واصطلاحاً.

الوصف لغة :

في لسان العرب وردت كلمة الوصف بمعان كالاتي:
 "وصف الشيء له وعليه وصفاً وصفةً: حاله، والهاء عوض من الواو، وقيل: الوصف المصدر والصفة الحلية،... الوصف وصفك الشيء بحليته ونعته. وقوله عز وجل: وربنا الرحمن المستعان على ما تصفون؛ أراد ما تصفونه من الكذب."^١

ويشرح الامام الراغب الوصف بأنه:

"ذكر الشيء بحليته ونعته، والصفة: الحالة التي عليها الشيء من حليته ونعته، كالزينة التي هي قدر الشيء، والوصف قد يكون حقاً وباطلاً. قال تعالى: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ﴾^٢ تنبيهاً على كون ما يذكرونه كذباً، وقوله عز وجل: ﴿رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾^٣ تنبيه على أن أكثر صفاته ليس على حسب ما يعتقده كثير من الناس لم يتصور عنه تمثيل وتشبيه، وأنه يتعالى عما يقول الكفار، ولهذا قال عز وجل: ﴿وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى﴾^٤."

وعند ابن رشيق للوصف دلالة أخرى، حيث يقول: "وأصل الوصف الكشف والظهار. يقال: وصف الثوب الجسم اذا نم عليه ولم يستره."^٥

١. لسان العرب، باب الواو: مادة و ص ف، ص ٦٢٥.

٢. القرآن؛ س: النحل؛ الآية: ١١٦

٣. القرآن؛ س: النحل؛ الآية: ٦٠

٤. القرآن؛ س: الصافات؛ الآية: ١٨٠

٥. المفردات في غريب القرآن، كتاب الواو، الصفحة (وذو-وعى)

٦. العمدة في محاسن الشعر وآدابه، لابن رشيق القيرواني، باب الوصف، ص ٢١١

الوصف اصطلاحاً:

الوصف اصطلاح أدبي فسره الأدباء من القدماء والمحدثين بتعبيراتهم . فيذكر قدامة بن جعفر أن "الوصف إنما هو ذكر الشيء بما فيه من الأحوال والهيئات..."^١

ثم يقول: "وأحسن الوصف ما نعت به الشيء حتى يكاد يمثله عياناً للسامع... أو كما قال بعض المتأخرين: أبلغ الوصف ما قلب السمع بصرًا."^٢

وفي رأي ابن رشيق: "والناس يتفاضلون في الأوصاف كما يفاضلون في سائر الأصناف ، فمنهم من يجيد وصف شيء ولا يجيد وصف آخر ، ومنهم من يجيد الأوصاف كلها وان غلبت عليه الاجادة في بعضها"^٣

وقد قال كذلك: "كل يصف الشيء بمقدار ما في نفسه من ضعف أو قوة ، وعجز أو قدرة ، وصفة الانسان ما رأي يكون لا شك أصوب من صفته ما لم ير."^٤

وعند الدكتور عبد الغفور "الوصف المعجز هو ما جاء في كلام العلي القدير العليم الخبير جل جلاله."^٥

وقال الباقلاني:

"رب وصف يصور لك الموصوف كما هو على جهته لا خلف فيه ، ورب وصف يربو عليه ويتعداه ، ورب وصف يقصر عنه .

ثم اذا صدق الوصف انقسم الى صحة واتقان ، وحسن واحسان ، والى اجمال وشرح ، والى استيفاء وتقريب ، والى غير ذلك من الوجوه وكل مذهب وطريق ، وله باب وسبيل."^٦

وعن استعمال اصطلاح الوصف في القرآن يقول الدكتور عبد الغفور: "وجاء الوصف في القرآن الكريم بالحق مخبراً عن حقائق الموصوفات ﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾^٧ مقيماً لها أمام من له عين تبصر بالغا ما أراد الله تعالى من هداية بما سلك من سبيل وما اختار من مذهب وما آثر من

١. نقد الشعر ، قدامة بن جعفر ، باب النعوت ، فصل: نعت الوصف ، ص ٢٠

على عنوان <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=406&page=1>

٢. المرجع السابق

٣. نفس المرجع

٤. نفس المرجع ، ص ١٩٢

٥. بحوث في علوم القرآن ، حاشية ص ١١

٦. اعجاز القرآن للباقلاني ٧٨

٧. القرآن ؛ س: فاطر ؛ الآية: ١٤

اجمال أو شرح ومن استيفاء أو تقريب ، وكله بصدق وصحة واتقان وحسن واحسان واعجاز.^١

قال الشيخ طنطاوي : "قد طرق القرآن أبواباً في الوصف لم يطرقها العرب الا قليلاً فلن يتسنى لنا أن نقارن بينهما في معنى واحد الا قليلاً ان في أقوالهم لخشونة وضيقاً وفيه لطافة وسعة"^٢ وللوصف في القرآن الكريم أمثلة كثيرة منها قوله تعالى في وصف البقرة :

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوعًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلِّمَةٌ لَا سَيِّئَةٌ فِيهَا قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۝﴾^٣

يقول الشيخ طنطاوي جوهرى في سبب الأمر بذبح البقرة:

"روى المفسرون أنه كان في بني اسرائيل رجل غني ، وله ابن عم فقير لا وارث له سواه ، فلما طال عليه موته قتله ليرثه ، فحمله الى قرية أخرى فالفاه فيها ، ثم أصبح يطلب ثأره وجاء بناس الى نبيهم موسى - عليه السلام - يدعى عليهم القتل ، فسألهم موسى - عليهم السلام - فوجدوا فسألواه أن يدعو الله ليبيّن لهم بدعائه القاتل الحقيقي ، فدعا موسى ربه فأوحى الله تعالى اليه أن يطلب منهم أن يذبحوا بقرة..."^٤

ويقول عن سبب كثرة سؤالهم ومحيء الوصف نجماً نجماً: "... وما أرشدهم اليه نبيهم عليه السلام كان كافياً لحملهم على أن يذبحوا أي بقرة تنفيذاً لأمر ربهم ، لكن طبيعتهم الملتوية المعقدة لم تفارقهم ، فأخذوا يسألون كم أخبر القرآن عنهم ..."^٥

فجاء الوصف أول الأمر عن سننها فقط: "قال لهم موسى بعد أن أخبره الله بصفتها : انه تعالى

١. بحوث في علوم القرآن ، ص ١١

٢. مذكرات في أدبيات اللغة العربية ، طنطاوي جوهرى ، مكتبة الشعب القاهرة ، ١٩٩٩ م ، ص: ٣٦

٣. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآيات: ٦٧-٧١

٤. تفسير الوسيط في القرآن الكريم ، س: البقرة الآية: ٦٧ ، ص ١

٥. المرجع نفسه ، ص ٢

يقول : ان البقر التي أمركم بذبحها لا مسنة ولا صغيرة ، بل نصف بينها ، فاتركوا اللاحاح في الأسئلة ، وسارعوا الى امتثال ما أمرتم به ...^١ ولم يقل القرآن الكريم من أول الأمر : انها بقرة عوان بل جاء بالوصفين السابقين (لَا فَارِضٌ وَلَا بَكْرٌ) "للتعريض بغباوتهم ، والتلميح بعدم فهمهم للأساليب الموجزة ، لذا لجأ في جوابهم الى تنكير التوصيف حتى لا يعودوا الى تكرار الأسئلة."^٢

فمرة ثانية كان سؤالهم عن اللون : "قال بنو اسرائيل لنبيهم ، مشددين على أنفسهم بعد أن عرفوا صفة البقرة من جهة سنها"^٣ كأنهم قالوا: سل لنا ربك يبين لنا ما لونها ، لكي يسهل علينا الحصول عليها ، فأجابهم بقوله: انه تعالى يقول ان البقرة التي أمرتكم بذبحها صفراء فاقع لونها ، تعجب في هيئتها ومنظرها وحسن شكلها الناظرين اليها .

وكان السؤال الثالث عن الأوصاف الأخرى ، فقد أخذوا يسألون للمرة الثالثة "عما هم في غنى عنه"^٤ فقالوا: سل من أجلنا ربك أن يزيدنا ايضاحاً لحال البقرة التي أمرنا بذبحها . حيث ان البقر الموصوف بالوصفين السابقين كثير ، فاشتبه علينا أيها نذبح ، وانا ان شاء الله بعد هذا البيان منك لمهتدون اليها ، ومنقذون لما تكلفنا به فأجابهم موسى : انه سبحانه يقول : انها بقرة سائمة ليست مذلة بالعمل في الحراثة ولا في السقي ، وهي بعد ذلك سليمة من كل عيب ، ليس فيها لون يخالف لونها الذي هو الصفرة الفاقعة ، "فلما وجدوا أن جميع مشخصاتها ومميزاتها قد اكتملت ﴿ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ﴾ الواضح ، ولم يبق اشكال في أمرها ، وبحثوا عنها ، وحصلوها ﴿ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴾ لكثرة أسئلتهم وترددهم."^٥

وكان سؤالهم الكثير سبباً للحاجتهم وسوء اختيارهم ، وبعد أفهامهم عن مقاصدهم الشريعة ، ضيقوا على أنفسهم دائرة الاختيار ، فأصبحوا مكلفين بالبحث عن بقرة موصوفة بأنها متوسطة السن ، لونها أصفر فاقع ، تبهج الناظرين اليها ، وهي ، بعد ذلك ، سائمة نفسية غير مذلة ولا مدربة على حرث الأرض أو سقي الزرع ، سليمة من العيوب ، ليس فيها لون يخالف لونها الذي هو في الصفرة الفاقعة.^٦

ويعلق طنطاوي عن أسلوب الوصف: "وقد ساق القرآن الكريم هذه القصة بأسلوبه البديع الذي

١. المرجع نفسه

٢. المرجع نفسه

٣. المرجع نفسه

٤. المرجع نفسه

٥. المرجع نفسه

٦. المرجع نفسه

يأخذ بمجامع القلوب ، ويحرك النفوس الى النظر والاعتبار^١ ويعلق على الجمال الأدبي في هذا التعبير: "وأخيراً نجىء الى جمال الأداء وتناسقه مع السياق..."^٢

ويقول ابن قيم عن الفوائد التشريعي في هذا البيان الوصفي:
 "جمع في هذه الآية جميع الأحوال التي يضبط بها وصف الحيوان فان الحيوان عند البيع والاجارة وسائر وجوه التمليكات يحتاج فيه الى معرفة سنه ولونه وعمله ، ثم يفنقر فيه الى معرفة عيوبه ، فنفي الله سبحانه وتعالى عن تلك البقرة كل عيب ، بقوله ﴿لَا شَيْئَ فِيهَا﴾ ، فجمع في هذه الآية جميع وجوه الوصف ، فانه في الأول وصف سنها ، وفي الثاني وصف لونها ، في الثالث وصف خلقها وعملها"^٣

ونستنتج من هذا البيان الوصفي بأنه: "هذا الوصف الجامع في هذه الآيات له أثره في الفقه الاسلامي فقد "استدل بذلك على حصر الحيوان بالوصف وجواز السلم فيه — وهو مذهب مالك والشافعي والأوزاعي والليث ، وهو قول ابن عمر من الصحابة وأحد قولين عن عمر"^٤ هذا من جملة الوصف. ومن تفاصيل الوصف كان أيضاً الانتفاع "فاستدل بقوله ﴿لَا فَاَرْضَ وَلَا بَكْرًا﴾ وبقوله ﴿مُسْلِمَةً﴾ على جواز الاجتهاد واستعمال غالب الظن في الأحكام ، لأن ذلك لا يعلم إلا من الاجتهاد."^٥

وأخيراً أختتم هذا الفصل بأن الوصف في القرآن الكريم ذو تبيين ، كما أنه ذو احاطة وثمرات علمية ؛ وذو سمو مناقض لأحوال الدنيويين ، أخذ بيد المتقين الى جنة ذات أنهار لهم فيها من كل الثمرات ومغفرة من ربهم ، وذو ربوة على تصورات العرب كما لغته وما في لغتهم من معنى الضياء والنور مع ما أوراه من اشراقات في وصف سيدنا محمد ﷺ بالسراج المنير ، وباختصار: "الوصف في القرآن يحقق الغرض الديني ويحقق المتعة ويحقق الاعجاز. وعلاقة هذا الموضوع بالتفسير هي علاقة الجزء بالكل."^٦

-
١. المرجع نفسه
 ٢. في ظلال القرآن ، سورة البقرة الآية ٦٧ وما تليها ، ص ١٨
 ٣. الفوائد - المشوق الى علوم القرآن وعلم البيان ، ابن القيم الحوزية ، دار نشر الكتب الاسلامية غوجرانواله باكستان ، ط ١ ، ١٣٩٤ هـ ، ص ١٨٩
 ٤. بحوث في علوم القرآن الكريم ، ص ١٤
 ٥. المرجع نفسه
 ٦. المرجع نفسه ، ص ٢١-٢٢

الفصل الثاني

الصورة الكلامية

قال سيد قطب: "ان التصوير هو قاعدة التعبير في هذا الكتاب الجميل — القاعدة الأساسية المتبعة في جميع الأغراض — فيما عدا غرض التشريع بطبيعة الحال." ^١ فنبحث في موضوع التصوير أو الصورة لأنه "قد استعمل الباحثون اصطلاح الصورة والتصوير بعضهم مقام بعض، فالمراد بهما سواء." ^٢

المعنى اللغوي لكلمة (صورة):

جاء في تاج العروس :

"الصورة، بالضم: الشكل، والهيئة، والحقيقة، والصفة، ج: صُورٌ... وقد صَوَّرَه صورة حسنة، تصوَّر: تشكَّل. وتُسْتَعْمَل الصورة بمعنى النوع والصفة... وقال المصنّف في البصائر: الصورة ما ينتقش به الانسان، ويتميّز بها عن غيره، وذلك ضربان: ضرب محسوس يدركها الانسان وكثير من الحيوانات، كصورة الانسان والفرس والحمار. والثاني: معقول يدركه الخاصة دون العامة، كالصورة التي اختص الانسان بها من العقل والروضة والمعاني التي مُيّز بها" ^٣

وفي لسان العرب "الصورة ترد في كلام العرب على ظاهرها وعلى معنى حقيقة الشيء وهيئته وعلى معنى صفته." ^٤

وفي معجم لاروس: "الصورة: الشكل والتمثال المحسّم... كل ما يُصوَّر" ^٥ و"التصوير: رسم الأشكال" ^٦

و"تصوَّر تصوراً: تمثل صورته. تصوَّر له الشيء: تمثّلت صورته في ذهنه." ^٧

١. التصوير الفني في القرآن، ص: ٨

٢. بحوث في علوم القرآن الكريم، ص ٥٧

٣. تاج العروس، فصل الرءاء مع الصاد، مادة ص-و-ر، ص ٣٠٧٩

٤. لسان العرب، باب الصاد، مادة: صور، ص ٣٢٧٤

٥. معجم لاروس، ص ٧٥٥

٦. المرجع نفسه، ص ٣٠٣

٧. المرجع نفسه، ص ٣٠٢

ورد كلمة (صورة) في القرآن الكريم في أشكالها التصريفية كالآتي:

﴿ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ﴾^١

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ﴾^٢

﴿ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوْرَكُمْ ﴾^٣

﴿ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ • الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ •

فِي أَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ • ﴾^٤

الصورة اصطلاحاً:

يقول الدكتور شفيح السيد: "يتردد مصطلح "الصورة" Image أو Imagery كثيراً في النقد الحديث، ويكثر استخدامه بخاصة في مجال نقد الشعر." ^٥ ثم يقول: "ان أبسط دلالة لكلمة

(الصورة) وأقربها الى الأذهان هو دلالتها على التجسيم أو على الأشياء القابلة للرؤية البصرية." ^٦

ويقول الدكتور علي عشري زايد:

"البلاغيون والنقاد أخذوا مصطلح ((الصورة)) من فن الرسم فكما أن الرسام

((يعبر)) عن الفكرة أو الشيء المراد تصويره بالخطوط والألوان التي تؤثر في نفس

الرائي، وكذلك البليغ ((يعبر)) عن الفكرة أو الشعور أو المادة الموصوفة، أو

((يصورها)) بالألفاظ، فالمراد بالصورة في مصطلح هؤلاء: التعبير اللفظي أو

الصورة الكلامية التي ينقل بها البليغ الفكرة والشعور والمعنى عموماً أياً كانت

طبيعته." ^٧

ويعطينا الدكتور شفيح دلالة أخرى للصورة أو سع دائرة من الدلالة السابقة، وهذه الدلالة

مستخدمة لدى علماء النفس وعلماء الجمال، وتمثل في "أنها استحضار العقل أو التوليد

العقلي mental reproduction لما سبق ادراكه بالحواس، وليس بالضرورة أن يكون ذلك

المدرَك مرئياً visual فتدخل مدرَكات الحواس الأخرى من المسموعات والمشمومات

١. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ٦

٢. القرآن؛ س: الاعراف؛ الآية: ١١

٣. القرآن؛ س: غافر؛ الآية: ٦٤؛ القرآن؛ س: التغابن؛ الآية: ٣

٤. القرآن؛ س: الانفطار؛ الآية: ٨

٥. التعبير البياني: رؤية بلاغية نقدية، الدكتور شفيح السيد، دار الفكر العربي القاهرة، ط ٣، ١٩٨٨ م، ص ١٣٩

٦. المرجع نفسه

٧. بحوث في علوم القرآن الكريم، ص ٢٦

والمذوقات والملموسات“^١، وهذا الاستحضار أو التوليد للمدرجات الحسية (الصورة) “مجال اختلاف بين البشر تبعاً لاختلافهم في أنواع التجارب مع الأشياء الحسية التي مر بها كل منهم والتي يتألف منها رصيده النفسي الذي يستثار عند حضور المرمز الدال، وهو الكلمة أو التعبير.“^٢ ويشهد لذلك قول العالم الانجليزي ريتشاردز I.A. Richards: “أنه ينبغي لنا أن ندرك بوضوح تام أن الأفراد لا يختلفون فيما بينهم في أنماط الصور التي يستخدمونها فحسب، وإنما هم يختلفون أكثر من ذلك في طبيعة الصور الحزئية الخاصة التي يولدونها“^٣

ثم يقول الدكتور شفيق السيد: “وفي رأي بعض النقاد أن كل صورة، حتى أكثر الصورة تمحضاً للعاطفة أو العقل لا تخلو من أثر للحس فيها...“^٤

لقد عرّف (فان) van الصورة بقوله: “الصورة كلام مشحون شحناً قوياً، يتألف عادة من عناصر محسوسة، خطوط، ألوان، حركة، ظلال، تحمل في تضاعيفها فكرة أو عاطفة أي انها توحى بأكثر من المعنى الظاهر، وأكثر من انعكاس الواقع الخارجي، وتؤلف في مجموعها كلاً منسجماً“^٥

وهذا يعني أنها “مجموعة العناصر المحسوسة التي ينطوي عليها الكلام، وتوحي بأكثر مما تحمله من تضاعيف المعنى الظاهر، وانها تنحصر في جانبين: (١) الجانب الحسي المرتكز على الفكرة والعاطفة والمشاهدة. (٢) الجانب الاليحائي الذي يضيف على الشكل أكثر من تفسيره الظاهري.“^٦

وعرف (بوندي) الصورة بأنها “ما ينقل عقدة فكرية أو عاطفية في لحظة زمنية“^٧ فهي عنده “الوسيلة التي تعبر في طريقة عرضها من مركب فكري، أو احساس عاطفي مرتبطين بلحظة زمنية معينة.“^٨

١. المرجع السابق، ص ١٤١

٢. المرجع نفسه

٣. مبادئ النقد الأدبي، أ.أ. ريتشاردز، ترجمة الدكتور مصطفى بدوي، المؤسسة المصرية العامة للتأليف والترجمة، ١٩٦٣، ص ١٧٥، نقلاً عن السابق

٤. The Poetic Image, Day lewis, London, 1968, p.19

نقلاً عن: التعبير البياني رؤية بلاغية نقدية، ص ١٤١

٥. تمهيد في النقد الحديث، روز غريب، ص ١٩٢، نقلاً عن: نظرية النقد العربي، ص ١٧

٦. نظرية النقد العربي، ص ١٧

٧. فن الشعر، احسان عباس، ص ٩٠

٨. المرجع السابق

ومقياس الصورة عند الأستاذ أحمد الشايب هو قدرتها على نقل الفكرة والعاطفة بأمانة ودقة، "فالصورة هي العبارة الخارجية للحالة الداخلية، وهذا هو مقياسها الأصيل، وكذا من نصفها به من روعة وقوة انما مرجعه هذا التناسب بينها وبين ما تصور من عقل الكاتب ومزاجه تصويراً دقيقاً خالياً من الجفوة والتعقيد، فيه روح الأديب وقلبه، بحيث نقرؤه كأننا نحادثه، ونسمعه كأننا نعامله"^١

وكذلك من فوائد الصورة أنها من جانب "قوة خلاقة قادرة على نقل الفكرة، وابرار العاطفة، وهي الشكل الخارجي المعبر عن الحالة النفسية للمنشئ وعن تفاعله الداخلي"^٢

ويقول الدكتور داود سلوم: "ان امتزاج المعنى والألفاظ والخيال كلها هو الذي يسمى بالصورة الأدبية، ومن ترابطها وتلاؤمها والنظر اليها مرة واحدة عند نقد النص يقوم التقدير الأدبي السليم"^٣ فمقياس الصورة عنده يقوم على أساس "تحسيد الفكرة العامة للعلاقات الجزئية في النص الأدبي لتشكيل كلاً فنياً واحداً"^٤

وتقول روز غريب بأن الصورة في أبسط وصف لها هي "تعبير عن حالة أو حدث بأجزائهما أو مظاهرها المحسوسة. هي لوحة مؤلفة من كلمات، أو مقطوعة وصفية في الظاهر لكنها في التعبير الشعري توحى بأكثر من المظاهر، وقيمتها تركز على طاقتها الإيحائية، فهي ذات جمال تستمده من اجتماع الخطوط والألوان والحركة ونحو ذلك من عناصر حسية، وهي ذات قوة إيحائية تفوق قوة الإيقاع لأنها توحى بالفكرة كما توحى بالجو والعاطفة"^٥ ثم تضيف في تعريفها للصورة الفنية بأنها "لا تنحصر في التشابيه والاستعارات وسواها من ضروب المجاز، ولكنها كل صورة توحى بأكثر من معناها الظاهر، ولو جاءت منقولة عن الواقع"^٦

ويرى الدكتور مصطفى ناصف أن الصورة عادة تستعمل "للدلالة على كل ما له صلة بالتعبير الحسي، وتطلق أحياناً، مرادفة للاستعمال الاستعاري"^٧ فالصورة عنده "ما استدل بها على التعبير الشاخص الذي يوصلنا الى ادراك حقيقة الشيء من جهة، وعلى دلالة الكلمة الاستعارية

١. أصول النقد الأدبي، أحمد الشايب، مكتبة النهضة العربية، ١٩٩٩م، ص ٢٤٢
٢. المرجع نفسه، ص ١٩
٣. النقد الأدبي، داود سلوم، مطبعة الزهراء بغداد، ١٩٦٧م، ج ١، ص ٨١
٤. المرجع السابق
٥. تمهيد في النقد الحديث، ص ١٩٠
٦. المرجع نفسه، ص ٢٠٣
٧. الصورة الأدبية ص ٣

من جهة أخرى ، فالشق الأول من كلامه يعني بايحاء الصورة ، والثاني يعني بشكلها الخارجي في الدلالات المجازية.^١

ويقول الدكتور جابر أحمد عصفور ان التصوير "طريقة خاصة من طرق التعبير، أو وجه من أوجه الدلالة، تنحصر أهميتها فيما تحدثه في معنى من المعاني من خصوصية وتأثير . ولكن أياً كانت هذه الخصوصية أو ذلك التأثير ، فان الصورة لن تغير من طبيعة المعنى في ذاته. انها لا تغير الا من طريقة عرضه ، وكيفية تقديمه"^٢ فالصورة عنده "عرض أسلوبى يحافظ على سلامة النص من التشويه ، ويقدم المعنى بتعبير رتيب ، وهي بعد طريقة لاستحداث خصوصية التأثير في ذهن المتلقي بمختلف وجوه الدلالة التي يستقيها من النص في منهج تقديمه ، وكيفية تلقيه ، وما يحدث ذلك عنده من متعة ذهنية ، أو تصور تخيلي نتيجة لهذا الغرض السليم."^٣

ويقول محمد حسين على الصغير (استاذ الدراسات القرآنية في جامعة الكوفة) ان الصورة "عبارة عن العلاقة القائمة بين اللفظ والمعنى في نص أدبي، والحصيلة عن اقترانها فهي غيرهما منفصلين، وهي امتداد لهما مجتمعين، فليست هي اللفظ بمفرده شكلاً فارغاً رناناً، ولا المعنى بذاته مضموناً ذهنياً مجرداً، ولكنها الخصائص المشتركة بينهما"^٤، أو هي — بايجاز — "مجموعة العلاقات اللغوية والبيانية والايحائية القائمة بين اللفظ والمعنى ، أو الشكل والمضمون."^٥ وعلى هذا فالصورة "أداة فنية لاستيعاب أبعاد الشكل والمضمون بما لها من مميزات. وما بينهما من وشائج تجعل الفصل بينهما مستحيلاً."^٦

فالصورة — اذن — وحدة لا تنقسم ، ذات طرفين: اطار ومادة.

-
١. نظرية النقد العربي : رؤية قرآنية معاصرة ، ص ٢٠
 ٢. الصورة الفنية في التراث النقدي والبلاغي ، د. جابر أحمد عصفور، دارالثقافة القاهرة، ط ١، ١٩٧٤م، ص ٣٩٢
 ٣. المرجع السابق ، ص ٢١
 ٤. المرجع نفسه ، ص ٢٤
 ٥. المرجع نفسه
 ٦. المرجع نفسه

الفصل الثالث

الوصف التصويري

رأينا في فصل السابق أنه من معاني الصورة الصفة ، "فلعلها الصفة المركبة ليس غير." ^١ وكذلك أنه "قد يقصد المتكلم بالوصف تكوين صورة ، لا مجرد تعديد أوصاف." ^٢

ويقول الباقلائي عن افادة الوصف التصويري: "لكل شيء طريق يتوصل اليه به ، وباب يؤخذ نحوه فيه ووجه يؤتى منه ، ومعرفة الكلام أشد من المعرفة بجميع ما وصفت لك . وأغمض وأدق وألطف ، وتصوير ما في النفس ، وتشكيل ما في القلب ، حتى تعلمه وكأنك مشاهده : وان كان قد يقع بالاشارة ، ويحصل بالدلالة والامارة ، كما يحصل بالنطق الصريح ، والقول الفصيح." ^٣ ويستمر أن يقول : "فللاشارات أيضاً مراتب ، وللسان منازل ، ورب وصف يصور لك الموصوف كما هو على جبهته لا خلف فيه ، ورب وصف يربو عليه ويتعداه ، ورب وصف يقصر عنه." ^٤ ثم يأتي بالأمثلة القرآنية من وصف الجملة الواقعة كقوله تعالى :

﴿لَوْ أَطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُغْبًا﴾ ^٥

والتفسير كقوله تعالى:

﴿وَيَوْمَ نَسِيرَ الْجِبَالِ تَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشْرْنَاهُمْ فَلَمَّ نُغَادِرُ مِنْهُمْ أُحْدَا﴾ ^٦

وفي القرآن كثير من الآيات في هذا المعنى ، كمنحو قوله تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوُنَّهَا
تُدْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمَلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى
النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ﴾ ^٧

هذا مما يصور الشيء على جهته ويمثل أهوال ذلك اليوم.

ومن الأوصاف المصورة في القرآن الكريم قوله تعالى:

- ١ . بحوث في علوم القرآن ، ص ٥٨
- ٢ . المرجع نفسه ، ص ٥٩
- ٣ . اعجاز القران للباقلاني ، ص ٧٨
- ٤ . المرجع نفسه
- ٥ . القرآن ؛ س:الكهف ؛ الآية: ١٨
- ٦ . القرآن ؛ س:الكهف ؛ الآية: ٤٧
- ٧ . القرآن ؛ س:الحج ؛ الآية: ١-٢

﴿ مَثَلُ الْحِنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴾^١

فلنظراً للنظر الى بعض أهم معانيه. قال النضربن شميل وغيره " (مثل) معناه : صفة "^٢ ومعنى قوله في اللبن: ﴿لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ﴾: "نفي لجميع وجوه الفساد في اللبن"^٣ وقوله: ﴿لَذَّةٌ لِلشَّارِبِينَ﴾: "جمعت طيب الطعم وزوال الآفات من الصداغ وغيره، وتصفية العسل مذهبة لمومه وضرره."^٤ وعند الزمخشري ﴿مَثَلُ الْحِنَّةِ﴾ "صفة الحنة العجيبة الشأن"^٥ وقوله ﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ﴾ بأنه كلام "في صورة الاثبات ومعنى النفي والانكار، لانطوائه تحت حكم كلام مصدر بحرف الانكار، ودخوله في حيزه تعريته من حرف الانكار فيها زيادة تصوير لمكابرة من يسوي بين المتمسك بالبينة والتابع لهواه، وأنه بمنزلة من يثبت التسوية بين الجنة التي تجري فيها تلك الأنهار وبين النار التي يسقي أهلها الحميم."^٦

ويقول الدكتور عبدالغفور: "فقد ذكرت لها أوصاف متعاطفة، فما أن استتمت حتى صارت (مثلاً) أو (صورة) فهذه الأوصاف المتعاطفة صارت صورة، اما بقصد المتكلم — القصد المباشر — واما نتيجة جعلها مثلاً (صفة عجيبة)، (مركبة)، لا صفة عادية غير تصويرية. هذا ما أراه الآن في هذا المثال من كون الوصف (المثل) صار صورة."^٧

ومنها الأوصاف الواردة على وجه التحديد من غير عطف كما في قوله تعالى:

﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ
الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ﴾^٨

يقول الزمخشري عن قوله ﴿التَّائِبُونَ﴾ "ويجوز أن يكون مبتدأ وخبره العابدون، وما بعده خبر

١. القرآن ٤ س: محمد ٤ الآية: ١٥

٢. الجواهر الحسان في تفسير القرآن، الثعالبي س: محمد ٤ الآية: ١٥

على الموقع www.alwaraq.com/Tafasir.asp

٣. المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، ابن عطية، س: محمد الآية: ١٥

٤. المرجع السابق

٥. الكشاف، سورة محمد الآية ١٥

٦. المرجع نفسه

٧. بحوث في علوم القرآن الكريم، ص ٥٩

٨. القرآن ٤ س: التوبة ٤ الآية: ١١٢

بعد خبر ، أي التائبون من الكفر على الحقيقة هم الجامعون لهذه الخصال.^١ ويقول الطبرسي
 ”تم وصف الله سبحانه المؤمنين الذين اشترى الله منهم الأنفس والأموال بأوصاف فقال
 ﴿التَّائِبُونَ﴾“^٢ ”والجمع ينتج صورة.“^٣

وورد في الحمل: ”ولم يأت بعاطف بين هذه الأوصاف لمناسبتها لبعضها“^٤ والأشياء بالتضام
 المتناسب تصير شيئاً واحداً سوى الصورة. كما جاء في مجمع البيان عن قوله ﴿الْأَمْرُونَ
 بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾: ”أدخل الواو هنا لأن الأمر بالمعروف يتضمن النهي عن
 المنكر فكأنهما شيء واحد ولأنه قرن النهي عن المنكر بالأمر بالمعروف في أكثر المواضع
 فأدخل الواو ليدل على المقارنة ﴿وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ﴾ أي والقائمون بطاعة الله. عن ابن
 عباس يعني الذين يؤدون فرائض الله وأوامره ويحتنبون نواهيه لأن حدود الله وأوامره ونواهيه
 وانما دخل الواو لأنه جاء وهو أقرب الى المعطوف.“^٥

وعطف النهي عن المنكر على الأمر بالمعروف ”لتلايدان بأنهما فريضة واحدة لتلازمهما في
 الغالب، أو لما بينهما من تباين اذ الأمر بالمعروف طلب فعل ، والنهي عن المنكر طلب ترك أو
 كف.“^٦ وكذلك جاء قوله ﴿وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ﴾ بحرف العطف ومما قالوه في تعليل
 ذلك أن سر العطف هنا ”التنبيه على أن ما قبله مفصل للفضائل وهذا مجمل لها ، لأنه شامل لما
 قبله وغيره ، ومثله يؤتى به معطوفاً ، نحو زيد وعمرو وسائر قبيلتهما كرماء ، فلمغايرته لما قبله
 بالاجمال والتفصيل والعموم والخصوص عطف عليه.“^٧

ويقول البيضاوي ”والعاطف فيه للدلالة على أنه بما عطف عليه في حكم خصلة واحدة كأنه
 قال: الجامعون بين الوصفين“^٨ ومما يبين شيئاً من تسوية هذه الصورة قول الحمل: ”ولم يأت
 بعاطف بين هذه الأوصاف لمناسبتها لبعضها الا في صفتي الأمر والنهي لتباين ما بينهما ، فان
 الأمر طلب فعل والنهي طلب ترك – أو كف – وكذا الحافظون عطفه وذكر متعلقه . وأتى

١. الكشاف ، سورة التوبة ، الآية ١١٢
٢. مجمع البيان في تفسير القرآن ، سورة التوبة ، الآية ١١٢
٣. بحوث في علوم القرآن ، ص ٦١
٤. حاشية الحمل على تفسير الجلالين ، سورة التوبة ، الآية ١١٢ ،
 على الموقع www.alwaraq.com/Tafasir.asp
٥. مجمع البيان في تفسير البيان ، سورة التوبة ، الآية ١١٢
٦. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: التوبة ؛ الآية: ١١٢
٧. المرجع نفسه
٨. انوار التنزيل وأسرار التأويل ، س: التوبة ؛ الآية: ١١٢

بترتيب هذه الصفات في الذكر على أحسن نظم ، وهو ظاهر بالتأمل ، فإنه قدم التوبة أولاً ثم ثنى بالعبادة الى آخرها^١

ويزيد في هذا الأستاذ الدكتور عبدالغفور: "أما الأوصاف المتعاطفة فقد لا يقصد بها أن تتضام وتصير شيئاً واحداً (صورة) ، بل لا يكون كل وصف منظوراً اليه استقلالاً لحكمة، تتلشى لو اعتبرناها صورة - ومعلوم أن العطف يقتضي المغايرة، فهي أوصاف غير متداخلة، غير مترابطة، وان تناسبت"^٢

وكذلك المثال في الوصف التصويري قوله تعالى:

﴿الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾^٣

ويعلق عليه الدكتور عبد الغفور: "وهذا بناء على أن الموصوف بهذه الصفات واحد." ^٤ وقد نقل الحمل "أن دخول الواو في مثل هذا للتفخيم ، لأنه يؤذن بأن كل صفة مستقلة يمدح الموصوف بها"^٥ أو كما قال الزمخشري ان "الواو متوسطة بين الصفات للدلالة على كمالهم في كل واحد منها"^٦ ويزيد النسفي على هذا كلمات "وللاشعار بأن كل صفة مستقلة بالمدح."^٧ ويقول أبوحيان: "وهذه الأوصاف الخمسة هي لموصوف واحد وهم : المؤمنون ، وعظفت بالواو ولم تتبع دون عطف لتباين كل صفة من صفة ، اذ ليست في معنى واحد ، فينزل تغاير الصفات وتباينها منزلة تغاير الذوات فعظفت."^٨

وأخيراً يفرق الدكتور عبدالغفور بين المتعاطفة وغير المتعاطفة: "ففرق واضح بين هذه المتعاطفة التي تستقل كل صفة منها فلا تؤلف مع غيرها صورة ، وبين ... غير المتعاطفة من تلاصق وتكون صورة سوية."^٩

١. حاشية الحمل على تفسير الجلالين ، س: التوبة ؛ الآية: ١١٢
٢. بحوث في علوم القرآن الكريم ص ٦٢
٣. القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١٧
٤. المرجع السابق
٥. حاشية الحمل على تفسير الجلالين
٦. الكشاف ، تفسير سورة آل عمران ، الآية: ١٧
٧. مدارك التنزيل وحقائق التأويل ، سورة آل عمران ، الآية: ١٧
٨. البحر المحيط ، سورة آل عمران ، الآية: ١٧
٩. بحوث في علوم القرآن الكريم ، ص ٦٢

الفصل الرابع

الأساليب التصويرية

يذكر الدكتور سعد الدين الصالح من الأساليب التصويرية في القرآن الستة^١ التالية مع أمثلة مشروحة:

١. التعبير عن المعنى الذهني بالصورة الحسية.
 ٢. التعبير عن الحالة النفسية بالصورة المحسوسة.
 ٣. خلع الحياة على المواد الجامدة والظواهر الطبيعية وهو ما يسمى بالتشخيص، وقد سماه علماء البلاغة القدامى مجازاً أو استعارة.
 ٤. رسم الصورة المجسدة بالكلمات.
 ٥. التعبير بالتصوير الموسيقي.
 ٦. التصوير والتعبير بالقصة.
- وكذلك عدّ الشيخ البهي الخولي^٢ الأساليب التصويرية التي أوردتها بأمثلة وشرح في كتابه القيم (تذكرة الدعاة)، وهي في ترتيبه^٣:

١. القصص
 ٢. ضرب الأمثال
 ٣. الالتفات الى — أو الوقوف على — الآثار
 ٤. النظر الى صور المعنويات وآثارها المحسوسة وأوصافها
 ٥. مقابلة الحقائق المغيبة — كالسمعيات — بأحوال دنيانا العلمية
 ٦. النظر في آيات الله في الآفاق ونعمه السابغة على الناس
١. **القصص**: فيبدأ الخولي ذكر القصة بأنها تمتاز القصة بأنها تصور نواحي الحياة، فتعرض لك الأشخاص، وحركاتهم وأخلاقهم، وأفكارهم، واتجاهات نفوسهم، وبيئتهم الطبيعية والزمنية... وتمتاز القصة كذلك بأن النفس تميل اليها، فغريزة حب الاستطلاع، تعلق عين السامع وأذنه وانتباهه بالنسق القصصي البارع، استشرافاً لمعرفة ما خفي من بقية الأنباء.^٣ فتعد الخولي القصة من خير الوسائل التي يتوسل بها الداعية لا بلاغ تعاليمه الى أعماق القلوب.

١. المعجزة والاعجاز في القرآن، د. سعد الدين الصالح، دار المعارف القاهرة، ط ٢، ١٩٩٣م ص ١٢٥-١٣١
 ٢. انظر: تذكرة الدعاة، البهي الخولي، مكتبة الفلاح، الكويت، سنة ١٣٩٩هـ، ص ٤٤ وما بعدها
 ٣. المرجع نفسه، ص ٤٤-٤٥

٢. ضرب الأمثال: انما هو تشبيه حالة ما بأقرب الأمثال شبيهاً بها وأكثرها مماثلة لها، وهو تشبيه يحدث في النفس حركة التفات بارعة، يلتفت بها المرء من الكلام الجديد الى صورة المثل المأنوس، فيلمح ما بينها من التشابه أو التطابق، فلا يلبث أن يتلقى الأمر الجديد بمزيد من القبول والارتياح. ويجري ذلك كله في أقل من لمح البصر.^١

٣. الالتفات الى - أو الوقوف على - الآثار: ومن خصائص العقلية العلمية، ذات النظر الواقعي، أن تقف على الآثار والأطلال والذكريات، والمخلفات، لا وقوف الجامد الغافل، المغلق، بل وقوف الحي، المنتبه ذي الوجدان المتحرك اليقظ، فيناجي الآثار، ويستخبرها ما فعل الليل والنهار، ويكلف خياله أن ينصب سرادق هذه الحياة الماضية، وأن يقيم معالمها، وينفخ الحياة في أصحابها.^٢

٤. النظر الى صور المعنويات وآثارها المحسوسة وأوصافها: هذا مظهر رابع للخصائص العقلية العملية، التي تخاطب الناس بلغة الواقع، وحين أراد الله عز وجل أن يتحدث عن صفات فاضلة، تخلق بها قوم فاستحقوا رضاه، لم يذكر أصلها وفصلها، كما تذكر كتب الأخلاق، بل سن لنا ذلك السنن الواضح، الذي يفهمه كافة الناس. لأنه يظهرها لهم في صورة عملية واقعية^٣

فقال تبارك وتعالى:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ
الْحَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ
يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا
أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ
مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ
وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ۝﴾ ...

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا
ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝
أُولَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ۝﴾^٤

١. المرجع نفسه، ص ٦٧-٦٨

٢. المرجع نفسه، ص ١١١

٣. المرجع نفسه، ص ١٢١

٤. القرآن؛ س: الفرقان؛ الآيات: ٦٣-٦٧ و ٧٢-٧٥

٥. **مقابلة الحقائق المغيبة — كالسمعيات — بأحوال دنيانا العلمية :** قد وصف الله لنا أحوال الحنة والنار، ووصف الحساب والميزان، ووصف عرض الناس عليه، وما يكون من حسرة يومئذ وندامة ووصف زلزلة الساعة، وما لها من هول شديد، وتحدث عن ملائكة الرحمة، وملائكة العذاب، ووصف العرش والكرسي، وذكر اللوح والقلم، وذكر غير ذلك من حقائق لا شك في وجودها، ولا شك في أننا لا نستطيع أن نبصرها أو نحسها، لأننا لم نجهز بالمدارك التي تدرك هذه الحقائق العليا.^١

٦. **النظر في آيات الله في الآفاق ونعمه السابغة على الناس :** وقد ذكر هنا ما ذكر من آيات خلق السماوات والأرض، وذكر من القرآن من أمثلة تفصيل خلق الأرض، مما يساعد على النظر والتصور والاعتبار، مثل قوله تعالى:

﴿ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ .. ﴾^٢

وقوله تعالى:

﴿ وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ .. ﴾^٣

ومن أمثلة تفصيل خلق السماوات .. قوله تعالى:

﴿ اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا .. ﴾^٤

وأشار الى ما في صدر سورة النحل الى قوله تعالى:

﴿ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا .. ﴾^٥

وذكر منهاج النظر الى النفس:

﴿ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ .. ﴾^٦

والنظر الى غير النفس:

﴿ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ .. ﴾^٧

وذكر أن النظر الى الكيف لا الى الكم:

١. تذكرة الدعاة، ص ١٣٢ وما بعدها

٢. القرآن؛ س: الرعد؛ الآية: ٣

٣. القرآن؛ س: الرعد؛ الآية: ٤

٤. القرآن؛ س: الرعد؛ الآية: ٢

٥. القرآن؛ س: النحل؛ الآيات: ١٨

٦. القرآن؛ س: الطارق؛ الآيات: ٥

٧. القرآن؛ س: عبس؛ الآيات: ٢٤

﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا...﴾^١

الى آخر ما ذكر من آيات كريمة.^٢

وقد ذكر الدكتور عبدالغفور أسلوباً خاصاً — أخذاً من كتب علوم القرآن نحو (الاتقان في علوم القرآن) للسيوطي — قائلاً: "وأقدم أسلوباً من الأساليب التصويرية، توجه الفكر اليه... وهذا هو: أسلوب الأبهة والامتنان."^٣

أسلوب الأبهة والامتنان :

ومعناه: "الأبهة: العظمة والكبر... والبهاء."^٤ وقال السيوطي: "والأبهة مثل ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا...﴾^٥، ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا...﴾^٦، وعبر بالصيغة الموضوعية للجماعة للواحد تعالى تفخيماً وتعظيماً وأبهة."^٧

وفائدة هذا الأسلوب أنه "أسلوب يجعل الانسان يستشعر أنه في حضرة ملك الملوك، يسمع ويرى، فيخشع ويرغب ويهرب، فيطيع ويسجد ويقرب، ولا يعصي ولا يتكبر ولا يلتفت."^٨ وفي كثير من مواقع القرآنية وسياقاته اللفظية بمعانيها "تجد البهجة وأسبابها مما أسبغه الله على الانسان من نعمه ظاهرة وباطنة، وتدرك البهاء الرباني، وتزداد يقيناً بأن العظمة والكبرياء له تعالى وحده في السماوات والأرض وهو العزيز الحكيم."^٩

وبما سواه لنا من صورة، نعلم أنه وجه من وجوه علو كعب القرآن على سائر الكتب، ومن وجوه اعجازه. كما نشعر حين قراءة قوله تعالى:

﴿أُولَئِكَ يَرَى الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ • وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ
رَوَاسِيَ أُنْتِجِدَ بِهِنَّ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ • وَجَعَلْنَا

١. القرآن؛ س:ق؛ الآية:٦
٢. تذكرة الدعاة، ص ١٤٠ وما بعدها
٣. بحوث في علوم القرآن، ص ٥١
٤. لسان العرب، حرف (أ) مادة (أبه) ص ١٦
٥. القرآن؛ س:نوح؛ الآية:١
٦. القرآن؛ س:الزحرف؛ الآية:٣٢
٧. الاتقان في علوم القرآن، النوع ٥١، ص ٢٦٩
٨. المرجع نفسه
٩. بحوث في علوم القرآن، ص ٥١

السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِنَا مُعْرِضُونَ • وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ
وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ • وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ
قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ • كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ
وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ • ﴿١﴾

ويلاحظ الدكتور عبدالغفور شعوره بعد قراءة هذه القطعة القرآنية بأنه ملك عظيم ذو صفات
مجيدة يتكلم بضمير العظمة ، قد أوجد أماننا وحولنا مملكة السماوات والأرض ذوات الحفظ
والليل والنهار والشمس والقمر والآيات والحياة والرواسي والفجاج دعوة إلى الإيمان بقوة
وبرهان وتذكير بنعمة منع الميد الأرضي واناخه سبل الاهتداء والسير النافع وتذكير بالموت
والرجوع إلى الخالق جل وعلا بعد عيش البلاء بالشر والخير.. "هل تصورت هذه الصورة
ووجدت بها الفلك والشمس والقمر والسبح والسقف المحفوظ والأرض والجبال ، وابتهجت
بنعمة الحياة والاستقرار وتسهيل الفجاج ، وازددت يقيناً بأن من فعل هذا — ولا يقدر غيره — هو
وحده صاحب الحق في استعمال ضمير العظمة وأسلوب الأبهة ، وفي الارتداء برداء الكبرياء ؟!
نعم." ٢

وقول الله تبارك وتعالى:

﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ
فُرُوجٍ • وَالْأَرْضِ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ
بَهِيجٍ • تَبْصِرَةٌ وَذِكْرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ • وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا
فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَبَابًا وَحَبَّ الْحَصِيدِ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ • رِزْقًا
لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ • ﴿٣﴾

وغير ذلك كثير من الأمثلة القرآنية لهذا الأسلوب . وأخيراً يقول الدكتور: "وبالنظر فيما سميناه
(أسلوب الأبهة والامتنان) — مع بعض المعلومات — وجدناه أسلوباً — أو خطاباً بصورة له هو —
أو وجدناه صورة خطاب تعد فضيلة من فضائل القرآن ، وشعبة من شعب الإعجاز" ٣

قال أبو الحسن العامري بأنه خطاب جاء على هيئة تدل على أنه خطاب خارج عن ملك مقتدر
لخوله وعبده ، فيما يجب أن يلقيه اليهم من عزائم أمره ونهيه ، ووعظه وزجره ، ووعده ووعيده .
"وليست الحال في سائر الكتب الأخر كذلك ، بل الخطاب منه (أي من السائر) خارج على هيئة

١ . القرآن ٤ س: الانبياء ٤ الآية: ٣٠-٣٥

٢ . المرجع السابق ، ص ٥٢

٣ . القرآن ٤ س: ق: ٦-١١

٤ . بحوث في علوم القرآن الكريم ، ص ٥٣

مضاهية لكلام رجل حكيم ، أنبا عن حكمته بألفاظه وعبارته ، ونسب بعض تلك المخاطبات الي ربه^١

كما وجدناه أسلوباً يفيد صورة تخييلية تنتج في النفس أثراً بليغاً كما أشرنا ، وكما تفصله — بقدر المستطاع — الكلمة الآتية لابن القيم: "تأمل خطاب القرآن تجد ملكاً له الملك كله وله الحمد كله ، أزمة الأمور كلها بيده ومصدرها منه وموردها اليه ، مستوياً على العرش لا تخفى عليه خافية من أقطار مملكته ، عالماً بما في نفوس عبيده مطلعاً على أسرارهم وعلانيتهم ، منفرداً بتدبير المملكة ، يسمع ويرى ويعطي ويمنع ويثيب ويعاقب."^٢ وعلى الأثر قال مبيناً أثر هذه الصورة العظيمة التي ارتسمت من أسلوب الأبهة والامتنان : "وإذا شهدت القلوب من القرآن ملكاً عظيماً جواداً رحيماً جميلاً هذا شأنه فكيف لا تحبه وتنافس في القرب منه وتنفق أنفاسها في التودد اليه ويكون أحب اليها من كل ما سواه ورضاه أثر عندها من رضا كل من سواه ، وكيف لا تلهج بذكره وتصير حبه والشوق اليه والأنس به هو غذاؤها وقوتها ودواؤها ، بحيث ان فقدت ذلك فسدت وهلكت ولم تنتفع بحياتها."^٣

"هذه هي الصورة بأجزائها وتسويتها ، وهذا هو الأسلوب الذي وردت به ، وذلك هو أثرها البليغ ، وذلك هو الامتاع والاعجاز ، فلعل (تسوية صورته) ، ولعل (صورته) ازدادت بهذه الأساليب التصويرية بياناً."^٤

كما أرشد الدكتور عبدالغفور الي أسلوب آخر هو:

أسلوب الوصف المتعدد سرداً من غير عاطف.^٥

ويشرح هذا الأسلوب ضمن بيان الوصف التصويري.^٦

وشرح سيد قطب أسلوبين آخرين في كتابه (التصوير الفني في القرآن) اضافة الى الأساليب المذكورة سابقاً وهما:

رسم النماذج الانسانية في غير القصص.^٧ و الجدل التصويري في المنطق الوجداني.^٨

١. الإعلام بمناقب الإسلام، محمد بن يوسف العامري، تحقيق د. غراب، دار الكتاب العربي، ١٩٦٧م، ص ١٣٤
٢. الاتقان في علوم القرآن ، ص ٢٦٨
٣. المرجع نفسه
٤. بحوث في علوم القرآن ، ص ٥٥
٥. المرجع نفسه ، ص ٥٧
٦. المرجع نفسه ، ص ٥٨-٦٢
٧. التصوير الفني في القرآن ، ص: ١٧٥-١٨١
٨. المرجع نفسه ، ص: ١٨٢-١٩١

وسياتي تفصيلهما في الفصول الآتية:

ان الصور بهذه الأساليب وردت في القرآن كثير وكثير:

”فالقصة، ومشاهد القيامة، والنماذج الانسانية، والمنطق الوجداني في القرآن، مضافاً إليها تصوير الحالات النفسية، وتشخيص المعاني الذهنية، وتمثيل بعض الوقائع التي عاصرت الدعوة المحمدية... تولى على التقريب أكثر من ثلاثة أرباع القرآن من ناحية الكم. وكلها تستخدم طريقة التصوير في التعبير. فلا يستثنى من هذه الطريقة الا مواضع التشريع، وبعض مواضع الجدل، وقليل من الأغراض الأخرى التي تقتضي طريقة التقرير الذهني المجرد. وهي على كل حال محصورة فيما يوازي ربع القرآن“^١

وأختم هذا الفصل بقول الدكتور عبدالغفوران ”الصور القرآنية بحر زاخر، ومن يحسن الغوص والتنقل فيه فليفعل وليستخرج من الأساليب التصويرية — وليشرح أيضاً من تسوية الصور القرآنية — المعجزة — كما يمن الله تعالى الكريم.“^٢

١. التصوير الفني في القرآن، ص ٢٠٣-٢٠٤

٢. بحوث في علوم القرآن، ص ٥١

من الأداة التصويرية في القرآن - ضرب الأمثال

أطلق مصطلح المثل على "الكلام البليغ الشائع الحسن المشتمل اما على تشبيه بلا شبيه أو استعارة رائعة تمثيلية وغيرها أو حكمة أو موعظة نافعة أو كناية بديعة أو نظم من جوامع الكلم الموجز".^١

ويقول البهي الخولي: "المثل قول واضح ، موجز ، حكيم ، ينتصب صدقة في العقول ، فيألفه الناس ويجري بينهم ، ويشيع في أحاديثهم." ^٢ ثم يقول: "فضرب المثل انما هو تشبيه حالة ما بأقرب الأمثال شبهاً بها وأكثرها مماثلة لها"^٣

نذكر هنا ضرب المثل لأنه أسلوب من الأساليب الفنية التي استعملها الخطاب القرآني لتوصيل خطابه وكشف معانيه، وإبراز مقاصده، و"هو أسلوب قرآني بارز وملحوظ في القرآن الكريم"^٤ وكذلك استعان النبي ﷺ بأسلوب ضرب المثل في قيامه بمهمة النبوة والبلاغ التي كلفه بها ربه عز وجل عن اضافة شتى أساليب الايضاح والتعليم. وضرب الأمثال في البيان النبوي لم يأت لغاية فنية بحتة كغاية الأدباء في تزيين الكلام وتحسينه، وانما جاء لهدف أسمى، وهو "إبراز المعاني في صورة مجسمة لتوضيح الغامض، وتقريب البعيد، وإظهار المعقول في صورة المحسوس، كما أن ضرب الأمثال من أساليب التربية، يحث النفوس على فعل الخير، ويحضنها على البر، ويدفعها الى الفضيلة، ويمنعها عن المعصية والاثم، وهو في نفس الوقت يربي العقل على التفكير الصحيح والقياس المنطقي السليم"^٥

ولما كان الهدف من ضرب الأمثال هو "ادراك المعاني الذهنية المجردة، وتقريبها من العقل، وتكوين صورة لهذا المعنى في المخيلة، ليكون التأثير بتلك الصورة أشد وأقوى من الأفكار

١. المثل القرآني، الشيخ صراع الذهيم، مقال نشر على الشبكة على الموقع

<http://www.qnoor.net/indextext.php?nid=68>

٢. تذكرة الدعاة، ص ٦٧

٣. المرجع نفسه

٤. في رحاب قوله تعالى ﴿أينما يوجهه لا يأت بخير﴾، مقال نشر على الشبكة على الموقع

<http://www.islamweb.net/ver2/archive/readArt.php?lang=A&id=49018>

٥. مقدمة حول الأمثال النبوية، مقال نشر على الشبكة على الموقع

<http://www.islamweb.net/ver2/archive/readArt.php?lang=A&id=10032>

المجردة ، كثر الاعتماد على هذا الأسلوب في القرآن الكريم^١ ، كما قال سبحانه وتعالى:

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾^٢

حتى ضربت فيه الأمثال ببعض الأشياء التافهة، كما في قوله تعالى :

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ
آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ
بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾^٣

والرسول عليه الصلاة والسلام كان "يمر بآيات الأمثال المضروبة للناس ، ويجد أثرها في الرد والتحدي، والترغيب والترهيب، وكان يعرف دور المثل ومكانته عند قومه..."^٤

والمثل أعون شيء على البيان لأن "الأمثال تصوّر المعاني تصوّر الأشخاص ؛ فان الأشخاص والأعيان أثبت في الأذهان ، لاستعانة الذهن فيها بالحواس : بخلاف المعاني المعقولة ؛ فانها مجردة عن الحس ولذلك دقت ؛ ولا ينتظم مقصود التشبيه والتمثيل الا بأن يكون المثل المضروب مجرباً مسلماً عند السامع."^٥

موضوع المثل في القرآن:

موضوع المثل في القرآن هو "التمثيل القياسي الذي تعرض له علماء البلاغة في علم البيان ، وهو عقد مماثلة بين أمرين أو أكثر قصد اشتراكهما في صفة أو أكثر بأداة لغرض يقصده المتكلم ، أو تمثيل حال أمر بحال أمر آخر. وهو قائم بالتشبيه والاستعارة والكناية والمجاز ، فهو اللفظ المركب المستعمل فيما شبه بمعناه الأصلي تشبيه التمثيل للمبالغة في التشبيه."^٦

وضرب الأمثال في القرآن يستفاد منه أمور كثيرة منها: "التذكير ، والوعظ ، والحث ، والزجر ، والاعتبار ، والتقرير ، وترتيب المراد للعقل ، وتصويره في صورة المحسوس بحيث يكون نسبة للفعل كنسبة المحسوس الى الحس."^٧

وكذلك "تأتي أمثال القرآن مشتملة على بيان تفاوت الأجر ، وعلى المدح والذم ، وعلى

١. المرجع نفسه

٢. القرآن ؛ س: الزمر ؛ الآية: ٢٧

٣. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦

٤. مقدمة حول الأمثال النبوية

٥. البرهان في علوم القرآن ، الزركشي ؛ الموضوع (معرفة الأمثال الكائنة فيه)

٦. المثل القرآني

٧. المرجع السابق

الثواب ، والعقاب ، وعلى تفخيم الأمر أو تحقيره ، وعلى تحقيق أمر بابطال أمر^١ والمثل يدل على "مناظرة الشيء للشيء ، فاذا قيل : هذا مثل هذا أي نظيره."^٢

الفائدة من ضرب الأمثلة في القرآن الكريم:

اقتضت حكمة الله ضرب الأمثال للناس لما في المثل "من ابراز المعنى في صورة حسية تكسبه روعة وجمالاً كما أنه يخرج اللفظ الخفي الى الحلبي ويدني البعيد من القريب ويزيد المعاني رفعة ووضوحاً ، ويكسبها جمالاً وفضلاً ويكسوها شرفاً ونبلاً."^٣

ومن أبرز هذه الفوائد — التي ذكرها الشيخ صراع الدهيم^٤ ما يلي:

١. ان حقائق ما وراء الغيب — وهي أمور معنوية — تحتاج الى تقريب للذهن ولا تقرب الا بالأمثلة التي تبرز حقيقة المعقول في صورة المحسوس ليلمسه الناس فيقبلوه فالمعاني المعقولة لا تستقر في الذهن الا اذا صيغت في صورة حسية قريبة الى الذهن . وبذا تكون الحقائق واضحة وجلية.

٢. ان الأمثال تكشف عن الحقائق وتعرض الغائب في معرض الحاضر أمام عين الناظر لينظر الغائب ، كما في قوله سبحانه:

﴿الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ﴾^٥

وهذه حقيقة آكل الربا ، وكما في قوله سبحانه :

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾^٦

كأن الحق — وهو معنى مجرد ولعظم شأنه — قذيفة ثقيلة ترمي على الباطل الهش الواهي فيريه جثة هامدة وقد استخدمت في هذا المشهد العظيم صورة الصراع الأزلي بين الحق والباطل.

٣. ضرب المثل للترغيب في الممثل به كما قال سبحانه وتعالى مرغباً في الانفاق:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِئَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾^٧

١. المرجع نفسه

٢. المثل القرآني

٣. المرجع نفسه

٤. المرجع نفسه

٥. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٧٥

٦. القرآن ؛ س: الأنبياء ؛ الآية: ١٨

٧. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦١

وكذلك قال سبحانه وتعالى مرغباً في الانفاق:

﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ
وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ
الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ
أُجْتُتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ ١﴾

٤ . يظهر المثل استقبح صفة في الممثل به كما قال سبحانه وتعالى:

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ
مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ
فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلُ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثُ... ٢﴾

وما جاء في ذم اليهود واسقباح صفاتهم أيضاً قوله تعالى:

﴿ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ٣﴾

كما شبه القرآن قلوبهم بالحجارة في سورة أخرى فقال جل ثناؤه:

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ٤﴾

٥ . ان المثل أبلغ في الوعظ وأقوى في الزجر وأقوم في الافناع وأوقع في النفس فالمثل

يستخدم عند عملية الموعظة ليكون الموعظة بليغة فيستخدم المثل ليكون الواعظ أبلغ

في الوعظ وأوقع في النفس، وفي ذلك يقول سبحانه وتعالى زاجراً:

﴿ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ
أَضَلُّ سَبِيلًا ٥﴾

ومن نفس الميدان قوله تعالى:

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقِضَتْ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ
أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونُوا أُمَّةً هِيَ أَرْبَى مِنْ أُمَّةٍ ٦﴾

١ . القرآن ؛ س: ابراهيم ؛ الآية: ٢٤-٢٦

٢ . القرآن ؛ س: الأعراف ؛ الآية: ١٧٦

٣ . القرآن ؛ س: الجمعة ؛ الآية: ٥

٤ . القرآن ؛ البقرة ؛ الآية: ٧٤

٥ . القرآن ؛ س: الفرقان ؛ الآية: ٤٤

٦ . القرآن ؛ س: النحل ؛ الآية: ٩٢

٦. وقد استعمل القرآن الكريم أسلوب المثل لتصوير الحالات النفسية والمعنوية ، ومنه قوله تعالى:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴾^١

وفي رأي السيوطي ضرب الأمثال في القرآن يستفاد منه أمور كثيرة : التذكير والوعظ والحث والزجر والاعتبار والتقرير وتقريب المراد للعقل وتصويره بصورة المحسوس فان "الأمثال تصور المعاني بصورة الأشخاص لأنها أثبت في الأذهان لاستعانة الذهن فيها بالحواس ومن ثم كان الغرض من المثل تشبيه الخفي والغائب بالمشاهد وتأتي أمثال القرآن مشتملة على بيان بتفاوت الأجر وعلى المدح والذم وعلى الثواب والعقاب وعلى تفخيم الأمر أو تحقيره وعلى تحقيق أمر أو إبطاله"^٢ قال تعالى وضرينا لكم الأمثال فامتن علينا بذلك لما تضمنته من الفوائد.

وقال الزمخشري: "التمثيل انما يصار اليه لما فيه من كشف المعنى ورفع الحجاب عن الغرض المطلوب، وادناء المتوهم من المشاهد. فان كان المتمثل له عظيماً كان المتمثل به مثله وان كان حقيراً كان المتمثل به كذلك."^٣

وقد قال كذلك: "ولضرب العرب الأمثال واستحضار العلماء المثل والنظائر — شأن ليس بالحفي في ابراز خبيات المعاني ، ورفع الأستار عن الحقائق ، حتى تريك المتخيل في صورة المحقق ، والمتوهم في معرض المتيقن ، والغائب كأنه مشاهد. وفيه تكييت للخصم الألد ، وقمع لسورة الجامح الأبي ، ولأمر ما أكثر الله في كتابه المبين وفي سائر كتبه أمثاله ، وفشت في كلام رسول الله ﷺ وكلام الأنبياء والحكماء."^٤

١. القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ١١

٢. الاتقان في علوم القرآن ، ص ٣٨٦

٣. الكشاف ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦

٤. المرجع نفسه ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١٧

تأثير المثل في النفس:

قال البهي الخولي ان ضرب المثل: "هو تشبيه يحدث في النفس حركة التفات بارعة، يلتفت بها المرء من الكلام الجديد الى صورة المثل المأنوس، فيلمح ما بينهما من التشابه أو التطابق، فلا يلبث أن يتلقى الأمر الجديد بمزيد من القبول والارتياح. ويجري ذلك كله في أقل من لمح البصر."^١

وقال ابن المقفع: "اذا جعل الكلام مثلاً كان أوضح للمنطق، وأنق للسمع وأوسع لشعوب الحديث."^٢

وقال ابراهيم النظام: يجتمع في المثل أربعة لا تجتمع في غيره من الكلام: ايجاز اللفظ، واصابة المعنى، وحسن التشبيه، وجودة الكناية."^٣

وأخيراً أريد انتباه القارئ الى أننا بحاجة الى كثير من التأمل والتدبر في المثل القرآني اذ القرآن يطلب منا الوقوف على حقيقة المثل فيه حيث يقول سبحانه وتعالى:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاستَمِعُوا لَهُ ﴾^٤

ولكن المشكلة في هذا هي التي ذكرها الشيخ صراع الدهيم وهي أننا "فقدنا القدرة على القراءة البلاغية للقرآن وبالتالي أغفلنا موضوع الأمثال في القرآن في حين أنها من أعظم المواعظ والبصائر فيا حبذا قراءة جديدة تحدث في النفس الموعظة والخشية والرهبة والرغبة لتكون ممن مدحهم القرآن بقوله: ﴿ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالَمُونَ ﴾"^٥

١. تذكرة الدعاة، ص ٦٨

٢. المرجع نفسه

٣. المرجع نفسه

٤. القرآن؛ س: الحج؛ الآية: ٧٣

٥. القرآن؛ س: العنكبوت؛ الآية: ٤٣

٦. المثل القرآني

أسلوب التصوير في القرآن

أسلوب التصوير هو لون جديد اصطلاحاً ولكنه من أقدم الأساليب الأدبية استعمالاً ، فيقول الدكتور صالح:

”هو لون جديد من ألوان البيان القرآني. اذ البيان هو ايراد المعنى الواحد بطرق مختلفة مع وضوح الدلالة عليه، وقد كشف السابقون عن اعجاز البياني من خلال تشبيه أو كناية أو استعارة أو مجاز أو غيرها من الصورة المعروفة باسم البديع والبيان كما صنع عبدالقاهر الجرجاني ومعه كل علماء البلاغة حيث وقفوا عند أسرار الخصائص البيانية لكل نص على حدة دون محاولة لابرز الخصائص الفنية العامة في العرض الكلي للآيات التي تدور حول موضوع واحد.“^١

فقد أدرك من علماء اللغة والبلاغة القدامى في القرآن الكريم وأشاروا الى هذا الأسلوب ولكن أبرز من بين علوم القرآن حالياً فيقول الدكتور صالح:

”مواضع الجمال متفرقة ، وعللوا لكل موضع منها تعليلاً منفرداً فاقنطعوا اقتطاعاً من الوحدة القرآنية الكبرى. أما ادراك الخصائص العامة للتصوير البياني في القرآن الكريم فلم يعالجوه ولم يصلوا اليه ، وهذا ما قام به المرحوم الشيخ سيد قطب في كتابه ((التصوير الفني في القرآن الكريم)) حيث بحث عن الأصول العامة للجمال الفني فيه وبين السمات المطردة التي تميز هذا الجمال عن سائر ما عرفته اللغة العربية من أدب ، أو بمعنى أوضح نظر الشيخ سيد قطب الى جانب الوحدة في العمل الفني.“^٢

ومن حيث التأثير ان القرآن الكريم هو ”أعلى منازل البيان ، وأعلى مراتبه ما جمع وجوه الحسن وأسبابه، وطرقه وأبوابه ، من تعديل النظم وسلامته ، وحسنه وبهجته ، وحسن موقعه في السمع وسهولته في اللسان ، ووقوعه في النفس موقع القبول ، وتصوره تصور المشاهد ، وتشكله على جهته ، حتى يحل محل البرهان ، ودلالة التأليف مما لا ينحصر حسناً وبهجة وسناء ورفعة ...“^٣

وقرر سيد قطب عن أسلوب التصوير في القرآن: ”ان الصور في القرآن ليست جزءاً منه يختلف عن سائره. ان التصوير هو قاعدة التعبير في هذا الكتاب الجميل — القاعدة الأساسية المتبعة في

١. المعجزة والاعجاز في القرآن الكريم ، ص ١٢٢-١٢٣

٢. المرجع نفسه ، ص ١٢٣

٣. اعجاز القرآن للباقلاني ، ص ٨٦

جميع الأغراض — فيما عدا غرض التشريع بطبيعة الحال .^١

ويقول الدكتور عبدالغفور في هذا الباب: "الصور القرآنية سوية : أي مصنونة عن الإفراط والتفريط ، مزينة ، آتية على ما تقتضيه الحكمة في باب الهداية، وعلى الغاية من فصاحة اللفظ ، وشرف المعنى ، بالغة حد الإعجاز . وهي — بتسويتها الربانية — تنطبع في النفس ، فتتأثر النفس بها تأثيراً مقصوداً . وعلى هذا فدراسة تسوية الصور القرآنية تشمل ما يكون من تحوير الألفاظ وحسن رصفها واتساق العبارات واستيفاء عناصر المعاني المطلوبة ، وما يتبع تلك الصور السوية من تمكنها من النفس وانفعال النفس بها ، كما هو الغاية من تسوية صور الكلام."^٢

ثم يأتي بشرح تسوية الصورة وهي : "جعل المتكلم اللفظ المهياً بهيئة المعنى المقصود له المطلوب نقله الى السامع لغرض — جعله — مصنوناً عن الإفراط والتفريط ، مزيناً على وجه تقتضيه الحكمة ، مع فصاحة ، وشرف معنى."^٣ ثم بناء على هذا يقول: "الصور القرآنية سوية : أي مصنونة عن الإفراط والتفريط ، مزينة ، آتية على ما تقتضيه الحكمة في باب الهداية وعلى الغاية من فصاحة اللفظ ، وشرف المعنى ، بالغة حد الإعجاز . وهي — بتسوية الربانية — تنطبع في النفس ، فتتأثر النفس بها تأثيراً مقصوداً."^٤

ومن فائدة التصوير المسوي أنه يبرز المستوي المحتاج الى ابرازه، ويفصح عن مكنون فكأنك مشاهده ويجعل المخاطب ، حين تتصل الصورة بنفسه ، أسرع الى الرغبة أو الرهبة . وتلك فضيلة الصورة السوية ، وذلك أثرها الفاضل المنشود للمتكلم .

ويتميز الدكتور عبدالغفور التصوير في القرآن من غيره من الأساليب التصويرية بأنه "عبارة (الصورة القرآنية) لا تساويها عبارة (الصور أو الألوان البيانية) من كلام البشر ، فان هذه في القرآن ، وفي الأدب هي : (المجاز والتشبيه والاستعارة والكناية) . أما تلك فكما تتكون من هذه رأيناها تنشأ من لفظة ، ... ومن نسج غير نسج البيانية..."^٥

ويقدم مثلاً للتصوير المنشئ من لفظة^٦ قوله تعالى:

﴿ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ ﴾^٧

١ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٨

٢ . بحوث في علوم القرآن الكريم ، ص ٢٨

٣ . المرجع نفسه

٤ . المرجع نفسه

٥ . المرجع نفسه ، ص ٤٠

٦ . المرجع نفسه ، ص ٣٣

٧ . القرآن ؛ س : النساء ؛ الآية : ٧٢

وللتي تنشى من نسج غير نسج بيانية^١ قوله تعالى:

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ • قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ • مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ • وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ • وَمِنْ شَرِّ النَّفَّاثِ فِي الْعُقَدِ • وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾^٢

وهنا أقتبس من كلام سيد قطب للأسلوب التصويري في القرآن الكريم:

"التصوير هو الأداة المفضلة في أسلوب القرآن. فهو يعبر بالصورة المحسنة المتخيلة عن المعنى الذهني، والحالة النفسية؛ وعن الحادث المحسوس، والمشهد المنظور؛ وعن النموذج الانساني والطبيعة البشرية. ثم يرتقي بالصورة التي يرسمها فيمنحها الحياة الشاخصة أو الحركة المتحددة. فاذا المعنى الذهني هيئة أو حركة؛ واذا الحالة النفسية لوحة أو مشهد؛ واذا النموذج الانساني شاخص حي، واذا الطبيعة البشرية مجسمة مرئية. فأما الحوادث والمشاهد، والقصص والمناظر فيردها شاخصة حاضرة؛ فيها الحياة، وفيها الحركة؛ فاذا أضاف اليها الحوار فقد استوت لها كل عناصر التخيل. فما يكاد يبدأ العرض حتى يحيل المستعين نظارة؛ وحتى ينقلهم نقلاً الى مسرح الحوادث الأول، الذي وقعت فيه أو ستقع؛ حيث تتوالى المناظر، وتتحدد الحركات؛ وينسى المستمع أن هذا كلام يتلى، ومثل يضرب؛ ويتخيل أنه منظر يعرض، وحادث يقع. فهذه شخوص تروح على المسرح وتغدو؛ وهذه سمات الانفعال يشتى الوجدانات، المنبعثة من الموقف، المتساوقة مع الحوادث؛ وهذه كلمات تتحرك بها الألسنة، فتنم عن الأحاسيس المضمرة.

انها الحياة هنا، وليست حكاية الحياة.

فاذا ما ذكرنا أن الأداة التي تصور المعنى الذهني والحالة النفسية؛ وتشخص النموذج الانساني أو الحادث المروي، انما هي ألفاظ جامدة، لا ألوان تصور، ولا شخوص تعبر، أدر كنا بعض أسرار الاعجاز في هذا اللون من تعبير القرآن. والأمثلة على هذا الذي نقول هي القرآن كله، حيثما تعرض لغرض من الأغراض التي ذكرناها؛ حيثما شاء أن يعبر عن معنى مجرد، أو حالة نفسية، أو صفة معنوية، أو نموذج انساني، أو حادثة واقعة، أو قصة ماضية، أو مشهد من مشاهد القيامة، أو حالة من حالات النعيم والعذاب؛ أو حيثما أراد أن يضرب مثلاً في جدل أو محاجة، بل حيثما أراد هذا الجدل اطلاقاً، واعتمد فيه على الواقع المحسوس،

١. المرجع السابق، ص ٣٨

٢. القرآن؛ س: الفلق؛ الآية: ١-٥

والمتمخيل المنظور.

وهذا هو الذي عنيناه حينما قلنا: ان التصوير هو الأداة المفضلة في أسلوب القرآن. فليس هو حلية أسلوب، ولا فلتة تقع حيثما اتفق. انما هو مذهب مقرر، وخطوة موحدة، وخصيصة شاملة، وطريقة معينة يفتنّ في استخدامها بطرائق شتى، وفي أوضاع مختلفة؛ ولكنها ترجع في النهاية الى هذه القاعدة الكبيرة: قاعدة التصوير. ويجب أن نتوسع في معنى التصوير، حتى ندرك آفاق التصوير الفني في القرآن. فهو تصوير باللون، وتصوير بالحركة، وتصوير بالتخيل؛ كما أنه تصوير بالنغمة تقوم مقام اللون في التمثيل. وكثيراً ما يشترك الوصف، والحوار، وجرس الكلمات، ونغم العبارات، وموسيقى السياق، في إبراز صورة من الصور، وتملاها العين والأذن، والحس والخيال، والفكر والوجدان.

وهو تصوير حيّ منتزع من عالم الأحياء، لا ألوان مجردة وخطوط جامدة. وتصوير تقاس الأبعاد فيه والمساوات، بالمشاعر والوجدانات. فالمعاني ترسم وهي تتفاعل في نفوس آدمية حية، أو في مشاهد من الطبيعة تخلع عليها الحياة.^١

وكذلك قال الأستاذ الدكتور مصطفى مسلم:

”من السمات البارزة للأسلوب القرآني هو اعتماده على الطريقة التصويرية للتعبير عن المعاني والأفكار التي يريد ايضاحها، وسواء كانت معاني ذهنية مجردة أو قصصاً غابرة، أو مشاهد ليوم القيامة وغيرها من المجالات.

ان الأسلوب القرآني يحمل تاليه الى أجواء الصور وكأنه ينظر في تفصيلات الصورة المجسمة أمامه، وكأن المشاهد يجري أمامه حياً متحركاً ولا شك أن الفكرة أو المعنى الذي يراد ايضاحه يكون أقرب الى الفهم وأوضح في الذهن مما لو نقل المعنى مجرداً من تلك الصور الحية، ويكفي لبيان هذه الميزة أن نتصور هذه المعاني كلها في صورها التجريدية ثم نقارنها بالصور التي وضعها فيها القرآن الكريم.“^٢

وفي الفصول التالية سنطبق هذا الرأي على بعض الصور القرآنية.

١. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٣٢-٣٣

٢. الأسلوب القرآني الفريد، بقلم أ. د. مصطفى مسلم، هذا المقال نشر على الموقع

الصورة القرآنية بين الحقيقة والمجاز

ان أبسط دلالة لكلمة ((الصورة)) وأقربها الى الأذهان هو دلالتها "على التحسيم أو على الأشياء القابلة للرؤية البصرية." ^١ ونجد استخدام هذه الكلمة بهذا المعنى في القرآن الكريم في قوله تعالى:

﴿الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ • فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ •﴾ ^٢

وقوله تعالى:

﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمُ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ •﴾ ^٣

قد استخدم بعض المتأخرين من رجال البلاغة العربية كلمة ((الصورة)) بهذا المفهوم مقابل كلمة ((المعنى)) ولكن الأول من استعمال كلمة ((الصورة)) أو ((التصوير)) اصطلاحاً هو شيخ البلاغيين عبد القاهر الجرجاني. ويتجاوز هذا الاستعمال العادي للكلمة ويطلقها على المحردات والمعاني المعقولة. فيقول في بيانه لأضراب الاستعارة: "((ضرب ثالث)) وهو الصميم الخالص من الاستعارة. وحدة أن يكون الشبه مأخوذاً من الصور العقلية وذلك كاستعارة النور للبيان والحجة الكاشفة عن الحق المزيلة للشك النافية للريب كما جاء في التنزيل من نحو قوله عز وجل ﴿وَاتَّبِعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ﴾ ^٤ وكاستعارة الصراط للدين في قوله تعالى ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ ^٥ و﴿إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ^٦ وبعده أن يشرح التشابه الذي تم على أساسه استعارة النور للحجة والبيان يقول: "وهذا كما تعلم شبه لست تحصل منه على جنس، ولا على طبيعة وغريزة، ولا على هيئة وصورة تدخل في الخلقة، وإنما هو صورة عقلية." ^٨

١. التعبير البياني: رؤية بلاغية نقدية، ص ١٣٩

٢. القرآن؛ س: الانفطار؛ الآية: ٧-٨

٣. القرآن؛ س: الغافر؛ الآية: ٦٤

٤. القرآن؛ س: الأعراف؛ الآية: ١٥٧

٥. القرآن؛ س: الفاتحة؛ الآية: ٥

٦. القرآن؛ س: الشورى؛ الآية: ٥٢

٧. أسرار البلاغة، عبد القاهر الجرجاني، ص ٤٩، على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=3&page=1

٨. المرجع نفسه، ص ٥٠

ويوضح استعماله لكلمة الصورة في هذا التجاوز في المعنى في مكان آخر حين يقول:
 ”واعلم أن قولنا: الصورة إنما هو تمثيل وقياس لما نعلمه بعقولنا على الذي نراه
 بأبصارنا، فلما رأينا البيئونة بين آحاد الأجناس تكون من جهة الصورة، فكان بين
 انسان من انسان، وفرس من فرس بخصوصية تكون في صورة هذا لا تكون في
 صورة ذلك. وكذلك كان الأمر في المصنوعات فكان تبيين خاتم من خاتم وسوار
 من سوار بذلك، ثم وجدنا بين المعنى في أحد البيتين وبينه في الآخر بيئونة في
 عقولنا وفرقاً عبرنا عن ذلك الفرق وتلك البيئونة بأن قلنا:
 للمعنى في صورة غير صورته في ذلك. وليس العبارة عن ذلك بالصورة شيئاً نحن
 ابتدأناه، فينكره منكر، بل هو مستعمل مشهور في كلام العلماء. ويكفيك قول
 الجاحظ: وإنما الشعر صناعة وضرب من التصوير.“^١

ولكن الصورة لا ترد فقط على صورة المجاز بل تأتي بأسلوب الحقيقة كذلك كما يقول
 الدكتور شفيع السيد: ان الصورة ”لا يقتصر ورودها على التشبيه والمجاز والكناية بل تأتي أيضاً
 بأسلوب الحقيقة“^٢

ومن أمثلة التصوير بأسلوب الحقيقة قول الله عز وجل:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ
 تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ
 وَأَفِئدَتُهُمْ هَوَاءٌ﴾^٣

فيحلل الدكتور شفيع هذا التصوير القرآني: ”فشخص أبصار الظالمين وما تلاه من أوصاف
 حقيقية في الآية الثانية تصوير حسي للهول والذهول والاستسلام الذي يسيطر على الكافرين في
 ذلك اليوم. فأبصارهم مفتوحة لا تطرف، وهم يسرعون الخطأ، ورفع الرؤوس مع فتح العيون
 تحسيد لصورة المترقب الذي ملأ الخوف قلبه فاشرب بعنقه ينتظر في خوف واستجداء، وقد
 فرغ قلبه من أي شيء يمكن أن يتعلق به أو يستمد منه أملاً أو أماناً.“^٤

ويذهب يحلله من ناحية صوتيته: ”ويمثل التشكيل الصوتي في حالتها الحقيقية والمجاز، سواء
 جرس الكلمات أم نغم التركيب بأسره أم موسيقى البيت في الشعر، عنصرأله خطره في رسم
 الصورة وابرزها وخلق عوامل التأثير لها. وقد بلغ التعبير القرآني مستوى فريداً في هذا المجال.

١. دلائل الإعجاز، ص ٣٣٠

٢. التعبير البياني رؤية بلاغية نقدية، ص ١٤١

٣. القرآن؛ س: ابراهيم؛ الآية: ٤٢-٤٣

٤. التعبير البياني، ص ١٤٢-١٤٣

فنرى فيه الصورة المعبرة الحسية بدلالاتها أو جرس أصواتها أو بهما معاً مضموماً اليهما تألف السياق كله اذا اقتضى الأمر^١

وكذلك ننظر الى أثر تشكيل الصوتي في كلمة ((يصطرخون)) من قوله تعالى:
﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ
مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَافِرٍ ۝ وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا...﴾^٢

في تقديم الصورة الحية "لما سوف يلقاه الكفار من عذاب بالنار يوم القيامة يدفعهم الى الصياح والحلبة بأصوات خشنة غليظة ، تكتظ بها حناجرهم دون أن يكون لها صدى أو استجابة من قبل الله عز وجل".^٣

وكذلك نجد جرس الأصوات في كلمة ((أناقلتم)) من قوله تعالى:
﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ﴾^٤

وله من أثر خاص "في تجسيد حركة المتماثلين المتبلدة المعازفة عن النهوض ، النازعة الى السقوط والالتصاق بالأرض".^٥

فيقول سيد قطب: "فيتصور الخيال ذلك الجسم المتماثل ، يرفعه الرافعون في جهد ، فيسقط من أيديهم في ثقل . ان في هذه الكلمة ((طناً)) على الأقل من الأثقال!"^٦

وفي قول الله عز وجل على لسان نبيه هود عليه السلام:

﴿قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَأَنَا فِي رَحْمَةٍ مِنْ عِنْدِهِ
فَعَمَيْتُ عَلَيْكُمْ أَنْزَلْتُكُمْ هَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ﴾^٧

يذكر الدكتور شفيع دور كلمة ((أنزلتموها)) بتشكيلاتها الصوتية بأنها تقدم "صورة قوية لمعنى الاكراه. وذلك باشتمالها على عدد من الضمائر تتوالي في النطق في غير ما انسياب، بما يشعر بعدم الرضا والائتلاف . وهو الشعور الذي يسيطر على الكارهين بازاء ما يكرهون".^٨

١. المرجع نفسه ، ص ١٤٣

٢. القرآن ؛ س: فاطر ؛ الآية: ٣٦-٣٧

٣. المرجع السابق

٤. القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ٣٨

٥. التعبير البياني ، ص ١٤٣

٦. التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٦

٧. القرآن ؛ س: هود ؛ الآية: ٢٨

٨. التعبير البياني ، ص ١٤٣

فيحس سيد قطب تصور جو الاكراه بادماج كل هذه الضمائر في النطق ، وشد بعضها الى بعض
 ”كما يدمج الكارهون مع ما يكرهون ، ويشدون اليه وهم منه نافرون!“^١

ونقرأ قول الله عز وجل :

﴿وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيَبْغِضَنَّ﴾^٢

فنرى أن صورة التبغضة قد ارتسمت ”في جرس العبارة كلها ، وفي جرس ((ليبطن)) خاصة .
 وان اللسان ليكاد يتعثر وهو يتخبط فيها ، حتى يصل ببطء الى نهايتها.“^٣

فقد رأينا ما مرّ بنا أن التصوير البياني يقع في المجاز وكذلك في الحقيقة . وفي كثير من الأحيان
 ”يتجاوز التصوير الحقيقة والتصوير بالمجاز في النص الواحد ، ونماذج ذلك كثيرة متعددة...“^٤

وسنرى الأمثلة القرآنية في الفصول التالية من موضوعاتها المتنوعة .

١ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٦

٢ . القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ٧٢

٣ . التعبير البياني ، ص ١٤٣

٤ . المرجع نفسه

الصور القرآنية والصور البيانية

عبارة (الصور القرآنية) لا تساويها عبارة (الصور البيانية) أو (الألوان البيانية) من كلام البشر، "فإن هذه في الأدب هي: المجاز والتشبيه والاستعارة والكناية. أما تلك فكما تتكون من هذه، تنشأ من لفظه، ومن نسج غير نسج البيانية"^١ — كما سنرى في الأمثلة الآتية. وكما يقول سيد قطب عن التصوير القرآني: "فهو تصوير باللون، وتصوير بالحركة، وتصوير بالتخييل؛ كما أنه تصوير بالنغمة تقوم مقام اللون في التمثيل. وكثيراً ما يشترك الوصف، والحوار، وجرس الكلمات، ونغم العبارات، وموسيقى السياق، في إبراز صورة من الصور، تتملأها العين والأذن، والحس والخيال، والفكر والوجدان."^٢

وسيتضح هذا بالأمثلة الآتية لصور قرآنية، كل صورة منها مشتملة على صورة من الصور البيانية، لكن ليست هي بها، بل تتكون الصورة القرآنية من عنصر الصورة البيانية مع عناصر أخرى:

١. قال الله تعالى:

﴿وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۖ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴿٣﴾﴾

فيقول السيوطي: "فاسم الأم الهاوية مجاز: أي كما أن الأم كافلة لولدها وملجأ له كذلك النار للكافرين كافلة ومأوى ومرجع."^٤ ويشرح الدكتور صبحي الصالح هذه الصورة ان الصورة التي أمامنا صورة الكافر الذي له هذه الأم التي تطلبه ليكون بين أحضانها وقد طلبت من ربها أن يملأ قلبها بأمثاله وهو يهوي إليها ويلجأ لجوء المستجير من الرمضاء بالنار ويتهافت تهافت الفراش ولا يستطيع امسكاً لنفسه عنها فانها هاوية تبتلعه. ثم يقول فكأننا نرى ابناً أعادته أمه الى غيابة جوفها ونحن نعلم أن لا يطيقه لأنه نار حامية، كما أن الابن للأم الحقيقية لا يطيق العودة الى غيابتها ولو كانت عودة لكان له موت زؤام — وما هذا بميت — ولكان له احتناق وحرور وعذاب غليظ. وهذه الصورة لم يصنعها مجاز (الأم) وحده بل كان فيه ومعه ايحاء لفظ الأم أو ملابساته مع ما أشرنا اليه من ايحاء وملابسته لفظ (هاوية)^٥

-
١. بحوث في علوم القرآن، ص ٤١
 ٢. التصوير الفني في القرآن؛ ص ٣٣
 ٣. القرآن؛ س: القارعة؛ الآيات: ٨-٩
 ٤. الاتقان في علوم القرآن، ص ٢٧٠
 ٥. مباحث في علوم القرآن، د. صبحي الصالح، دار العلم للملايين بيروت، ط ١٣، ١٩٨١ م ص ٣٢٨-٣٢٩

ومن الصور القرآنية مثل ذلك قول الله تعالى:

﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُضَ فَأَقَامَهُ﴾^١

”والجدار بنية جامدة كالجلمود، ولكنه في تعبير القرآن يحس ويريد“^٢

وقوله تعالى:

﴿وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسَ﴾^٣

وينقل سيد قطب شعوره عن هذه الصورة: ”فيخيل اليك هذه الحياة الوديعه الهادئة التي تنفرج عنها ثناياها، وهو يتنفس، فتتنفس معه الحياة يدب النشاط في الأحياء، على وجه الأرض والسما“^٤ ثم يقول: ”الصبح مشهد مألوف مكرور، ولكنه في تعبير القرآن حي لم تشهده من قبل عينان.“^٥

٢. قال الله تعالى:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾^٦

هذا التشبيه يصور حالة نفسية للناس اذا جاء يوم القيامة وهي ”أنهم يستيقظون“^٧، ولكنهم ”لا يشعرون بأنه قد مضى عليهم حين من الدهر طويل منذ فارقوا حياتهم“^٨ والفرق بين هذه الصورة وبين الصورة البيانية الأدبية أنها: ”اذا نظرنا الى قوة التشبيه مقترنة بقوله (تعارفون بينهم) أدر كنا مدى ما يستطيع أن يحدثه في النفس من أثر“^٩

وعن استعمال التشبيه في القران يقول الدكتور بكرى: ”ولم يهدف القرآن في التشبيهات الى التأثير فحسب وانما لحأ اليها للتصوير“^{١٠} وقد قال أيضاً: ”يهدف التشبيه في القرآن الى التأثير

١. القرآن؛ س: الكهف؛ الآية: ٧٧
٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٢٠٢
٣. القرآن؛ س: التكوير؛ الآية: ١٨
٤. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٢
٥. المرجع نفسه، ص ٢٠٢
٦. القرآن؛ س: يونس؛ الآية: ٤٥
٧. التعبير الفني في القرآن، الدكتور بكرى شيخ أمين، دار الشروق، ط ١، ١٩٨٠م، ص ١٩٦
٨. المرجع نفسه
٩. المرجع نفسه
١٠. المرجع نفسه

في العاطفة فترغب أو ترهب“^١ ”والحقيقة اننا لا نقدر التشبيه بنفاسة عناصره ولكن بقدرته على التصوير والتأثير“^٢ فيها هو ذا شعورهم ”بقصر المدة يتأكد بمعرفتهم بعضهم بعضاً ، فلا يخالجهم شك ولا يسبق الى خيالهم وهم بأنها كانت مدة قصيرة — مع أنها لم تكن كذلك ، فياله من هول جعل مدتهم في الدنيا — أو في القبور — في ملء شعورهم المؤكد — كساعة نهائية متضبطة واضحة وضوح النهار — فياله ، وياله من حشر وبداية طويلة ليوم طويل ثقيل لا نهاية لطوله أمامهم ولا تصل الى فظاعة ثقله موازين أو هامهم.“^٣ هذه الصورة المكيئة في النفس ”لم تبلغ هذا المبلغ من القوة بالمشبه به فقط، بل به مع هذه الحالة ﴿يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ﴾ ، وهي حالتهم ، لا حالة الطرف الآخر (المشبه به).“^٤

٣. وقال الله تعالى :

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾^٥

استعير القذف والدمغ — وهما محسوسان — للحق والباطل — وهما معقولان كما يقول السيوطي ”فالقذف والدمغ مستعاران وهما محسوسان ، والحق والباطل مستعار لهما وهما معقولان“^٦ وانظر الى ”ما في التعبير بالقذف من ايحاء ، وبالدمغ من اشعاع“^٧

وعند السيوطي جمال النص يكاد ينطق بالافصاح عن نفسه حين تنخيل في الآية الحق — وهو معنى مجرد — أشبه بالجسم القوي العنيف الذي ينفذ في جسم الباطل الضعيف الخفيف ، فيرزح الباطل تحت وطأة الحق الشديدة التي تدمغه وتكاد تلتصقه بالتراب ، وتزهق روحه . وهكذا يجتمع في هذا المثل التجسيم والتشخيص والتخييل ، أما التجسيم ففي تصوير الحق بالقذيفة الثقيلة ، وأما التشخيص ففي دمغ الحق الباطل وازهاقه اياه ، وأما التخييل ففي تصور نوع الثقل الذي تحدثه حركة القذف ثم الدمغ ثم الازهاق ، فانها أصوات شداد توشك أن تكون صدى لعظام الباطل وهي تنحطم وتقعقع.^٨

-
١. المرجع نفسه، ص ١٩٥
 ٢. المرجع نفسه، ص ١٩٤
 ٣. بحوث في علوم القرآن ، ص ٤٢
 ٤. المرجع نفسه
 ٥. القرآن ؛ س: الأنبياء ؛ الآية: ١٨
 ٦. الاتقان في علوم القرآن ، ص ٢٧٩
 ٧. مباحث في علوم القرآن ، د. صبحي ، ص ٣٢٤-٣٢٥
 ٨. المرجع نفسه ، ص: ٣٢٥

والتخييل "واقع في أغلب الصور القرآنية وهو (الحركة) وهي مضمرة لو ظاهرة."^١ وهذه الحركة انها "حركة حية مما تنبض به الحياة الظاهرة للعيان، أو الحياة المضمرة في الوجدان... وهي التي يسير عليها التصوير في القرآن لبث الحياة في شتى الصور، مع اختلاف الشيات والألوان."^٢ أما التشخيص فهو "نوع من التخييل وهو (خلع الحياة) على المواد الحامدة والظواهر الطبيعية والانفعالات الوجدانية والتجسيم هو ابراز المعنويات المجردة أجساماً أو محوسوسات على العموم: احالة المعنى جسماً: تجسيم المعنويات."^٣

"فصورة الألفاظ بمعانيها وجرسها وظلالها — وما انطوت عليه من استعارة — هي الصورة السوية التي رأينا على قدر نظرنا الضعيف — ولم تكن الاستعارة وحدها في هذا التصوير المعجز."^٤ ويعلق الدكتور عبدالغفور على توضيح الدكتور صبحي:

"وناهيك بالفاعل المقتدر الذي يقذف قذيفة الحق، وازدد تأملاً فقد صارت القذيفة تفعل (تدمغ) وأسرع الباطل الى وادي الفناء فاعلاً (زاهقاً) — وهو أبلغ مما لو أسند الى الحق أزهاق — فهذا هو الباطل جثة هامدة (زاهق). ولنا أن نقول — بدلاً من بعض كلام د. صبحي في كتابه (مباحث) —: التخييل هنا هو حركة الحق يقذف كحركة القذيفة تطلق، والتشخيص خلع الحياة على الحق فيحيي ويفعل (يدمغ) وخلعها على الباطل فاذا هو فاعل (زاهق) قد خلعها، والتجسيم احالة الحق جسماً مقذوفاً به والباطل جسماً مقذوفاً."^٥

ثم يضيف:

"ولو تأملت هذه الألفاظ المختارة، وتغيأت ظلالها، وانصت الى جرس حروفها، اذن لو وجدت الرصانة والثبات والقوة في لفظ (الحق) والامتداد القصير [في (باء)] الأجوف [الطاء المكتوبة لها جوف، والمنطوقة يتجوف بها اللسان ويتقعر] اللين [اللام لينة] في (با) (ط) (ل) الباطل وصوت اصطدام الحق بدماغ الباطل فيحدثه في رأسه روضاً توحى بها قلقلة دال (فيدمغه)، وما يعقب ذلك من صرخة أخيرة وانقطاع نفس وشهقة نهاية للباطل أو مات اليها الزاي بصفيرها والهاء بخفائها — وهي تفرغ النفس كله خصوصاً اذا سكنت في قولك (هـ) — والقاف بقرعها في

١. بحوث في علوم القرآن، ص ٤٣

٢. التصوير الفني في القرآن؛ ص ٦١

٣. المرجع السابق

٤. بحوث في علوم القرآن، حاشية ص ٤٣

٥. المرجع نفسه

الوصل أو بملققتها في الوقف — فهي تشبه الشهقة — وتنتهي بها الكلمة: (زاهق).^١

ولنتأمل في الآيات القرآنية التالية:

﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ﴾^٢

﴿ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ﴾^٣

﴿ وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾^٤

﴿ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴾^٥

﴿ وَأَخْفِضْ جَنَاحَ الدَّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾^٦

وكذلك في هذه الصور القرآنية يقول سيد قطب وأتى بالأمثلة الأخرى مثلها:

”وكثيراً ما يجتمع التخيل والتجسيم في المثال الواحد من القرآن، فيصور المعنوي المحرد جسماً محسوساً، ويخيّل حركة لهذا الجسم أو حوله من اشعاع التعبير... من ذلك:

فكأنما الحق قذيفة خاطفة تصيب الباطل فتزهقه. وكأنما الرعب قذيفة سريعة تنفذ في القلوب لفورها. وكأنما العداوة والبغضاء مادة ثقيلة، تلقي بينهم، فتبقى إلى يوم القيامة. وكأنما السكينة مادة مثبّته تنزل على رسول الله وعلى المؤمنين. وكأنما للدّل جناح يُخفّض من الرحمة بالوالدين.

وفي كل مثال من هذه يجتمع التجسيم — بإحالة المعنى جسماً — مع التخيل بحركة هذا الجسم المفروضة.^٧

٤. وقال الله تعالى:

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ • مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ • سَيَصْلَىٰ نَارًا

ذَاتَ لَهَبٍ • وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ • فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ • ﴾^٨

١. المرجع نفسه، حاشية ص ٤٤
٢. القرآن؛ س: الأنبياء؛ الآية: ١٨
٣. القرآن؛ س: الحشر؛ الآية: ٢
٤. القرآن؛ س: المائدة؛ الآية: ٦٤
٥. القرآن؛ س: التوبة؛ الآية: ٢٦
٦. القرآن؛ س: الاسراء؛ الآية: ٢٤
٧. التصوير الفني في القرآن، ص ٧٠
٨. القرآن س: المسد؛ الآيات: ١-٥

الكناية في ﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ﴾ لـ "التنبيه على مصيره ... أي جهنمي مصيره الى اللهب. ﴿ حَمَالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ ﴾ أي نمامة مصيرها الى أن تكون حطباً لجهنم في جيدها غل" ^١

وقال الدكتور صبحي الصالح: "وتستخدم الكناية في القرآن لاختصار مقدمات لا أهمية لها بالتنبيه على النتيجة الحاسمة التي يتقرر فيها المصير" ^٢ وذكر هذا المثال ثم قال: "وأوضح أن الكناية هنا لخصت في ومضة واحدة المصير الذي يراد التصوير" ^٣

وقال سيد قطب عن تصوير من لفظة (اللهب): "ويذكر اللهب تصويراً وتشخيصاً للنار وإيحاء يتوقدها وتلهبها." ^٤ ويقول الزمخشري عن حسن التصوير في الآية الأخيرة: "والمعنى: في جيدها حبل مما مسد من الحبال، وأنها تحمل تلك الحزمة من الشوك وتربطها في جيدها كما يفعل الحطابون: تخسيساً لحالها، وتصويراً لها بصورة بعض الحطابات من المواهن، لتمتعض من ذلك ويمتعض بعلها؛ وهما في بيت العز والشرف. وفي منصب الثروة والحدة." ^٥

ولم يترك الشيخ سيد قطب الكناية وحدها تصنع الصورة، بل كبر النظرة وقال عن الأداء التعبيري للسورة فيه تناسق دقيق ملحوظ مع موضوعها وجوها...

"تناسق في اللفظ وتناسق في الصورة. فجهنم هنا نار ذات لهب يصلها أبو لهب، وامراته التي تحمل الحطب وتلقيه في طريق محمد لا يذائه (بمعناه الحقيقي أو المجازي).. والحطب مما يوقد اللهب. وهي تحزم الحطب بحبل. فعذابها في النار ذات اللهب أن تغل بحبل من مسد، ليتم الحزم من جنس العمل، وتتم الصورة بمحتوياتها الساذجة: الحطب والحبل والنار واللهب، يصلى به أبو لهب، وامراته حمالة الحطب!

وتناسق من لون آخر في جرس الكلمات، مع الصوت الذي يحدثه شد أحمال الحطب، وجذب العنق بحبل من مسد. اقرأ ((تبت يدا أبي لهب وتب)).. تجد فيها عنف الحزم والشدة! الشبيه بحزم الحطب وشده، والشبيه كذلك بغل العنق وجذبه، والتشبيه بجو الحنق والتهديد الشائع في السورة.

١. الاتقان في علوم القرآن، ص ٢٨٢
٢. مباحث في علوم القرآن، ص ٢٣١
٣. المرجع نفسه
٤. في ظلال القرآن؛ س: المسد؛ الآية: ٣؛ ص ٢
٥. الكشاف؛ س: المسد؛ الآية: ٥؛ ص ٢

وهكذا يلتقي تناسق الجرس الموسيقي ، مع حركة العمل الصوتية ، بتناسق الصور في جزئياتها المتناسقة ، بتناسق الحناس اللفظي ومراعاة النظير في التعبير ، ويتسق مع جو السورة وسبب النزول . ويتم هذا كله في خمس فقرات قصار ، وفي سورة من أقصر سور القرآن .

هذا التناسق القوي في التعبير جعل أم جميل تحسب أن الرسول ﷺ قد هجاها بشعر . وبخاصة حين انتشرت السورة وما تحمله من تهديد ومذمة وتصوير زري لأم جميل خاصة . تصوير يثير السخرية من امرأة معجبة بنفسها ، مدلة بحسبها ونسبها . ثم ترسم لها هذه الصورة : [حمالة الحطب . في جيدها حبل من مسد]! في هذا الأسلوب القوي الذي يشيع عند العرب!

”قد لا يبدو في ظاهرها جمال ، حين يتجه ((الذهن)) الى البحث عن ((المعاني)) . ولكن حين يتجه الوجدان الى الصور والظلال ، والى الايقاع والتناسق ، يجد هذه الوفرة من السمات الفنية . وهذه الصور المطوية ، وتلك اللوحات والألوان ، التي تجتمع في فقرات قصار جد قصار!“^٢

نموذج من الصورة القرآنية والصورة البيانية من أقوال الناس :

ونذكر هنا مقارنة بين تعبيرين من البيان القرآني وبين مثالين بليغين من كلام الناس . ونأتي أولاً بالمقارنة بين تصوير قرآني وتصوير بياني شعري التي جراه القمي النيسابوري في تفسيره وهذا كالاتي ، يقول الله تعالى:

﴿ إِنظَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ • انطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلِّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ • لَا ظَلِيلٌ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ • إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّرٍ كَالْقَصْرِ • كَأَنَّهُ جِمَالَاتٌ صُفْرٌ ﴾^٣

وقال أبو العلاء المعري:

حمراء ساطعة الذوائب في الدُّ جئى ترمي بكل شرارة كطراف^٤

وشبه أبو العلاء الشرر في شعره بالطراف وهو ”بيت من آدم ليس له كفاء وهو من بيوت العرب“^٥

١ . في ظلال القرآن ، سيد قطب ، تفسير سورة المسد ص ٢-٣

٢ . بحوث في علوم القرآن ، ص ٤٦

٣ . القرآن ؛ س: المرسلات ؛ الآيات: ٢٩-٣٣

٤ . غرائب القرآن ورغائب الفرقان ؛ القمي النيسابوري ؛ س: المرسلات ؛ الآية: ٣٢ ؛ ص: ٥

على الموقع www.altafsir.com/Tafsir.asp?

٥ . لسان العرب ؛ حرف ط ، مادة : طرف ، ص ٣٤٤٥

وورد في الكشاف "هو بيت الأدم في العظم والحمرة"^١ "فشبه الشرر بالطراف وهو الخيمة من الأديم"^٢ فقد ذكر النيسابوري التفاوت بين القرآن وبين كلام أبي العلاء من عشرة وجوه وهو كالاتي:

"الأول: إن لون الأديم قريب من لون الشرارة إلا أن الجمالات متحركة كالشرارة دون الخيمة.

الثاني: أن القصر موضع الأمن وتشبيه الشرارة به إشارة الى أن الكافر انما يعذب بأفة من الموضع الذي يتوقع منه الأمن وهو دينه وملته التي ظن أنه منها على شيء ، وليست الخيمة موضع الأمن الكلي.

الثالث: أن الشرر متتابعة كالجمال ولا كذلك الطراف.

الرابع: أن العرب اعتقدوا أن الجمال في ملك الجمال وتمام النعم في حصول النعم. ففي الآية إشارة الى أنكم كنتم تعدون الجمال فخذوا هذه الشرارات التي هي كالجمالات وهذا التهكم غير موجود في الشعر.

الخامس: أن الإبل إذا نفرت وشردت متتابعة نال من وقع فيما بينهما بلاء شديد. فتشبيه الشرر بها يفيد كمال الضرر والطراف ليس كذلك.

السادس: أن القصر يكون أعظم غالباً من الطراف والجمالات وهي جمع الجمع تكون أكثر عدداً من الطراف والغرض التوكيد فيكون تشبيه القرآن بأبلغ في المعنى المقصود.

السابع: أن التشبيه بشيئين كالقصر والجمالات في إثبات الوصفين كالعظم والصفرة أقوى في ثبوت الوصفين من التشبيه بشيء واحد للوصفين بعينهما ، لأن الأول كالمبين المفصل ، والثاني كالمجمل المبهم إذ يحتمل أن يكون وجه التشبيه واحداً منهما قط.

الثامن: أن الإنسان إنما يكون طيب العيش إذا كان وقت الإنطلاق راكباً ووقت النزول راقداً في الظل فكأنه قيل في الآية على سبيل التهكم مركوبكم هذه الجمالات من الشرر وظلكم في مثل هذا القصر ولو شبه بالطراف لم يحصل هذا المقصود.

التاسع: أن تطاير القصر وهو من اللبن والحجر والخشب في الهواء أغرب من تطاير الخيمة وهي خفيفة الحجم .

١. الكشاف ٤ س: المرسلات ؛ الآيات: ٢٩-٣٣ ص ١

٢. غرائب القرآن و رغائب الفرقان ؛ س: المرسلات ؛ الآية: ٣٢؛ ص: ٥

العاشر: أن سقوط القصر أفضح وأهول من سقوط الطراف.^١

فاتضح بهذه المقارنة الفرق بين التصوير القرآني المعجز وبين التصوير البياني الأدبي من أبلغ الناس في زمانه. والأمثلة كهذه كثيرة في القرآن كله.

فلنأخذ مثلاً آخر يوضح الفرق بين الصورة القرآنية والصورة البيانية من كلام الناس، قال تعالى:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾^٢

يقول السيوطي في معناه: "معناه كثير، ولفظه يسير؛ لأن معناه أن الانسان اذا علم أنه متى قُتِل قُتِلَ به كان ذلك داعياً الى ألا يُقَدِّمُ على القتل؛ فارتفع بالقتل الذي هو القصاص كثير من قتل الناس بعضهم لبعض، وكان ارتفاع القتل حياة لهم."^٣

ويقول ابن الاثير:

"﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ فانه قوله تعالى: ((القصاص حياة)) لا يمكن التعبير عنه الا بالألفاظ كثيرة، لأن معناه أنه اذا قتل القاتل امتنع غيره عن القتل، فأوجب ذلك حياة للناس، ولا يلتفت الى ما ورد عن العرب من قولهم: القتل أنفى للقتل فان من لا يعلم يظن أن هذا على وزن الآية، وليس كذلك، بل بينهما فرق من ثلاثة أوجه: الأول أن ((القصاص حياة)) لفظتان، و((القتل أنفى للقتل)) ثلاثة ألفاظ، الوجه الثاني: أن في قولهم (القتل أنفى للقتل) تكريراً ليس في الآية، الثالث: أنه ليس كل قتل نافياً للقتل، الا اذا كان على حكم القصاص."^٤

يقول الفخر الرازي في تفسير هذه الآية وقد أظهر التفاوت بين كلام الله هذا وكلام العرب المأثور (القتل أنفى للقتل):

"اتفق علماء البيان على أن هذه الآية في الإيجاز مع جمع المعاني باللغة بالغة الى أعلى الدرجات، وذلك لأن العرب عبروا عن هذا المعنى بألفاظ كثيرة، كقولهم: قتل البعض احياء للجميع، وقول آخرين: أكثروا القتل ليقول القتل، وأجود الألفاظ المنقولة عنهم في هذا الباب قولهم: القتل أنفى للقتل، ثم ان لفظ القرآن أفصح من هذا، وبيان التفاوت من وجوه:

أحدها: أن قوله ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ أخصر من الكل، لأن قوله: ﴿وَلَكُمْ﴾

١. غرائب القرآن و رغائب الفرقان؛ ص ٥-٦

٢. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ١٧٩

٣. معترك الأقران في اعجاز القرآن، السيوطي، تحقيق على محمد السبحاوي، دارالفكر العربي، ص ٣٠٠

٤. المثل النادر في أدب الكاتب والشاعر، ص ١٩٣،

لا يدخل في هذا الباب ، اذ لا بد في الجميع من تقدير ذلك ، لأن قول القائل: قتل البعض احياء للجميع لا بد فيه من تقدير مثله ، وكذلك في قولهم: القتل أنفى للقتل فاذا تأملت علمت أن قوله ﴿ فِي الْقِصَاصِ حَيَوَةٌ ﴾ أشد اختصاراً من قولهم: القتل أنفى للقتل.

وثانيها: أن قولهم: القتل أنفى للقتل ظاهرة يقتضي كون الشيء سبباً لانتفاء نفسه وهو محال، وقوله: ﴿ فِي الْقِصَاصِ حَيَوَةٌ ﴾ ليس كذلك ، لأن المذكور هو نوع من القتل وهو القصاص ، ثم ما جعله سبباً لمطلق الحياة لأنه ذكر الحياة منكراً ، بل جعله سبباً لنوع من أنواع الحياة.

وثالثها: أن قولهم القتل أنفى للقتل ، فيه تكرار للفظ القتل ، وليس قوله ﴿ فِي الْقِصَاصِ حَيَوَةٌ ﴾ كذلك.

ورابعها: أن قول القائل: القتل أنفى للقتل لا يفيد الا الردع عن القتل ، وقوله: ﴿ فِي الْقِصَاصِ حَيَوَةٌ ﴾ يفيد الردع عن القتل وعن الحرح وغيرهما فهو أجمع للفوائد وخامسها: أن نفي القتل مطلوب تبعاً من حيث انه يتضمن حصول الحياة ، وأما الآية فانها دالة على حصول الحياة وهو مقصود أصلي ، فكان هذا أولى.

وسادسها: أن القتل ظلماً قتل ، مع أنه لا يكون نافياً للقتل بل هو سبب لزيادة القتل ، انما النافي لوقوع القتل هو القتل المخصوص وهو القصاص ، فظاهر قولهم باطل ، أما الآية فهي صحيحة ظاهراً وتقديراً ، فظهر التفاوت بين الآية وبين كلام العرب.^١

وقد جمع السيوطي في كتابه (معترك الأقران في اعجاز القرآن) أقوال العلماء في هذه المفاضلة بين الآية القرآنية وقول العرب فعد عشرين وجهاً لفضيلة القول القرآني على قول العرب. حيث قال: "وقد فضلت هذه الجملة على أوجز ما كان عند العرب في هذا المعنى ، وهو قولهم: القتل أنفى للقتل — بعشرين وجهاً أو أكثر"^٢

وهذه المفاضلة يقود الى الحل لقضية الصورة والمعنى أي أن المعاني تختلف باختلاف التراكيب والصور اللغوية المؤدية لها. وأنه من المستحيل أن ينقل المعنى اللغوي من عبارة الى عبارة.

ويستنتج الدكتور البدر اوي زهران من هذا أن: "نقل المعنى عن طريق التفسير — بمعنى أن يكون المفسر هو التفسير أمر مستحيل. وأن الترادف على مستوى التراكيب أمر مستحيل

١. مفاتيح الغيب التفسير الكبير ، س: البقرة ٤ الآية: ١٧٩ ، ص ١ - ٢

٢. معترك الأقران في اعجاز القرآن ، ص ٣٠٠

كذلك.^١ وترتب الدكتور البدرابي هذه الأوجه العشرين التي ذكرها السيوطي وفقاً لمستويات التحليل اللغوي^٢ على النحو الآتي:

مستوى التحليل الصوتي:

وتتمثل فيه أوجه المفاضلة التي يمكن أن تقع تحت عناصر التحليل الآتية:

(١) عدد الأصوات بصفة عامة. ويوضحها قول السيوطي: "الأول: أن ما يناظره من كلامهم وهو قوله ﴿الْقِصَاصُ حَيَوَةٌ﴾ أقل حروفاً، فإن حروفها عشرة، وحروف ((القتل أنفى للقتل)) أربعة عشر."^٣

(٢) النسيج المقطعي ونماذج المقاطع وتتابعها: وتتضح من قوله: "التاسع: أن في المثل توالي أسباب كثيرة خفيفة، وهو السكون بعد الحركة، وذلك مستكرّة، فإن اللفظ المنطوق به إذا توالى حركاته تمكن اللسان من النطق به وظهرت فصاحته بخلاف ما إذا تعقب كل حركة سكون، فالحركات تنقطع بالسكنات. نظيره إذا تحركت الدابة أدنى حركة فحثت، ثم تحركت فحثت، لا يتبين انطلاقها، ولا تتمكن من حركتها على ما تختاره؛ فهي كالمقيدة."^٤

(٣) خصائص وصفات صوتية ما بين عامة وخاصة: وتتمثل في أقواله الآتية حيث فضل الآية وهو: "الثاني عشر: اشتمالها على حروف متلائمة، لما فيها من الخروج من القاف إلى الصاد؛ إذ القاف من حروف الاستعلاء، والصاد من حروف الاستعلاء والاطباق، بخلاف الخروج من القاف إلى التاء التي هي حرف منخفض؛ فهو غير ملائم للقاف، وكذا الخروج من الصاد إلى الحاء أحسن من الخروج من اللام إلى الهمزة، لبعدها عن طرف اللسان وأقصى الحلق."^٥

وقوله: "الثالث عشر: في النطق بالصاد والحاء والتاء حسن الصوت ولا كذلك تكرير القاف والتاء"^٦

وقال البدرابي أن "سلامة الآية من تكرير قلقلة القاف - الموجب للضغط والشدة وبعدها عن غنة النون."^٧

١. ظواهر قرآنية: في ضوء الدراسات اللغوية، دكتور البدرابي زهران، دارالمعارف، ط٢، ١٩٩٣م، ص ١٨.
٢. انظر: المرجع نفسه، ص ١٧-٣٤.
٣. معترك القرآن في اعجاز القرآن، ص ٣٠١.
٤. المرجع نفسه، ص ٣٠٢.
٥. المرجع نفسه.
٦. المرجع نفسه.
٧. ظواهر قرآنية، ص ٢١.

(٤) مستوى الجانب الصوتي ذي الوظيفة الدلالية Phonostylistics وتمثل فيه الأوجه الآتية:
"السابع: أن في الآية طباقاً، لأن القصاص مشعر بضد الحياة — بخلاف القتل"^١

وقوله: "الثامن: أن الآية اشتملت على فن بديع، وهو جعل أحد الضدين الذي هو الفناء والموت محلاً ومكاناً لضده الذي هو الحياة، واستقرار الحياة في الموت مبالغة عظيمة"^٢

وقد ذكر الزمخشري: "أن القصاص قتل وتقويت للحياة، وقد جعل مكاناً وظرفاً للحياة، ومن اصابة محز البلاغة بتعريف القصاص وتنكير الحياة؛ لأن المعنى: ولكم في هذا الجنس من الحكم الذي هو القصاص حياة عظيمة، وذلك أنهم كانوا يقتلون بالواحد الجماعة..."^٣ وعبر عنه صاحب الايضاح بأنه "جعل القصاص كالممنوع للحياة والمعدن لها بادخال ((في)) عليه."^٤

وقوله: "الخامس: أن الآية خالية من تكرار لفظ القتل — الواقع في المثل، والحالي من التكرار أفضل من المشتمل عليه وان لم يكن محلاً بالفصاحة."^٥

وقوله: "العاشر: أن المثل كالمتناقض من حيث الظاهر؛ لأن الشيء لا ينفي نفسه."^٦ (القتل أنفي للقتل) والآية خالية من ذلك (القصاص حياة).

وقوله: "الرابع عشر: سلامتها من لفظ القتل في هذا الموقع المشعر بالوحشة؛ بخلاف لفظ الحياة؛ فان الطباع أقبل له من لفظ القتل."^٧

وقوله: "الخامس عشر: أن لفظ القصاص مشعر بالمساواة، فهو منبئ عن العدل، بخلاف مطلق القتل"^٨ (الوارد في القول العربي المأثور)

مستوى الجانب الصرفي: (الجانب المورفولوجي Morphology)

تمثل بعض نواحي هذا الجانب عنده في الأوجه الآتية:

قوله: "الثامن عشر: أن في المثل بناء أفعال التفضيل من فعل متعد، والآية سالمة منه."^٩ (أي أن في

١. معترك القرآن في اعجاز القرآن، ص ٣٠١

٢. المرجع نفسه، ص ٣٠١-٣٠٢

٣. الكشف، س: البقرة؛ الآية: ١٧٩، ص ٣

٤. المرجع السابق، ص ٣٠٢

٥. المرجع نفسه، ص ٣٠١

٦. المرجع نفسه، ص ٣٠٢

٧. معترك القرآن في اعجاز القرآن، ص ٣٠٢

٨. المرجع نفسه، ص ٣٠٣

٩. ظواهر قرآنية، ص ٢٣

المثل بعض الأبنية التي جاءت بعيدة عما يقتضيه الطبع والنسق وان أجازتها القاعدة . والنص القرآني سالم من هذا وجار على السنن والطبع والنسق.)

مستوى الجانب الصرفي (المورفولوجي) ذي الوظيفة الدلالية:

وتتمثل بعض نواحي هذا الجانب عنده في أوجه المفاضلة الآتية:
قوله: "الثالث: أن تنكير حياة تفيد تعظيماً، فتدل على أن في القصاص حياة متطاولة، كقوله تعالى: ﴿وَلْتَجِدْنَهُمْ أُحْرِصَ عَلَىٰ حَيَاةٍ﴾^١ ولا كذلك المثل؛ فان اللام فيه للجنس، فلذا فسروا الحياة فيه بالبقاء."^٢

"لحذف أداة التعريف في هذا المقام وظيفة دلالية تتحدد أبعادها على النحو الآتي:

بالإضافة الى أن التنكير هنا يفيد التعظيم ... الا أن:

— التعريف يقتضي بأن تكون الحياة وجدت في الأصل بسبب القصاص، والواقع خلاف ذلك، إذ أن الذي وجد هو نوع من الحياة لذا لزم التنكير.

— التعريف يقتضي التعميم والمقام مقام تخصيص لذا وجب التنكير أيضاً."^٣

وقد أوضح عبدالقادر الجرجاني الوظيفة الدلالية التي أفادها التنكير في هذا المقام على النحو الآتي حيث يقول:

"... السبب في حسن التنكير وان لم يحسن التعريف: أن ليس المعنى على الحياة نفسها. ولكن على أنه لما كان الانسان اذا علم أنه اذا قُتل قُتل ارتدع بذلك عن القتل. فسلم صاحبه، صارت حياة هذا المفهوم بقتله في مستأنف الوقت مستفادة بالقصاص. وصار كأنه قد حي في باقي عمره به — أي القصاص. واذا كان المعنى على حياة في بعض أوقاته وجب التنكير، وامتنع التعريف، من حيث كان التعريف يقتضي أن تكون الحياة قد كانت بالقصاص من أصلها، وأن يكون القصاص قد كان سبباً في كونها في كافة الأوقات، وذلك خلاف المعنى، وغير ما هو المقصود. ويبين ذلك أن تقول: لك في هذا غنى: فتنكر اذا أردت أن تجعل ذلك من بعض ما يستغني به فان قلت: لك فيه الغنى: كان الظاهر أنك جعلت كل غناه به. وأمر آخر، وهو أنه لا يكون ارتداع حتى يكون همُّ وارادة. وليس بواجب أن لا يكون انسان في الدنيا الا وله عدو، يهَمُّ بقتله ثم يردعه خوف القصاص، واذا لم

١. القرآن ٤١س: البقرة ٩٦: الآية

٢. معترك القرآن في اعجاز القرآن، ص ٣٠١

٣. ظواهر قرآنية، حاشية ص ٢٣-٢٤

يجب ذلك فمن لم يهّم انسان بقتله فكفى ذلك لهم لخوف القصاص ، فليس هو ممن حيّ بالقصاص . واذا دخل الخصوص فقد وجب أن يقال حياة ، ولا يقال الحياة ، كما وجب أن يقال : شفاء ، ولا يقال : الشفاء في قوله تعالى : ﴿يُخْرِجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ﴾^١ حيث لم يكن شفاء للجميع .

واعلم أنه لا يتصور أن يكون الذي همّ بالقتل فلم يقتل خوفاً القصاص داخلًا في الجملة ، وأن يكون القصاص أفادة حياة كما أفاد المقصود قتله . وذلك أن هذه الحياة إنما هي لمن كان يقتل لو لا القصاص . وذلك محال في صفة القاصد للقتل فانما يصح في وصفه ما هو كالضد لهذا ، وهو أن يقال : انه كان لا يخاف عليه القتل لو لا القصاص . واذا كان هذا كذلك كان وجهها ثالثاً في وجوب التنكير.^٢

— أن أفعل في الغالب تقتضي الاشتراك فيكون ترك القصاص نافياً للقتل ، ولكن القصاص أكثر نفيًا — وليس الأمر كذلك — والآية سالمة من ذلك .

مستوى الجانِب التركيبي أو الجانِب النحوي :

”يشتمل الجانِب النحوي أي الجانِب التركيبي على الأقل على العناصر الآتية : عنصر الانتقاء والاختيار ، عنصر الموقعية ، عنصر المطابقة (Concord) ، عنصر الاعراب.“^٣

وتتمثل بعض نواحي هذا الجانِب في أوجه المفاضلة الآتية :

قوله : ”السادس : أن الآية مستغنية عن تقدير محذوف ، بخلاف قولهم ، فان فيه حذف ((من)) التي بعد أفعل التفضيل وما بعدها ، وحذف قصاصاً مع القتل الأول وظلماً مع القتل الثاني ، والتقدير : القتل قصاصاً أنفى للقتل ظلماً من تركه.“^٤

مستوى الجانِب التركيبي ذي الوظيفة الدلالية :

— وتمثل بعض نواحيه في الأوجه الآتية من المفاضلة :

قوله : ”السادس عشر : الآية مبنية على الاثبات والمثل على النفي ؛ وأشرف ، لأنه الأول ، والنفي ثان عنه“^٥

١ . القرآن ؛ س : يونس ؛ الآية : ٥٧

٢ . دلائل الاعجاز ، ص ١٩١-١٩٢

٣ . ظواهر قرآنية ، حاشية ص ٢٥

٤ . معترك الأقرآن في اعجاز القرآن ، ص ٣٠١

٥ . المرجع نفسه ، ص ٣٠٣

”يشف عن هذا ايحاءات المعاني وظلال الألفاظ نتيجة لنوع التراكيب والوحدات اللغوية الداخلة فيها.“^١

— ”أننا نجد في أول الآية ((ولكم)) — وفيها نكتة لطيفة ، وهي بيان العناية بالمؤمنين على وجه الخصوص ، وأنهم المراد حياتهم لا غيرهم لتخصيصهم بالمعنى — مع وجوده فيمن سواهم.“^٢

مستوى الجانب الدلالي:

وتتمثل بعض نواحيه في الأوجه الآتية:

وقوله: ”السابع عشر: أن المثل لا يكاد يُفهم إلا بعد فهم أن القصاص هو الحياة وقوله ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ مفهوم من أول وهلة.“^٣

وقوله: ”العشرون: أن الآية رادعة عن القتل والجرح معاً لشمول القصاص لهما ، والحياة أيضاً في قصاص الأعضاء ، لأن قطع العضو ينقص مصلحة الحياة ، وقد يسري الى النفس فيزيلها ولا كذلك المثل.“^٤

مستوى الجانب الدلالي ذي الإيحاءات والمظلل باشعاع المعاني المختلفة:

وتتمثل بعض نواحيه في الأوجه الآتية:

وقوله: ”الرابع: أن الآية مطردة بخلاف المثل، فانه ليس كل قتل أنفى للقتل ، بل قد يكون أدعى له وهو القتل ظلماً ، وانما ينفيه قتل خاص ، وهو القصاص ، ففيه حياة أبدأ.“^٥

وقوله: ”الثاني: أن نفي القتل لا يستلزم الحياة ، والآية ناصّة على ثبوتها التي هي الغرض المطلوب منه.“^٦

ثم يستنتج الدكتور البدر اوي زهران من هذه المفاضلة:

”أن ما جاء في النص القرآني غير ما جاء في القول العربي المأثور... فما انبثق عن

النص القرآني من دلالات على نحو ما رأينا من خلال مستويات التحليل

اللغوية السابقة انما جاء نتيجة للبناء اللغوي وللصورة التي جاء عليها ولما

١. ظواهر قرآنية ، حاشية ص ٢٥

٢. المرجع نفسه ، ص ٢٥-٢٦

٣. معترك الأقرآن في اعجاز القرآن ، ص ٣٠٣

٤. المرجع نفسه

٥. المرجع نفسه ، ص ٣٠١

٦. المرجع نفسه

تضمنه من اختيار وحدات لغوية بعينها ذات أصوات ومقاطع وبنيات خاصة بها ، وبطريق تعليق معينة جاءت وفق موقعية تلائمت مع قواعد مطابقة خاصة بها ، نتج عنها صورة المعنى على نحو ما مر .
 وأن النص القرآني جاء مخالفاً في صورة بنائه لمقتضى وفائدة .. فما جاء عليه من نسق في البناء انما هو لموجب أوجه .
 وأن النص العربي له صورة تركيب خاصة به تبعها صورة معنى خاصة بها كذلك .
 وهكذا فان الاختلاف في البناء اختلاف في الدلالة .^١

وهنا تجدر بنا الإشارة الى أن لعبد القاهر الجرجاني نظرة ثابتة سبق بها عصره في هذا الموضوع ، ويتضح أبعاد نظرة عبد القاهر الجرجاني من أنه الذي أول من أوضح أن التركيب ودلالته مثل الكائن الحي وصورته ، وكما أننا لا نجد فرقا بين الانسان وصورته كذلك لا فرق بين المعنى وطريقة التعبير عنه ، وكما أن كل انسان مخالف للآخر من حيث دلالاته على ذاته فكذلك كل تركيب مخالف للآخر من حيث دلالة المبنى على المعنى . يقول في ذلك :

”واعلم أن قولنا : الصورة انما هو تمثيل وقياس لما نعلمه بعقولنا على الذي نراه بأبصارنا ، فلما رأينا البيوت بين آحاد الأجناس تكون من جهة الصورة ، فكان بين انسان وانسان و فرس و فرس بخصوصية تكون في صورة هذا لا تكون في صورة ذاك . وكذلك كان الأمر في المصنوعات فكان بين خاتم من خاتم و سوار من سوار بذلك ، ثم وجدنا بين المعنى في أحد البيتين وبينه في الآخر بينونة في عقولنا وفرقا عبرنا عن ذلك الفرق وتلك البيوت بأن قلنا : للمعنى في هذا صورة غير صورته في ذلك . وليس العبارة عن ذلك بالصورة شيئا نحن ابتدأناه ، فينكره منكر ، بل هو مستعمل مشهور في كلام العلماء ويكفيك قول الجاحظ : وانما الشعر صناعة وضرب من التصوير“^٢

ومعنى ذلك أن هناك فرقا كبيرا بين أن تنقل صورة المعنى بحذفها وبين أن تقرب الفكرة أو أن تتحدث عن الغرض أو تحدد مجال الكلام نوعه ، ولا يفوت عبد القاهر هنا أن ينبه الى خطأ يقع فيه بعضهم ، فيقول :

”ولا يغرنك قول الناس : قد أتى بالمعنى بعينه ، وأخذ معنى كلام فلان فأداه على وجهه : فانه تسامح منهم . والمراد : أنه أدى الغرض . فأما أن يؤدي المعنى بعينه على الوجه الذي يكون عليه في كلام الأول حتى لا تعقل ههنا الا ما عقلته هناك ،

١ . ظواهر قرآنية ، ص ٢٨

٢ . دلائل الاعجاز ، ص ٣٣٠

وحتى يكون حالهما في نفسك حال الصورتين المشبّهتين في عينك كالسوارين والشنّفين — ففي غاية الاحالة . وظن يفضى بصاحبه الى جهالة عظيمة . وهي أن تكون الألفاظ مختلفة المعاني اذا فرقت ، ومتفقتها اذا جمعت وألف منها كلام . وذلك: أن ليس كلامنا فيما يفهم من لفظتين مفردتين نحو ((قعد، وجلس)) ولكن فيما فهم من مجموع كلام ، ومجموع كلام آخر . نحو أن تنظر في قوله تعالى ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ وقول الناس: قتل البعض احياء للجمع . فانه وان كان قد جرت عادة الناس بأن يقولوا في مثل هذا: انهما عبارتان معبرّهما واحد . فليس هذا القول قولاً يمكن الأخذ بظاهره، أو يقع لعاقل شك أن ليس المفهوم من أحد الكلامين المفهوم من الآخر.^١

ويقودنا ذلك الى أن "نقل المعنى عن طريق التفسير ، بمعنى أن يكون المفسر هو التفسير أمر مستحيل . والثاني : أن الترادف على مستوى التراكيب أمر مستحيل كذلك"^٢

والمقصود بالترادف هنا ليس الترادف بالمفرد فتلك قضية أخرى، وانما المراد بالترادف هنا تراكيب بنيت بناء لغوياً من مجموع كلام ومجموع كلام آخر . على نحو ما جاء في قوله تعالى: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ وقول العرب الذي جرى مجرى المثل: (القتل أنفى للقتل) أو قولهم: (قتل البعض احياء للجميع) . "فلكل واحد صورة وصفة غير صورته وصفته في الآخر... وذلك لأن كل صورة تركيب أعطت صورة معنى خاص بها، وأن كل تغير في تركيب معناه اعطاء تركيب جديد لغاية وغرض ولنسق أوجهه، فالمعاني تختلف باختلاف الصور . وبخصوص نقل المعنى عن طريق التفسير فالأمر فيه أصعب."^٣

وهذه النتيجة التي وصل اليها ابن الاثير حيث قال: "ليس كل الألفاظ المترادفة يقوم بعضها مقام بعض ، ألا ترى أن لفظة ((القصاص)) لا يمكن التعبير عنها بما يقوم مقامها ، ولما عبر عنها بالقتل فيقول العرب (القتل أنفى للقتل) ظهر الفرق بين ذلك وبين الآية في قوله تعالى: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ فالذي أردته أنا انما هو الكلام الذي لا يمكن التعبير عن ألفاظه بألفاظ أخرى مثلها وفي عدتها..."^٤

فنستنتج من هذا أنه يستحيل أن يكون تفسير القرآن هو القرآن ، أو أن يأتي التفسير على جميع ما تضمنته الأبنية القرآنية من دلالات . فيقول عبدالقاهر الجرجاني في هذا الموضوع:

١ . المرجع نفسه ، ص ١٧٢

٢ . ظواهر قرآنية ، ص ٢٩

٣ . ظواهر قرآنية ، ص ٣٠

٤ . المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر، ص ١٩٤

”اعلم أن الفائدة تعظم في هذا الضرب من الكلام إذ أنت أحسنت النظر فيما ذكرت لك من أنك تستطيع أن تنقل الكلام في معناه عن صورة الى صورة من غير أن تغير من لفظة شيئاً أو تحول كلمة عن مكانها الى مكان آخر، وهو الذي وسع مجال التأويل والتفسير، حتى صاروا يتأولون في الكلام الواحد تأويلين أو أكثر، ويفسرون البيت الواحد عدة تفاسير.“^١

وكذلك يقول:

”اعلم أن قولهم: ان التفسير يجب أن يكون كالمفسر دعوى لا تصح لهم الا بعد أن ينكروا الذي بيناه من أن شأن المعاني أن تختلف بها الصور ويدفعوه أصلاً حتى يدعوا أنه لا فرق بين الكناية والتصريح، وأن حال المعنى مع الاستعارة كحاله مع ترك الاستعارة، وحتى يبطلوا ما أطبق عليه العقلاء من أن المجاز يكون أبداً أبلغ من الحقيقة.“^٢

وخلاصة القول أن صورة بيانية من القرآن دائماً تختلف عن صورة بيانية من كلام الناس. والأولى دائماً أبلغ وأفصح من الثاني من كل ناحية من نواحي البلاغة.

١. دلائل الاعجاز، ص ٢٤٣

٢. المرجع نفسه، ص ٢٧٧

الباب السادس

دراسة النماذج من الصور القرآنية

الفصل الأول: المعاني الذهنية التي تخرج في صورة حسية

الفصل الثاني: تصوير المعاني المجردة مصوراً الحالات

النفسية

الفصل الثالث: تصوير الحالات النفسية برسم نماذج انسانية

الفصل الرابع: الصورة القرآنية المشخصة لمشاهد الحوادث

الواقعة والأمثال المضروبة والقصص المروية

الفصل الخامس: التخيل الحسي والتجسيم المعنوي

الفصل الأول

المعاني الذهنية التي تخرج في صورة حسية

كما رأينا سابقاً أن المعاني الذهنية تُقدّم حسياً في النص الأدبي العالي . والقرآن الكريم — كيانه نصاً معجزاً — استعمل هذا الأسلوب كثيراً . فنذكر بعض الأمثلة من القرآن الكريم التي يبين تقديم المعاني الذهنية في صورة حسية بتعبيره المعجز كي يفهمها عباده الأعجز:

١ . قال الله تعالى:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْحَمَلُ فِي سَمِّ الْجِحَاظِ ﴾^١

قال الزمخشري: "عن ابن عباس رضي الله عنه: ان الله أحسن تشبيهاً من أن يشبه بالحمل ، يعني أن الحبل مناسب للخييط الذي يسلك في سم الابرة ، والبعير لا يناسبه ... فقبل لا يدخلون الجنة، حتى يكون ما لا يكون أبداً من ولوج هذا الحيوان الذي لا يلج إلا في باب واسع ، في ثقب الإبرة"^٢

ويقول طنطاوي جوهرى في تفسير هذه الآية وما تليها: "هاتان الآيتان تصوران أكمل تصوير استحالة دخول المشركين الجنة بسبب تكذيبهم لآيات الله واستكبارهم عنها ... والمراد أن الكافرين عند موتهم وعند حسابهم يوم القيامة يكونون على غضب الله ولعنته بسبب ما ارتكبوه في الدنيا من شرك وظلم ... تكون الآيات الكريمة قد بينت لنا بأسلوب مؤثر مصور حال المشركين عندما تقبض أرواحهم ، وحالهم عندما يقفون أمام الله للحساب ، وحالهم عندما يلعن بعضهم بعضاً ، وحالهم والعذاب من فوقهم ومن أسفلهم منهم، وهي مشاهد تفرع النفوس، وتحمل العقلاء على الإستقامة والإهداء."^٣

ويرى طباطبائي أن قوله ﴿ حَتَّى يَلِجَ الْحَمَلُ فِي سَمِّ الْجِحَاظِ ﴾ "من التعليق بالمحال وإنما يعلق الأمر بالمحال كناية عن عدم تحققه وإياساً من وجوده كما يقال: لا أفعل كذا حتى يشيب الغراب ويبيض الفار، وقد قال تعالى في موضع آخر في هذا المعنى ﴿ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴾"^٤

- ١ . القرآن ؛ س: الأعراف ؛ الآية: ٤٠
- ٢ . الكشاف ، السورة: الأعراف ؛ الآية: ٤٠
- ٣ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم، السورة: الأعراف ؛ الآية: ٤٠
- ٤ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١٦٧
- ٥ . الميزان في تفسير القرآن ، السورة: الأعراف ؛ الآية: ٤٠

وعلق سيد قطب على هذا كالاتي:

”إن الله تعالى يبين أن الذين كفروا لن ينالوا القبول عنده، ولن يدخلوا الجنة إطلاقاً، وأن القبول أو الدخول أمر مستحيل. هذه هي الطريقة الذهنية للتعبير عن هذه المعاني المجردة. ولكن أسلوب التصوير يعرضها في الصورة الآتية:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يُلَاجِ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ﴾

ويدعك ترسم بخيالك صورة لتفتح أبواب السماء، وصورة أخرى لولوج الجبل الغليظ في سم الخياط؛ ويختار من أسماء الجبل الغليظ اسم (الجمل) خاصة في هذا المقام؛ ويدع للحس أن يتأثر عن طريق الخيال بالصورتين ماشاء له التأثر، ليستقر في النهاية معنى القبول ومعنى الاستحالة، في أعماق النفس، وقد ورد إليها من طريق العين والحس — تخيلاً — وعبرا إليها من منافذ شتى، في هينة وتؤدة، لا من منفذ الذهن وحده، في سرعة الذهن التجريدية.^١

ويقول سيد قطب في تفسيره لهذه الآية:

”ودونك فقف بتصورك ما تشاء أمام هذا المشهد العجيب .. مشهد الجمل تجاه ثقب الابرة. فحين يفتح ذلك الثقب الصغير لممرور الجمل الكبير، فانتظر حينئذ — وحينئذ فقط — أن تفتح أبواب السماء لهؤلاء المكذبين، فتقبل دعاءهم أو توبتهم — وقد فات الأوان — وأن يدخلوا إلى جنات النعيم! أما الآن، وإلى أن يلج الجمل في سم الخياط، فهم هنا في النار، التي تداركوا فيها جميعاً وتلاحقوا؛ تلاوموا وتلاعنوا، وطلب بعضهم لبعض سوء الجزاء ونالوا جميعاً ما طلبه الأولياء للأولياء!“^٢

٢. ونظر في قوله تعالى:

﴿وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا﴾^٣

يقول الزمخشري: ”والهباء: ما يخرج من الكوة مع ضوء الشمس شبيه الغبار. وفي أمثالهم: أقل من الهباء (منثوراً) صفة للهباء، شبهه بالهباء في قلته وحقارته عنده، وأنه لا ينتفع به، ثم بالمنثور منه لأنك تراه منتظماً مع الضوء، فاذا حركته الريح رأيتَه قد تتأثر وذهب كل مذهب“^٤

١. التصوير الفني في القرآن، ص ٣٤

٢. في ظلال القرآن، س: الأعراف؛ الآية: ٤٠

٣. القرآن؛ س: الفرقان؛ الآية: ٢٣

٤. الكشف؛ س: الفرقان؛ الآية: ٢٣

وورد في تفسير ابن كثير:

” هذا يوم القيامة حين يحاسب الله العباد على ما عملوه من الخير والشر ، فأخبر أنه لا يحصل لهؤلاء المشركين من الأعمال التي ظنوا أنها منجاة لهم شيء ، وذلك لأنها فقدت الشرط الشرعي ، إما الإخلاص فيها ، وإما المتابعة لشرع الله ، فكل عمل لا يكون خالصاً ، وعلى الشريعة المرجية ، فهو باطل ، فأعمال الكفار لا تخلو من واحد من هذين ، وقد تجمعها معاً ، فتكون أبعد من القبول حينئذ ، ... عن أبي إسحاق عن الحارث عن علي رضي الله عنه في قوله : (هباء منشوراً) قال : شعاع الشمس إذا دخل الكوة ، ... وكذا قال الحسن البصري : هو الشعاع في كوة أحدهم ، ولو ذهب يقبض عليه لم يستطع ... عن ابن عباس : (هباء منشوراً) قال : هو الماء المهراق . وقال أبو الأحوص عن أبي إسحاق عن الحارث عن علي : (هباء منشوراً) قال : الهباء قال : الهباء رهج الدواب ... وقال قتادة في قوله : (هباء منشوراً) قال : أما رأيت يبيس الشجر إذا ذرته الريح ؟ فهو ذلك الورق ... عن يعلي بن عبيد قال : وإن الهباء : الرماد إذا ذرته الريح ، وحاصل هذه الأقوال التنبيه على مضمون الآية ، وذلك أنهم عملوا أعمالاً اعتقدوا أنها على شيء ، فلما عرضت على الملك الحكيم العدل الذي لا يحور ولا يظلم أحداً ، إذا إنها لا شيء بالكلية ، وشبهت في ذلك بالشيء التافه الحقير المتفرق الذي لا يقدر صاحبه منه على شيء بالكلية“^١

وجاء في تفسير الميزان : ” والكلام مبني على التمثيل مثل به استيلاء القهر الإلهي جميع أعمالهم التي عملوها لسعادة الحياة وإبطالها بحيث لا يؤثر في سعادة حياتهم المؤبدة شيئاً بتشبيهه بسلطان غلب عدوه فحلّ داره بعد ما ظهر عليه فخرّب الدار وهدم الآثار وأحرق المتاع والآثا فأنفى منه كل عين وأثر.“^٢ ” فالمراد أبطلناه وجعلناه بحيث لا يمكن الإنتفاع به كالهباء المنشور الذي لا يمكن القبض عليه ونظيره قوله تعالى ﴿ كَسْرَابٍ بِقَيْعَةٍ ﴾^٣ ﴿ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ ﴾^٤ ﴿ كَعَصْفٍ مَأْكُولٍ ﴾^٥ ” فقد شبهه — سبحانه — أعمالهم الصالحة في الدنيا في عدم انتفاعهم بها يوم القيامة — بالهباء المنشور ، الذي تفرق وتبدد وصار لا يرجى خيره من ورائه

١. تفسير ابن كثير؛ س: الفرقان؛ الآية: ٢٣

٢. الميزان في تفسير القرآن؛ س: الفرقان؛ الآية: ٢٣

٣. القرآن؛ س: النور؛ الآية: ٣٩

٤. القرآن؛ س: ابراهيم؛ الآية: ١٨

٥. القرآن؛ س: الفيل؛ الآية: ٥

٦. مفاتيح الغيب، س: الفرقان؛ الآية: ٢٣

لحقارته وتفاهته.^١

ويقول سيد قطب: "يريد أن يبين أن الله سيضيع أعمال الذين كفروا كأن لم تكن قبل شيئاً ، وستضيع إلى غير عودة فلا يملكون لها رداً ، فيقدم هذا المعنى مصوراً في قوله: ﴿ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ﴾ ويدعك تتخيل صورة الهباء المنثور، فتعطيك معنى أوضح وأكد، للضياع الحاسم المؤكد."^٢

ويقول في تفسيره (في ظلال القرآن):

"والخيال يتبع حركة القدوم المجسمة المتخيلة — على طريقة القرآن في التجسيم والتخييل — وعملية الاثارة للأعمال ، والتذرية في الهواء ، فاذا كل ما عملوا في الدنيا من عمل صالح هباء . ذلك أنه لم يقم على الايمان ، الذي يصل القلب بالله ، والذي يجعل العمل الصالح منهجاً مرسوماً وأصلاً قاصداً ، لا خبط عشواء ، ولا نزوة طارئة ، ولا حركة مبتورة لا قصد لها ولا غاية . فلا قيمة لعمل مفرد لا يتصل بمنهج ، ولا فائدة لحركة مفردة ليست حلقة من سلسلة ذات هدف معلوم .

إن وجود الإنسان وحياته وعمله في نظرة الإسلام موصولة كلها بأصل هذا الكون ، وبالناموس الذي يحكمه ، والذي يصل كله بالله . بما فيه الإنسان وما يصدر عنه من نشاط . فإذا انفصل الإنسان بحياته عن المحور الرئيسي الذي يربطه الكون ، فإنه يصبح لقي ضائعاً لا وزن له ولا قيمة ، ولا تقدير لعمله ولا حساب . بل لا وجود لهذا العمل ولا بقاء .

والإيمان هو الذي يصل الإنسان بربه ؛ فيجعل لعمله قيمة ووزناً ، ويجعل له مكانه في حساب هذا الكون وبنائه .

وهكذا تعدم أعمال أولئك المشركين . تعدم إعداماً يصوره التعبير القرآني تلك الصورة الحسية المتخيلة: ﴿ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِن عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا ﴾^٣

وهذا كقوله تعالى:

﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيَعَةٍ يُحْسِبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا ﴾^٤

١ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ؛ س: الفرقان ؛ الآية: ٢٣

٢ . التصوير الفنى فى القرآن ، ص ٣٤

٣ . فى ظلال القرآن ؛ س: الفرقان ؛ الآية: ٢٣

٤ . القرآن ؛ س: النور ؛ الآية: ٣٩

٣. وفي نفس المعنى يرسم هذه الصورة المطولة بعض الشيء لهذا المعنى نفسه في قوله تعالى:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ﴾^١

ويقول ابن كثير: "أي: مثل أعمالهم يوم القيامة إذا طلبوا ثوابها من الله تعالى، لأنهم كانوا يحسبون أنهم كانوا على شيء، فلم يجدوا شيئاً، ولا ألفوا حاصلًا، إلا كما يتحصل من الرماد إذا اشتدت به الريح العاصفة (في يوم عاصف) أي: ذي ريح شديدة عاصفة قوية، فلم يقدرُوا على شيء من أعمالهم التي كسبوا في الدنيا، إلا كما يقدرُونَ على جمع هذا الرماد في هذا اليوم"^٢

ويزيد سيد قطب: "فتزيد الصورة حركة وحياة بحركة الريح في يوم عاصف تذر الرماد وتذهب به بدداً، إلى حيث لا يتجمع أبداً."^٣

وجاء في تفسيره هكذا:

"ومشهد الرماد تشتد به الريح في يوم عاصف مشهود معهود، يجسم به السياق معنى ضياع الأعمال سدى، لا يقدر أصحابها على الإمساك بشيء منها، ولا الانتفاع به أصلاً. يجسمه في هذا المشهد العاصف المتحرك، فيبلغ في تحريك المشاعر له ما لا يبلغه التعبير الذهني المجرد عن ضياع الأعمال وذهاباً بدداً. هذا المشهد ينطوي على حقيقة ذاتية في أعمال الكفار. فالأعمال التي لا تقوم على قاعدة من الإيمان، ولا تمسكها العروة الوثقى التي تصل العمل بالباعث، وتصل الباعث بالله. مفككة كالهباء والرماد، لا قوام لها ولا نظام. فليس المعول عليه هو العمل، ولكن باعث العمل. حركة آلية لا يفترق فيها الإنسان عن الآلة إلا بالباعث والقصد والغاية.

وهكذا يلتقي المشهد المصور مع الحقيقة العميقة، وهو يؤدي المعنى في أسلوب مشوق موح مؤثر. ويلتقي معها التعقيب ﴿ذَلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ﴾ فهو تعقيب يتفق ظله مع ظل الرماد المتطاير في يوم عاصف.. إلى بعيد!!"^٤

١. القرآن؛ س: إبراهيم؛ الآية: ١٨.

٢. تفسير ابن كثير؛ س: إبراهيم؛ الآية: ١٨.

٣. التصوير الفني في القرآن، ص ٣٤.

٤. في ظلال القرآن، س: إبراهيم؛ الآية: ١٨.

٤ . وفي القرآن الكريم مشهد تصويري طويل للمعاني المجردة من مشاهدته كالاتي:

﴿ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِئَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذَى لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذَى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ حَبَّةٍ بَرْبُورَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكْلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلَّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ أَيُّودٌ أَحَدَكُمُ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَةٌ ضُعْفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ۝ ﴿١﴾

ونستطيع أن نفهم هدف هذا التصوير القرآني من التفسير (في ظلال القرآن) الذي يفسره كالاتي:

”الى قرب نهاية السورة يتعرض السياق لإقامة قواعد النظام الاقتصادي الاجتماعي الذي يريد الإسلام أن يقوم عليها المجتمع المسلم ؛ وأن ينظم بها حياة الجماعة المسلمة . إنه نظام التكافل والتعاون والممثل في الزكاة المفروضة والصدقات المتروكة للتطوع . وليس النظام الربوي الذي كان سائداً في الجاهلية . ومن ثم يتحدث عن آداب الصدقة . ويلعن الربا ، يقرر أحكام الدين والتجارة في الدروس الآتية في السورة . وهي تكون في مجموعها جانباً أساسياً من نظام الاقتصادي الإسلامي والحياة الاجتماعية التي تقوم عليها...“

... فالآن يرسم السياق دستور الصدقة في تفصيل وإسهاب . يرسم هذا الدستور مظللاً بظلال حبيبة أليفة ؛ ويبين آدابها النفسية والاجتماعية . الآداب التي تحول الصدقة عملاً تهديئياً لنفس معطيها ؛ وعملاً نافعاً مربحاً لأخذيتها؛ وتحول المجتمع عن طريقها الى أسرة يسودها التعاون والتكافل ، والتواد والتراحم ؛ وترفع البشرية

إلى مستوى كريم ؛ المعطي فيه والآخذ على السواء .
 ... كانت هناك نفوس شحيحة ضئيلة بالمال تحتاج الى هذه الايقاعات القوية ،
 والايحاءات المؤثرة ؛ كما تحتاج الى ضرب الأمثال ، وتصوير الحقائق في مشاهد
 ناطقة كيما تبلغ الى الأعماق !
 كان هناك من يظن بالمال . فلا يعطيه الا بالريا . وكان هناك من ينفقه كارهاً أو
 مرئياً . وكان هناك من يتبع النفقة باليمن والأذى وكان هناك من يقدم الرديء من
 ماله ويحتجز الجيد .

وكل هؤلاء الى جانب المنفقين في سبيل الله مخلصين له ، الذين يحدون بخير
 أموالهم ، وينفقون سرأ في موضع السر وعلانية في موضع العلانية في تجرد
 وإخلاص ونقاء ...

ان الدستور لا يبدأ بالفرض والتكليف ؛ إنما يبدأ بالحض والتأليف .. إنه يستجيش
 المشاعر والإنفعالات الحية في الكيان الإنساني كله .. إنه يعرض صورة من صور
 الحياة النابضة النامية المعطية الواهبة : صورة الزرع . هبة الأرض أو هبة الله . الزرع
 الذي يعطي أضعاف ما يأخذه ويهب غلاته مضاعفة بالقياس إلى بذوره .

يعرض هذه الصورة الموحية مثلاً للذين ينفقون أموالهم في سبيل الله:

﴿ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي
 كُلِّ سُنبُلَةٍ مِئَةٌ حَبَّةٌ ﴾^١

وورد في تفسير ابن كثير عن هذا القول: "هذا مثل ضربه الله تعالى لتضعيف الثواب لمن أنفق في
 سبيله وابتغاء مرضاته ، وأن الحسنه تضاعف بعشر أمثالها الى سبعمائة ضعف ... وهذا المثل أبلغ
 في النفوس من ذكر عدد السبعمائة ، فان فيه اشارة الى أن الأعمال الصالحة ينميها الله عز وجل
 لأصحابها ، كما ينمي الزرع لمن بذره في الأرض الطيبة ، وقد وردت السنة بتضعيف الحسنه
 الى سبعمائة ضعف."^٢

"فان قلت فهل رأيت سنبله فيها مائة حبة حتى يضرب المثل بها . قلت: ذلك غير
 مستحيل وما لا يكون مستحيلاً فاضرب المثل به جائز وإن لم يوجد والمعنى في
 كل سنبله مائة حبة إن جعل الله ذلك فيها ، وقيل هو موجود في الدخن ، وقيل : إن
 المقصود من الآية أن إذا علم الإنسان الطالب للزيادة أنه إذا بذر حبة واحدة
 أخرجت له سبعمائة حبة ما كان ينبغي له ترك ذلك ، ولا التقصير فيه فكذلك

١ . في ظلال القرآن ؛ س : البقرة ؛ الآية : ٢٦١

٢ . تفسير ابن كثير ؛ س : البقرة ؛ الآية : ٢٦١

ينبغي لمن طلب الأجر عند الله في الآخرة أن لا يترك الإنفاق في سبيل الله^١

وعن الحبة يقول البقاعي: "من الحب هو تمام النبات المنتهي إلى صلاحية كونه طعاماً للآدمي الذي هو أتم الخلق، فالحب أكمل من الثمرة طعامية والثمره إدامية"^٢ ويقول عن السنبله: "وهو

مجتمع الحب في أكمامه، كأنه آية استحقاق اجتماع أهل ذلك الرزق في تعاونهم في أمرهم، وتعريف بأن الحب يجمعه لا بوحدته"^٣ ثم يقول في بيان المثل: "فضرب الله المثل للإنفاق في

سبيل الله وذكر السبع لما فيه من التمام بالحرث الذي هو كيميا عباده يشهدون من تثميره حيث تصير الحبة أصلاً ويثمر الأصل سنابل ويكون في كل سنبله أعداد من الحب... ولما كان للخلافة وخصوصاً بالإنفاق موقع من النفس بوجوه مما ينقص التضعيف أو يبطله كالذي يطراً على الحرث الذي ضرب به المثل مما ينقص نباته أو يستأصله نبه تعالى على ما يبطل"^٤

"والمنطقي كاللغوي والنحوي، وإنما ينظر الى اللفظ من وجهة نظره المحدد بين التصور والتصديق، فيستفيد من كلمة ((حبة)) مضمومة الى كفيتهها في الانبات بقوله تعالى: ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِئَةٌ حَبَّةٍ﴾^٥ بأنه "لا يلزم أن توجد حبة بهذه الصفة. إنما

المقصود تصوير زيادة الأجر لا غير، فإن وجدت صورة توافق المذكور في أكثر الخصوصيات أو كلها كان من قبيل لزوم ما لا يلزم"^٦ وقد عقب الطبرسي على السنبله من نفس الآية، وعلل

تصورها بالفهم نفسه فقال: "متى قيل: هل رؤي في سنبله مئة حبة حتى يضرب المثل بها، فجوابه أن ذلك متصور وان لم ير، كقول امرئ القيس: ومسنونة زرق كأنياب أغوال. وقوله تعالى: ﴿طلعها كأنه رؤوس الشياطين﴾^{٧،٨}

وأحسن سيد قطب فيه تفسيراً:

"ان المعنى الذهني للتعبير ينتهي إلى عملية حسابية تضاعف الحبة الواحدة إلى سبعمائة حبة! أما المشهد الحي الذي يعرضه للتعبير فهو أوسع من هذا وأجمل؛ وأكثر استحابة للمشاعر، وتأثيراً في الضمائر.. إنه مشهد الحياة النامية. مشهد

١. لباب التأويل في معاني التنزيل، س: البقرة؛ الآية: ٢٦١

٢. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور، س: البقرة؛ الآية: ٢٦١

٣. المرجع نفسه

٤. المرجع نفسه

٥. نظرية النقد العربي، ص ٦٢-٦٣

٦. الفوز الكبير في أصول التفسير، الهاوي، ص ٢٩، نقلاً عن نظرية النقد العربي، ص ٦٣

٧. القرآن؛ س: الصافات؛ الآية: ٦٥

٨. مجمع البيان، س: الصافات؛ الآية: ٦٥

الطبيعة الحية . مشهد الزرعة الواهبة . ثم مشهد العجيبة في عالم النبات: العود الذي يحمل سبع سنابل . والسنبلة التي تحوي مائة حبة!
وفي موكب الحياة النامية الواهبة يتجه بالضمير البشري إلى البذل والعطاء . إنه لا يعطي بل يأخذ؛ وإنه لا ينقص بل يزداد .. وتمضي موجة العطاء والنماء في طريقها . تضاعف المشاعر التي استحاشها مشهد الزرع والحصيلة ..
إنه الإنفاق الذي يرفع المشاعر الإنسانية ولا يشوبها . الإنفاق الذي لا يؤدي كرامة ولا يחדش شعوراً . الإنفاق الذي ينبعث عن أريحية ونقاء ، ويتجه إلى الله وحدة ابتغاء رضاه:

... (وهذا التصوير) يقرر في النفوس أن المال مال الله ، وأن الرزق الذي في أيدي الواجدين هو رزق الله ... فاذا أعطى الواجد من ماله شيئاً فانما من مال الله أعطى ؛
وإذا أسلف حسنة فانما هي قرض لله يضاعفه له أضعافاً كثيرة...^١

ويحمل الزمخشري بعبارة الحميلة جمال هذا التعبير الفني: "وهذا التمثيل تصوير للإضعاف ، كأنها ماثلة بين عيني الناظر"^٢

ثم يستمر سيد قطب يقول:

"وعندما يصل التأثير الوجداني غايته .. بعد استعراض مشهد الحياة النامية الواهبة مثلاً للذين ينفقون أموالهم في سبيل الله ، دون أن يتبعوا ما أنفقوا مناً ولا أذى ، وبعد التلويح بأن الله غني عن ذلك النوع المؤذي من الصدقة ، وأنه وهو الواهب الرازق لا يعجل بالغضب والأذى .. عندما يصل التأثير الوجداني غايته بهذا وذاك ، يتوجه بالخطاب إلى الذين آمنوا ألا يبطلوا صدقاتهم بالمن والأذى ، ويرسم لهم مشهداً عجيباً — أو مشهدين عجيبين يتسقان مع المشهد الأول . مشهد الزرع والنماء . ويصوران طبيعة الإنفاق الخالص لله ، والإنفاق المشوب بالمن والأذى . على طريقة التصوير الفني في القرآن ، التي تعرض المعنى صورة ، والأثر حركة ، والحالة مشهداً شاخصاً للخيال:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانَ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ٥ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

١ . في ظلال القرآن ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٦١

٢ . الكشاف ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦١

اللَّهُ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بَرْبُورَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا
ضِعْفَيْنِ فَإِنْ لَمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلَّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾^١

ويفسرها الخازن في الآية الأولى بأنها "المثل ضربه الله تعالى لنفقة المنافق والمرائي والمؤمن
المنان بصدقة يؤذي الناس ويرى الناس أن لهؤلاء أعمالاً في الظاهر ، كما يرى التراب على
الصفوان فإذا جاء المطر أذهب وأزاله وكذلك حال هؤلاء يوم القيامة ، تبطل أعمالهم وتضمحل
لأنها لم تكن لله تعالى كما أذهب الوابل ما على الصفوان من التراب"^٢

ويقول في تفسير الآية الثانية بأنها: "مثل ضربه الله تعالى لعمل المؤمن المخلص في إنفاقه وسائر
أعماله ، يقول الله تعالى كما أن هذه الجنة تريع وتزكو في كل حال ولا تخلف سواء كان المطر
قليلاً أو كثيراً فكذلك يضعف الله صدقة المؤمن المخلص في صدقته وإنفاقه الذي لا يمن ولا
يؤذي سواه قلت نفقته أو كثرت"^٣

ويقول الأستاذ البقاعي: "ولما ضرب مثلاً لنماء النفقة بالحرث ضرب مثلاً لإبطالها بخطأ
الحرث في الحرث"^٤

ويفسر هذا المشهد سيد قطب بحسه الفني كالآتي:

"هذا هو المشهد الأول..

مشهد كامل مؤلف من منظرين متقابلين شكلاً ووضعاً وثمره . وفي كل منظر
جزئيات ، يتسق بعضها مع بعض من ناحية فن الرسم وفن العرض ؛ ويتسق كذلك
مع ما يمثله من المشاعر والمعاني التي رسم المنظر كله لتمثيلها وتشخيصها
وايحائها.

نحن في المنظر الأول أمام قلب صلد: ﴿ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴾ فهو لا يستشعر نداوة الإيمان وبشاشته . ولكنه يغطي هذه الصلادة
بغشاء من الرياء.

هذا القلب الصلد المغشي بالرياء يمثله (صَفْوَانٌ عَلَيْهِ تُرَابٌ) حجر لا خصب فيه ولا
ليونة ، يغطيه تراب خفيف يحجب صلادته عن العين ، كما أن الرياء يحجب
صلادة القلب الخالي من الإيمان : (فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا) وذهب المطر الغزير

١. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٤-٢٦٥

٢. في ظلال القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٤-٢٦٥

٣. لباب التأويل في معاني التنزيل ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٤-٢٦٥

٤. المرجع نفسه

٥. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٤-٢٦٥

بالتراب القليل! فأنكشف الحجر بجذبه وقساوته ، ولم ينبت زرعه ، ولم يثمر ثمرة .. كذلك القلب الذي أنفق ماله رثاء الناس ، فلم يثمر خيراً ولم يعقب مثوبة!^١

ويكتب عن هذه الصورة القرآنية الأستاذ محمد حسين الصغير وخاصة عن كلمة (الصفوان):
 "الكلمة (صفوان) من قوله تعالى: (كمثل صفوان عليه تراب) ... تعطي صورة الحجر المتكلس الذي يجتمع من ذرات غير قابلة للانفصال يتماسك ويتوافر بعد أن يخالطه التراب المهيل من هنا وهناك ، فعبارة تقاطر المطر وتدافع السيول ، بدلاً من أن يهش ويلين ويتفتت وإذا به يعود كتلة حجرية واحدة ، صلباً لا ينفذ، ومتحجراً لا ينفذ ، فإذا طالعنا اللغة بأنه : ((الحجر الأملس))^٢
 اتضح مدلول الكلمة في عمقها عدم ثبات شيء عليها."^٣

ويقول عن كلمة ابل: "والكلمة ((وابل)) من الآية نفسها (فأصابها وابل...) تدل لغوياً ، على الغيث المنهمر ، والمطر المتدافع ، وتلمح مجازاً الى الحدود المتناهي في العطاء فهل ياترى أن سيؤدي معناها بضم هذه الصفات جميعاً لفظ سواها ، قد يؤدي معناها بعدة كلمات وإذا تم هذا فهو يعني الخروج عن الايجاز المتوافر في وابل الى الاطناب الذي لا مسوغ له في عدة ألفاظ آخر."^٤

"والكلمة ((لا يقدر)) بضمها الى ((ما كسبوا)) في قوله تعالى ﴿ لا يقدرون على شيء مما كسبوا ﴾ فيها من الدلالة على ما يلي:

تصوير لحالة الحرمان ، وايدان بحلول الفقر ، فلا المال المجموع بنافع ، ولا الآمال الموهومة بمتحققة ، يأس وادقاع مادي من تلك الأموال ، وفقر معنوي من تلك الآمال سواء في الجزاء أو في الثواب الذين توهموا حصولهما ، وعي متواصل يصلب القدرة والكسب معاً ، وهذا انما يتأتى فهمه بحسب العرف العام في تبادره لفهم معاني الألفاظ عند اطلاقها."^٥

ومن حيث الايحاء قوله تعالى: ﴿ كمثل جنة بربوة أصابها وابل... ﴾ "تحمل صورة فريدة في تخيل الجنان تتساقط عليها الأمطار فتمسح سطوحها ، وهي سامقة شامخة فتزيل القذى عن أشجارها ، وتثبت جذورها ، وتمنحها القوة والحياة والاستمرار ، وهي على نشز من الأرض تباكرها هذه الهبات ، وما يوحي ذلك من مناخ نفسي يسكن اليه الضمير."^٦

١. في ظلال القرآن ٤: س: البقرة؛ الآية: ٢٦٦
٢. مجمع البحرين ، الطريحي ، ج ١ ، ص ٢٦٤ ، نقلاً عن نظرية النقد العربي ، ص ٤٩
٣. نظرية النقد العربي رؤية معاصرة ، ص ٤٩
٤. المرجع نفسه
٥. المرجع نفسه
٦. المرجع نفسه ، ص ٥٦

ثم نرى المنظر الثاني يبدأ تفسيره هكذا عند سيد قطب:

أما المنظر الثاني المقابل له في المشهد .. فقلب عامر بالايمان ، ندي ببشاشته .
 ينفق (إِبْتِعَاءَ مَرُضَاةِ اللَّهِ) .. وينفقه عن ثقة ثابتة في الخير ، نابعة من الايمان ، عميقة
 الجذور في الضمير .. واذا كان القلب الصلد وعليه ستار من الرياء يمثله صفوان
 صلد عليه غشاء من التراب ، فالقلب المؤمن يمثله جنة . جنة خصبة عميقة التربة في
 مقابل حفنة التراب على الصفوان . جنة تقوم على ربوة في مقابل الحجر الذي تقوم
 عليه حفنة التراب! ليكون المنظر متناسق الأشكال! فاذا جاء الوابل لم يذهب بالتربة
 الخصبة هنا كما ذهب بغشاء التراب هناك . بل أحيائها وأخصبها ونماها .. (أَصَابَهَا
 وَابِلٌ فَآتَتْ أَكْلَهَا ضِعْفَيْنِ) أحيائها كما تحي الصدقة قلب المؤمن فيزكو ويزداد
 صلة بالله ، ويزكو ماله كذلك ويضاعف له الله ما يشاء . وكما تزكو حياة الجماعة
 المسلمة بالانفاق وتصلح وتنمو: (فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ) .. غزير .. (فَطَلَّ) من الرذاذ
 يكفي في التربة الخصبة ويكفي منه القليل!

إنه المشهد الكامل المتقابل المناظر ، المنسق الجزئيات ، المعروف بطريقة معجزة
 التناسق والأداء ، الممثل بمناظره الشاحصة لكل حالحة في القلب وكل خاطرة ،
 المصور للمشاعر والوجدانات بما يقابلها من الحالات والمحسوسات ، الموحى
 للقلب باختيار الطريق في يسر عجيب ...

فأما المشهد الثاني فتمثيل لنهاية المن والأذى ، كيف يحرق آثار الصدقة محققاً في
 وقت لا يملك صاحبها قوة ولا عوناً ولا يستطيع لذلك المحرق رداً تمثيل لهذه
 النهاية البائسة في صورة موحية عنيفة الايحاء . كل ما فيها عاصف بعد أمن ورخاء:

﴿أَيُّودٌ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
 الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا
 إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾

هذه الصدقة في أصلها وفي آثارها تمثل في عالم المحسوسات: ﴿جَنَّةٌ مِّنْ نَّجِيلٍ
 وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ انها ظلييلة وارفة مخصصة
 مشمرة .. وكذلك الصدقة في طبيعتها وفي آثارها .. كذلك هي في حياة المعطي
 وفي حياة الآخذ وفي حياة الجماعة الانسانية . كذلك هي ذات روح وظل ، وذات
 خير وبركة ، وذات غذاء وري ، وذات زكاة ونماء!

فمن ذا الذي يود أن تكون له هذه الجنة — أو هذه الحسنة — ثم يرسل عليها المن
 والأذى يحرقها محققاً ، كما يحرق الجنة الاعصار فيه نار؟

﴿وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ﴾

﴿فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ﴾

من ذا الذي يود هذا؟ ومن ذا الذي يفكر في ذلك المصير ثم لا يتقيه؟

﴿كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾

وهكذا يقوم المشهد الحي الشاخص ، بما فيه أول الأمر من رضى ورفعة وامتعة ؛ وما فيه من نضارة وروح وجمال . ثم بما يعصف به عصفاً من اعصار فيه نار .. يقوم هذا المشهد العجيب بالايحاء الشعوري الرعيب الذي لا يدع مجالاً للترديد في الاختيار ، قبل أن تذهب فرصة الاختيار ، وقبل أن يصيب الجنة الوارفة الظليلة المثمرة اعصار فيه نار!

وبعد فان التناسق الدقيق الجميل الملحوظ في تركيب كل مشهد على حدة ، وفي طريقة عرضه وتنسيقه ... هذا التناسق لا يقف عند المشاهد فرادى . بل انه ليمد رواقه فيشمل المشاهد متجمعة من بدئها في هذا الدرس الى منتهاها .. انها جميعاً تعرض في محيط متجانس . محيط زراعي ! حبة أنبتت سبع سنابل . صفوان عليه تراب فأصابها وابل . جنة بربوة فآتت أكلها ضعفين ، جنة من نخيل وأعناب .. حتى الوابل والطل والاعصار التي تكمل محيط الزراعة لم يخل منها محيط العرض الفني المثير .

وهي الحقيقة الكبيرة وراء العرض الفني المثير .. حقيقة الصلة بين النفس البشرية والتربة الأرضية . حقيقة الأصل الواحد ، وحقيقة الطبيعة الواحدة ، وحقيقة الحياة النابتة في النفس وفي التربة على السواء . وحقيقة المحق الذي يصيب هذه الحياة في النفس وفي التربة على السواء .^١

ويقول الخازن:

”فكأنه قيل أيود أحدكم لو كانت له جنة وأصابه الكبر (وله ذرية ضعفاء) يعني له أولاد صغار عجزت عن الحركة بسبب الضعف والصغر (فَأَصَابَهَا) يعني أصاب تلك الجنة (إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ) الاعصار ريح ترتفع الى السماء وتستدير كأنها عمود وهذا مثل ضربه الله تعالى لعمل المنافق والمرائي يقول مثل عمل المنافق والمرائي بعمله في حسنة كحسن جنة ينتفع بها صاحبها فلما كبر وضعف وصار له أولاد ضعاف أصاب جنتها اعصار فيه نار فأحرقها وهو أحوج ما يكون اليها فحصل في قلبه من الغم والحسرة ما لا يعلمه الا الله تعالى لكبره وضعفه وأولاده فهو لا يجد ما يعود به على أولاده ، وهم لا يجدون ما يعودون به عليه فبقوا جميعاً

متحيرين عجزوا لا حيلة بأيديهم ، فكذلك حال من أتى يوم القيامة بأعمال حسنة ولم يقصد بها وجه الله تعالى ، فيبطلها الله تعالى ، وهو في غاية الحاجة إليها حين لا مستعجب له ولا توبة.^١

ومزيداً في رأي سيد قطب:

”و يريد أن يبين للناس أن الصدقة التي تُبذل رياء ، والتي يتبعها المن والأذى ، لا تثمر شيئاً ولا تبقى . فينقل اليهم هذا المعنى المجرد ، في صورة حسية متخيلة على النحو التالي:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ﴾

ويدعهم يتملون هيئة الحجر الصلب المستوي ، غطته طبقة خفيفة من التراب فظنت فيه الخصوبة ؛ فاذا وابل من المطر يصيبه ؛ وبدلاً من أن يهيئه للخصب والنماء — كما هي شيمة الأرض حين تجودها السماء — اذا به — كما هو المنظور — يتركه صلدًا ؛ وتذهب تلك الطبقة الخفيفة التي كانت تستره ، وتخيل فيه الخير والخصوبة .

ثم يمضي التصوير لابرز المعنى المقابل لمعنى الرياء ، ومعنى الذهاب بالصدقة التي يتبعها المن والأذى :

﴿ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ وَتَنْبِيئًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلَّ ﴾

فهنا الوجه الثاني للصورة ، والصفحة المقابلة للصفحة الأولى . فهذه الصدقات التي تنفق ابتغاء مرضاة الله ، هي في هذه المرة كالجنة فوق ربوة ، لا كحفنة من التراب ؛ واذا كانت حفنة التراب هناك على وجه صفوان ؛ فالجنة هنا فوق ربوة ؛ وهذا هو الوابل مشتركاً بين الحالتين ، ولكنه في الحالة الأولى يمحو ويمحق ، وفي الحالة الثانية يُربي ويخصب . في الحالة الأولى يصيب الصفوان ، فيكشف عن وجه كالح كالأذى ؛ وفي الحالة الثانية يصيب الجنة ، فيمتزج بالتربة ويخرج ((أكلاً)) . ولو أن هذا الوابل لم يصبها ، فان فيها من الخصب والاستعداد للانبات ، ما يجعل القليل من المطر يهزها ويحييها : ﴿ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلَّ ﴾ .

ولا أريد أن أتعرض هنا لذلك التناسق العجيب في جو الصورة ، وفي تماثل

جزئياتها، وفي توزيع هذه الجزئيات على الرقعة فيها . حيث يكون الصفوان تُغشيه طبقة خفيفة من التراب ، مثلاً للنفس المؤذية تغشيتها الصدقة تبذل رياء (والرياء ستار رقيق يخفي القلب الغليظ) وحيث توضع الحنة فوق ربوة ، في مقابل الحفنة من التراب فوق الصفوان ...^١

وعلى المقطع الأخير قال ابن كثير: ﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ أي : تعتبرون وتفهمون الأمثال والمعاني ، وتنزلونها على المراد منها.^٢

٥ . ومن الأمثال القرآنية قوله تعالى:

﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتُهُ﴾^٣

وفي معنى (صِرٌّ) يقول ابن كثير: "أي: برد شديد ، قال ابن عباس وعكرمة وسعيد بن جبير والحسن وقتادة والضحاك والربيع بن أنس وغيرهم . وقال عطاء : برد وجليد ، وعن ابن عباس أيضاً ومجاهد (فيها صِرٌّ) أي: نار، وهو يرجع الى الأول، فان البرد الشديد ، ولا سيما الجليد، يحرق الزروع والثمار، كما يحرق الشيء بالنار."^٤

ويبين الزمخشري هذا التشبيه: "شبه ما كانوا ينفقون من أموالهم في المكارم والمفاخر وكسب الثناء وحسن الذكر بين الناس لا يبتغون به وجه الله بالزرع الذي حسه البرد فذهب حطاماً... فضاع عنهم، لأنهم لم يبلغوا بانفاقه ما أنفقوه لأجله."^٥

ويبين البقاعي المعاني الذهنية في هذه الآية المقدمة في صورة حسية :

"فلما كانت الريح الموصوفة أمراً مشاهداً جلياً جعلت في اهلاكها مثلاً لضياح أنفاقهم الذي هو أمر معنوي خفي ، ولما كان الزرع المحترق أمراً محسوساً جعل فيما حصل له بعد التعب من العطب مثلاً لأمر معقول، وهو أموالهم في كون انفاقهم اياها لم يشمر لهم شيئاً غير الخسارة والتعب ، فالمثلان ضياح الزرع والانفاق ، وضياح الزرع أظهر فهو مثل لضياح الانفاق لأنه أخفى وقد بان أن الآية من الاحتباك : حذف أولاً مثل الانفاق لدلالة الريح عليه ، وثانياً الحرث لدلالة ما

١ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٣٥-٣٦

٢ . تفسير ابن كثير ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٦

٣ . القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١١٧

٤ . تفسير ابن كثير ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١١٧

٥ . الكشاف ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١١٧

ينفق عليه.“^١

ويوضح سيد قطب: ”فيرسم صورة الحرث تأخذه الريح فيها برد يضرب الزرع والشمار فيهلكها ، فلا ينال صاحب الحرث منه ما كان يرجو بعد الجهد فيه، كالذي ينفق ماله وهو كافر ، ويرجو الخير فيما أنفق، فيذهب الكفر بما كان يرجوه. ولا يفوتنا ما في جرس كلمة ((صر)) من تصوير لمدلولها ، وكأنما هو قذائف صغيرة تنطلق على الحرث فتهلكه . وذلك لون من التناسق.“^٢

٦. وننظر الى تصوير دقيق في قوله تعالى لمعاني مجردة ذهنية:

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ
كَفِّهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾^٣

ورد في تفسير الخازن التفصيل عن هذه الصورة القرآنية الفنية:

”... والذين يدعونهم آلهة من دون الله، وهي الأصنام التي يعبدونها... لا يجيبونهم بشيء يريدونه من نفع أو دفع ضرر ان دعوهم... الا استجابة كاستجابة الماء لمن بسط كفيه اليه ، يطلب منه أن يبلغ فاه والماء حماد لا يشعر ببسط كفيه ، ولا بعطشه ولا يقدر أن يجيب دعائه أو يبلغ فاه ، وكذلك ما يدعونه حماد لا يحس بدعائهم ولا يستطيع اجابتهم ، ولا يقدر على نفعهم . وقيل : شبههم في قلة جدوى دعائهم لآلهتهم بمن أراد أن يغرف الماء بيديه ليشربه فيسقطها ناشراً أصابعه فلم تلق كفاه منه شيئاً ، ولم يبلغ طلبته من شربة وقيل ان القابض على الماء ناشراً أصابعه لا يكون في يده شيء ، ولا يبلغ الى فيه منه شيء كذلك الذي يدعو الأصنام لأنها لا تضر ولا تنفع ولا يفيده منها شيء . وقيل : شبه بالرجل العطشان الذي يرى الماء من بعيد بعينه ، فهو يشير بكفيه الى الماء ويدعوه بلسانه فلا يأتيه أبداً... وعن عطاء كالعطشان الجالس على شفير البئر وهو يمد يديه الى البئر فلا هو يبلغ الى قعر البئر ليخرج الماء ، ولا الماء يرتفع اليه فلا ينفعه بسطه الكف الى الماء ودعاؤه له ، ولا يبلغ فاه كذلك الذي يدعون الأصنام لا ينفعهم ذلك. وقال ابن عباس : كالعطشان اذا بسط كفيه في الماء لا ينفعه ذلك ما لم يغرف بهما من الماء ولا يبلغ الماء فاه ما دام باسط كفيه“^٤

١. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١١٧

٢. التصوير الفني في القرآن ، ص ٣٦

٣. القرآن ؛ س: الرعد ؛ الآية: ١٤

٤. لباب التأويل في معاني التنزيل ؛ س: الرعد ؛ الآية: ١٤

ويرز سيد قطب هذا التصوير كالاتي:

”ويريد أن يرز معنى: أن الله وحده يستجيب لمن يدعوه، وينيله ما يرجوه؛ وأن الآلهة التي يدعونها مع الله لا تملك لهم شيئاً، ولا تنيلهم خيراً، ولو كان الخير قريباً؛ فيرسم لهذا المعنى هذه الصورة العجيبة:

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ
كَفْيِهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾^١

وهي صورة تلح على الحس والوجدان، وتجتذب اليها الالتفات، فلا يستطيع أن يتحول عنها الا بجهد ومشقة؛ وهي من أعجب الصور التي تستطيع أن ترسمها الألفاظ: شخص حي شاخص، باسط كفيه الى الماء، والماء منه قريب، يريد أن يبلغه فاه، ولكنه لا يستطيع، ولو مدّ مَدَّةً فربما استطاع.^١

ويقول سيد قطب عن السياق قبل هذه الآية من البداية سورة الرعد ”وقد اختار التعبير أن ينص على تسبيح الرعد بالحمد اتباعاً لمنهج التصوير القرآني في مثل هذا السياق، وخلع سمات الحياة وحرركاتها على مشاهد الكون الصامتة لتشارك في المشهد بحركة من جنس المشهد كله... والمشهد هنا مشهد أحياء في جو طبيعي. وفيه الملائكة تسبح من خيفته، وفيه دعاء لله، ودعاء للشركاء. وفيه باسط كفيه الى الماء ليبلغ فاه وما هو ببالغه...“^٢

ثم يقول ضمن الآية المذكورة: ”والمشهد هنا ناطق متحرك جاهد لاهف.. فدعوة واحدة هي الحق، وهي التي تحقق، وهي التي تستجاب. انها دعوة الله والتوجيه اليه والاعتماد عليه وطلب عونه ورحمته وهداه. وما عداها باطل وما عداها ضائع وما عداها هباء.. ألا ترون حال الداعين لغيره من الشركاء؟ انظروا هذا واحد منهم. ملهوف ظمآن يمد ذراعيه ويسط كفيه. وفمه مفتوح يلهث بالدعاء. يطلب الماء ليبلغ فاه فلا يبلغه. وما هو ببالغه. بعد الجهد واللهفة والعناء.“^٣

٧. وفي قوله تعالى:

﴿وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً لَّهُمْ
بُكْمٌ عُمَىٰ فَهُمْ لَا يَعْقلُونَ﴾^٤

جاء في (نظم الدرر في تناسب الآيات والصور): ”(الذين كفروا) أي ستروا ما يعلمون من عظمة

١. التصوير الفني في القرآن، ص ٣٦-٣٧

٢. في ظلال القرآن؛ س: الرعد؛ الآية: ١٣

٣. المرجع نفسه؛ س: الرعد؛ الآية: ١٤

٤. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ١٧١

اللَّهُ سبحانه وتعالى وقدرته وعلمه وحكمته بما عندهم من الهوى في أنهم لا يسمعون من الدعاء الا جرس النغمة ودوي الصوت من غير القاء أذهان ولا استبصار^١ وعن المثل قال: "المثل ما يتحصل في باطن الادراك من حقائق الأشياء المحسوسة فيكون أطف من الشيء المحسوس فيقع لذلك جالياً لمعنى مثل المعنى المعقول ويكون الأظهر منهما مثلاً للأخفى، فلذلك يأتي استجلاء المثل بالمثل، ليكون فيه تلطيف للظاهر المحسوس وتنزيل للغائب المعلوم"^٢

فالكافرون في كونهم لا يرجعون عن غيهم لما يسمعون من الأدلة وهم أولو عقل وسمع وبصر كالبهم التي تسمع وتبصر ولكنها لا تعقل لا ترجع بالكلام لأنها لا تسمع الا ظاهر الصوت ولا تفهم ما تحته بل بالحجر والعصا، فان الراعي اذا أراد رجوعها عن ناحية صاح بها ورمى بحجر الى ما أمامها فترجع.

وفي نظر سيد قطب هذا التعبير من أجمل شواهد لبيان المعاني الذهنية المجردة تصويراً فيقول: "ويبين أن الآلهة الذين يُعبدون من دون الله، لا يسمعون ولا يحييون، لأنهم لا يعون ولا يتبينون، وأن دعاء عبادهم لهم عبث لا طائل وراءه؛ فيختار صورة تبين هذا المعنى وتجسم هذه الحالة، وتلم الحس والنفس بأقوى مما تلمسهما العبارات العادية، عن المعاني الذهنية"^٣ وهذا مثل، ولكنه "صورة شاخصة. صورة جماعة يدعون آلهة تصل إليها أصواتهم مبهمة، فلا تفهم مما وراءها شيئاً وفيها تتجلى غفلة الداعين وعبث دعوتهم بحجاب غفلة المدعوين واستحالة اجابتهم."^٤

٨. ونكتشف عن العجائب التصويرية في قوله تعالى:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا
وَإِنْ أُوْهِنَ الْبُيُوتِ لَبَّيْتَ الْعَنْكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾^٥

ويقول الأستاذ محمد اسماعيل عتوك في مقاله: "هذا مثل ضربه الله لكل من اتخذ من دون الله ولياً معتمداً، يلجأ اليه، ويحتمي بحماه، وهو لا يجلب له نفعاً، ولا يدفع عنه ضرراً، شبه فيه حاله هذه العنكبوت اتخذت بيتاً؛ لتحتمي به من الأهوال والأخطار، وتأوي اليه معتمدة على خيوطها القوية، وهي لا تدري أن هذا البيت لا يقي حرّاً، ولا برداً، ولا يجير آوياً، ولا يريح

١. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: البقرة؛ الآية: ١٧١

٢. المرجع نفسه

٣. التصوير الفني في القرآن، ص ٣٧

٤. المرجع نفسه

٥. القرآن؛ س: العنكبوت؛ الآية: ٤١

تأويًا.^١

فيستمر يقول: "ويعد هذا المثل من أحسن الأمثال، وأدلها على بطلان الشرك، وخسارة صاحبه، وحصوله على ضد مقصوده ."^٢ وهو كالمرأة التي يرى الناس عليها، وخاصة أولئك الذين غلظت وثقلت طباعهم، وتبدلت أحساسهم ومشاعرهم، وهو "صورة تجسم ضعف أولئك الأولياء من دون الله عامة، ووهن الملجأ اليه من والاهم حين يلوذون اليهم، ويحتمون بحماهم، وترسم لذلك كله صورة مزدوجة؛ فهم عناكب ضئيلة واهنة، تأوي من حمى هؤلاء الأولياء الى بيت كبيت العنكبوت أو هن وأضال."^٣

وهذا الخطاب القرآني يجسم ضعف هؤلاء الآلهة، أو أوليائهم من دون الله، وكذلك وهن الملجأ الذي يلجأ اليه عبادهم حين يحتمون بحمايتهم، "فيرسم لهذا كله صورة مزدوجة في الآية."^٤

وقد ذكر فراس عبد الحق، المشرف العام على الموقع (موسوعة الاعجاز العلمي في القرآن والسنة) www.55a.net مستفيداً من بحث للدكتور زغلول النجار تم نشره في جريدة الأهرام عدد (٤٢٧٤٩):

"هذا النص القرآني المعجز يشير الى عدد من الحقائق المهمة التي منها:

- (١) الوهن المادي: أن بيت العنكبوت هو من الناحية المادية البحتة أضعف بيت على الاطلاق، لأنه مكون من مجموعة خيوط حريرية غاية في الدقة تتشابك مع بعضها البعض تاركة مسافات بينية كبيرة في أغلب الأحيان، ولذلك فهي لا تقى حرارة شمس، ولا زمهرير برد، ولا تحدث ظلاً كافياً، ولا تقى من مطر هائل، ولا رياح عاصفة، ولا من أخطار المهاجمين، وذلك على الرغم من الاعجاز في بنائها.
- (٢) الوهن في بيت العنكبوت وليس في خيوط: قوله تعالى (ان أوهن البيوت) وهنا اشارة صريحة الى أن الوهن والضعف في بيت العنكبوت وليس في خيوط العنكبوت وهي اشارة دقيقة جداً فخيوط بيت العنكبوت حريرية دقيقة جداً، يبلغ سمك الواحدة منها في المتوسط واحداً من المليون من البوصة المربعة، أو جزءاً من أربعة آلاف جزء من سمك الشعرة العادية في رأس الانسان، وهي على الرغم من

١. مقال: كمثل العنكبوت اتخذت بيتا، للأستاذ محمد اسماعيل عتوك، نشر على الموقع

http://55a.net/firas/arabic/index.php?page=show_det&id=161&select_page=5

٢. المرجع نفسه

٣. المرجع نفسه

٤. التصوير الفني في القرآن، ص ٣٧

دقتها الشديدة فهي أقوى مادة بيولوجية عرفها الانسان حتى الآن ، و تعتبر الخصلات الحريرية التي تكون نسيج العنكبوت أقوى من الفولاذ ، ولا يفوقها قوة سوى الكوارتز المصهور ، ويتمدد الخيط الرفيع منه الى خمسة أضعاف طوله قبل أن ينقطع ، ولذلك أطلق العلماء عليه اسم "الفولاذ الحيوي" أو "الفولاذ البيولوجي" أو "البيو صلب" ، وهو أقوى من الفولاذ المعدني العادي بعشرين مرة ، وتبلغ قوة احتماله 300.000 رطلاً للبوصة المربعة ، فإذا قدر جدلاً وجود حبل سميك بحجم اصبع الابهام من خيوط العنكبوت فيمكنه حمل طائرة "جامبو" بكل سهولة.

(٣) **الوهن المعنوي:** ان بيت العنكبوت من الناحية المعنوية هو أو هن بيت على الاطلاق لأنه بيت محروم من معاني المودة والرحمة التي يقوم على أساسها كل بيت سعيد ، وذلك لأن الأنثى في بعض أنواع العنكبوت تقضي على ذكرها بمجرد اتمام عملية الاخصاب وذلك بقتله وافتراس جسده لأنها أكبر حجماً وأكثر شراسة منه ، وفي بعض الحالات تلتهم الأنثى صغارها دون أدنى رحمة ، وفي بعض الأنواع تموت الأنثى بعد اتمام اخصاب بيضها الذي عادة ما تحتضنه في كيس من الحرير ، وعندما يفقس البيض تخرج (Spiderlings) فتجد نفسها في مكان شديد الازدحام بالأفراد داخل كيس البيض ، فيبدأ الاخوة الأشقاء في الاقتتال من أجل الطعام أو من أجل المكان أو من أجلهما معاً فيقتل الأخ أخاه وأخته ، وتقتل الأخت أختها وأخاها حتى تنتهي المعركة ببقاء عدد قليل من العنكبكات التي تنسلخ من جلودها ، وتمزق جدار كيس البيض لتخرج الواحدة تلو الأخرى ، والواحد تلو الآخر بذكرات تعيسه ، ليستشر الجميع في البيئة المحيطة وتبدأ كل أنثى في بناء بيتها ، ويهلك في الطريق الى ذلك من يهلك من هذه العنكبكات . ويكرر من ينجو منها نفس المأساة التي تجعل من بيت العنكبوت أكثر شراسة ووحشية ، وانعداماً لأواصر القربى ، ومن هنا ضرب الله تعالى به المثل في الوهن والضعف لافتقاره الى أبسط معاني التراحم بين الزوج وزوجه ، والأم وصغارها ، والأخ وشقيقه ، شقيقته ، والأخت وأختها وأخيها...!!^١

ثم يقول في الختام مشيراً الى بعض الاشارات الخفية في قوله تعالى هذا:

"أ — ولا يقتصر بيت العنكبوت على أنه مأوى يسكن فيه ، بل هو في نفس الوقت مصيدة تقع في بعض حبالها اللزجة الحشرات الطائرة مثل الذباب وغيرها

.. لتكون فريسة يتغذى عليها كذلك فان هؤلاء المشركين الذين اتخذوا أنداداً من دون الله تعالى ودعوا الناس الى أندادهم انما يدعونهم الى مصيدة متقنة يكون في دخولها حتفهم وهلاكهم في الدنيا والآخرة قال تعالى :

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝١﴾

ب — التحذير من أصحاب الدعوات الفاسدة الذين اتخذوا من دون الله أنداداً سواء كان هذا الند هو المال أو الهوى وذلك من خلال الإشارة الى خيوطهم الخفية التي يصطادون من خلالها ضحاياهم سواء كانت هذه الخيوط هي المال أو الجنس أو المناصب أو غيرها من الخيوط الخفية والتي ما ان تمسك بالضحية حتى تقضي عليها وتهلكها.^٢

وقال الدكتور محمد الفار (أستاذ ورئيس شعبة الكيمياء الحيوية بعلوم المنصورة) : ” والعجيب أن من هذه الخطوط (القوية) تصنع بيوت العنكبوت (الضعيفة) الواهية والواهنة.“^٣

٩ . ويقول الله سبحانه وتعالى:

﴿ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝٤﴾

ففي هذه الآية:

”صَوْر — سبحانه — حال من يشرك بالله تصويراً تنخلع له القلوب ، ويحمل كل عاقل على اجتناب هذا الرجس فقال: (وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ) أي: ومن يشرك بالله — تعالى — في عبادته ، ومات على ذلك ، فكأنما سقط من السماء الى الأرض ، فاخطفته جوارح الطير بسرعة فمزقت أو صاله ، أو تسقطه الريح في مكان بعيد أشد البعد بحيث لا يعثر له على أثر. والمقصود من هذه الجملة تقييح حال الشرك والمشركين، وبيان أن الوقوع في الشرك يؤدي الى الهلاك الذي نجاة معه بحال، لأن من يسقط من السماء فتمزق أو صاله ، وتنخطفه الطير أو تلقي به الريح في مكان بعيد لا يطمع له في نجاة ، بل هو هالك لا محالة. فالجملة الكريمة مقررة

١ . القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ٤٨

٢ . المرجع السابق

٣ . المرجع نفسه

٤ . القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ٣١

لوجوب اجتناب الشرك بأبلغ صورته.^١

قال صاحب الكشاف: "... فكأنه قال: من أشرك بالله فقد أهلك نفسه اهلاً كما ليس بعد نهاية ، بأن صور حاله بصورة حال من خر من السماء فاخطفته الطير فتفرق مزعاً في حواصلها ، أو عصفت به الريح حتى هوت به في بعض المطاوح البعيدة.^٢

وفي نظر سيد قطب في هذا البيان ان الله تعالى: "يريد أن يبين أن الذي يشرك بالله ، لا منبت له ولا جذور ولا بقاء له ولا استقرار ، فيمثل لهذا المعنى بصورة سريعة الخطوات ، عنيفة الحركات ... هكذا في ومضة . يخر من السماء من حيث لا يدري أحد ، فلا يستقر على الأرض لحظة . ان الطير لتخطفه ، أو ان الريح لتهوي به .. وتهوي به في مكان سحيق! حيث لا يدري أحد كذلك ! وذلك هو المقصود.^٣

ونستقرأ ما ورد في تفسيره (في ظلال القرآن): ثم يرسم النص مشهداً عنيفاً يصور حال من تزل قدماه عن أفق التوحيد فيهوي الى درك الشرك . فاذا هو ضائع ذاهب بدءاً كأن لم يكن من قبل أبداً انه مشهد الهوي من شاهق وفي مثل لمح البصر يتمزق أو تقذف به الريح بعيداً بعيداً عن الأنظار في هوة ليس لها قرار! "والملاحظ هو سرعة الحركة مع عنفها وتعاقب خطواتها في اللفظ "بالفاء" وفي المنظر بسرعة الاختفاء.. على طريقة القرآن الكريم في التعبير بالتصوير.^٤

١٠ . يقول سبحانه وتعالى في سورة آل عمران:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ
وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾^٥

والمراد بقوله (يَشْتَرُونَ) "أي يستبدلون ، وذلك لأن المشتري يأخذ شيئاً ويعطي شيئاً . فكل واحد من المعطي والأخوذ ثمن للآخر.^٦

والمراد (بِعَهْدِ اللَّهِ) "كل ما يجب الوفاء به ، فيدخل فيه ما أوجبه الله - تعالى - على عباده من فرائض وتكاليف ، ومن ايمان بملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر ، كما يدخل فيه - أيضاً - ما أوجبه الله على أهل الكتاب من الايمان بمحمد ﷺ الذي يجدون نعته في كتبهم ، ويعرفون

١ . تفسير الوسيط في القرآن الكريم ، طنطاوي

٢ . الكشاف ، س: الحج ، الآية: ٣١ ، ص ٢

٣ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٣٨

٤ . في ظلال القرآن ، س: الحج ، الآية: ٣١

٥ . القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ٧٧

٦ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ؛ س: الحج ؛ الآية: ٣١

صدقه كما يعرفون أبناءهم.^١

والمراد بـ(أَيْمَانِهِمْ) "الأيمان الكاذبة التي يحلفونها ليؤكدوا ما يريدون تأكيده من أقوال أو أفعال."^٢

والمراد بالثمن القليل: "حفظ الدنيا وشهواتها من نحو المال والمنافع الزائلة، التي أخذوها نظير تركهم لعهد الله، وحلفهم الكاذب."^٣

ويستنتج طنطاوي جوهرى: "ان المقصود من كل هذه الكلمات: بيان شدة سخط الله عليهم، لأن من منع غيره كلامه، فانما ذلك بسخط عليه، واذا سخط انسان على آخر قال له: لا أكلمك، وقد يأمر بحجبه عنه ويقول: لا أرى وجه فلان، واذا جرى ذكره لم يذكره بالجميل، فثبت أن الآية كناية عن شدة الغضب نعوذ بالله منه."^٤

وفي تعبير سيد قطب: ان القرآن الكريم "يريد أن يثبت معنى الحرمان والاهمال في الآخرة لهؤلاء الذين أعطاهم الله الكتاب من قبل الاسلام فأهملوه، وعاهدتهم على الايمان فعاهدوه، ثم أخلفوه، ابتغاء نفع مادي قليل، شأن من لا عهد له، ولا احترام لكلمته، في رسم لهذا الاهمال المعنوي صورة حسية"^٥

فيتضح معنى الاهمال بدون ألفاظ الاهمال، ولكن برسم الحركات الدالة عليه وهي: لا كلام، ولا نظر، ولا تركية. وانما عذاب أليم فقط.

١١. وقوله تعالى:

﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾^٦

"يعرض مشهداً تتأذى له أشد النفوس كثافة وأقل الأرواح حساسية . مشهد الأخ يأكل لحم أخيه .. ميتاً !..

ثم يبادر فيعلن عنهم أنهم كرهوا هذا الفعل المثير للاشمئزاز، وأنهم اذن كرهوا الاغتياب!"^٧

١. المرجع نفسه

٢. المرجع نفسه

٣. المرجع نفسه

٤. المرجع نفسه

٥. التصوير الفني في القرآن ، ص ٣٨

٦. القرآن ؛ س:الحجرات ؛ الآية: ١٢

٧. في ظلال القرآن ؛ س:الحجرات ؛ الآية: ١٢

وفي نظر الزمخشري هذا "تمثيل وتصوير لما يناله المغتاب من عرض المغتاب على أفضع وجه وأفحشه."^١

وجمال هذه الصورة الفنية انه "انما قال: (وَلَا يَغْتَبُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا) دون أن يقول: اجتنبوا الغيبة. لقصد التوطئة للتمثيل الوارد في قوله: (أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا) لأنه لما كان ذلك التمثيل مشتملاً على جانب فاعل الاغتياب ومفعوله مهَّد له بما يدل على ذاتين لأن لذلك يزيد التمثيل وضوحاً."^٢

ونجد دور هذا التعبير في التأثير في قول البقاعي: "وكان هذا لو تأمله العاقل كان منه على غاية النفرة، ولكنه لخفائه لا يخطر بباله، جلاه له في قوله تقريراً وتعبيراً بالحب عما هو في غاية الكراهة لما للمغتاب من الشهوة في الغيبة ليكون التصوير بذلك راداً له عنها ومكرماً فيها: (أَيُّحِبُّ) وعم بقوله: (أَحَدُكُمْ) وعبر بأن والفعل تصويراً للفعل فقال: (أَنْ يَأْكُلَ) وزاد في التنفير بجعله في انسان هو أخ فقال (لَحْمَ أَخِيهِ) وأنهى الأمر بقوله: (مَيْتًا)."^٣

فما نرى كلاً من هذه الأمثلة هو "تصوير حي منتزع من عالم الأحياء، لا ألوان مجردة وخطوط جامدة. تصوير تقاس الأبعاد فيه والمسافات، بالمشاعر والوجدانات. فالمعاني ترسم وهي تتفاعل في نفوس آدمية حية، أو في مشاهد من الطبيعة تخلع عليها الحياة."^٤

-
١. الكشاف؛ س: الحجرات؛ الآية: ١٢
 ٢. تفسير التحرير والتنوير؛ س: الحجرات؛ الآية: ١٢
 ٣. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور؛ س: الحجرات؛ الآية: ١٢
 ٤. التصوير الفني في القرآن؛ ص ٣٣

الفصل الثاني

تصوير المعاني المجردة مصوراً للحالات النفسية والمعنوية

ونجد في القرآن الكريم كثير من الصور التي تقدم المعاني المجردة للحالات النفسية المعنوية .
فننظر الى بعض منها على سبيل الأمثلة:

١ . قال الله تبارك وتعالى عن الذي لا يستقر على حالة:

﴿ قُلْ أَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرُدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ إِذْ هَدَانَا اللَّهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانًا لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَىٰ اثْنًا قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ وَأُمرْنَا لِنُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾

ان القرآن الكريم يريد أن يبرز الحيرة التي تنتاب من يشرك بعد التوحيد، ومن يتوزع قلبه بين الآله الواحد والآلهة المتعددين، ويتفرق احساسه بين الهدى والضلال . فيرسم هذه الصورة المحسنة المتخيلة. "فتبرز صورة هذا المخلوق التعيس الذي استهوته الشياطين في الأرض (ولفظ الاستهواء لفظ مصور لمدلولة) وباليته يتبع هذا الاستهواء في اتجاهه ، فتكون له راحة ذي القصد الموحد - ولو كان في طريق الضلال - ولكن هناك من الجانب الآخر ، اخوان له يدعونه الى الهدى ، وينادونه : ((اثنتا)). وهو بين هذا الاستهواء وهذا الدعاء ((حيران)) موزع القلب، لا يدري أي الفريقين يجيب ، ولا أي الطريقين يسلك ، فهو قائم هناك شاخص متلفت.^٢

فيكشف لنا فخر الدين الرازي معنى الكلمة [حَيْرَانًا] المركزية التي تقدم الحالة النفسية عند بعض الناس :

"يقال حار يحار حيرة وحيراً ، وزاد الفراء حيراناً وحيرورة ، ومعنى الحيرة هي التردد في الأمر بحيث لا يهتدي الى مخرجه . ومنه يقال : الماء يتحير في الغيم أي يتردد ، وتحيرت الروضة بالماء اذا امتلأت فتردد فيها الماء . واعلم أن هذا المثل في غاية الحسن ، وذلك لأن الذي يهوي من المكان العالي الى الوهدة العميقة يهوي اليها مع الاستدارة على نفسه ، لأن الحجر حال نزوله من الأعلى الى الأسفل ينزل على الاستدارة ، وذلك يوجب كمال التردد والتحير ، وأيضاً فعند نزوله لا يعرف أنه

١ . القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ٧١

٢ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٣٨-٣٩

يسقط على موضع يزداد بلاؤه بسبب سقوطه عليه أو يقل ، فإذا اعتبرت مجموع هذه الأحوال علمت أنك لا تجد مثلاً للمتحير المتردد الخائف أحسن ولا أكمل من هذا المثال.^١

ويزيد على هذا طنطاوي جوهرى بقوله: "استعمل هذا التعبير في التمثيل للتلبس بحالة ذميمة كان قد فارقها صاحبها ثم عاد إليها وتلبس بها... ثم ساق القرآن صورة مؤثرة دقيقة للضلالة والحيرة التي تناسب من يشرك بعد التوحيد"^٢

ثم الأستاذ سيد قطب تقدم التجزئة التفصيلية لهذه الصورة القرآنية الفنية:

"انه مشهد حي شاخص متحرك للضلالة والحيرة التي تنتاب من يشرك بعد التوحيد، ومن يتوزع قلبه بين الاله الواحد، والآلهة المتعددة من العبيد! ويتفرق احساسه بين الهدى والضلال، فيذهب في التيه .. انه مشهد ذلك المخلوق التعيس: [الذي استهوته الشياطين في الأرض] — ولفظ الاستهواء لفظ مصور بذاته لمدلوله — وباليتنه يتبع هذا الاستهواء في اتجاهه، فيكون له اتجاه صاحب القصد الموحد — ولو في طريق الضلال! — ولكن هناك، من الجانب الآخر، أصحاب له مهتدون، يدعون الى الهدى، وينادونه [اثنا] — وهو بين هذا الاستهواء وهذا الدعاء [حيران] لا يدري أين يتجه ، ولا أي الفريقين يجيب!

انه العذاب النفسي يرسم ويتحرك ، حتى ليكاد يحس ويلمس من خلال التعبير!"^٣

والقارئ يتصور هذا المشهد وما يفيض به من عذاب الحيرة والتأرجح والقلقلة كلما يقرأ هذا النص .. ولكن مجرد تصور .. حتى يرى حالات حقيقية ، يتمثل فيها هذا الموقف ، ويفيض منها هذا العذاب .. حالات ناس عرفوا دين الله وذاقوه — أياً كانت درجة هذه المعرفة وهذا التذوق — ثم ارتدوا عنه الى عبادة الآلهة الزائفة ، تحت قهر الخوف والطمع .. ثم اذا هم في مثل هذا البؤس المرير .. وعندئذ عرفت ماذا تعني هذه الحالة ، وما ذا يعني هذا التعبير!

١ . مفاتيح الغيب ، س: الأنعام؛ الآية: ٧١ ؛ ص ١

٢ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ٧١ ؛ ص ٢-٣

٣ . في ظلال القرآن ، س: الأنعام ؛ الآية: ٧١ ، ص ٢-٣

٢. وفي نفس حريصة قوله تعالى:

﴿وَأْتَلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلُ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتْرُكُهُ يَلْهَثُ...﴾^١

اللهث لهث الكلب عند الاعياء، وعند شدة الحر، هو ادلاع اللسان من العطش.^٢ فاللهث سرعة التنفس مع امتداد اللسان لضيق النفس. ويلهث الكلب اذا أتعب أو اشتد عليه الحر، ويلهث بدون ذلك، لأن في خلخته ضيقاً في مجاري النفس يرتاح له باللهث. بين الله تعالى في هذه القطعة القرآنية مثلاً "للانحراف عن سواء الفطرة، ونقض لعهد الله المأخوذ عليها، ونكوص عن آيات الله بعد رؤيتها والعلم بها.. ذلك الذي آتاه الله آياته، فكانت في متناول نظره وفكره؛ ولكنه انسلخ منها، وتعرى عنها ولصق بالأرض، واتبع الهوى"^٣

ولكن البيان القرآني المعجز لا يصوغ المثل هذه الصياغة. انما يصوره في مشهد حي متحرك، والحركة فيه عنيفة، والسماوات شاخصة، والملامح بارزة، والانفعالات واضحة؛ وفيه كل ايقاعات الحياة الواقعة، الى جانب ايقاعات العبارة الموحية. "انه مشهد من المشاهد العجيبة، الحديدية كل الحدة على ذخيرة هذه اللغة من التصورات والتصويرات"^٤

ان الانسان يؤتبه الله آياته، ويخلع عليه من فضله، ويكسوه من علمه، ويعطيه الفرصة كاملة للهدى والاتصالات والارتفاع.. "ها هو ذا ينسلخ من آيات الله؛ ويتجرد من الغطاء الواقى، والدرع الحامى؛ وينحرف عن الهدى لاتباع الهوى؛ ويهبط من الأفق المشرق فيلتصق بالطين المعتم"^٥ فيصبح غرضاً للشيطان لا يقيه منه واق، ولا يحميه منه حام؛ فيتبعه ويلزم ويستحوذ عليه. "ثم اذا نحن أولاء أمام مشهد منفع بائس نكد.. اذا نحن بهذا المخلوق، لاصقاً بالأرض، ملوثاً بالطين. ثم اذا هو مسخ في هيئة الكلب، يلهث ان طورد ويلهث ان لم يطارد.. كل هذه المشاهد المتحركة تتابع وتتوالي؛ والخيال شاخص يتبعها في انفعال وانبهار وتأثر.. فاذا انتهى الى المشهد الأخير منها.. مشهد اللهات الذي لا ينقطع"^٦

١. القرآن؛ س: الأعراف؛ الآية: ١٧٥

٢. لسان العرب، مادة (لهث) ص ٥٢٦٢

٣. في ظلال القرآن، س: الأعراف؛ الآية: ١٧٥، ص ٧

٤. في ظلال القرآن، س: الأعراف؛ الآية: ١٧٥، ص ٧

٥. المرجع نفسه

٦. المرجع نفسه

وفي نظر ابن عاشور: "هذا التمثيل من مبتكرات القرآن... وتتقابل أجزاء هذا التمثيل بأن يشبه الضال بالكلب، ويشبه شقاؤه واضطراب أمره في مدة البحث عن الدين بلهث الكلب في حالة تركه في دعة، تشبيه المعقول بالمحسوس، ويشبه شقاؤه في اعراضه عن الدين الحق عند مجيئه بلهث الكلب في حالة طرده وضربه تشبيه المعقول بالمحسوس."^٤

وأخيراً يلخص سيد قطب هذا المشهد:

"ويريد الله كشف عن حال أولئك الذين يهينى الله لهم المعرفة، فيفرون منها كأن لم تهيأ لهم أبداً، ثم يعيشون بعد ذلك هابطين، تطاردهم أنفسهم وأهواؤهم، بما علموا وبما جهلوا؛ فلا هم استراحوا بالغفلة، ولا هم استراحوا بالمعرفة، فيرسم لهم هذه الهيئة... لصورة تحقير وتقدير— وذلك غرض ديني لا شأن لنا به هنا— ولكنها من الوجهة الفنية صورة شاخصة، فيها الحركة الدائبة. وهي صورة معهودة، فهي في تثبيت المعنى المراد بها أشد وأقوى. وهكذا يلتقي الغرض الديني بالغرض الفني، كالشأن في جميع الصورة التي يرسمها القرآن."^٥

٣. وقال تعالى عن الذي يزن العقيدة والايمان بربح والخسارة الدينويين:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ﴾^٦

"ويعمضي السياق الى نموذج آخر من الناس — ان كان يواجه الدعوة يومذاك فهو نموذج مكرور في كل جيل — ذلك الذي يزن العقيدة بميزان الربح والخسارة؛ ويظنها صفقة في سوق التجارة"^٧

"[وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ] أي ضعف من العبادة كضعف القائم على حرف أي طرف جبل"^٨

ويعلق طنطاوي جوهرى على هذا التصوير الفني لتقديم المعاني المجردة النفسية: "والمأمل في هذه الآية الكريمة يراها قد صورت المذبذبين في عقيدتهم أكمل تصوير، فهم يقيسون العقيدة بميزان الصفقات التجارية، ان ربحوا من ورائها فرحوا، وان خسروا فيها أصابهم الغم

١. تفسير التحرير والتنوير، س: الأعراف؛ الآية: ١٧٥، ص ٤-٥

٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٣٩

٣. القرآن؛ س: الحج؛ الآية: ١١

٤. في ظلال القرآن؛ س: الحج؛ الآية: ١١، ص ٨

٥. مجمع البيان في تفسير القرآن، س: الحج؛ الآية: ١١، ص ٣

والحزن.^١

وشبيه بهذه الآية قوله — تعالى — في شأن المنافقين:

﴿ وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْحَطُونَ ﴾^٢

والتعبير بقوله — سبحانه — [عَلَى حَرْفٍ] يصور هذا النوع من الناس الذي "يتأرجح في عبادته كما يتأرجح من يكون على طرف الشيء . فهو معرض للسقوط في أي لحظة." ^٣ ان العقيدة في حياة المؤمن تكون ثابتة ركيذة ، تضطرب الدنيا من حوله ولكنه يثبت على عقيدته وتتجاذبه الأحداث والدوافع فيتعلق ويلزم بالصخرة التي لا تتزعزع. أما ذلك الصنف من الناس الذي يتحدث عنه السياق "فيجعل العقيدة صفقة في سوق التجارة ؛ [فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ] وقال: ان الايمان خير. فهو ذا يجلب النفع ، ويدر الضرع ، وينمي الزرع ، ويربح التجارة ، ويكفل الرواج [وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ]"^٤

والتعبير القرآني يصوره في عبادته لله [عَلَى حَرْفٍ] غير متمكن من العقيدة ، ولا مثبت في العبادة. "يصوره في حركة جسدية متأرجحة قابلة للسقوط عند الدفعة الأولى . ومن ثم ينقلب على وجهه عند مس الفتنة ، ووقفته المتأرجحة تمهد من قبل لهذا الانقلاب!"^٥ وان هذه الصورة ترسم "حالة التزعزع بأوضح مما يؤديه وصف التزعزع ، لأنها تنطبع في الحس ، وتتصل منه بالنفس."^٦

٤ . ويقدم تصوير فني آخر لحالات المسلمين قبل الاسلام بقوله تعالى:

﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ﴾^٧

وفي هذه الآية الكريمة تصوير بديع مؤثر لحالة المسلمين قبل الاسلام وحالتهم بعد الاسلام. فقد صور — سبحانه — حالهم وترديهم في الكفر والاختلاف والتقاتل قبل أن يدخلوا في

١ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الحج ؛ الآية: ١١ ، ص ٢

٢ . القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ٥٨

٣ . المرجع السابق

٤ . في ظلال القرآن ، س: الحج ؛ الآية: ١١ ، ص ٩

٥ . المرجع نفسه

٦ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٣٩ - ٤٠

٧ . القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١٠٣

الاسلام بحال من يكون على حافة حفرة من النار يوشك أن يقع فيها. وصور هدايته لهم الى سبيل الحق والمحبة والاخاء بدخولهم في الاسلام عن طريق محمد ﷺ بحالة من يعدد غيره عن الترددي في النار وينقذه من الوقوع فيها. "وَإِذْ كُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ [تصوير لحالهم التي كانوا عليها ليحصل من استفظاعها انكشاف فائدة الحالة التي أمروا بأن يكونوا عليها وهي الاعتصام جميعاً بجامعة الاسلام الذي كان سبب نجاتهم من تلك الحالة"^١ والنص القرآني يعمد الى "مكمن المشاعر والروابط: "القلب" .. فلا يقول: فألف بينكم. انما ينفذ الى المكمن العميق: [فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ] فيصور القلوب حزمة مؤلفة متألفة بيد الله وعلى عهده وميثاقه. كذلك يرسم النص صورة لما كانوا فيه. بل مشهداً حياً متحركاً تتحرك معه القلوب"^٢ فهذا التصوير من الكيد الذي تكيده الكفار دائماً للجماعة المسلمة.

ثم ننظر الى جمال التعبير من زاوية اخرى اذ "ليس المهم هنا - في هذا المجال - دقة التشبيه وصدقته، انما المهم أولاً هو هذه الصورة القلقة المتحركة الموشكة في الخيال على الزوال. ولو استطاعت ريشة مصور بالألوان أن تبرز هذه الحركة المتخيلة في صورة صامتة لكانت براعة تحسب في عالم التصوير. والمصور يملك الريشة واللوحه والألوان وهنا ألفاظ فحسب يصور بها القرآن."^٣

٥. شبيهة بهذه الصورة صورة أخرى ، لمن يقيم بنيانه على نية خبيثة:

﴿أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا خَيْرًا مِّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ٥ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ٦﴾

والتعبير القرآني الفريد يرسم هنا صورة حافلة بالحركة ، تنبئ عن مصير كل عمل صالح ظاهراً ويراد به عكس ذلك، وتكشف عن نهاية كل محاولة خادعة تخفي ورائها نية خبيثة ؛ وتطمئن العاملين المتطهرين من كل كيد يراد بهم، مهما لبس أصحابه مسوح المصلحين.

١. التحرير والتنوير ، س: آل عمران ؛ الآية: ١٠٣ ، ص ٣

٢. في ظلال القرآن ، س: آل عمران ؛ الآية: ١٠٣ ، ص ١٣-١٤

٣. التصوير الفني في القرآن ، ص ٤٠-٤١

٤. القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ١٠٩-١١٠

فلنشهد "الحركة السريعة العنيفة في بناء الضرار.. انه قائم على شفا حرف هار .. قائم على حافة حرف منها.. قائم على تربة مخلخلة مستعدة للانهيال.. اننا نبصره اللحظة يتأرجح ويتزحلق وينزلق!"^١

فانه مشهد حافل بالحركة المثيرة ترسمه وتحركه بضع كلمات وهدفه اطمئنان دعاة الحق على مصير دعوتهم ، في مواجهة دعوات الكيد والكفر والنفاق "وهذا هو الاعجاز الذي يرسم الواقع النفسي بريشة الجمال الفني ، في مثل هذا التناسق ؛ بمثل هذا اليسر في التعبير والتصوير على السواء"^٢

١ . في ظلال القرآن ، س:التوبة ؛ الآية: ١٠٩-١١٠ ، ص ١٦-١٧

٢ . المرجع نفسه

الفصل الثالث

تصوير الحالات النفسية برسم نماذج انسانية

والقرآن الكريم قدّم الحالات النفسية مصورة في نماذج انسانية ، في ثنايا التوجيهات والتشريعات القرآنية — التي يتألف من مجموعها المنهج الرباني الكامل للحياة البشرية. "يحد الناظر في هذه التوجيهات كذلك منهجاً للتربية ، قائماً على الخبرة المطلقة بالنفس الانسانية ، ومسارها الظاهرة والخفية ؛ يأخذ هذه النفس من جميع أقطارها ، كما يتضمن رسم نماذج من نفوس البشر ، واضحة الخصائص جاهرة السمات ، حتى ليخيل للانسان وهو يتصفح هذه الخصائص والسمات ، أنه يرى ذوات بعينها ، تدب في الأرض ، وتتحرك بين الناس ، ويكاد يضع يده عليها ، وهو يصيح : هذه هي بعينها التي عناها القرآن!"^١

ومنها ﴿ مَنْ يُعْبُدِ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ﴾^٢ السابق ذكره ، ونأتي بمزيد من الأمثلة:

١ . قوله تعالى:

﴿ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكَّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴾^٣

ان الله تعالى صور حالة الرجل المتكبر المعاند كما يقول سيد قطب: ان البيان القرآني "يريد أن يشخص حالة العناد السخيف ، والمكابرة العمياء ، التي لا يجدي معها حجة ولا برهان ، فيبرز ((نموذجاً انسانياً))"^٤

وقد قال في تفسيره بالتفصيل والتوضيح للتصوير القرآني هكذا: "ويكفي تصورهم يصعدون في السماء من باب يفتح لهم فيها. يصعدون بأجسامهم ، ويرون الباب المفتوح أمامهم ، ويحسون حركة الصعود ويرون دلائلها.. ثم هم بعد ذلك يكابرون فيقولون : لا. لا. ليست هذه حقيقة انما أحد سكر أبصارنا وخذرها"^٥

"انه نموذج بشري للمكابرة والاستغلاق والانطماس يرسمه التعبير ، مثيراً للشعور الاشمزاز والتحقير. وهذا النموذج ليس محلياً ولا وقتياً ، ولا هو وليد بيئة معينة في زمان معين.. انه

١ . في ظلال القرآن ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٠٤ ، ص ١

٢ . القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ١١

٣ . القرآن ؛ س: الحجر ؛ الآية: ١٤-١٥

٤ . التصوير الفنى فى القرآن ، ص ٤١

٥ . في ظلال القرآن ، س: الحجر ؛ الآية: ١٤-١٥ ، ص ٥

نموذج للانسان حين تفسد فطرته، وتستغلق بصيرته...“^١

هذا النموذج يتمثل في هذا الزمان في الملحدين وأصحاب المادية التي يسمونها ((المذاهب العلمية)) وهي أبعد ما تكون عن العلم؛ بل أبعد ما تكون عن الالهام والبصيرة. فاتضح لنا كيف صوّر البيان القرآني تصوير حالة نفسية يعاني انسان منا في حين أو آخر دون احساس شعوري. ولكنه يصبح أنانياً حين يلفت نظره الى هذا السلوك منه أحد من الآخرين. والتعبير [فَظَلُّوا] يدل ان عروجهم كان ”عروجاً مستمراً لا مرة ودفعة كما يشير اليه قوله تعالى: [فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ] حيث عبّر بقوله: ”ظَلُّوا“ ولم يقل: فعرجوا فيه.“^٢

يقول طنطاوي مفسراً من أول السورة الى هذه الآيات: ”ثم ختم — سبحانه — هذه الآيات برسم صورة عجيبة لعناد هؤلاء المكذبين ولجحودهم للحق بعدما تبين... فالآية الكريمة تصور أكمل تصوير مكابرة الكافرين وعنادهم المزري... وقالوا [بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ] ولم يقولوا بل نحن مسحورون، للاشعار بأن السحر قد تمكن منهم جميعاً، ولم يخص بعضاً منهم دون بعض.“^٣

٢. وشبيه بذلك قوله تعالى:

﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾^٤

وعبر — سبحانه — بقوله: ﴿فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ﴾ مع أن اللمس هو باليد غالباً، ”للتأكيد وزيادة التعيين، ودفع احتمال المجاز. فالجملة الكريمة المقصود بها تصوير فرط جحودهم ومكابرتهم، واعراضهم عن الحق مهما تكن قوة الدليل وحسبته.“^٥

واللمس هو من أقوى المدركات وخاصة مع الأخرى من المدركات، كما يشير اليه الرازي: ”فاذا لمسوه بأيديهم فقد يقوي الادراك البصري بالادراك اللمسي، وبلغ الغاية في الظهور والقوة، ثم هؤلاء يبقون شاكين في أن ذلك الذي رأوه ولمسوه هل هو موجود أم لا، وذلك يدل على أنهم بلغوا في الجهالة الى حد السفسطة، فهذا هو المقصود من الآية لا ما ذكرتم والله أعلم.“^٦ ويعلق سيد قطب على هذا التصوير القرآني بأسلوبه الأخاذ الحساس بأنه يرسم ”نموذجاً عجيباً

١. في ظلال القرآن، س: الحجر؛ الآية: ١٤-١٥، ص ٥

٢. الميزان في تفسير القرآن، س: الحجر؛ الآية: ١٤-١٥، ص ٢

٣. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الحجر؛ الآية: ١٤-١٥، ص ١١

٤. القرآن؛ س: الأنعام؛ الآية: ٧

٥. الميزان في تفسير القرآن س: الأنعام؛ الآية: ٧

٦. مفاتيح الغيب، س: الأنعام؛ الآية: ٧

من النفوس البشرية .. ولكنه نموذج مع ذلك مكرور ، يجده الانسان في كل عصر وفي كل بيئة وفي كل جيل .. نموذج النفس المكابرة ، التي يخرق الحق عينها ولا تراه! والتي تنكر ما لا يُنكر لأنه من الواضح بحيث يخجل المخالف أن ينكره! على الأقل من باب الحياء!^١

والقرآن يرسم هذا النموذج شاخصاً في كلمات قليلة على طريقة التعبير القرآني المبدعة المعجزة في التعبير والتصوير. والتصوير "على هذا النحو - وهي صورة تمثل حقيقة لنماذج مكرورة - يؤدي غرضين أو عدة أغراض : انه يجسم للمعارضين أنفسهم حقيقة موقفهم الشائن الكريه البغيض؛ كالذي يرفع المرأة لصاحب الوجه والشائه والسحنة المنكرة ، ليرى نفسه في هذه المرأة ، ويخجل منها!"^٢

٣. وتصوير آخر لطبيعة انسانية تدفعه يذكر ربه في ساعة الضيق ونسيانه في الفرجة بقوله تعالى:

﴿ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِيًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرِّ مَسَّهُ كَذَلِكَ زَيْنٌ لِّلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ﴿٣﴾

﴿ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِن بَعْدِ ضِرَّاءٍ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي يُسَبِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَ تَهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِن أَنجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَنجَيْنَهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ... ۝ ﴿٤﴾

وورد في (في ظلال القرآن) تفصيل هذا المقطع وتشريحه في شرح وبسط للتعبيرات الجزئية لهذا الكمل الذي يبين لنا جمال هذا التصوير القرآني: "وكل هذا يصور حالة العناد التي كانوا يواجهون بها هدى الله .. وقد شاءت حكمته أن يؤجلهم ، فلا يوقع بهم عذاب الاستئصال والهلاك كما أوقعه بالمكذبين قبلهم . فقد علم الله أن كثرتهم ستدخل في هذا الدين ، فيقوم عليها وينطلق في الأرض بها. وكان ذلك بعد فتح مكة"^٥ ، والله سبحانه يقول لهم في الآية

١. في ظلال القرآن س: الأنعام؛ الآية: ٧، ص ٤

٢. المرجع نفسه

٣. القرآن؛ س: يونس؛ الآية: ١٢

٤. القرآن؛ س: يونس؛ الآية: ٢١ - ٢٣

٥. في ظلال القرآن ، س: يونس؛ الآية: ١٢، ص ١٢-١٣

الأولى: انه لو عجل لهم بالشر الذي يتحدثون باستعماله، استعمالهم بالخير الذي يطلبونه .. لو استحباب الله لهم في استعمالهم كله لقضي عليهم ، وعجل بأجلهم! ولكنه يستبقيهم لما أجلهم له .. ثم يحذرهم من هذا الامهال أن يغفلوا عما وراءه . فالذين لا يرجون لقاءه سيظلون في عمايتهم يتخبطون ، حتى يأتيهم الأجل المرسوم. ”وبمناسبة الحديث عن استعمال الشر يعرض صورة بشرية للانسان عندما يمسه الضر، تكشف عن التناقض في طبيعة هذا الانسان الذي يستعجل الشر وهو يشفق من الضر، فاذا كشف عنه عاد الى ما كان فيه ... انها صورة مبدعة لنموذج بشري مكرور.“^١ والسياق ينسق خطوات التعبير وإيقاعه مع الحالة النفسية التي يصورها ، والنموذج البشري الذي يعرضه. ”فيصور منظر الضر في بطاء وتلبث وتطويل: [دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا] يعرض كله حالة وكل وضع وكل منظر ، ليصور وقفة هذا الانسان وقد توقف التيار الدافع في جسمه أو في ماله أو في قوته كما يتوقف التيار أمام السد ، فيقف أو يرتد. حتى اذا رفع الحاجز ”مر“ كلمة واحدة تصور الاندفاع والمروق والانطلاق. ”مر“ لا يتوقف ليشكر ، ولا يلتفت ليتدبر، ولا يتأمل ليعتبر: [مَرَّ كَأَنَّ لَمْ يَدْعُنَا إِلَى ضَرْ مَسَّهُ] واندفع مع تيار الحياة دون كابح ولا زاجر ولا مبالاة!^٢

ثم ذلك المشهد الحي الذي يعرض كأنه يقع ، وتشهده العيون ، وتتابعه المشاعر ، وتخفق معه القلوب ، يبدأ بتقرير القدرة المسيطرة المهيمنة على الحركة والسكون:

﴿ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾

ثم ها نحن أمام المشهد التصويري كأننا نراه بأعيننا:

﴿ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ ﴾

وها هي الفلك تتحرك رحية وبأمان:

﴿ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ ﴾

وندرك مشاعر أهل الفلك فرحين:

﴿ وَفَرِحُوا بِهَا ﴾

وفجأة ينتهي هذا الرخاء الآمن ، ويحول سرورهم الشامل الى قلق مضطرب:

﴿ جَاءَ تَهَا رِيحٌ عَاصِفٌ ﴾

وكيف هذا الهول!

﴿ وَجَاءَ هُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ﴾

ولاطم الأمواج الفلك واضطربت بمن فيها ، ودار بها كريشة الطائر الضائعة في خضم الماء

١. المرجع نفسه

٢. المرجع نفسه

الهائل.

وأهل هذه الفلك في فزع يظنون أن لا مناص لهم اليوم:

﴿ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أَحِيطَ بِهِمْ ﴾

وفي وسط هذا الهول العظيم المتلاطم، تتيقظ فطرتهم الأصلية السليمة وتنبض بالتوحيد واخلاص لله، وتنسى دون سواه:

﴿ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنِ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنُكُونَنَّ مِنَ

الشَّاكِرِينَ ﴾

فحين تهدأ الأمواج وتسكن الفلك، وتهدأ أنفاسهم اللاهثة، وتسكن قلوبهم الطائرة، وتصل فلکهم آمنة الى الشاطئ، ويتيقن الناس بالحياة، وأرجلهم مستقرة على الأرض اليابسة. فماذا الآن!

﴿ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾!..

”وهكذا تحيا الصورة وتتحرك، وتموج وتضطرب، وترتفع الأنفاس مع تماوج السفينة وتنخفض؛ ثم تؤدي في النهاية ذلك المعنى المراد، أبلغ أداء وأوفاه.“^١ ”انه مشهد كامل، لم تفتنا منه حركة ولا خالجة.. مشهد حادث. ولكنه مشهد نفس، ومشهد طبيعة ومشهد نموذج بشري لطائفة كبيرة من الناس في كل جيل.“^٢ ويقول فيه طنطاوي قولاً موجزاً: ”صَوْر— سبحانه — طبيعة الانسان في حالتي العسر واليسر“^٣

ثم يستمر فيه يقول: وفي التعبير بالمس ”اشارة الى أن ما أصابه من ضر حتى لو كان يسيراً فإنه لا يترك الدعاء والابتهاال الى الله بأن يكشفه عنه.“^٤

وقوله: ﴿ لِجَنبِهِ ﴾ ”في موضع الحال من فاعل ﴿ دَعَانَا ﴾ و ﴿ أَوْ ﴾ لتنويع الأحوال، أو لأصناف المضار.“^٥

والتعبير بقوله — سبحانه ﴿ مَرَّ ﴾ ”يمثل أدق تصوير لطبيعة الانسان الذي يدعو الله عند البلاء، وينسأه عند الرخاء، فهو في حالة البلاء يدعو الله في كل الأحوال، فاذا ما انكشف عنه البلاء مر واندفع في تيار الحياة. بدون كايح، ولا زاجر، ولا مبالاة، وبدون توقف ليتدبر أو ليعتبر.“^٦

١. التصوير الفني في القرآن، ص ٤٢

٢. في ظلال القرآن، س: يونس؛ الآية: ٢٢-٢٣، ص ١٧-١٨

٣. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: يونس؛ الآية: ١٢، ص ٢

٤. المرجع نفسه، ص ٣

٥. المرجع نفسه

٦. المرجع نفسه، ص ٣

وبهذه الطريقة يقول في الآيات الأخيرة من هذه القطعة شارحاً وبأسطاً أجزاءها الصغيرة: "وبعد الدعاء العريض ، هدأت العاصفة . وانخفضت الأمواج ، وسكنت النفوس بعض السكون ، ووصلت السفن الى شاطئ الأمان فماذا كانت النتيجة؟ كانت النتيجة كما صورها القرآن الكريم: [فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ...]"^١

وقد قال طباطبائي في الآية السابقة: "وان كان من المعاني العامة الجارية في أغلب الناس في أكثر الأوقات فان الفرد من الانسان لا يخلو عن أن يمسه سراء بعد ضراء بل قلما يتفق أن لا يتكرر في حقه ذلك..."^٢

ومرة ثانية يقول فيه سيد قطب في كتابه عن التصوير القرآني وأتى بالأمثلة الأخرى في نفس المعنى:

"ويريد أن يبين أن الانسان لا يعرف ربه الا في ساعة الضيق ، حتى اذا جاءه الفرح نسي الله الذي فرج عنه، ولكنه لا يقولها في مثل هذا النسق الذهني ، انما يرسم صورة حافلة بالحركة المتجددة، والمشاهد المتتابعة ، ويرسم في خلالها ((نموذجاً انسانياً)) كثير التكرار في بني الانسان."^٣

وفي نفس المعنى وردت الآيات الأخرى مثل:

﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا حَوَّلَهُ نِعْمَةً مِنْهُ نِسِيَ مَا كَانَ يُدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ﴾^٤

﴿فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا حَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾^٥

﴿وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنُنَّا بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ﴾^٦

﴿وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنُنَّا بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَفُوسًا﴾^٧

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: يونس ؛ الآية: ٢٢-٢٣ ، ص ٣

٢. الميزان في تفسير القرآن ، س: يونس ؛ الآية: ٢١ ، ص ٧

٣. التصوير الفني في القرآن ، ص ٤٢

٤. القرآن ؛ س: الزمر ؛ الآية: ٨

٥. القرآن ؛ س: الزمر ؛ الآية: ٤٩

٦. القرآن ؛ س: فصلت ؛ الآية: ٥١

٧. القرآن ؛ س: الاسراء ؛ الآية: ٨٣

٤. وان القرآن يريد ابراز حالة ((نموذج)) من الناس ظاهرهم يغري، وباطنهم يؤذي. في رسم لهم صورة كما يأتي:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ...﴾^١

”فيستعويض من الوصف الحركة والتصرف، ويبرز المفارقة بين الظاهر والباطن، في نسق من الصورة المتحركة في النفس والخيال.“^٢

نجد في هذه الآيات الملامح الواضحة لنموذجين من نماذج البشر: الأول نموذج المرثي الشرير، الذلق اللسان، الذي يجعل شخصه محور الحياة كلها. والذي يعجبك مظهره ويسوؤك مخبره. فاذا دعي الى الصلاح وتقوى الله لم يرجع الى الحق؛ ولم يحاول اصلاح نفسه؛ بل أخذته العزة بالاثم، واستنكف أن يوجه الى الحق والخير، ومضى في طريقه يهلك الحرث والنسل! والثاني نموذج المؤمن الصادق الذي يبذل نفسه كلها لمرضاة الله! لا يستبقي منها بقية، ولا يحسب لذاته حساباً في سعيه وعمله، لأنه يفنى في الله، ويتوجه بكليته اليه.^٣

ومن هذه النماذج يأتي مرة بعد أخرى بالترتيب:

فقد وصفه الله — تعالى — بخمس صفات، الصفة الأولى حكاها في قوله: [وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا] ... ”فأنت معجب بكلامهم الحلو الظاهر، المر الباطن، وأنت في هذه الدنيا ... تأخذ الناس بظواهرهم، أما في الآخرة فلن يعجبك أمرهم.“^٤ والصفة الثانية من صفات هذا النوع المنافق من الناس بينه القرآن بقوله: [وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ] أي ”يقرن معسول قوله، وظاهر تودده، باشهاد الله على أن ما في قلبه مطابق لما يجري على لسانه“^٥ ... وقوله تعالى: [وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ] صفة ثالثة من صفات هذا النوع من الناس. ثم وصفه الله — تعالى — بصفة رابعة فقال: [وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ]. أما الصفة الخامسة لهذا النوع من الناس فهي قوله تعالى: [وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ

١. القرآن ٤؛ س: البقرة؛ الآية: ٤: ٢٠٧-٢٠٨

٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٤٢

٣. في ظلال القرآن، س: البقرة؛ الآية: ٤: ٢٠٨، ص ١

٤. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: البقرة؛ الآية: ٤: ٢٠٧-٢٠٨، ص ١-٥

٥. المرجع نفسه

أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ] "فهي ليست العزة المحمودة ولكنها الكبرياء المبعوضة."^١

"هذه اللمسات العجيبة من الريشة المبدعة في رسم ملامح النفوس ، تشي بذاتها بأن مصدر هذا القول المعجز ليس مصدراً بشرياً على الإطلاق. فاللمسات البشرية لا تستوعب — في لمسات سريعة كهذه — أعمق خصائص النماذج الانسانية ، بهذا الوضوح ، وبهذا الشمول."^٢

وما هذه الخصائص؟ هي "ان كل كلمة أشبه بخط من خطوط الريشة في رسم الملامح وتحديد السمات .. وسرعات ما ينتفض النموذج المرسوم كائناً حياً ، ميز الشخصية . حتى لتكاد تشير بأصبعك اليه ، وتفزره من ملايين الأشخاص ، وتقول : هذا هو الذي أراد اليه القرآن !.. انها عملية خلق أشبه بعملية الخلق التي تخرج كل لحظة من يد البارئ في عالم الأحياء!"^٣

وتختتم هذا النموذج من النموذجين بأنها: "لمسة تكمل ملامح الصورة ، وتزيد في قسماتها وتمييزها بذاتها .. وتدع هذا النموذج حياً يتحرك. تقول في غير تردد: هذا هو . هذا هو الذي عناه القرآن! وأنت تراه أمامك ماثلاً في الأرض الآن وفي كل آن!"^٤

والنموذج الثاني من الناس النبلاء المؤمنين بالله حق الايمان. ويجري المقارنة بين صورتين: "... والصورة الأولى تنطبق على كل منافق وراء ذلك اللسان ؛ فظ القلب ، شرير الطبع ، شديد الخصومة ، مفسود الفطرة .. والصورة الثانية تنطبق على كل مؤمن خالص الايمان، متجرد لله ، مرخص لأعراض الحياة"^٥ وهذا وذلك نموذجان معهودان في الناس ؛ ترسمها الريشة المبدعة بهذا الاعجاز ؛ وتقيمهما أمام الأنظار يتأمل الناس فيهما معجزة القرآن ، ومعجزة خلق الانسان بهذا التفاوت بين النفاق والايمان."^٦

٥. وجاء في حالة المنافقين النفسية قوله تعالى:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ﴾^٧

هذا "بيان لموقف المنافقين من الجهاد في سبيل الله ، وتصوير بديع لما انطوت عليه نفوسهم

١. المرجع نفسه
٢. في ظلال القرآن ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٠٤ - ٢٠٧ ، ص ٢
٣. المرجع نفسه ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٠٥ ، ص ٢
٤. المرجع نفسه ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٠٦ ، ص ٣
٥. المرجع نفسه ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٠٧ ، ص ٣
٦. المرجع نفسه ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٠٧ ، ص ٤
٧. القرآن ؛ س: محمد ؛ الآية: ٢٠

من جبن خالع.^١

ويعلق طباطبائي على الصورة "ونظر المغشي عليه من الموت إشخاصه ببصره اليك من غير أن يطرف"^٢

ويقول ابن عاشور عن التشبيه في الصورة:

"وانتصب ﴿ نَظَرَ الْمَغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ﴾ على المفعولية المطلقة لبيان صفة النظر من قوله: [يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ] فهو على معنى التشبيه البليغ."^٣

وفي هذه المعنى ورد قوله تعالى:

﴿ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ﴾^٤

وورد في (في ظلال القرآن) عن هذه الحالة النفسية للمنافقين: "يفقدون تماسكهم ، ويسقط عنهم ستار الرياء الذين يتسترون به، وينكشف جزعهم وضعف نفوسهم من مواجهة هذا التكليف ، ويسدون في حالة تزرى بالرجال ، يصورها التعبير القرآني المبدع صورة فريدة كأنها معروضة للأنظار."^٥

وهو تعبير لا تمكن محاكاته ، ولا ترجمته الى أي عبارة أخرى . وهو يرسم الخوف الى حد الهلع . والضعف الى حد الرعدة . والتخاذل الى حد الغشية! ويبقى بعد ذلك منفرداً حافلاً بالظلال والحركة التي تشغف الخيال. "وهي صورة خالدة لكل نفس خوارة لا تعتصم بايمان ، ولا بفطرة صادقة ، ولا بحياء تتجمل به أمام الخطر . وهي طبيعة المرض والنفاق!"^٦

-
- ١ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: محمد ؛ الآية: ٢٠ ، ص ١
 - ٢ . الميزان في تفسير القرآن ، س: محمد ؛ الآية: ٢٠ ، ص ٣
 - ٣ . تفسير التحرير والتنوير ، س: محمد ؛ الآية: ٢٠ ، ص ٢
 - ٤ . القرآن ؛ س: الأحزاب ؛ الآية: ١٩
 - ٥ . في ظلال القرآن ، س: محمد ؛ الآية: ٢٠ ، ص ٤
 - ٦ . المرجع نفسه

٦. وقد يبرز هذا ((النموذج)) في حادثة مروية ، ثم يتجاوز تلك الحادثة الخاصة ويخلد نموذجاً عاماً^١ وهو في قوله تعالى:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلِإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لِهْمُ
أُبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ
دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ﴾^٢

و كأننا أمام منظر من المناظر المشهودة: " ألم تر؟ كأنها حادث واقع ومشهد منظور.."^٣ وفي هذا المثال يزيد على الضعف، تلك اللجاجة في أيام السلم، و اظهار الشجاعة والاستبسال؛ ثم الخور والحبس، عندما تحين ساعة النضال! وليست هذه حادثة تقع مرة وتمضي، ولكنه نموذج مكرر في بني الانسان، لا يتقيد بالزمان والمكان.^٤

"وكذلك يبدو التناسق العجيب في تصوير المشاهد، الى جوار التناسق العجيب في احياء المعاني وجمال الأداء.."^٥

فهذه الصور القرآنية لا تساويها الصور الأدبية من نتاج الانسان. لها تأثيرها الخاص فقط نقول لها بأنها من الكلام المعجز.

١. المرجع نفسه ، س: البقرة؛ الآية: ٢٤٦، ٧-٨

٢. التصوير الفني في القرآن ، ص ٤٣

٣. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٤٦

٤. التصوير الفني في القرآن ، ص ٤٣

٥. في ظلال القرآن ، س: البقرة؛ الآية: ٢٤٦، ٦

الفصل الرابع

الصورة القرآنية المشخصة

لمشاهد الحوادث الواقعة، والأمثال المضروبة، والقصص المروية

عن هذه الأنواع الثلاثة من الصور يقول سيد قطب ان "الطريقة فيها واحدة والشبه بينها قريب."^١ ويشرح هذا القول في مقام آخر: "وكان القرآن الكريم يتنزل في ابان الابتلاء أو بعد انقضائه، يصور الأحداث، ويلقي الأضواء على منحنياته وزواياه، فتكشف المواقف والمشاعر، والنوايا والضمائر. ثم يخاطب القلوب وهي مكشوفة في النور، عارية من كل رداء وستار؛ ويلمس فيها مواضع التأثير والاستجابة؛ ويربها يوماً بعد يوم، وحادثاً بعد حادث؛ ويرتب تأثيراتها واستجاباتها وفق منهجه الذي يريد."^٢

وطريقة القرآن في بيان الحوادث الواقعة أو الأمثال المضروبة أو القصص المروية هي:

"ان النص القرآني يغفل أسماء الأشخاص، وأعيان الذوات، ليصور نماذج البشر وأنماط الطباع. ويغفل تفاصيل الحوادث وجزئيات الوقائع، ليصور القيم الثابتة والسنن الباقية. هذه التي لا تنتهي بانتهاء الحادث، ولا تنقطع بذهاب الأشخاص، ولا تنقضي بانقضاء الملابس، ومن ثم تبقى قاعدة ومثلاً لكل جيل ولكل قبيل. ويحفل بربط المواقف والحوادث بقدر الله المسيطر على الأحداث والأشخاص، ويظهر فيها يد الله القادرة وتديره اللطيف، ويقف عند كل مرحلة في المعركة للتوجيه والتعقيب والربط بالأصل الكبير."^٣

وليس فقط يقص القرآن الوقائع الظاهرية المادية بل انه يكشف عن الأسرار الغيبية: "ومع أنه كان يقص القصة على الذين عاشوها، وشهدوا أحداثها، فانه كان يزيدهم بها خيراً، ويكشف لهم من جوانبها ما لم يدركوه وهم أصحابها وأبطالها! ويلقي الأضواء على سراديب النفوس ومنحنيات القلوب ومخبات الضمائر؛ ويكشف للنور الأسرار والنوايا والخواجج المستكنة في أعماق الصدور."^٤

ويزيد "ذلك الى جمال التصوير، وقوته، وحرارته، مع التهكم القاصم، والتصوير الساخر للجبين

١. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٤٤

٢. في ظلال القرآن، س: الأحزاب؛ الآيات: ٩-١٣، ص ١

٣. المرجع نفسه، ص ٦

٤. المرجع نفسه

والخوف والنفاق والتواء الطباع! ومع الجلال الرائع والتصوير الموحى للايمان والشجاعة والصبر والثقة في نفوس المؤمنين.^١

وكما أن القرآن الكريم كتاب هداية ودستور العمل الى الأبد "ولا يفهم النصوص القرآنية حق الفهم الا من يواجهه مثل الظروف التي واجهتها أول مرة" فللحصول على التأثير في النفوس "تتحول تلك النصوص من كلمات وسطور الى قوى وطاقات . وتتفص الأحداث والوقائع المصورة فيها."^٢

١. يرسم القرآن الهزيمة خلال مشهد كامل في قوله تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَ تَكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ۝ إِذْ جَاءَ وَكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زَلْزَالًا شَدِيدًا ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۝﴾^٣

والآن ننظر الى تفصيلات هذه الصورة خلال أقوال المفسرين ، فيقول سيد قطب تمهيداً: "يبدأ السياق القرآني الحديث عن حادث الأحزاب بتذكير المؤمنين بنعمة الله عليهم أن رد عنهم الجيش الذي هم أن يستأصلهم ، لو لا عون الله وتدييره اللطيف . ومن ثم يجمل في الآية الأولى طبيعة ذلك الحادث، وبدئه ونهايته، قبل تفصيله وعرض مواقفه لتبرز نعمة الله التي يذكرهم بها،"^٤

ففي الآية الأولى "...أجمل سبحانه القصة على طولها في بعض هذه الآية ... ثم ذكرهم الشدة التي حصلت بتمالئهم فقال مبدلاً من [إذ] الأولى: [إذ جاءوكم] أي الجنود المذكورون بادئاً بالأقرب اليهم ، لأن الأقرب أبصر بالعورة وأخبر بالمضرة."^٥

١. المرجع نفسه

٢. المرجع نفسه

٣. القرآن ؛ س: الأحزاب ؛ الآيات: ٩-١٣

٤. في ظلال القرآن ، س: الأحزاب ؛ الآيات: ٩-١٣ ، ص ٧

٥. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور، س: الأحزاب ؛ الآية: ١٠ ، ص ٣

ثم يأخذ بعد "هذا الاجمال في التفصيل والتصوير" ^١ في الآيات التالية: "انها صورة الهول الذي روع المدينة، والكرب الذي شملها، والذي لم ينج منه أحد من أهلها." ^٢ ﴿إِذْ جَاءَ وَكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ﴾ "وهو تعبير مصور لحالة الخوف والكربة والضيق، يرسمها بملامح الوجوه وحركات القلوب." ^٣

ويشرح الرازي الحوانب في هذا التصوير بقوله: "وقوله ﴿إِذْ جَاءَ وَكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ بيان لشدة الأمر وغاية الخوف" ^٤ ثم يشرح التعبيرات البلاغية التصويرية: "﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ﴾ أي مالت عن سننها فلم تلتفت الى العدو لكثرتة ﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ﴾ كناية عن غاية الشدة، وذلك لأن القلب عند الغضب يندفع وعند الخوف يجتمع فيتقلص بالحنجرة وقف يفضي الى أن يسد مجرى النفس لا يقدر المرء يتنفس ويموت من الخوف ومثله قوله تعالى: ﴿فَلَوْ لَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ﴾... ^٥"

ويقول في هذا طباطبائي: "والوصفان أعني زيغ الأبصار وبلوغ القلوب الحناجر كنايةتان عن كمال غشيان الخوف لهم حتى حولهم الى حال المحتضر الذي يزيغ بصره وتبلغ روحه الحلقوم." ^٦

ويقول النسفي في تعبير من هذه التعبيرات التصويرية: "﴿وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ﴾... قالوا: اذا انتفخت الرئة من شدة الفزع أو الغضب ربت وارتفع القلب بارتفاعها الى رأس الحنجرة. وقيل: هو مثل في اضطراب القلوب وان لم تبلغ الحناجر حقيقة." ^٧

وجاء في (في ظلال القرآن) ﴿وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا﴾.. ولا يفصل هذه الظنون. ويدعها مجملة ترسم حالة الاضطراب في المشاعر والخواجج، وذهابها كل مذهب، واختلاف التصورات في شتى القلوب." ^٨

١. في ظلال القرآن، س: الأحزاب؛ الآيات: ٩-١٣، ص ٧

٢. المرجع نفسه

٣. المرجع نفسه

٤. مفاتيح الغيب، س: الأحزاب؛ الآيتان: ١٠-، ص ١

٥. القرآن؛ س: الواقعة؛ الآية: ٨٣

٦. المرجع السابق

٧. الميزان في تفسير القرآن؛ س: الأحزاب؛ الآية: ١٠، ص ١

٨. تفسير مدارك التنزيل وحقائق التأويل، س: الأحزاب؛ الآية: ١٠، ص ١

٩. في ظلال القرآن، س: الأحزاب؛ الآيات: ٩-١٣، ص ٧

وعند الرازي: ﴿ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونًا ﴾ فقوله: ﴿ الظُّنُونًا ﴾ أفاد أن فيهم من أخطأ الظن...^١ وهذا عند البقاعي: "وزيادة الألف في قراءة من أنبتها في الحاليين وهم المدنيان وابن عامر وشعبة اشارة الى اتساع هذه الأفكار، وتشعب تلك الخواطر، وعند من أنبتها في الوقف دون الوصل وهم ابن كثير والكسائي وحفص اشارة الى اختلاف الحال تارة بالقوة وتارة بالضعف."^٢ ويقول طنطاوي: "فالآية تصور ما أصاب المسلمين من فزع وكرب في غزوة الأحزاب، تصويراً بديعاً مؤثراً، يرسم حركات القلوب، وملامح الوجوه، وخلجات النفوس."^٣

"ثم تزيد سمات الموقف بروزاً، وتزيد خصائص الهول فيه وضوحاً: ﴿ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زَلْزَالًا شَدِيدًا ﴾ .. والهول الذي يزلزل المؤمنين لا بد أن يكون هولاً مروعاً رعبياً..."^٤

"[إن يُريدون إلا فراراً] ويقف السياق عند هذه اللقطة الفنية لموقف البلبلة والفزع والمراوغة . يقف ليرسم صورة نفسية لهؤلاء المنافقين والذين في قلوبهم مرض . صورة نفسية داخلية لوهن العقيدة ، وخور القلب ، والاستعداد للانسلاخ من الصف بمجرد مصادفة غير مبقين على شيء ، ولا متحملين لشيء"^٥

وقوله: ﴿ لَا مَقَامَ لَكُمْ فَارِجُونَ ﴾ "يرسم لهم صورة نفسية مبدعة . وهي — على صدقها — تشير الضحك والسخرية من هذا النموذج المكرور في الناس . صورة للحين والانزواء ، والفزع والهلع ، في ساعة الشدة ، والانتفاش وسلاطة اللسان عند الرخاء ، والشح على الخير والظن ببذل أي جهد فيه."^٦ والتعبير القرآني يرسم هذه الصورة في لمسات فنية مبدعة لا سبيل الى

استبدالها أو ترجمتها في غير سياقها المعجز . وهذا في قوله تعالى:

﴿ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ
الْبَاسَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يُنظَرُونَ إِلَيْكَ
تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ
سَلَقُواكُمْ بِالْسِّنَةِ جِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ

١ . مفاتيح الغيب ، س: الأحزاب ؛ الآيات: -١٠، ص ١

٢ . نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ، س: الأحزاب ؛ الآية: ١٠، ص ٤

٣ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، طنطاوي ، س: الأحزاب ؛ الآية: ١٠، ص ٢

٤ . في ظلال القرآن ، س: الأحزاب ؛ الآيات: ٩-١٣، ص ٨

٥ . المرجع نفسه ، ص ٩

٦ . المرجع نفسه ، ص ١٠

أَعْمَالُهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١﴾

ويقدم سيد قطب هذه الصورة كاملة في كتابه (التصوير الفني في القرآن) بايجاز هكذا:
 "يتحدث عن ((الهزيمة)) فيرسم لها مشهداً كاملاً تبرز فيه الحركات الظاهرة والانفعالات المضمرة، وتلتقي فيه الصورة الحسية بالصورة النفسية، وكأنما الحادث معروض من جديد، دون أن يغفل منه قليل أو كثير...
 ... فأية حركة نفسية أو حسية من حركات الهزيمة، وأية سمة ظاهرة أو مضمرة من سمات الموقف، لم تبرز هذا الشريط الدقيق المتحرك، المساوق في حركته لحركة الموقف كله؟

هؤلاء هم الأعداء يأتون المأمنين من كل مكان، وهذه هي الأبصار زائغة والنفوس ضائعة. وهؤلاء هم المؤمنون يُزلزلون زلزلاً شديداً. وهؤلاء هم المنافقون ينبعثون بالفتنة والتخذيل. يقولون: ﴿مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا﴾، ويقولون لأهل المدينة: لا بقاء لكم هنا. ارجعوا إلى بيوتكم فهي في خطر. وهؤلاء هم جماعة من ضعاف القلوب يقولون: إن بيوتنا مكشوفة، وليست في حقيقتها مكشوفة: ﴿إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا﴾.

وهكذا لا تفلت في الموقف حركة ولا سمة، الا وهي مسجلة ظاهرة، كأنها شاخصة حاضرة.. تلك حادثة وقعت بالفعل. ولكن صورتها ترسم ((الهزيمة)) مطلقة من كل ملابسة، وما يزيد عليها أو ينقص منها الا جزئيات في الوقائع! أما الصورة النفسية فخالدة تتكرر في كل زمان، حيثما التقى جمعان، وتعرض أحدهما للخذلان.^٢

٢. وقريب من هذه الصورة صورة أخرى للهزيمة أيضاً، "وهي كذلك صورة باقية لا حادثة مفردة."^٣ وذلك حيث يقول:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأُمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ

١. القرآن؛ س: الأحزاب؛ الآيات: ١٤-١٥

٢. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٤٤-٤٥

٣. المرجع نفسه، ص ٤٣

يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ فَأَتَابَكُمْ غَمًّا بِغَمِّ لِكَيْ لَا تَحْزَنُوا عَلَيَّ مَا فَاتَكُم
وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ
أَمْنَةً نُعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ
غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ
كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ
شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا... ﴿١﴾

يظهر سيد قطب شعوره عن هذه الصورة القرآنية بتعبير موجز: "ليخيل الي أنني أشهد المنظر
اللحظة بكل من فيه وكل مافيه!"^٢

ثم يمهد كلامه في بيان هذه الصورة القرآنية تفصيلاً:

"ان التعبير القرآني هنا ليرسم مشهداً كاملاً لمسرح المعركة، ولتداول النصر
والهزيمة. مشهداً لا يترك حركة في الميدان، ولا خاطرة في النفوس، ولا سمة في
الوجوه، ولا خالجة في الضمائر، الا ويثبتها.. وكان العبارات شريط مصور يمر
بالبصر، ويحمل في كل حركة صوراً جديدة نابضة. وبخاصة حين يصور حركة
الاصعاد في الجبل، والهروب في دهش وذعر، ودعاء الرسول - ﷺ - للفرارين
المرتدين عن المعركة، المصعدين للهروب. يصحب ذلك كله حركة النفوس، وما
يدور فيها من خوالج وخواطر وانفعالات ومطامع.. ومع هذا الحشد من الصور
الحية المتحركة النابضة، تلك التوجيهات والتقارير التي يتميز بها أسلوب
القرآن، ومنهج القرآن التربوي العجيب"^٣

وأتى بتعبير نفسي "انها معركة في الميدان ومعركة في الضمير. ولا انتصار في معركة الميدان
دون انتصار في معركة الضمير. انها معركة لله فلا ينصر الله فيها الا من خلصت نفوسهم له."^٤
وجمال الصورة في كلمة ﴿تحسونهم﴾ فحاء فيقول طنطاوي: "تحسونهم تقتلونهم قتلاً
شديداً يفقدون معه حسهم وحركتهم."^٥

ويوضح معناه طباطبائي بأن "الحس - بالفتح -: القتل على وجه الاستئصال."^٦

١. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ١٥٢-١٥٤
٢. المرجع السابق
٣. في ظلال القرآن، س: آل عمران؛ الآيات: ١٥٢-١٥٤، ص ٤٤
٤. المرجع نفسه
٥. الوسيط في تفسير القرآن، س: آل عمران؛ الآيات: ١٥٢، ص ١
٦. المرجع نفسه

”ولما ذكر الفشل عطف عليه ما هو سببه في الغالب فقال: ﴿ وَتَنَازَعْتُمْ ﴾ أي بالاختلاف ، وأصله من نزع بعضاً شيئاً من يد بعض [في الأمر] أي أمر الثغر المأمور بحفظه [وَعَصَيْتُمْ] أي وقع العصيان بينكم بتضييع الثغر. وأثبت الحار تصويراً للمخالفة بأنها كانت عقب رؤية النصر سواء ، وتبشيراً بزوالها فقال: ﴿ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ ﴾ أي من حسهم بالسيوف وهزيمتهم.“^١

ففي أول الصورة بين الله تعالى أنه : ” قد حقق وعده معهم في أول المعركة بأن سلطهم على المشركين يقتلونهم بتأييده ورعايته قتلاً ذريعاً فلما صدر من بعض المؤمنين الفشل والتنازع والعصيان منع الله عنهم عونهم وصرفهم عن الغاية التي كانوا يتمنونها لتمييز الخبيث من الطيب ومع ذلك فقد عفا الله عما صدر منهم من أخطأ لأنه هو صاحب الفضل الدائم على المؤمنين.“^٢

ويشرح طنطاوي هذا التصوير هكذا:

”ثم ذكرهم — سبحانه — بعد ذلك بما كان من بعضهم بعد أن اضطربت أحوالهم وجاءهم أعداؤهم من أمامهم ومن خلفهم بسبب ترك معظم الرماة لأماكنهم، فقال — تعالى — ﴿ إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ ﴾ ... أي اذكروا — أيها المؤمنون — وقت أن كنتم مصعدين تهرولون بسرعة في بطن الوادي بعد أن اختلت صفوفكم — واضطرب جمعكم. وصرتم لا يعرج بعضكم على بعض ولا يلتفت أحدكم إلى غيره من شدة الهرب ، والحال أن رسولكم ﷺ ﴿ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ ﴾ أي يناديكم في أخراكم أو في جماعتكم الأخرى أو من خلفكم.“^٣

وعند سيد قطب هذا القول القرآني:

”يستحضر صورة الحزيمة حية متحركة ... كي يعمق وقع المشهد في حسهم ؛ ويشير الخجل والحياء من الفعل ، ومقدماته التي نشأ عنها ، من الضعف والتنازع والعصيان .. والعبارة ترسم صورة حركتهم الحسية وحركتهم النفسية في ألفاظ قلائل .. فهم مصعدون في الجبل هرباً ، في اضطراب ورعب ودهش ، لا يلتفت أحد منهم إلى أحد! ولا يجيب أحد منهم داعي أحد! والرسول — ﷺ — يدعوهم ، ليطمئنهم على حياته بعد ما صاح صائح : ان محمداً قد قتل ، فزلزل ذلك

١. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ، س: آل عمران ؛ الآية: ١٥٢ ، ص ٣

٢. الوسيط في تفسير القرآن ، س: آل عمران ؛ الآية: ١٥٢ ، ص ٤

٣. المرجع نفسه

قلوبهم وأقدامهم .. انه مشهد كامل في ألفاظ قلائل..“^١

وبلا شك ان:

”...هذه الجملة الكريمة تصوير بديع معجز لحال المسلمين عندما اضطرب صفوفهم في غزوة أحد ، في تصور حالهم وهم مصعدون في الوادي بدون تمهل أو تثبت ، وتصور حالهم وقد أخذ منهم الدهش مأخذ بحيث أصبح بعضهم لا يلتفت الى غيره أو يسمع له نداء ، أو يجيب له طلباً وتصور حال النبي ﷺ وقد ثبت كالطود الأشم بدون اضطراب أو وجل ومعه صفوة من أصحابه وقد أخذ ينادي الفارين بقوله:”الى عباد الله ، الى عباد الله أنا رسول الله ، من يكرهه الحنة“^٢

وكذلك يستمر الى نهاية المشهد:

”ولقد أعقب هول الهزيمة وذعرها ، وهرجها ومرجها ، سكون عجيب . سكون في نفوس المؤمنين الذين ثابوا الى ربهم ، وثابوا الى نبيهم . لقد شملهم نعاس لطيف يستسلمون اليه مطمئنين !

والتعبير عن هذه الظاهرة العجيبة يشف ويرق وينعم ، حتى ليصور بجرسه وظله ذلك الجو المطمئن الوديع: ﴿ تَمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نَاعَسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ ﴾^٣

وكشف عن أحوال المنافقين في آخر هذه الصورة ، فنرى أن ”القرآن يحكي عنهم أنهم يريدون تبرئة أنفسهم مما نزل بالمسلمين بأحد ، وأنهم لو كان لهم رأي مطاع لبقوا في المدينة ولم يخرجوا منها لقتال المشركين ، وأن التبعة في كل ما جرى في غزوة أحد يتحملها النبي ﷺ وأصحابه الذين ألحوا عليه في الخروج لقتال المشركين خارج المدينة ، وأن النبي ﷺ وأصحابه لو كانوا على الحق لانتصروا.“^٤

نماذج من الأمثال القصصية التي تضرب في القرآن:

وقد سبق ذكر المثل في فصل خاص له والآن الى بعض الأمثلة التطبيقية التي تقدّم بيان القرآن التصويري ، ونذكر بعض الأقوال من العلماء استظهاراً لأهمية المثل في التصوير البياني . ”والمثل

١ . في ظلال القرآن ، س: آل عمران ؛ الآيات: ١٥٢-١٥٤ ، ص ٤٦

٢ . المرجع السابق ، ص ٥

٣ . المرجع السابق

٤ . المرجع السابق ، س: آل عمران ؛ الآية: ١٥٤ ، ص ٩

في اللغة: الشبيه والنظير، وهو في عرف القرآن الكريم: الكلام البليغ المشتمل على تشبيه بديع.^١ فالمثل من أهم الأدوات التصويرية في القرآن الكريم. "وضرب المثل: ايراده، وعبر عن ايراده بالضرب، لشدة ما يحدث عنه من التأثير في نفس السامع."^٢ ودور المثل في التأثير في النفوس أزهر من الشمس في اللغة والأدب من القديم الى الآن.

من الأساليب الفنية التي استعملها الخطاب القرآني "لتوصيل خطابه وكشف معانيه، وابرار مقاصده، أسلوب ضرب المثل، وهو أسلوب قرآني بارز ملحوظ في القرآن الكريم"^٣ وهو ابراز المعاني في صورة مجسمة لتوضيح الغامض، وتقريب البعيد، واطهار المعقول في صورة المحسوس، كما أن ضرب الأمثال من أساليب التربية، يحث النفوس على فعل الخير، ويحذرها عن البر، ويدفعها الى الفضيلة، ويمنعها عن المعصية والاثم، وهو في نفس الوقت يربي العقل على التفكير الصحيح والقياس المنطقي السليم... ولما كان الهدف من ضرب الأمثال هو ادراك المعاني الذهنية المجردة، وتقريبها من العقل، وتكوين صورة لهذا المعنى في المخيلة، ليكون التأثير بتلك الصورة أشد وأقوى من الأفكار المجردة، كثر الاعتماد على هذا الأسلوب في القرآن الكريم.^٤

فأتاني هنا مثلاً من الأمثال القرآنية ونحلله خلال أقول المفسرين:

١. قال الله تعالى في سورة القلم:

﴿ إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ
وَلَا يَسْتَشْنُونَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِنْ رَبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ فَأَصْبَحَتْ
كَالْصَّرِيمِ ۝ فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ ۝ أَنْ اغْدُوا عَلَيْنَا حَرْبِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
صَادِقِينَ ۝ فَاَنْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝ أَلَا يَدْخُلُهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ۝
وَغَدُوا عَلَيْنَا حَرِدٍ قَادِرِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ۝ بَلْ نَحْنُ
مَحْرُومُونَ ۝ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَ
رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَيَّ بَعْضٍ يَتَلَوْمُونَ ۝ قَالُوا يَا
وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ۝ عَسَىٰ رَبِّنَا أَنْ يُسَدِّلَنَا خَيْرًا مِمَّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا
رَاغِبُونَ ۝ كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَالْعَذَابُ الْآخِرَةُ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ ﴿

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الكهف؛ الآية: ٣٢، ص ١

٢. نفس المرجع

٣. مقال: في رحاب قوله تعالى ﴿﴾ أينما يوجهه لا يأت به خير ﴿﴾، على الشبكة الإسلامية

٤. مقال: (مقدمة حول الأمثال النبوية) على الشبكة الإسلامية،

٥. القرآن؛ س: القلم؛ الآيات: ١٧-٣٣

ويقول ابن عاشور في بيان هذا التصوير التمثيلي: "وهذا التمثيل تعريض بالتهديد بأن يلحقهم ما لحق أصحاب الجنة من البؤس بعد النعيم والقحط بعد الخصب ، وان اختلف السبب في نوعه فقد اتحد جنسه . وقد حصل ذلك بعد سنين اذ أخذهم الله بسبع سنين بعد هجرة النبي ﷺ الى المدينة."^١

ويشرحه سيد قطب تفصيلاً وبسطاً:

"هذه القصة قد تكون متداولة ومعروفة ، ولكن السياق القرآني يكشف عما وراء حوادثها من فعل الله وقدرته ، ومن ابتلاء وجزاء لبعض عباده . ويكون هذا هو الحديد في سياقها القرآني .

ومن خلال نصوصها وحركاتها نلمح مجموعة من الناس ساذجة بدائية أشبه في تفكيرها وتصورها وحركتها بأهل الريف البسطاء السذج . ولعل هذا المستوى من النماذج البشرية كان أقرب الى المخاطبين بالقصة ، الذين كانوا يعاندون ويححدون ، ولكن نفوسهم ليست شديدة التعقيد ، انما هي أقرب الى السذاجة والبساطة!

والقصة من ناحية الأداء تمثل احدى طرق الأداء الفني للقصة في القرآن ؛ وفيه مفاجآت مشوقة ، كما أن فيه سخرية بالكيد البشري العاجز أمام تدبير الله وكيده . وفيه حيوية العرض حتى لكان السامع — أو القارئ — يشهد القصة حية تقع أحداثها أمامه تتوالي..."^٢

وفي هذا المشهد "...نحن أولاء أمام أصحاب الجنة — جنة الدنيا لا جنة الآخرة — وما هم أولاء يبيئون في شأنها أمراً . لقد كان للفقراء حظ من ثمر هذه الجنة ، ولكن الورثة لا يشاءون . انهم ليريدون أن يستأثرون بها وحدهم ، وأن يحرموا أولئك المساكين حظهم."^٣ فلننظر كيف يصنعون:

﴿إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرُنَّهَا مُصْبِحِينَ ۚ وَلَا يَسْتُنُّونَ ﴿١﴾﴾
 "لقد قرر رأيهم على أن يقطعوا ثمرها عند الصباح الباكر ، دون أن يستنوا منه شيئاً للمساكين . وأقسموا على هذا ، وعقدوا النية عليه ، وباتوا بهذا الشر فيما اعتزموه .. فلندعهم في غفلتهم أو في كيدهم الذي بيتوه ، ولننظر ما ذا يجري من ورائهم في بهمة الليل وهم لا يشعرون . فان الله ساهر لا ينام كما ينامون ، وهو يدبر لهم غير

١ . التحرير والتنوير ، س: القلم ؛ الآيات: ١٧-٣٣ ، ص ١

٢ . في ظلال القرآن ؛ س: القلم ، ص ١٨

٣ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٤٥

ما يدبرون ، جزاء على ما بيتوا من بطر النعمة ومنع للخير، وبخل بنصيب
المساكين المعلوم .. ان هناك مفاجأة تتم في خفية. وحركة لطيفة كحركة
الأشباح في الظلام. والناس نيام: ﴿ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِنْ رَبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ۝
فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ۝ ﴾^١

ويستبدل المناظر مرة بعد أخرى مرة في بيت الأخوان ومرة الى جنتهم: "فلندع الجنة وما ألم بها
موقتاً لننظر كيف يصنع المبيتون الماكرون."^٢

واستيقظوا من نومهم صباحاً "والآن ها هم أولاء يتصايحون مبكرين ! وهم لا يدرون ما ذا
أصيب جنتهم في الظلام: ﴿ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ۝ أَنْ ائِدُوا عَلَيَّ حَرُوكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ ﴾^٣
وهم ذاهبون الى جنتهم: "يذكر بعضهم بعضاً ويوصي بعضهم بعضاً ، ويحمس بعضهم بعضاً!"^٤
وكذلك يذكر هذا التصوير أحاسيسهم الباطنية، ففي الآية الأولى "يصور - سبحانه - أحاسيسهم
وحركاتهم ، وقد خرجوا لينفذوا ما عزموا عليه من سوء .. فيقول: ﴿ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴾ أي
فنادوا بعضهم بعضاً في وقت الصباح المبكر ، حتى لا يراهم أحد."^٥

وكذلك صور سخطهم للمساكين في بواطنهم: "ثم يمضي السياق في السخرية منهم ،
فيصورهم منطلقين ، يتحدثون في خفوت ، زيادة في احكام التدبير ، ليحتجوا الثمر كله لهم ،
ويحرموا منه المساكين! ﴿ فَانظُرُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ۝ أَلَا يَدْخُلُهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ ۝ ﴾"^٦
والقارئ يعلم حال جنتهم وهم لا يعلمون مآلهم ، وهذا من فنون التمثيل السينمائية الحديثة:
"ليمسك النظارة ألسنتهم فلا ينبهوا أصحاب الجنة الى ما أصاب جنتهم ؛ وليكتموا ضحكات
السخرية التي تكاد تنبعث منم ، وهم يشاهدون أصحاب الجنة المخدوعين ، يتنادون متخافتين ،
خشية أن يدخلها عليهم مسكين ! ليكتموا ضحكات السخرية ! بل ليطلقوها ! فهذا هي ذي
السخرية العظمى:"^٧

ثم يقول سيد قطب: "و كأنما نحن الذين نسمع القرآن أو نقرؤه نعلم ما لا يعلمه أصحاب الجنة
من أمرها .. أجل فقد شهدنا تلك اليد الخيفة اللطيفة تمتد اليها في الظلام ، فتذهب بثمرها كله.

١ . المرجع السابق ؛ ص ١٩

٢ . المرجع نفسه

٣ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٤٦

٤ . في ظلال القرآن ؛ س: القلم ؛ الآيات: ١٧-٣٤ ، ص ١٩

٥ . الوسيط في تفسير القرآن ؛ س: القلم ؛ الآيات: ١٧-٣٤ ، ص ٢

٦ . المرجع السابق

٧ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٤٦

ورأيناها كأنما هي مقطوعة الثمار بعد ذلك الطائف الخفي الرهيب ! فلنمسك أنفاسنا اذن ،
لنرى كيف يصنع الماكرون المبيتون^١

ان السياق ما يزال يسخر من الماكرين المبيتين: ﴿ وَغَدَوْا عَلَيَّ حَرِدٍ قَادِرِينَ ﴾ أجل ! انهم
لقادرون الآن ، على المنع والحرمان ، حرمان أنفسهم على الأقل !

وها هم أولاء يفاجأون ، فليضحك النظارة كما يشاءون : ﴿ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴾^٢

ثم صور — سبحانه — حالهم "تصويراً بديعاً عندما شاهدوا جنتهم ، وقد صارت كالصريم ،
فقال: ﴿ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ ﴾"^٣

وهم لا يشقون بعيونهم: "ما هذه جنتنا الموقرة بالثمار ، فقد ضللنا إليها الطريق!.. فلتتأكدوا يا
جماعة!"^٤ وبعد تأمل لحظة يصدقون ما بالهم على حظهم: ﴿ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴾ وهذا هو
الخبر اليقين!^٥

والآن وقد حاقت بهم عاقبة المكر والتبیت ، وعاقبة البطر والمنع ، يتقدم أوسطهم وأعقلهم
وأصلحهم ، "ويبدو أنه كان له رأي غير رأيهم . ولكنه تابعهم عندما خالفوه وهو فريد في رأيه ،
ولم يصر على الحق الذي رآه فناله الحرمان كما نالهم . ولكنه يذكرهم ما كان من نصحه
وتوجيهه: ﴿ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴾!^٦

وأخيراً يلتمسون الصفح والرحمة . "والآن فقط يسمعون للناصح بعد فوات الأوان: ﴿ قَالُوا
سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴾"^٧

وكما يتنصل كل شريك من التبعة عند ما تسوء العاقبة ، ويتوجه باللوم الى الآخرين .. ها هم
أولاء يصنعون: ﴿ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَيَّ بَعْضٌ يَتَلَاوَمُونَ ﴾^٨ "ثم ها هم أولاء يتركون التلاوم
ليعترفوا جميعاً بالخطيئة ، عسى أن يفيدهم الاعتراف الغفران ، ويعوضهم من الجنة الضائعة جنة
أخرى: ﴿ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِينَ ﴾ عسى ربنا أن يبدلنا خيراً منها إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُونَ ﴾"^٨

١ . المرجع السابق

٢ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٤٦

٣ . الوسيط في تفسير القرآن ، س: القلم ؛ الآيات: ١٧-٣٤ ص ٣

٤ . المرجع السابق

٥ . في ظلال القرآن ؛ س: القلم ، ص ١٩

٦ . المرجع نفسه ؛ س: القلم ، ص ١٩-٢٠

٧ . في ظلال القرآن ؛ س: القلم ، ص ٢٠

٨ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٤٦-٤٧

وأخيراً "وقبل أن يستدل السياق الستار على المشهد الأخير نسمع التعقيب: ﴿كَذَلِكَ الْعَذَابُ
وَالْعَذَابُ الْآخِرَ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾"^١

"والمتمامل في هذه القصة، يراها زاخرة بالمفاجآت، وبتصوير النفس الانسانية في حال غناها
وفي حال فقرها، في حال حصولها على النعمة وفي حال ذهاب هذه النعمة من بين يديها."^٢
٢. والآن ننظر الى مثل رجلين أحدهما صاحب جنتين أكبر من الجنة في المثال الأول ومعه
صاحب له من ذوي الايمان، في قوله تعالى:

﴿وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ
وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا • كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ
تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهْرًا • وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ
يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفْرًا • وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ
مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا • وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَى رَبِّي
لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا • قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي
خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا • لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا
أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا • وَلَوْ لَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا
بِاللَّهِ إِنْ تَرَىٰ أَنَا أَقْلُ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا • فَعَسَىٰ رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ
جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَيُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا • أَوْ يُصْبِحَ
مَأْوَهَا غُورًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا • وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأُصْبِحَ يَقْلَبُ كَفِيهِ
عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ
بِرَبِّيَ أَحَدًا •﴾^٣

ويشرح سيد قطب هذا التصوير الفني:

"والآن فالى صاحب جنة أخرى، بل صاحب جنتين أكبر من الأولى. ان له قصة مع
صاحب له، ليس من ذوي الجنان، ولكن من ذوى الايمان. وكلاهما ((نموذج
انساني)) لطائفة من الناس: صاحب الجنتين نموذج للرجل الثري تذهله الثروة
وتبطره النعمة فينسى القوة الكبرى، التي تسيطر على أقدار الناس والحياة،
ويحسب هذه النعمة خالدة لا تفنى، فلن تخذله القوة ولا الجاه. وصاحبه نموذج
لرجل المؤمن المعتز بايمانه، الذاكر لربه، يرى النعمة دليلاً على المنعم، موجبة

١. المرجع السابق

٢. الوسيط في تفسير القرآن، ص ٥

٣. القرآن؛ س: الكهف؛ الآية: ٣٢-٤٢

لحمده وذكره ، لا لحدوده وكفره^١

ويقول فيه طباطبائي: "وقد ذكر بعض المفسرين أن الذي يتضمنه المثل قصة مقدره مفروضة فليس من الواجب أن يتحقق مضمون المثل خارجاً ، وذكر آخرون أن قصة واقعة ، وقد رووا في ذلك قصصاً كثيرة مختلفة لا معول عليها غير أن التدبر في سياق القصة بما فيها من كونهما جنتين اثنتين وانحصار أشجارهما في الكرم والنخل ووقع الزرع بينهما وغير ذلك يؤيد كونها قصة واقعة.^٢"

وابن عاشور يحس التمثيل محسوساً: "...ان كان حال هذين الرجلين الممثل به حالاً معروفاً فالكلام تمثيل حال محسوس بحال محسوس... وان كان حال الرجلين حالاً مفروضاً... فالكلام على كل حال تمثيل محسوس بمحسوس لأن تلك الحالة متصورة متخيلة."^٣

وتبدأ القصة بمشهد الجنتين في ازدهار وفخامة:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ
وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ
تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهْرًا ۝ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ...﴾

وسيد قطب يقسمها الى الأجزاء من المشهد: "بهذا ترسم صورة الجنتين مكتملة، في ازدهار وفخامة. وهذا هو المشهد الأول."^٤

قال ابن عطية: "وتأمل هذه الهيئة التي ذكرها الله تعالى فان المرء لا يكاد يتخيل أجمل منها في مكاسب الناس: جنتا عنب أحاط بهما نخل بينهما فسحة ، هي مزروع لجميع الجبوب ، والماء الغيل يسقي جميع ذلك من النهر الذي قد جعل هذا المنظر ، وعظم النفع ، وقرب الكد ، وأغنى عن النواضح وغيرها."^٥

ثم نرى المشهد مشروحاً مجزئاً عند سيد قطب: "فهما جنتان مثمرتان من الكروم ، محفوتان بسياج من النخيل ، تتوسطهما الزروع ، ويتفجر بينهما نهر .. انه المنظر البهيج والحيوية الدافقة والمتاع والمال: ﴿كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا﴾ .. ويختار التعبير كلمة ﴿تَظْلِمُ﴾ في معنى تنقص وتمنع ، لتقابل بين الجنتين وصاحبهما الذي ظلم نفسه فبطر ولم

١. التصوير الفني في القرآن؛ ص ٤٧
٢. الميزان في تفسير القرآن ، س: الكهف؛ الآية: ٣٢ ، ص ١
٣. التحرير والتنوير ، س: الكهف؛ الآية: ٣٢ ، ص ١
٤. التصوير الفني ص ٤٧
٥. المحرر الوجيز في تفسير القرآن العزيز، س: الكهف؛ الآية: ٣٢- ٣٤ ، ص ١

يشكر، وازدهى وتكبر.^١

فلننظر المشهد الثاني: ﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا﴾ "وها هو ذا صاحب الجنتين تمتلئ نفسه بهما، ويزدهيه النظر اليهما، فيحس بالزهو، وينتفش كالديك، ويختال كالطاووس، ويتعالى على صاحبه الفقير: ﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا﴾"^٢

ولا تترك بلاغة القول القرآني الجزئيات الدقيقة "ويبدو أنه قال قولته هذه وهما في الطريق الى الجنتين، أو وهما على الباب. اذ جاء بعده: ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۝ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۝﴾"^٣

فيذكر المثل الحالات النفسية الواردة في ذهن هذا الرجل:

"ثم يخطو بصاحبه الى احدى الجنتين، وملء نفسه البطر، وملء جنبه الغرور؛ وقد نسي الله، ونسي أن يشكره على ما أعطاه؛ وظن أن هذه الجنان المثمرة لن تبید أبداً، أنكر قيام الساعة أصلاً، وهبها قامت فسيجد هنالك الرعاية والايثار! ليس من

أصحاب الجنان في الدنيا فلا بد أن يكون جنبه ملحوظاً في الآخرة!

﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۝ وَمَا أَظُنُّ

السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا﴾

تظل محفوظة لهم حتى في الملأ الأعلى! فما داموا يستطيعون على أهل هذه الأرض فلا بد أن يكون لهم عند السماء مكان ملحوظ!"^٤

انه الغرور يخيل لذوي الجاه والسلطان والمتاع والثراء، أن القيم التي يعاملهم بها أهل هذه الدنيا الفانية "فها هو ذا في أوج زهوه وبطوره، وتعالیه وازدهائه. فما ذا ترى يكون أثر هذا كله في نفس صاحبه الفقير، الذي لا جنة له ولا مال، ولا عصبه له ولا نفر؟ ان صاحبه لمؤمن، فما تُشعره كل هذه المظاهر بالهوان، وما تنسيه عزة ربه الديان، وما تغفله عن واجبه الصحيح، في رد صاحبه البطر الى جادة الطريق، ولو استدعى ذلك أن يجبهه بالتقريع، وأن يذكره بمنشئه الصغير من التراب المهين."^٥

وورد تشريح المثل في (في ظلال القرآن) كالاتي:

١. في ظلال القرآن ص ٤
٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٤٧
٣. المرجع السابق
٤. في ظلال القرآن، س: الكهف؛ الآية: ٣٢، ص ٤
٥. التصوير الفني ص ٤٧-٤٨

”فأما صاحبه الذي لا مال له ولا نقر، ولا جنة عنده ولا ثمر.. فإنه معتز بما هو أبقى وأعلى. معتز بعقيدته وإيمانه. معتز بالله الذي تعنو له الجباه؛ فهو يحبه صاحبه المتبطر المغرور منكرأ عليه بطره وكبره، يذكره بمنشئه المهين من ماء وطين، يوجهه الى الأدب الواجب في حق المنعم. وينذره عاقبة البطر والكبر. ويرجو عند ربه ما هو خير من الجنة والثمار: ﴿ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا وَلَا آذٍ دَخَلَتْ جَنَّتِكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِنْ تَرَىٰ أَنَا أَقْلَ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۖ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحُ صَعِيدًا زَلَقًا أَوْ يُصْبِحُ مَأْوَاهَا غَوْرًا ۚ فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ﴾ وهكذا تنتفض عزة الايمان في النفس المؤمنة، فلا تبالى المال والنقر، ولا تدارى الغنى والبطر، ولا تتلعثم في الحق، ولا تجامل فيه الأصحاب. وهكذا يستشعر المؤمن أنه عزيز أمام الجاه والمال. وأن ما عند الله خير من أعراض الحياة، وأن فضل الله عظيم وهو يطمع في فضل الله.“^١

ثم يذكر ان الله تعالى عزيز ذو انتقام: ”وأن نقمة الله جبارة وأنها وشيكة أن تصيب الغافلين المتبطين.“^٢

فيحتم المشهد وتفصيل اختتامه هكذا:

”وهنا ينتهي هذا المشهد بين الصاحبين: أحدهما منتفش كالديك، ازدهاه ما في جنته من ازدهار، والآخر موقن بالله، مستعز بالإيمان؛ يذكر صاحبه ويؤنبه، ويبصّره بما كان يجب أن يصنع إذ رأى جنته. ويبدو أن صاحبه لم يستمع اليه — وهذا طبيعي في هذا الموقف — فهو يقسو عليه قسوة الغاضب لدينه، ويدعو على جنته أن يرسل الله عليها الصواعق، فتصبح جرداء ملساء، تزل فيها القدم وتزلق؛ أو أن يصبح مأوها غائراً لا يستطيع أن يطلبه، فضلاً على أن يستخرجه.. ثم يفترق الصاحبان وهما متغاضبان...“^٣

”وفجأة ينقلنا السياق من مشهد النماء والازدهار الى مشهد الدمار والبوار. ومن هيئة البطر، والاستكبار الى هيئة الندم والاستغفار.“^٤ فلقد كان ما توقعه الرجل المؤمن:

١. المرجع السابق

٢. المرجع نفسه، ص ٥

٣. التصوير الفنى فى القرآن؛ ص ٤٨

٤. فى ظلال القرآن؛ س: الكهف؛ الآيات: ٣٢-٣٧؛ ص ٥

﴿وَأَحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَيْهِ عَلَيَّ مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَيَّ
عُرُوشَهَا وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا﴾

وهو مشهد شاخص كامل: الثمر كله مدمر كأنما أخذ من كل جانب فلم يسلم منه شيء. والجنة خاوية على عروشها مهشمة محطمة. وصاحبها يقلب كفيه أسفاً وحرناً على ماله الضائع وجهده الذاهب. وهو نادم على اشراكه بالله، يعترف الآن بربوبيته ووحدانيته. ومع أنه لم يصرح بكلمة الشرك، إلا أن اعتزازه بقيمة أخرى أرضية غير قيمة الايمان كان شركاً ينكره الآن، ويندم عليه ويستعيد منه بعد فوات الأوان.

وينتهي المشهد بيّن لنا حظ رجل طالح: "لقد استجاب الله دعوة الرجل المؤمن المتحدّي بلا ضرورة. فلنشهد صاحبنا شاخصاً يقلب كفيه على ما أنفق فيها، وهي خاوية على عروشها، ولندعه يندم: ﴿يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا﴾ فلنسدل على منظر الدمار والاستغفار."^١

ولا فائدة الندم الآن بعد فوات الأوان: "ويسدل الستار على مشهد الجنة الخاوية على عروشها، وموقف صاحبها يقلب كفيه أسفاً وندماً وجلال الله يظلل الموقف، حيث تتوارى قدرة الانسان.." ^٢

تقديم قصص حقيقية بأسلوب تصويري:

والآن لننظر الى بعض الأمثلة من القصص الحقيقية قدمها القرآن الكريم في الأسلوب التصويري تقديماً معجزاً:

١. أولاً جزء من قصة ابراهيم عليه السلام مع ابنه اسماعيل عليه السلام، فقال الله تعالى:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ
وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ
رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾^٣

هذا مشهد من قصة ابراهيم، وهو بيني الكعبة مع ابنه اسماعيل، "و كأنما نحن نشهدهما بينان ويدعوان الآن، لا قبل اليوم بأجيال وأزمان." ^٤

١. التصوير الفني في القرآن؛ ص ٤٨

٢. في ظلال القرآن؛ س: الكهف؛ الآية: ٣٢-٣٧؛ ص ٥

٣. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ١٢٦-١٢٩

٤. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٤٩

”...يرسم مشهد تنفيذ ابراهيم واسماعيل للأمر الذي تلقياه من ربهما باعداد البيت وتطهيره للطائفين والعاكفين والركع السجود .. يرسمه مشهودا كما لو كانت الأعين تراهما اللحظة وتسمعهما في آن:

﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةٌ مُسْلِمَةٌ لَكَ وَإِنَّا مَنَاسِكُنَا وَتُبَّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ رَبَّنَا وَأَبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾^١

وبعد الدعاء تختم القصة فجأة كما يبين لنا سيد قطب: ”لقد انتهى الدعاء ، وانتهى المشهد ، وسدل الستار.“^٢

ويبين الجزئيات الدقيقة، فأولاً في البداية: ”ان التعبير يبدأ بصيغة الخبر .. حكاية تحكي: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ﴾^٣

ثم ينتقل الخبر الى الدعاء فجأة: ”هنا حركة عجيبة في الانتقال من الخبر الى الدعاء ، هي التي أحييت المشهد وردته حاضراً . فالخبر: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ﴾ كان كأنما هو الاشارة برفع الستار ليظهر المشهد: البيت ، و ابراهيم واسماعيل ، يدعوان هذا الدعاء الطويل.“^٤

وكذلك أنه: ”عبر بالمضارع فقال: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ﴾ مع أن رفع القواعد كان قبل نزول الآية ، وذلك ليخرجه في صورة الحاضر في الواقع لأهميته.“^٥

ويعبر ابن عاشور عن أسلوب القصة تفصيلاً: ”وخولف الأسلوب الذي يقتضيه الظاهر في حكاية الماضي أن يكون بالفعل الماضي بأن يقول واذ رفع الى كونه بالمضارع لاستحضار الحالة وحكايتها كأنها مشاهدة لأن المضارع دال على زمن الحال فاستعماله هنا استعارة تبعية ، شبه الماضي بالحال لشهرته وتكرر الحديث عنه بينهم فانهم لحبهم ابراهيم واجلالهم اياه لا يزالون يذكرون مناقبه وأعظمها بناء الكعبة فشبه الماضي لذلك بالحال ولأن ما مضى من

١ . في ظلال القرآن ، س: البقرة ؛ الآية: ١٢٦-١٢٩ ، ص ٥

٢ . التصوير الفني في القرآن ؛ ص: ٤٩

٣ . المرجع السابق

٤ . المرجع السابق

٥ . الوسيط في تفسير القرآن ، س: البقرة ؛ الآية: ١٢٦-١٢٩ ، ص ٤

الآيات في ذكر ابراهيم من قوله ﴿وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ﴾^١ الى هنا مما يوجب امتلاء أذهان السامعين بابراهيم وشؤونه حتى كأنه حاضر بينهم وكأن أحواله حاضرة مشاهدة وكلمة (اذ) قرينة على هذا التنزيل...^٢

ويقول عن الدعاء: "وجملة ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ مقول قول محذوف يقدر حالاً من ﴿يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ﴾ وهذا القول من كلام ابراهيم... والعدول عن ذكر القول الى نطق المتكلم بما قاله المحكي عنه هو ضرب من استحضار الحالة قد مهد له الاخبار بالفعل المضارع في قوله: ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ﴾ حتى كأن المتكلم هو صاحب القول وهذا ضرب من الايغال.^٣

ثم يتقدم القصة ويستمر جو الدعاء ايقاعية الرجاء والطلب. وبينما نحن في انتظار بقية الخبر، اذا بالسياق يكشف لنا عنهما، ويرينا اياهما، كما لو كانت رؤية العين لا رؤيا الخيال. انهما أمامنا حاضران، نكاد نسمع صوتيهما يتهلان:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ • رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ • رَبَّنَا ...﴾

"فنغمة الدعاء، وموسيقى الدعاء وجو الدعاء.. كلها حاضرة كأنها تقع اللحظة حية شاخصة متحركة.. وتلك احدى خصائص التعبير القرآني الجميل. رد المشهد الغائب الذاهب، حاضراً يسمع ويرى، ويتحرك ويشخص، وتفيض منه الحياة.. انها خصيصة "التصوير الفني" بمعناه الصادق، اللائق بالكتاب الخالد."^٤

ثم يوضح سيد قطب الدقائق الفنية في تصوير القصة: "وكم في الانتقال هنا من الحكاية الى الدعاء من اعجاز فني بارز، يزيد وضوحاً لو فرضت استمرار الحكاية، ورأيت كم كانت الصورة تنقص لو قيل: واذا يرفع ابراهيم القواعد من البيت واسماعيل يقولان: ربنا... الخ. انها في هذه الصورة حكاية، وفي الصورة القرآنية حياة. وهذا هو الفارق الكبير. ان الحياة في النص لتشب متحركة حاضرة. وسر الحركة كله في حذف لفظة واحدة.. وذلك هو الاعجاز."^٥

ويذكر تفاصيل طريقة الدعاء: "وماذا في ثنايا الدعاء؟ انه أدب النبوة، وايمان النبوة، وشعور النبوة بقيمة العقيدة في هذا الوجود. وهو الأدب والايمان والشعور الذي يريد القرآن أن يعلمه

١. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ١٢٤

٢. التحرير والتنوير، س: البقرة؛ الآية: ١٢٧، ص ١

٣. المرجع نفسه، ص ٢

٤. في ظلال القرآن، س: البقرة؛ الآية: ١٢٧، ص ٥

٥. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٤٩

لورثة الأنبياء ، وأن يعمقه في قلوبهم ومشاعرهم بهذا الإيحاء: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾^١

ويفسر طباطبائي هذه القصة كذلك: "قوله تعالى: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ، دعاء لابراهيم واسماعيل ، وليس على تقدير القول ، أو ما يشبهه والمعنى يقولان: ﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا﴾ الخ ، بل هو في الحقيقة حكاية المقول نفسه ، فان قوله: ﴿يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ﴾ ، حكاية الحال الماضية ، فهما يمثلان بذلك تمثيلاً كأنهما يشاهدان وهما مشتغلان بالرفع ، والسامع يراهما على حالهما ذلك ثم يسمع دعاءهما بألفاظهما من غير وساطة المتكلم المشير الى موقفهما وعملهما ، وهذا كثير في القرآن ، وهو من أجمل السياقات القرآنية - وكلها جميل - وفيه من تمثيل القصة وتقريبه الى الحس ما لا يوجد ولا شيء من نوع بداعته في التقبل بمثل القول ونحوه.^٢

٢. وبعده ننتقل الى قصة نوح عليه السلام مع ابنه العاق خلال الطوفان ، فقال سبحانه وتعالى:

﴿وَهِيَ تَحْرِي بِهْمُ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَى نُوحُ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ
يَبْنِي أَرْكَبَ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۝ قَالَ سَأُوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي
مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَجِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ
فَكَانَ مِنَ الْمَغْرِقِينَ ۝﴾^٣

فقدّم القرآن "مشهداً من قصة الطوفان: ﴿وَهِيَ تَحْرِي بِهْمُ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ﴾"^٤ فيبدأ جو الطوفان ونغمته تستمر. ونجد قسمين من الهول الشائع: "ان الهول هنا هولان: هول في الطبيعة الصامته ، وهول في النفس البشرية يلتقيان"^٥

وكذلك نرى كيفية النفس الانسانية في شكل قلق الأب الى الابن لسوء عاقبته: "وفي هذه اللحظة الرهيبة ، تنبه في نوح عاطفة الأبوة ، فان ابناً له لم يؤمن ، وانه ليعلم أنه مغرق مع المغرقين. فيتغلب ((الانسان)) في نفس نوح على ((البنى)). ويروح في لهفة وضراعة ينادي ابنه جاهراً: ﴿وَنَادَى نُوحُ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَبْنِي أَرْكَبَ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ﴾"^٦

١. المرجع السابق

٢. الميزان في تفسير القرآن ، ص ٢

٣. القران ؛ س: هود ؛ الآيتان: ٤٢- ٤٣

٤. التصوير الفنى فى القرآن ؛ ص: ٤٩

٥. فى ظلال القرآن ؛ س: هود ؛ الآيتان: ٤٢- ٤٣ ، ص ٨

٦. المرجع السابق

وقوله - سبحانه - ﴿ وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزَلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ﴾^١ "تصوير لتلك اللحظة الرهيبة الحاسمة التي أبصر فيها نوح - عليه السلام - ابنه الكافر وهو منعزل عنه وعن جماعة المؤمنين. ولكن البنوة العاقلة لا تحفل بالأبوة الملهوفة، والفتوة المغرورة لا تقدر مدى الهول الشامل"^٢

"ثم ها هي ذي الأبوة الملهوفة المدركة لحقيقة الهول وحقيقة الأمر ترسل النداء الأخير: ﴿ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَجِمَ ﴾"^٣ "وفي لحظة تتغير صفحة الموقف، فها هي ذي الموجة العاتية تبتلع كل شيء: ﴿ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴾"^٤

ونحس سرعة الماء والفيضان: "والتعبير بقوله: [وَحَالَ ...] يشعر بسرعة فيضان الماء واشتداده، حتى لكأن هذه السرعة لم تمهلها ليكملا حديثهما."^٥ ثم نرى منظر السفينة الجارية على أمواج المياه: "ان السامع ليمسك أنفاسه في هذه اللحظات القصار؛ ﴿ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ﴾ ونوح الوالد الملهوف يبعث بالنداء تلو النداء؛ وابنه الفتى المغرور، يأبى اجابة الدعاء؛ والموجة القوية العاتية، تحسم الموقف في لحظة سريعة خاطفة. وان الهول هنا ليقاس بمداه في النفس الحية - بين الوالد والمولود - كما يقاس بمداه في الطبيعة - حيث يطغى الموج على الذرى والوديان. وانهما لمتكافئان، في الطبيعة الصامتة، وفي نفس الانسان."^٦

وهكذا تصور لنا هذه الآية الكريمة ما دار بين نوح وابنه من محاورات في تلك اللحظات الحاسمة المؤثرة، التي "يبدل فيها كل أب ما يستطيع بذله من جهود لنجاة ابنه من هذا المصير المؤلم."^٧ وهذا التصوير مؤثراً في النفوس الى حد حتى "...اننا بعد آلاف السنين، لنمسك

أنفاسنا - ونحن نتابع السياق - والهول يأخذنا كأننا نشهد المشهد .. وهي تجري بهم في موج كالجبال، ونوح الوالد الملهوف يبعث بالنداء، وابنه الفتى المغرور يأبى اجابة الدعاء، والموجة الغامرة تحسم الموقف في سرعة خاطفة راجفة وينتهي كل شيء، وكان لم يكن دعاء ولا جواب!"^٨ وكذلك تقدم هذا التصوير نوعان من الهول: هول في النفس وهول في الطبيعة،

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم؛ س: هود؛ الآيتان: ٤٢-٤٣، ص ٤

٢. في ظلال القرآن س: هود؛ الآيتان: ٤٢-٤٣، ص ٨

٣. المرجع نفسه

٤. التصوير الفتي في القرآن؛ ص: ٤٩

٥. المرجع نفسه؛ ص: ٥٠

٦. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: هود؛ الآيتان: ٤٢-٤٣، ص ٤

٧. في ظلال القرآن س: هود؛ الآيتان: ٤٢-٤٣، ص ٩

كما يقول سيد قطب: "وان الهول هنا ليقاس بمداه في النفس الحية - بين الوالد والمولود - كما يقاس بمداه في الطبيعة ، والموج يطغي على الذرى بعد الوديان . وانهما لمتكافئان ، في الطبيعة الصامتة وفي نفس الانسان . وتلك سمة بارزة في تصوير القرآن."^١

مشاهد القيامة: صور البعث والحشر

أولاً نعرض مشاهد للبعث والحشر ، وما يقع فيها من حوار بين الشركاء ، وتناكر بين الأصفياء . فقد كان لها من التصوير الفني أوفى النصيب .

"وكل ما يرد في القرآن وفي الحديث من هذه الصور والمشاهد انما هو تقريب للحقائق التي لا يملك البشر ادراكها بغير أن توضع لهم في تعبير يدر كونه ، وفي صورة يتصورونها."^٢

١ . قال تعالى :

﴿... يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكْرٍ ۖ خُشِعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۖ مَهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِيرٌ﴾^٣

ويعلق عليه سيد قطب: "فهذا مشهد من مشاهد الحشر ، مختصر سريع ؛ ولكنه شاخص متحرك ، مكتمل السمات والحركات . هذه جموع خارجة من الأجداث في لحظة واحدة كأنها جراد منتشر . (ومشهد الجراد المعهود يساعد على تصور هذا المنظر العجيب.)"^٤ وفي تفسيره يقول: "وهو مشهد من مشاهد ذلك اليوم ، يناسب هوله وشدته ظلال السورة كلها ، ويتناسق مع الارهاص باقتراب الساعة ، ومع الانباء بانشقاق القمر ، ومع الايقاع الموسيقي في السورة كذلك!"^٥

ويستمر في تشريحه للصورة الفنية:

"وهذه الجموع تسرع في سيرها نحو الداعي ، دون أن تعرف لِمَ يدعوها ، فهو يدعوها ﴿إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكْرٍ﴾ لا تدريه . ﴿خُشِعًا أَبْصَارُهُمْ﴾ وهذا يكمل الصورة ؛ ويمنحها السمة الأخيرة . وفي أثناء هذا التجمع والاسراع والخشوع ﴿يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِيرٌ﴾ . فما ذا بقي من المشهد لم يشخص بعد هذه الفقرات

١ . في ظلال القرآن، س: هود؛ الآية: ٤٢-٤٣ ، ص ٩

٢ . المرجع نفسه

٣ . القرآن؛ س: القمر؛ الآيات: ٦-٨

٤ . التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٥٠

٥ . في ظلال القرآن ، ص ٦

القصار؟ وان السامعين ليتخيلون اليوم النكر، فاذا هو حشد من الصور. صورهم -
وانهم لمن المبعوثين - يتجلى فيها الهول الحي، الذي يؤثر في نفس كل حي!^١

ويعلق على هذا المنظر من مناظر القيامة بسرعه:

”وهو متقارب سريع . وهو مع سرعته شاخص متحرك ، مكتمل السمات
والحركات : هذه جموع خارجة من الأحداث في لحظة واحدة كأنهم جراد
منتشر (ومشهد الجراد المعهود يساعد على تصور المنظر المعروض) وهذه خاشعة
أبصارها من الذل والهول ، وهي تسرع في سيرها نحو الداعي ، الذي يدعوها لأمر
غريب نكير شديد لا تعرفه ولا تطمئن اليه .. وفي أثناء هذا التجمع والخشوع
والاسراع يقول الكافرون : ﴿ هَذَا يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴾ .. وهي قولة المكروب المجهود ،
الذي يخرج ليواجه الأمر الصعب الرعب!^٢

وكذلك يحس طنطاوي هذا المنظر من أهول المناظر تقشعر منه الأوصال: ”والتأمل في هذه
الآيات الكريمة ، يراها قد وصفت أحوال الكافرين في هذا اليوم ، وصفاً تقشعر من هول الأبدان
.. فهم أذلاء ضعفاء ينظرون الى ما يحيط بهم نظرة الخائف المفتضح ، وهم في حالة خروجهم
من قبورهم كأنهم الجراد المنتشر ، في الكثرة والتموج والاضطراب ، وهم يسرعون نحو الداعي
بذعر دون أن يلووا على شيء ، ودون أن يكون في امكانهم المخالفة أو التأخر عن دعوته“^٣

وقد عد ابن عاشور هذه مظاهر الأهوال سبعة:

”وقد عدّ سبعة من مظاهر الأهوال:

أولها: دعاء الداعي فانه مؤذن بأنهم محضرون الى الحساب ، لأن مفعول ﴿ يدع ﴾
محذوف بتقدير : يدعوهم الداعي لدلالة ضمير ﴿ عنهم ﴾ على تقدير المحذوف .
الثاني: أنه يدعو الى شيء عظيم لأن ما في لفظ ﴿ شيء ﴾ من الابهام يشعر بأنه
مهول ، وما في تنكيره من التعظيم يحسم ذلك الهول .
وثالثها: وصف شيء بأنه ﴿ نكر ﴾ ، أي موصوف بأنه تنكره النفوس وتكرهه .
والنكر بضمّتين : صفة ، وهذا الوزن قليل في الصفات ...
ورابعها: ﴿ خشعا أبصارهم ﴾ أي ذليلة ينظرون من طرف خفي لا تثبت أحداقهم
في وجوه الناس ، وهي نظرة الخائف المفتضح وهو كناية لأن ذلة الدليل وعزة

١ . التصوير الفني في القرآن ؛ ص : ٥٠ - ٥٣

٢ . المرجع السابق

٣ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، ص ٤

العزير تظهران في عيونهما.

وخامسها: تشبيههم بالجراد المنتشر في الاكتظاظ واستتار بعضهم ببعض من شدة الخوف زيادة على ما يفيد التشبيه من الكثرة والتحرك.

وسادسها: وصفهم بمهطعين، والمهطع: الماشي سريعاً ماداً عنقه، وهي مشية مذعور غير ملتف الى شيء... .

وسابعها: قولهم: ﴿ هذا يوم عسر ﴾ وهو قول من أثر ما في نفوسهم من خوف. و﴿ عسر ﴾: صفة مشبهة من العُسر وهو الشدة والصعوبة. ووصف اليوم بـ ﴿ عسر ﴾ وصف مجازي عقلي باعتبار كونه زماناً لأمر عسرة شديدة من شدة الحساب وانتظار العذاب.^١

٢. وهذا مشهد آخر من مشاهد الاسراع والخشوع، أشد في النفس هولاً وأكمد في التصوير لونا:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ • مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُؤُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْتَدَتْهُمْ حُورٌ ۚ﴾^٢

وقد عدتها سيد قطب أربع صور تأتي واحداً تلو الآخر:

”أربع صور متتابعة متواكبة، أو أربعة مشاهد لرواية واحدة، يتلو بعضها بعضاً في الاستعراض، فتم بها صورة شاخصة في الخيال؛ وهي صورة فريدة للفرع والخجل والرهبية والاستسلام، يجعلها ظل كئيب ساهم، يكمد الأنفاس. وهي صورة ترسم كذلك في وسط حي: هؤلاء آدميون، بينهم وبين المستمعين صلة الجنس المشترك، والحس المتشابه؛ فهي ترسم في نفوسهم حية، ويصل الشعور بها من هؤلاء الى هؤلاء بالمشاركة الوجدانية وبالتخييل المحسوس. فاذا قرأ القارئ تمشت رعدة الهول في حناياه، كأنما يلقاه!“^٣

ويبين صاحب الوسيط أوصاف الظالمين التي وصفهم الله تعالى في هذا البيان المعجز: ”ان الله سبحانه — قد وصف هؤلاء الظالمين في هاتين الآيتين بحملة من الصفات الدالة على فزعهم وحيرتهم. وصفهم أولاً بشخوص الأبصار، ووصفهم ثانياً بالاسراع الى الداعي في ذلة وانكسار، ووصفهم ثالثاً برفع رؤوسهم في حيرة واضطراب ووصفهم رابعاً بانفتاح عيونهم دون

١. التحرير والتنوير، ص ١-٢

٢. القرآن؛ س: ابراهيم؛ الآيتان: ٤٢-٤٣

٣. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٥١

أن تطرف من شدة الوجع ، ووصفهم خامساً بخلو قلوبهم من ادراك أي شيء بسبب ما اعترفهم من دهشة ورعب.^١

ويحس سيد قطب هول المشهد ويبيّن في لفظه هكذا:

”...يرسم مشهداً للقوم في زحمة الهول .. مشهدهم مسرعين لا يلوون على شيء ، ولا يلتفتون الى شيء . رافعين رؤوسهم لا عن ارادة ولكنها مشدودة لا يملكون لها حراكاً . يمتد بصرهم الى ما يشاهدون من الرعب فلا يطرف ولا يرتد اليهم . وقلوبهم من الفزع حاوية خالية لا تضم شيئاً يعونه أو يحفظونه أو يتذكرونه ، فهي هواء خواء ..

هذا هو اليوم الذي يؤخرهم الله اليه . حيث يقفون هذا الموقف ، ويعانون هذا الرعب .

الذي يرسم من خلال المقاطع الأربعة مذهلاً آخذاً بهم كالطائر الصغير في مخالبا الباشق الرعب:

﴿ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ • مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُؤُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴾

فالسرع المهرولة المدفوعة ، في الهيئة الشاحصة المكرهة المشدودة ، مع القلب المفزع الطائر الخاوي من كل وعي ومن كل ادراك .. كلها تشي بالهول الذي تشخص فيه الأبصار..^٢

وكذلك ابن عاشور يشعر بهول المنظر: ”... تشخص فيه أبصار الناس من هول ما يرون . ومن جملة ذلك مشاهدة هول أحوال الظالمين.“^٣

٣. ثم تأتي صورة الهول العظمى ، التي لا تغني الألفاظ عنها ، فلنقلها لتعبّر عن نفسها :

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ • يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُذْهِلُ كُلُّ مَرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمَلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَارَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ • ﴾^٤

مشهد حافل بكل مرضعة ذاهلة عما أرضعت ، تنظر ولا ترى ، وتتحرك ولا تعي ؛ وبكل حامل

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، ص ٢

٢. في ظلال القرآن ؛ س: ابراهيم ؛ الآيتان: ٤٢- ٤٣ ، ص ٨-٩

٣. التحرير والتنوير ، ص ١

٤. القرآن ؛ س: الحج ؛ الآيتان: ١-٢

تسقط حملها ، للهول المروع ينتابها ؛ وبالناس سكارى وما هم بسكارى ، يتبدى السكر في نظراتهم الذاهلة ، وفي خطواتهم المترنحة . مشهد مزدحم بذلك الحشد المتماوج ، "تكاد العين تبصره بينما الخيال يتملاه ، والهول الشاخص يذهله ، فلا يكاد يبلغ أقصاه . وهو هول حي لا يقاس بالحجم والضخامة ، ولكن بوقعه في النفوس الآدمية : المرضعات الذاهلات عما أرضعن ، والحوامل الملقيات حملهن ، والسكارى وما هم بسكارى ﴿ وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ﴾^١ ."

مطلع عنيف رعب ، ومشهد ترتجف لهوله القلوب . يبدأ بالنداء الشامل للناس جميعاً يدعوهم الى الخوف من الله ، ويخوفهم ذلك اليوم العصيب ، وهكذا يبدأ بالتهويل المحمل ، والتجهيل الذي يلقي ظل الهول يقصر عن تعريفه التعبير ، ثم يأخذ في التفصيل . "فاذا هو أشد رهبة من التهويل .. اذا هو مشهد حافل بكل مرضعة ذاهلة عما أرضعت تنظر ولا ترى ، وتتحرك ولا تعي . وبكل حامل تسقط حملها للهول المروع ينتابها .. وبالناس سكارى وما هم بسكارى ، ويتبدى السكر في نظراتهم الذاهلة ، وفي خطواتهم المترنحة"^٢ مشهد مزدحم بذلك الحشد المتماوج ، تكاد العين تبصره لحظة التلاوة ، بينما الخيال يتملاه . "والهول الشاخص يذهله ، فلا يكاد يبلغ أقصاه . وهو هول حي لا يقاس بالحجم والضخامة ، ولكن يقاس بوقعه في النفوس الآدمية : في المرضعات الذاهلات عما أرضعن — وما تذهل المرضعة عن طفلها وفي فمه ثديها الا للهول الذي لا يدع بقية من وعي — والحوامل الملقيات حملهن ، وبالناس سكارى وما هم بسكارى ... انه مطلع عنيف مرهوب تنزل له القلوب"^٣

"والاينيان بلفظ [شيء] للتهويل يتوغله في التنكير ، أي زلزلة الساعة لا يعرف كنهها الا بأنها شيء عظيم"^٤ "وقال — سبحانه —: ﴿ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ﴾ بصيغة الاجمال والابهام لهذا الشيء العظيم ، لزيادة التهويل والتخويف ."^٥ "وأن هذه الزلزلة من مظاهر شدتها ورهبتها ، "أنكم ترون الأم بسببها تنسى وتترك وليدها الذي ألقته ثديها . وكأنها لا تراه ولا تحس به من شدة الفرع."^٦

وقيل : [مُرْضِعَةٌ] دون مرضع لأن "المرضعة التي في حال الارضاع ملقمة ثديها الصبي ، والمرضع: التي من شأنها أن ترضع وان لم تباشر الارضاع في حال وصفها به فقيل:

١ . التصوير الفني في القرآن ؛ ص: ٥٠ — ٥٣

٢ . في ظلال القرآن ، س: الحج : الآية: ١ ، ص ٣

٣ . المرجع نفسه

٤ . التحرير والتنوير ، س: الحج : الآية: ١

٥ . الوسيط في تفسير القرآن ، ص ١

٦ . المرجع نفسه

مرضعة ليدل على أن ذلك الهول اذا فوجئت به هذه ، وقد ألقمت الرضيع ثديها نزعته عن فيه لما يلحقها من الدهشة [عَمَّا أَرْضَعَتْ] عن ارضاعها: أو عن الذي أرضعته وهو الطفل.^١

ويبين ابن عاشور الدقائق البلاغية التي تزيد حسن الصورة:

”وزيادة كلمة (كلّ) للدلالة على أن هذا الذهول يعتري كل مريض وليس هو لبعض الأمراض باحتمال ضعف في ذاكرتها. ثم تقتضي هذه الكناية كناية عن تعميم هذا الهول لكل الناس لأن خصوصية هذا المعنى بهذا المقام أنه أظهر في تصوير حالة الفزع والهلع بحيث يذهل فيه من هو في حال شدة التيقظ لوفرة دواعي اليقظة. وذلك أن المرأة لشدة شفقتها كثيرة الاستحضار لما تشفق عليه ، وأن المريض أشد النساء شفقة على رضيعها، وأنها في حال ملابسة الارضاع أبعد شيء عن الذهول فاذا ذهلت عن رضيعها في هذه الأحوال دلّ ذلك على أن الهول العارض لها هول خارق للعادة. وهذا من بدیع الكناية عن شدة ذلك الهول لأن استلزم ذهول المريض عن رضيعها لشدة الهول يستلزم شدة الهول لغيرها بطريق الأولى، فهو لزوم بدرجة ثانية ، وهذا النوع من الكناية يسمى الایماء.“^٢

٤ . واذا كانت الصور الثلاثة الماضية ترسم الهول ظاهراً للعيان ، فهناك صور لا يدركها الا الوجدان :

﴿ فَإِذَا جَاءَ تِ الصَّاحَةُ • يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أُخِيهِ • وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ •
وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ • لِكُلِّ أُمْرِي مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ • ﴾^٣

والصورة الأخرى يبين هول القيامة في شكل فرار المرء من أحبائه الأعزاء : ” واردة لبيان سبب الفرار . وللمبالغة في تهويل شأن هذا اليوم . أي لكل واحد منهم في هذا اليوم العظيم، شأن وأمر يغنيه ويكفيه عن الاشتغال بأي أمر آخر سواه . يقال: فلان أغنى فلاناً عن كذا ، اذا جعله في غنية عنه.“^٤

ويشرح سيد قطب الدقائق اللفظية تزين وتبين الصورة:

”والصاحاة لفظ ذو جرس عنيف نافذ ، يكاد يخرق صماخ الأذن ، وهو يشق الهواء شقاً ، حتى يصل الى الأذن صاخاً ملحاً!

١ . الكشاف ، س: الحجج ؛ الآيتان: ١-٢

٢ . التحرير والتنوير ، س: الحجج ؛ الآية: ٢ ، ص ١-٢

٣ . القرآن ؛ س: عبس ؛ الآية: ٣٣-٣٧

٤ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: عبس ؛ الآية: ٣٣-٣٧ ، ص ١

وهو يمهد بهذا الجرس العنيف للمشهد الذي يليه : مشهد المرء يفر وينسلخ من
ألسق الناس به : ﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ • وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ • وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ﴾ ..
أولئك الذين تربطهم به وشائج وروابط لا تنفصم ؛ ولكن هذه الصاخة تمزق هذه
الروابط تمزيقاً ، وتقطع تلك الوشائج تقطيعاً.^١

وهذا الهول نفسي كما ورد في (في ظلال القرآن):

”والهول في هذا المشهد هول نفسي بحت ، يفرع النفس ويفصلها عن محيطها .
ويستبد بها استبداداً . فلكل نفسه وشأنه ، ولديه الكفاية من الهم الخاص به ، الذي
لا يدع له فضله من وعي أو جهد : ﴿لِكُلِّ أَمْرٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾
والظلال الكامنة وراء هذه العبارة وفي وطياتها ظلال عميقة سحيقة . فما يوجد
أخصر ولا أشمل من هذا التعبير ، لتصوير الهم الذي يشغل الحس والضمير!^٢

ويبين ابن عاشور شرح الكلمات الخاصة في النص كما يلي: وكون أقرب الناس للانسان يفرّ
منهم يقتضي هول ذلك اليوم بحيث اذا رأى ما يحل من العذاب بأقرب الناس اليه توهم أن
الفرار منه ينجيه من الوقوع في مثله ، اذ قد علم أنه كان مماثلاً لهم فيما ارتكبه من الأعمال
فذكرت هنا أصناف من القرابة .^٣ ورتبت أصناف القرابة في الآية حسب الصعود من الصنف الى
من هو أقوى منه تدرجاً في تهويل ذلك اليوم .

فابتدأ ” بالأخ لشدة اتصاله بأخيه من زمن الصبا فينشأ بذلك إلف بينهما يستمر طول الحياة ، ثم
ارتقى من الأخ الى الأبوين وهما أشد قرباً لابنتيهما ، وقدمت الأم في الذكر لأن إلف ابنها بها
أقوى منه بأبيه ولرعي على الفاصلة ، وانتقل الى الزوجة والبنين وهما مجتمع عائلة الانسان
وأشد الناس قرباً به وملازمة.“^٤

وأطنب بتعداد هؤلاء الأقرباء دون أن يقال: يوم يفر المرء من أقرب قرابته ”مثلاً لاحضار صورة
الهول في نفس السامع.“^٥

وفي هذا المعنى ورد قوله تعالى:

﴿وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا﴾^٦

١ . في ظلال القرآن، س:عبس؛ الآية:٣٣-٣٧، ص ١٥

٢ . المرجع نفسه ، ص ١٦

٣ . التحرير والتنوير ، س:عبس؛ الآية:٣٣-٣٧ ، ص ١

٤ . المرجع نفسه ، س:عبس؛ الآية:٣٣-٣٧ ، ص ٢

٥ . المرجع نفسه

٦ . القرآن ؛ س:المعارج ؛ الآية: ١٠

ويعلق سيد قطب على هذا التصوير الدقيق: "انه لا يوجد أحصر من هذا ولا أدق في تصوير اشتغال القلب والفكر بالهمّ الحاضر القاهر، حتى لا موضع لسواه، ولا تلفت ولا انتباه."^١

ويشرح في تفسيره: "ان الناس في همّ شاغل، لا يدع لأحد منهم أن يتلفت خارج نفسه، ولا يجد فصحة في شعوره لغيره: ﴿وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا﴾. فلقد قطع الهول المروع جميع الوشائج، وحبس النفوس على همها لا تتعداه..^٢

ويحس صاحب الوسيط هذا الهول هكذا: "وفي هذا اليوم — أيضا — ﴿وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا﴾ أي: لا يسأل صديق صديقه النصره أو المعونة، ولا يسأل قريب قريبه المساعدة والمؤازرة.. لأن كل واحد منهما مشغول بهموم نفسه من شدة هول الموقف، كما قال تعالى: ﴿يَوْمَ يَقْرَأُ الْمُرءُ مِنْ أَحْبَبِهِ • وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ • وَصَاحِبَتِيهِ وَبَنِيهِ • لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ﴾ والحميم: هو الصديق الوفي القريب من نفس صديقه."^٣

٥. وقال تعالى:

﴿ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاجِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ لَا يَخِصِّمُونَ • فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ • وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ • قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ • إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاجِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ • فَالْيَوْمَ لَا تَظَلُمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ •﴾^٤

وهذا موقف آخر من مواقف البعث "مفصل بعض الشيء، ومؤلف من عدة مشاهد، بين كل منها والآخر فحوة يملؤها الخيال"^٥ وهذا المنظر جواب سؤال: "يسأل المكذبون: ﴿مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾.. فيكون الجواب مشهداً خاطفاً سريعاً.. صيحة تصعق كل حي، وتنتهي بها الحياة والأحياء"^٦

فيكون المنظر الأول بعد الصيحة الأولى كالاتي:

١. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٥١-٥٢
٢. في ظلال القرآن، س: عبس؛ الآيات: ٣٣-٣٧، ص ٧
٣. الوسيط في تفسير القرآن، س: عبس؛ الآية: ٣٣-٣٧، ص ٤
٤. القرآن؛ س: يس؛ الآيات: ٤٩-٥٤
٥. التصوير الفني في القرآن، ص ٥٢
٦. في ظلال القرآن، س: يس؛ الآيات: ٤٩-٥٤، ص ٧

﴿ مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ لَا يَحِصِبُونَ ۝ ﴾

﴿ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ۝ ﴾

فتكون هناك عدة الصياح فهي الأولى منها: "فهذه هي الصيحة الأولى أخذتهم وهم يتجادلون ويتخاصمون، فلم يستطيعوا حتى التوصية، لأنها عجلت بهم الى القبور.." ^١ "فهي تأخذهم بغتة وهم في جدالهم وخصامهم في معترك الحياة، لا يتوقعونها ولا يحسبون لها حساباً. فاذا هم منتهون. كل على حالة التي هو عليها. لا يملك أن يوصي بمن بعده. ولا يملك أن يرجع الى أهله فيقول كلمة.." ^٢ ثم بعد الصياح الأولى:

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ۝ قَالُوا يَا

وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝ ﴾

وهذه هي الصيحة الثانية "وها هم أولاء يسرعون من القبور الى ربهم، وهم في ذعر ودهش يتساءلون: ((من بعثنا من مرقدنا؟)) ثم يفركون عيونهم فيتحققون: ((هذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون))" ^٣ وهكذا يشرح سيد قطب في تفسيره "ثم ينفخ في الصور فاذا هم ينتفضون من القبور. ويمضون سراعاً، وهم في دهش وذعر يتساءلون: [من بعثنا من مرقدنا؟] ثم نزول عنهم الدهشة قليلاً، فيدركون ويعرفون: [هذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون]!" ^٤ ويقول فيه طنطاوي: "فأنت ترى أن الآيتين الكريمتين قد اشتملتا على أبلغ تصوير لأحوال علامات يوم القيامة، ولسرعة مجيء هذه الأحوال." ^٥

ثم الصيحة الأخيرة:

﴿ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝ فَالْيَوْمَ

لَا تُظَلِّمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُحْزَنُ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ﴾

وهذه هي الصيحة الأخيرة: ﴿ فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴾ "ولقد حضروا فعلاً، وارتسم المشهد؛ وها هم أولاء يتلقون الخطاب، على مرأى و مسمع ممن يقرأون الآن هذا الكتاب!" ^٦ ثم اذا الصيحة الأخيرة... "فاذا هذا الشئيت الحائر المذهول المسارع في خطاء المدهوش. يشوب: [فاذا هم جميع لدينا محضرون].. وتتنظم الصفوف، ويتهيأ الاستعراض في مثل لمح

١. المرجع السابق

٢. المرجع السابق

٣. التصوير الفني في القرآن، ص ٥٢

٤. المرجع السابق

٥. الوسيط في تفسير القرآن، س: يس؛ الآيتان: ٥٤-٥٦، ص ٣

٦. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٥٢

البصر ورجع الصدى. واذ القرار العلوي في طبيعة الموقف ، وطبيعة الحساب والجزاء يعلن على الجميع: [اليوم لا تظلم نفس شيئاً ولا تحزون الا ما كنتم تعملون]..^١

٦. وقوله تعالى من هول القيامة:

﴿ هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارَ ۗ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ
لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدْ مُتِمُّوهُ لَنَا فَبَيْسَ الْقَرَارِ ۗ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا
فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۗ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِنْ
الْأَشْرَارِ ۗ اتَّخَذْنَاَهُمْ سُخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ۗ إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ
تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ۗ ﴾^٢

هذا منظر من مناظر الهول والدهشة وبيانه أنه .. يتم المشهد بمنظر .. حي شاخص بما فيه من حوار: فهنا هي ذي جماعة من أولئك الطاغين من أهل جهنم . كانت في الدنيا متوادة متحابه . فهي اليوم متناكرة متباذرة كان بعضهم يملئ لبعض في الضلال . وكان بعضهم يتعالى على المؤمنين ويهزأ من دعوتهم ودعواتهم في النعيم.^٣

ويأتي سيد قطب تفصيله بشرح وبسط في كتابه:

”واذ تم الحشر، وابتدأ العرض، فيها نحن أولاء أمام مشهد لجماعة كانت في الدنيا متوادة متحابه ، وهي اليوم متناكرة متباذرة . كان بعضهم يملئ لبعض في الضلال؛ وكان بعضهم يتعالى على المؤمنين، ويهزأ من دعواتهم في نعيم الآخرة : ها هم أولاء يقتحمون النار فوجاً بعد فوج . هذا هو الفوج الأول . يُنقل اليه نبأ اقتحام الفوج الثاني: ﴿ هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ﴾ فماذا يكون الجواب؟ يكون: ﴿ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارَ ﴾ فهل يسكت المشتمون؟ كلا! فيها هم أولاء يردون: ﴿ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدْ مُتِمُّوهُ لَنَا فَبَيْسَ الْقَرَارِ ﴾ واذا دعوة جامعة: ﴿ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴾ ثم ماذا؟ ثم ها هم أولاء يفتقدون المؤمنين ، الذين كانوا يتعالون عليهم في الدنيا ويظنون بهم شراً ، فلا يرونهم معهم مقتحمين : ﴿ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِنْ الْأَشْرَارِ اتَّخَذْنَاَهُمْ سُخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ۗ... ﴾ إِنَّ ذَلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ۗ ﴿ واننا لنشهد اليوم هذا التخاصم كما لو كان حاضراً في العيان! وان كل نفس آدمية

١. في ظلال القرآن ، س: يس ؛ الآيات: ٤٩-٥٦

٢. القرآن ؛ س: ص ؛ الآيات: ٥٩-٦٤

٣. المرجع السابق ، س: ص ؛ الآيات: ٥٩-٦٤

لتحس في حناياها وقع هذا المشهد وتنقيه، وتحاذر- لو ينفع الحذر- أن تقع فيه!^١
 وورد في تفسيره: "ويختم المشهد بتقرير واقع أهل النار: [إِنَّ ذَلِكَ لَحَقُّ تَخَاصُّمِ أَهْلِ النَّارِ]!!"^٢
 وهذه نخبة من مشاهد القيامة التي وردت في القرآن كثيرة مراراً وتكراراً تنبهنا عن العاقبة الحقة
 بعد هذه الحياة الدنيا الموقفة.

مشاهد القيامة: صور من النعيم والعذاب:

١. قال الله سبحانه وتعالى في القرآن الكريم عن أحوال الكافرين والمؤمنين يوم الجزاء:

﴿وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ فَأُفْتُحَتْ أَبْوَابُهَا
 وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ
 وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا قَالُوا بَلَىٰ ۖ وَلَٰكِن حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى
 الْكَافِرِينَ ۝ قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبئسَ مَثْوًى
 الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَىٰ الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ
 وَأُفْتُحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا
 خَالِدِينَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَّبِعُهُ
 الْحَيَّةَ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَاقِقِينَ حَوْلَ
 الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ
 الْعَالَمِينَ ۝﴾^٣

هذا مشهد من مشاهد النعيم للمتقين والعذاب للكافرين. "وهو مشهد رائع حافل، يبدأ متحركاً،
 ثم يسير ويبدأ، حتى تهدأ كل حركة، وتسكن كل نامة، ويخيم على ساحة العرض جلال
 الصمت، ورهبة الخشوع، بين يدي الله الواحد القهار!"^٤

وبعد بيان حال الكافرين والمتقين يوم الجزاء "يختم المشهد بما يغمر النفس بالروعة والرهبة
 والجلال، وما يتسق مع جو المشهد كله وظله، وما يختم سورة التوحيد أنسب ختام؛ والوجود
 كله يتجه الى ربه بالحمد؛ في خشوع واستسلام. وكلمه الحمد ينطق بها كل حي وكل
 موجود في استسلام"^٥

١. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٥٣

٢. المرجع السابق، س: ص؛ الآيات: ٥٩-٦٤

٣. القرآن؛ س: الزمر ٣٩؛ الآيات: ٧١-٧٥

٤. في ظلال القرآن، س: الزمر؛ الآية: ٧١، ص ٢

٥. نفس المرجع؛ ص ٣

ويقول سيد قطب عن هذا المشهد: "ونحسب أن المشهد بارز واضح، منسق الخطوات، متقابل الجزئيات، لا يحتاج منا الى توضيح أو بيان."^١

٢. وكذلك يأتي بيان أحوال الكافرين والمتقين في قوله تعالى:

﴿إِنَّ شَجَرَةَ الزُّقُومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ • كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ • كَغَلِيِّ الْحَمِيمِ • خُذُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْحَجِيمِ • ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ • ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ • إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ •

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ • فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ • يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ • كَذَلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ • يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِينَ • لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْحَجِيمِ • ﴿٢﴾

وهذا الجزء من القرآن الكريم " يعرض عليهم مشهداً من مشاهد يوم الفصل، وما ينتهي اليه العصاة و الطائعون من عذاب ومن نعيم؛ مشهداً عتيفاً يتناسق مع ظلال السورة وجوها العتيف:"^٢

يعرض القرآن الكريم أحوال الكافرين أولاً وطعامهم في نار جهنم فـ"يبدأ المشهد بعرض لشجرة الزقوم، بعد تقرير أنها طعام الأثيم؛ عرض مفزع مرعب مخيف. ان هذا الطعام مثل دردي الزيت المغلي - وهو المهل - يغلي في البطن كغلي الحميم. وهناك هذا الأثيم. هذا المتعالي على ربه وعلى الرسول الأمين. وهذا هو الأمر العالي يصدر الى الزبانية ليأخذوه في عنف يليق بمقامه ﴿الكريم﴾!"^٣

"والصب: افراغ الشيء المظروف من الظرف وفعل الصب لا يتعدى الى العذاب لأن العذاب أمر معنوي لا يصب. فالصب مستعار للتقوية والاسراع فهو تمثيلية اقتضاها ترويع الأثيم حين سمعها، فلما كان المحكي هنا القول الذي يسمعه الأثيم صيغ بطريقة التمثيلية تهويلاً"^٤ فتقدم

الكلمة [الصب] تصوير العذاب السريع الكثير.

١. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٥٣
٢. القرآن؛ س: الدخان؛ الآيات: ٤٣-٥٦
٣. في ظلال القرآن، س: الدخان؛ الآيات: ٤٣-٥٦، ص ١٢
٤. المرجع نفسه، ص ١٣
٥. التحرير والتنوير، س: الدخان؛ الآيات: ٤٣-٥٦، ص ١

وكذلك نرى دور الكلمة في هذا التصوير في قوله تعالى: [ذُق] "والذوق مستعار للاحساس وصيغة الأمر مستعملة في الإهانة."^١ فكلمة واحدة تصور منظر الدلالة والتهكم للذي كان كريماً في زعمه في الحياة الدنيا.

وبعد هذا الحديث عن الكافرين وسوء مصيرهم، تُقدّم لنا أحوال المتقين وحسن عقابتهم:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ • فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ • يَلْبَسُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ • كَذَلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ • يُدْعَوْنَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِينَ • لَا يَذُقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ •﴾

ويفسر سيد قطب هذا المشهد كما يلي:

"وبينما الأخذ والعتل، والصب والكي، والتأنيب والحزى.. في جانب من جوانب الساحة.. يمتد البصر— بعين الخيال— الى الجانب الآخر. فاذا [المتقون] الذين كانوا يخشون هذا اليوم ويخافونه. اذا هم: [في مقام أمين].. لا خوف فيه ولا فزع، ولا شد فيه ولا جذب، ولا عتل فيه ولا صب! بل هم منعمون رافلون [في جنات وعيون].. يلبسون من سندس— وهو الحرير الرقيق— ومن استبرق— وهو الحرير السميك— ويجلسون متقابلين في مجالسهم يسمررون. كل ذلك ومثله تزويجهم بحور عِين، يتم بهن النعيم. وهم في الجنة أصحاب الدار، يطلبون ما يشاءون [يدعون فيها بكل فاكهة آمين].. لا يتوقعون نهاية لهذا النعيم. فلا موت هنالك وقد ذاقوا الموتة الأولى، وغيرها لا يذوقون. (وذلك في مقابل ما كان المشركون يقولون: [ان هي الاموتتنا الأولى وما نحن بمنشرين].. فنعم انها الموتة الأولى ولكن وراءها الجحيم والنعيم)."^٢

٣. والآن ننتقل الى مشهد من مشاهد القيامة، وهو "المشهد المتعدد المناظر، المتنوع المشاهد، المتفرد في طريقة العرض والحوار"^٣ فقال تعالى:

﴿وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنِ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَن لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ • الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ •﴾

١. المرجع نفسه، ص ٢

٢. في ظلال القرآن، ص ١٣

٣. التصوير الفني في القرآن ص ٥٤

وَيَسْتَهْمَا حِجَابَ عَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كَلِمًا بِسِيمَاهُمَا وَنَادُوا
أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ • وَإِذَا
صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تَلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ •

وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَى
عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ • أَهَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ
اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ •
وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا عَلَيِ الْكَافِرِينَ • ﴿٤٤﴾

”فها نحن أولاء أمام مشاهد يتلو بعضها بعضاً.“^٢ يبدأ المشاهد بخطاب أهل الجنة لأهل النار:

﴿ وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا
حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ
اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ • الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ
بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ • ﴿٤٤﴾

فالآن ”نحن أولاء أمام المؤمنين في الجنة ، والكافرين في النار ، ينادي الأولون الآخرين : ((قَدْ
وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟)) — وفي هذا السؤال من التهكم المرر
ما فيه — فيجيب الجواب من هناك ((نَعَمْ)) ! حيث لا مجال لنكران أو محال . وعندئذ يؤذن
بينهما مؤذن : ((أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ)).“^٣

ويذكر طنطاوي قول بعض العلماء في تفسير هاتين الآيتين كمايلي:

”وفي هاتين الآيتين تعرض السورة لمرحلة أخرى من مراحل العذاب ، وهي نداء
أصحاب الجنة لأصحاب النار نداء يسجل عليهم الخزي والنكال ، ويشعرهم
بالحسرة والندامة ، اذ كذبوا بما يرونه الآن واقعاً في مقابلة النعيم الذي صار اليه
أهل الايمان ، وأحسوا به كذلك واقعاً.

وفي هذا نرى صورة من الحديث الذي يمثل الرضا والاطمئنان واللذة من جانب .
ويمثل الحسرة والذلة والقلق من جانب آخر . ويصور الحكم النافذ الذي لا مرد له
ولا محيص عنه يؤذن به مؤذن لا يدرك كنهه ولا يعلم من هو ولا ما صوته ولا

١ . القرآن ؛ س : الأعراف ؛ الآيات : ٤٤ - ٥٠ .

٢ . المرجع السابق ، ص : ٥٥ .

٣ . المرجع نفسه

كيف يلقي أذانه ، ولا كيف يكون أثر هذا الأذن في نفوس سامعه .
وانه لتصوير قوي بارع ، يحرك اليه النفوس ، ويهز المشاعر ، ويبين أن النهاية الأليمة
المتوقعة لهؤلاء المكذبين انما هي تسجيل اللعنة عليهم ، والطرده والحرمان من
رحمة الله ، مشيراً الى أسباب ذلك الحرمان الماثلة في ظلمهم الذي كونه صدهم
عن سبيل الله ، وبغيهم اياها عوجاً وانحرافاً وكفرهم بدار الجزاء.^١

”ثم ينتقل القرآن الى الحديث عن مشهد آخر من مشاهد يوم القيامة ، يحدثنا فيه عن أصحاب
الأعراف وما يدور بينهم وبين أهل الجنة وأهل النار من حوار“^٢ فلننظر من هم أصحاب
الأعراف، وما شأنهم مع أصحاب الجنة وأصحاب النار:

﴿ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ عَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَانِهِمْ وَنَادُوا
أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ • وَإِذَا
صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظَّالِمِينَ • وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَانِهِمْ قَالُوا
مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تُسْتَكْبِرُونَ • أَهُؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا
يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ • ﴿

فحين يتوجه نظرنا الى المشهد من ظاهره ”فاذا هنالك حاجز يفصل بين الجنة والنار؛ عليها
رجال يعرفون أصحاب الجنة وأصحاب النار بسيماهم وعلاماتهم...“^٣

ففي هذا المشهد ”نحن أولاء أمام الأعراف — الفاصلة بين الجنة والنار — وعليها رجال يعرفون
هؤلاء وهؤلاء؛ فهم يتوجهون الى أصحاب الجنة بالترحيب والسلام ، ويتوجهون الى أصحاب
النار بالتبكيك والايلام : ((أَهُؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ؟)) انظروا أين هم الآن .
انهم في الجنة يتلقون التكريم!“^٤

”ثم تسوق لنا السورة الكريمة بعد ذلك مشهداً اختتامياً من مشاهد يوم القيامة تدور محاوراته بين
أصحابه الجنة وأصحاب النار“^٥

﴿ وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أفيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِينَ • ﴿

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الأعراف ؛ الآيات: ٤٤-٤٥ ، ص ١

٢. المرجع نفسه ، س: الأعراف ؛ الآيات: ٤٦-٥٠ ، ص ٢

٣. في ظلال القرآن، س: الأعراف ؛ الآيات: ٤٤-٥٠ ، ص ٦

٤. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٥٥

٥. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الأعراف ؛ الآيات: ٤٤-٥٠ ، ص ٤

فأخيراً "ها هم أولاء أصحاب النار يستغيثون ، طالبين من أصحاب الجنة أن يفيضوا عليهم من السماء أو مما رزقهم الله ، فلديهم من كل شيء فيض غزير ، فليفيضوا منه على الملهوفين . ولكن الجواب هو المعذرة والتذكير : ((إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيَّ الْكُفْرَيْنَ))".^١

"هكذا تسوق لنا السورة الكريمة مشاهد متنوعة لأحوال يوم القيامة ، فتحكي لنا أحوال الكافرين، كما تصور لنا ما أعدّه الله للمؤمنين . كما تسوق لنا ما يدور بين الفريقين من محاورات ومناقشات فيها العبر والعظات..."^٢

تلك من صور القيامة ، ومن صور الحوار فيها والخصام ، ومن صور النعيم فيها والعذاب. "فهل كان القارئ في أثناء استعراضها يحس أن هذا كله آتٍ في المستقبل البعيد؟ أم كان يحس أنه واقع في الحاضر المشهود؟"^٣ فهذا دليل آخر من الأدلة المتعددة على حقانية كلام الله المعجز.

١. التصوير الفني في القرآن؛ ص ٥٥

٢. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الأعراف ؛ الآيات: ٤٤-٥٠ ، ص ٥

٣. التصوير الفني في القرآن؛ ص: ٥٥

التخييل الحسي والتجسيم المعنوي

قال الأستاذ سيد قطب ان القرآن "يعبر بالصورة المحسنة المتخيلة عن المعنى الذهني ، والحالة النفسية ؛ وعن الحوادث المحسوس ، والمشهد المنظور ؛ وعن النموذج الانساني والطبيعة البشرية . ثم يرتقي بالصورة التي يرسمها فيمنحها الحياة الشاخصة ، أو الحركة المتجددة . فاذا المعنى الذهني هيئة أو حركة ؛ واذا الحالة النفسية لوحة أو مشهد ؛ واذا النموذج الانساني شاخص حي ، واذا الطبيعة البشرية مجسمة مرئية . فأما الحوادث والمشاهد ، والقصص والمناظر فيردها شاخصة حاضرة ؛ فيها الحياة ، وفيها الحركة ؛ فاذا أضاف اليها الحوار فقد استوت لها كل عناصر التخييل."^١

فمفهوم هذا كله ان قاعدة التصوير القرآني هو التخييل الحسي والتجسيم . وكل ما تقدم من الأمثلة السابقة يصلح برهاناً على هذه الظاهرة ، فالقرآن حافل بالأمثلة في هذا المجال . فنختار بعض الأمثلة الجديدة ما لها دلالة خاصة على هذه الطريقة المعينة: ظاهرة التخييل الحسي والتجسيم في ذلك التصوير . "قليل من صور القرآن هو الذي يعرض صامتاً ساكناً - لغرض فني يقتضي الصمت والسكون - أما أغلب الصور القرآنية ففيه حركة مضمرة أو ظاهرة ، حركة يرتفع بها نبض الحياة ، وتعلو بها حرارتها . وهذه الحركة ليست مقصورة على مشاهد القصص والحوادث ، ولا على مشاهد القيامة ، ولا صور النعيم والعذاب ، أو صور البرهنة والجدل . بل انها لتلحظ كذلك في مواضع أخرى لا ينتظر أن تلحظ فيها."^٢

ويقول عن الحركة في هذا التصوير انها "حركة حية مما تنبض به الحياة الظاهرة للعيان ، أو الحياة المضمرة في الوجدان . هذه الحركة هي التي نسميها ((التخييل الحسي)) ، وهي التي يسير عليها التصوير في القرآن لبث الحياة في شتى الصور ، مع اختلاف الشيات والألوان . وظاهرة أخرى تتضح في تصوير القرآن وهي ((التجسيم)) : تجسيم المعنويات المجردة ، وابرازها أجساماً أو محسوسات على العموم . وانه ليصل في هذا الى مدى بعيد ، حتى ليعبر به في مواضع حساسة جد الحساسية ، يحرص الدين الاسلامي على تجريدها كل التجريد ، كالذات الالهية وصفاتها . ولهذا دلالة الحاسمة ، أكثر من كل دلالة أخرى ، على أن طريقة ((التجسيم)) هي الأسلوب المفضل في تصوير القرآن ، مع الاحتراس والتنبيه الى خطورة التجسيم في

١ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٣٢

٢ . المرجع نفسه ، ص ٦١

الأوهام.^١

ويذهب سيد قطب يقول بأن القرآن "تصوير يجري عبر طرق ، تشمل التشخيص بواسطة التخيل والتجسيم، لذا يخلع (القرآن) — أحياناً — الحياة على الأشياء الجامدة ، ويلجأ — أحياناً — أخرى — الى الصور الحسية والحركية ، للتعبير عن حالة من الحالات ، أو معنى من المعاني ، الى جانب دور الايقاع الموسقي في (القرآن) ، وهو متعدد المعنى ، ويتساق مع الجو النفسي ، ليؤدي وظيفة أساسية في البيان ، حيث لا يرد المعنى الفعلي العام ، في القرآن ، بطريقة تقريرية ، بل يتوهج بصورة متعددة ، لتشع في نفس القارئ احساساً وتأثيراً ، يتغلغل الى كل جنبات الكيان والوجدان ، فيرهف ويرق"^٢

كما قال الله تعالى في القرآن :

﴿ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ ﴾^٣

التخيل الحسي

وللتخيل ألوان متعددة نتحدث عنها خلال الأمثلة القرآنية فيما يلي:

١. التشخيص:

التشخيص لون من ألوان التخيل وهو يتمثل في "خلع الحياة على المواد الجامدة ، والظواهر الطبيعية ، والانفعالات الوجدانية."^٤

وأحياناً قدر ترقى هذه الحياة "فتصبح حياة انسانية ، تشمل المواد والظواهر والانفعالات ؛ وتهب لهذه الأشياء كلها عواطف آدمية ، وخلجات انسانية ، تشارك بها الآدميين ، وتأخذ منهم وتعطي ؛ وتبدي لهم في شتى الملابس ؛ وتجعلهم يحسون الحياة في كل شيء ، تقع عليه العين ، أو يتلبس به الحس ، فيأنسون بهذا الوجود أو يرهبونه ، في توفز وحساسية وارهاف."^٥

فالآن نلتفت الى الأمثلة القرآنية لهذا اللون من التخيل ، فقال الله تعالى:

﴿ وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ ﴾^٦

فالصبح يتنفس ، قال الزمخشري: "فان قلت: ما معنى تنفس الصبح؟ قلت: اذا أقبل الصبح: أقبل

١. المرجع نفسه

٢. الدين والفكر والسياسة ، صلاح قنصوة ، مكتبة دار الكلمة ، القاهرة ، ٢٠٠٣ م ، ص ١٠٤

٣. القرآن ، س: المائدة ؛ الآية: ٨٣

٤. المرجع السابق

٥. المرجع نفسه ، ص ٦١-٦٢

٦. القرآن ؛ س: التكويد ؛ الآية: ١٨

باقباله روح ونسيم ، فجعل ذلك نفساً له على المجاز وقيل : تنفس الصبح.^١

وهذا التعبير القرآني ”هو أظهر حيوية ، وأشد إحياء. والصبح حي يتنفس . أنفاسه النور والحياة والحركة والتي تدب في كل حي ، وأكاد أجزم أن اللغة العربية بكل مآثوراتها التعبيرية لا تحتوي نظيراً لهذا التعبير عن الصبح. ورؤية الفجر تكاد تشعر القلب المتفتح أنه بالفعل يتنفس! ثم يحيى هذا التعبير فيصور هذه الحقيقة التي يشعر بها القلب المتفتح.“^٢

ويؤثر أسلوب القرآن في وجداننا فيخيل لنا ”هذه الحياة الوديدة الهادئة التي تنفرج عنها ثنياه ، وهو يتنفس ، تتنفس معه الحياة ، ويدب النشاط في الأحياء ، على وجه الأرض والسماء.“^٣

وما معنى التنفس؟ هو ”حقيقة خروج النفس من الحيوان ، استعير لظهور الضياء مع بقايا الظلام على تشبيه خروج الضياء بخروج النفس على طريقة الاستعارة المصراحة ، أو لأنه اذا بدا الصباح أقبل معه نسيم فجعل ذلك كالتنفس له على طريقة الممكنة بتشبيه الصبح بذئ نفس مع تشبيه النسيم بالأنفاس.“^٤

فهذا هو الاعجاز التعبيري في القرآن الكريم.

كما جاء في القرآن قول الله تعالى:

﴿ يُغِيثِي الْبَيْلُ النَّهَارَ يُطَلِّبُهُ حَيْثُهَا ٥ ﴾

”وهذا هو الليل يسرع في طلب النهار ، فلا يستطيع له دركاً: [يُغِيثِي الْبَيْلُ النَّهَارَ يُطَلِّبُهُ حَيْثُهَا] ويدور الخيال مع هذه الدورة الدائبة ، التي لا نهاية لها ولا ابتداء.“^٦

يدور تصور القارئ والسامع وشعوره مع دورة الليل والنهار في هذا الفلك الدوار ، والليل يطلب النهار حيثاً ، ويريده مجتهداً! وكل هذا حركة وتوفز ، وكله تطلع وانتظار. ”ان جمال الحركة وحيويتها و”تشخيص“ الليل والنهار في سمت الشخص الواعي ذي الارادة والقصد.. ان هذا كله مستوى من جمال التصوير والتعبير لا يرقى اليه فن بشري على الاطلاق!“^٧

ليس الليل والنهار في هذا التعبير مجرد ظاهرتين طبيعيتين. وانما هما حيان ذوا حس وروح وقصد واتجاه. يعاطفان البشر ويشار كانهم حركة الحياة؛ وحركة الصراع والمنافسة والسباق

١. الكشاف ، س: التكوير ؛ الآية: ١٨ ، ص ١

٢. في ظلال القرآن؛ س: التكوير ؛ الآية: ١٨ ، ص ٦

٣. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦١

٤. التحرير والتنوير ، س: التكوير ؛ الآية: ١٨ ، ص ٢

٥. القرآن ؛ س: الأعراف ؛ الآية: ٥٤

٦. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٢

٧. في ظلال القرآن ، س: الأعراف ؛ الآية: ٥٤ ، ص ٣

التي تطبع الحياة. وكما قال تعالى في الليل:

﴿ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۱﴾

وكيف تصور هذه اللفظة صورة الليل الحية: "وهذا هو الليل يسري... فتحس سريانه في هذا الكون العريض، وتأنس بهذا الساري على هيئة واتناد!"^٢ وكما يقول سيد قطب: "والليل هنا مخلوق حي، يسري في الكون، وكأنه ساهر يحول في الظلام! أو مسافر يختار السرى لرحلته البعيدة! يا لأناقة التعبير! ويا لأنس المشهد! ويا للتناسق مع الفجر"^٣

﴿ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا
أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۴﴾

ويقول سيد قطب: "وهاتان هما الأرض والسما عاقلتين، يوجه اليهما الخطاب، فتسرعان بالجواب... والخيال شاخص الى الأرض والسما، تدعيان وتحييان الدعاء."^٥

ثم يقول في تفسيره: "انها ايماءة عجيبة الى انقياد هذا الكون للناموس، والى اتصال حقيقة هذا الكون بخالقه اتصال الطاعة والاستسلام لكلمته ومشيته. فليس هناك اذن الا هذا الانسان الذي يخضع للناموس كرهاً في أغلب الأحيان."^٦

وقوله تعالى:

﴿ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۷﴾

فيقول سيد قطب في هذا: "وهذه هي الشمس والقمر والليل والنهار في سباق دائم ولكن... وانه لسباق جبّار، لا يني أو يفتر في ليل أو نهار."^٨

وهذه هي الأرض ((هامدة)) مرة و((خاشعة)) مرة، ينزل عليها الماء فتهتز وتحيا:

﴿ وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَّتْ وَأَنْبَتُ

١. القرآن؛ س: الفجر؛ الآية: ٤
٢. التصوير الفني في القرآن، ٦٢
٣. في ظلال القرآن، س: الفجر؛ الآية: ٤، ص ٢
٤. القرآن؛ س: فصلت؛ الآية: ١١
٥. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٢
٦. في ظلال القرآن، س: فصلت؛ الآية: ١١، ص ١١
٧. القرآن؛ س: يس؛ الآية: ٤٠
٨. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٢

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٌ ﴿١﴾

وجاء تشريحه وتفصيله في (في ظلال القرآن) كالاتي: "والهمود درجة بين الحياة والموت. وهكذا تكون الأرض قبل الماء، وهو العنصر الأصيل في الحياة والأحياء. فاذا نزل عليها الماء [اهتزت وربت] وهي حركة عجيبة سجلها القرآن قبل أن تسجلها الملاحظة العلمية بمئات الأعوام"^٢، فالتربة الجافة حين ينزل عليها الماء تتحرك حركة اهتزاز وهي تشرب الماء وتنتفخ

فتربو ثم تنتفخ بالحياة عن النبات. ويقول تعالى عن الحياة الطبيعية على الأرض:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَّتْ ﴿٣﴾

ومرة ثانية يقف سيد قطب لحظة أمام دقة التعبير القرآني: "فخشوع الأرض هنا هو سكونها قبل نزول الماء عليها. فاذا أنزلنا عليها الماء اهتزت وربت. وكأنما هي حركة شكر وصلاة على أسباب الحياة. ذلك أن السياق الذي وردت فيه هذه الآية سياق خشوع وعبادة وتسبيح، فجيء بالأرض في هذا المشهد، شخصاً من شخصو المشهد، تشارك فيه بالشعور المناسب وبالحركة المناسبة.." ^٤ ثم يقول: "وهكذا تستحيل الأرض الجامدة، كائناً حياً بلمسة واحدة في لفظة واحدة."^٥

ثم يقول لجهنم كأنها يسمع ويتكلم:

﴿يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلأتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ ﴿٦﴾

"وهذه جهنم . جهنم النهمة المتغيظة التي لا يفلت منها أحد، ولا تشبع بأحد! جهنم التي تدعو من كانوا يُدعون الى الهدى ويدبرون، وهم لدعوتها على الرغم منهم يحييون! جهنم التي ترى المجرمين من بعيد فتغيظ وتنفور!"^٧

"ان المشهد كله مشهد حوار . فتعرض جهنم فيه في معرض الحوار وبهذا السؤال والجواب يتجلى مشهد عجيب رهيب.. هذا هو كل كفار عنيد. مناع للخير معتد مريب .. هؤلاء هم كثرة تقذف في جهنم تباعاً، وتتكدس ركاماً . ثم تنادى جنهم: [هل امتلأت؟] واكتفيت! ولكنها تتلمظ وتتحرق، وتقول في كظة الأكل النهم: [هل من مزيد؟!] .. فيا للهول

١. القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ٥

٢. في ظلال القرآن، س: الحج ؛ الآية: ٥، ص ٦-٧

٣. القرآن ؛ س: فصلت ؛ الآية: ٣٩

٤. المرجع السابق ، س: فصلت ؛ الآية: ٣٩، ص ٢

٥. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٣

٦. القرآن ؛ س: ق ؛ الآية: ٣٠

٧. المرجع السابق

الرعيب!^١

والمزيد من هذه الأمثلة :

﴿ إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغِيْظًا وَزَفِيرًا ﴾^٢﴿ كَلَّا إِنَّهَا لَأَطْيٰى ۝ نَزَاعَةٌ لِّلشَّوٰى ۝ تَدْعُوْ مِنْ أَدْبَرَ وَتَوَلٰى ۝ وَجَمَعَ فَأَوْعٰى ۝ ﴾^٣

انه مشهد "تطير له النفس شعاعاً ، بعد ما أذهلها كرب الموقف وهوله .. [كلا] في ردع عن تلك الأمانى المستحيلة في الافتداء بالبنين والزوج والأخ والعشيرة ومن في الأرض جميعاً ... [كلا انها لاطي] نار تتلظى وتتحرق [نزاعة للشوى] تنزع الجلود عن الوجوه والرؤوس نزاعاً .. وهي غول مفزعة. ذات نفس حية تشارك في الهول والعذاب عن ارادة وقصد: [تدعو من أدبر وتولى وجمع فأوعى] .. تدعوه كما كان يدعى من قبل الى الهدى فيدبر ويتولى. ولكنه اليوم اذ تدعوه جهنم لا يملك أن يدبر ويتولى! ..."^٤ وهذا هو "الظل الذي يلجأ اليه المجرمون:"^٥

﴿ وَظَلٍ مِنْ يَّحْمُومٍ ۝ لَا بَارِدٍ وَلَا كَرِيْمٍ ۝ ﴾^٦

البيان القرآني هنا يشخص الظل. "ففي نفسه كزازة وضيق ، لا يحسن استقبالهم، ولا يهش لهم هشاشة الكريم ، فهو ليس ((لا بارد)) فقط، ولكن كذلك ((ولا كريم))!"^٧

﴿ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضِبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ﴾^٨

والتعبير القرآني يشخص الغضب. "فكأنما هو حي . وكأنما هو مسلط على موسى ، يدفعه ويحركه .. حتى اذا [سكت] عنه ، وتركه لشأنه! عاد موسى الى نفسه ، فأخذ الألواح التي كان قد ألقاها بسبب دفع الغضب له وسيطرته عليه."^٩

﴿ وَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَ تُوهُ الْبَشْرٰى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوٓطٍ ﴾^{١٠}

١. في ظلال القرآن، س:ق؛ الآية: ٣٠، ص ١١

٢. القرآن؛ س:الفرقان؛ الآية: ١٢

٣. القرآن؛ س:المعارج؛ الآيات: ١٥-١٨

٤. في ظلال القرآن، س:المعارج؛ الآيات: ١٥-١٨، ص ٧

٥. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٣

٦. القرآن؛ س: الواقعة؛ الآيات: ٤٣-٤٤

٧. المرجع السابق

٨. القرآن؛ س:الأعراف؛ الآية: ١٥٤

٩. في ظلال القرآن، س:الأعراف؛ الآية: ١٥٤، ص ١٤

١٠. القرآن؛ س:هود؛ الآية: ٧٤

ويقول سيد قطب عن هذه التعبيرات: "وهذا هو الغضب ، أو هذا هو الروح ، أو هذه هي البشرية ، تهيج وتسكن ، وتوحى وتسكت ، وتحيا وتذهب"^١

٢. ولون من الوان ((التخييل)) يتمثل في تلك الصور المتحركة التي يعبر بها عن حالة من الحالات أو معنى من المعاني . فصورة الذي يعبد الله على حرف :

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ﴾^٢

"والتعبير القرآني يصوره في عبادته لله [على حرف] غير متمكن من العقيدة ، ولا مثبت في العبادة ، يصوره في حركة جسدية متأرجحة قابلة للسقوط عند الدفعة الأولى . ومن ثم ينقلب على وجهه عند مس الفتنة ، ووقفته المتأرجحة تمهد من قبل لهذا الانقلاب!"^٣

وصورة المسلمين قبل أن يسلموا، وهم :

﴿وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ﴾^٤

"يرسم النص صورة لما كانوا فيه . بل مشهداً حياً متحركاً تتحرك معه القلوب: [وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ] . وبينما حركة السقوط في حفرة النار متوقعة ، اذا بالقلوب ترى يد الله ، وهي تدرك وتنقذ! وحبل الله وهو يمتد ويعصم . وصورة النجاة والخلاص بعد الخطر والترقب! وهو مشهد متحرك حي تتبعه القلوب واجفة خافقة! وتكاد العيون تتملأه من وراء الأجيال!"^٥

وصورة الذي يؤسس حياته وأعماله على الايمان ومن على غير ذلك:

﴿أَقَمْنِ أُسُسَ بُنْيَانِهِ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٍ أَمِنَ أُسُسَ بُنْيَانِهِ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ﴾^٦

وعند سيد قطب: "كلها صور تخيل للحس حركة متوقعة في كل لحظة ، وتتم هذه الحركة في الصور الأخيرة"^٧

وقريب من هذه الصور في التخييل صورة ولوج الحمل في سم الخياط . الموعد المضروب

١. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٣

٢. القرآن ؛ س: الحج ؛ الآية: ١١

٣. في ظلال القرآن ، س: الحج ؛ الآية: ١١ ، ص ٩

٤. القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١٠٣

٥. المرجع السابق ، س: آل عمران ؛ الآية: ١٠٣ ، ص ١٣-١٤

٦. القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ١٠٩

٧. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٣

لدخول الجنة بعد عمر طويل. فالخيال يظل عاكفاً على تمثل هذه الحركة العجيبة، التي لا تتم ولا تقف ما تابعها الخيال.

والخطاب القرآني يرسم هنا صورة متحركة، تنبئ عن مصير كل مبنى ضارة يقام، ويراد به ما أريد بمسجد الضرار، وتكشف عن نهاية كل محاولة خادعة تخفي وراءها نية خبيثة: "لنشهد الحركة السريعة العنيفة في بناء الضرار.. انه قائم على شفا حرف هار.. قائم على حافة حرف منها.. قائم على تربة مخلخلة مستعدة للانهييار.. اننا نبصره اللحظة يتأرجح ويتزلق وينزلق!.. انه ينهار! انه ينزلق! انه يهوي! انه الهوة تلتهمه! يا للهول!"^١ انها نار جهنم. انه مشهد عجيب، حافل بالحركة المثيرة ترسمه وتحركه بضع الكلمات! ذلك ليطمئن دعاة الحق على مصير دعوتهم، في مواجهة دعوات الكيد والكفر والنفاق. وليطمئن البناة على أساس من التقوى كلما واجهوا البناة على الكيد والضرار. والصورة التي تخيلها الآية:

﴿ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفِدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ۝٢﴾

تخيل الأبحار كأنها مداداً والأشجار كأنها أفلام: "فالخيال يظل يتصور تلك الحركة الدائبة: حركة الامتداد بماء البحر لكتابة كلمات الله؛ في غير ما توقف ولا انتهاء، الا أن ينتهي البحر بالنفاد!"^٢

وتفصيل هذه الصورة أن البحر أوسع وأغرز ما يعرفه البشر، والبشر يكتبون بالمداد كل ما يكتبون، وكل ما يسجلون به علمهم الذي يعتقدون أنه غزير. فالسياق يعرض لهم البحر بسعته وغزارته في صورة مداد يكتبون به كلمات الله الدالة على علمه. فاذا البحر ينفد وكلمات الله لا تنفذ. ثم اذا هو يمدهم ببحر آخر مثله، ثم اذا البحر الآخر ينفذ كذلك وكلمات الله تنتظر المداد. وبهذا "التصوير المحسوس والحركة المجسمة يقرب الى التصور البشري المحدود معنى غير المحدود، ونسبة المحدود اليه مهما عظم واتسع."^٣ والمعنى "يتمثل في صورة محسوسة، ومهما أوتى العقل البشري من القدرة على التجريد فانه يظل في حاجة الى تمثل المعنى المجرد في صور وأشكال وخصائص ونماذج.. ذلك شأنه مع المعاني المجردة التي تمثل المحدود فكيف بغير المحدود؟"^٤

١. في ظلال القرآن، س: التوبة؛ الآية: ١٠٩، ص ١٦

٢. القرآن؛ س: الكهف؛ الآية: ١٠٩

٣. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٤

٤. في ظلال القرآن، س: الكهف؛ الآية: ١٠٩، ص ١٠

٥. المرجع نفسه

لذلك يضرب القرآن الأمثال للناس ؛ يقرب الى حسم معانيه الكبرى بوضعها في صور ومشاهد، ومحسوسات ذات مقومات وخصائص وأشكال على مثال هذا المثال.

شبيه بهذه الصور ما تصور للحس هذه الآية :

﴿فَمَنْ زُحْرِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾^١

”ولفظ ﴿زحرح﴾ بذاته يصور معناه بجرسه ، ويرسم هيئته ، ويلقي ظله ! وكأنما للنار جاذبية تشد اليها من يقترب منها ، ويدخل في مجالها! فهو في حاجة الى من يزحزحه قليلاً قليلاً ليخلصه من جاذبيتها المنهومة ! فمن أمكن أن يزحزح عن مجالها ، ويستنقذ من جاذبيتها ، ويدخل الجنة فقد فاز.. صورة قوية . بل مشهد حي . فيه حركة وشد وجذب!“^٢

وبين الله تعالى أن تعميرهم الطويل لن ينجيهم من العقوبة لأن الموت لا يتركهم مهما طال عمرهم ، فقال تعالى :

﴿وَمَا هُوَ بِمُزْحِرِجِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعْمَرَ﴾^٣

والحركة المتخيلة في لفظة الزحزح ، ”لفلظة الزحزحة ذاتها تخيل حركتها المعهودة . وهذه الحركة تخيل الموقف على شفا النار، ماثلاً للخيال والأبصار!“^٤

ومعنى قوله تعالى أنه ”وما أحد منهم بمبعده تعميره عن العذاب المعد له ، ولا بمنجيه منه . والجملة الكريمة فيها بيان مصيرهم المحتوم ، وقطع لحبال مطامعهم ، لأن الموت سيلحقهم مهما بلغ عمرهم وسيلقون جزاءهم على سوء صنيعهم . وفي التعبير ﴿بمزحزحه﴾ إشارة الى أن طول عمرهم ، ليس له أي أثر في تخفيف العذاب عنهم“^٥

٣ . ولون من ألوان ((التخييل)) يتمثل في الحركة المتخيلة ، التي تلقيها في النفس بعض التعبيرات مثل :

﴿وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا﴾^٦

فالصورة التخيلية في لفظ القدوم : ”لفظة ((وقدمنا)) .. تخيل للحس حركة القدوم التي سبقت نشر العمل كالهباء . وهذا التخييل يتوارى بكل تأكيد لو قيل : وجعلنا عملهم هباءً منثوراً حيث

١ . القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ١٨٥

٢ . في ظلال القرآن ، س: آل عمران ؛ الآية: ١٨٥ ، ص ٥-٦

٣ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٩٦

٤ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٤

٥ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: البقرة ؛ الآية: ٩٦ ، ص ٥

٦ . القرآن ؛ س: الفرقان ؛ الآية: ٢٣

كانت تنفرد حركة النثر وصورة الهباء ، دون الحركة التي تسبقها : حركة القدوم.^١

ثم نثر الأعمال في الهواء تخييل آخر دقيق لتخليق الصورة التخيلية: "والخيال يتبع حركة القدوم المحسمة المتخيلة — على طريقة القرآن في التجسيم والتخييل — وعملية الاثارة للأعمال ، والتذرية في الهواء ، فاذا كل ما عملوا في الدنيا من عمل صالح هباء... وهكذا تعدم أعمال أولئك المشركين . تعدم اعداماً يصوره التعبير القرآني تلك الصورة الحسية المتخيلة:"^٢

ومثلها قوله تعالى:

﴿ قُلْ أَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا ۗ ﴾^٣

"فكلمات ((نرد على أعقابنا)) تخيل حركة حسية للارتداد في موضع الارتداد المعنوي، وتمنح الصورة حياة محسوسة."^٤

ومن هذا القبيل صورة تخيلية في قوله تعالى:

﴿ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۗ ﴾^٥

وكان المعنى اليسير ألا تطيعوا الشيطان، ولكن في موضع هذا التعبير "كلمتي : تتبعوا ، وخطوات ، تخيلان حركة خاصة ، هي حركة الشيطان يخطو والناس ورائه يتبعون خطواته . وهي صورة حين تجسم هكذا تبدو عجيبة من الآدميين ، وبينهم وبين الشيطان الذي يسرون وراءه ، ما أخرج أباهم من الجنة!"^٦

وكذلك مثل هذا الصورة صورة تخيلية في قوله تعالى:

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ ۗ ﴾^٧

باختلاف أن الشيطان في هذه المرة هو الذي تبع هذا الضال ليغويه .
ومن هذا الوادي:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۗ ﴾^٨

١. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٤
٢. في ظلال القرآن م س: الفرقان ؛ الآية: ٢٣ ، ص ٢
٣. القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ٧١
٤. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٤
٥. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١٦٨
٦. المرجع السابق ، ص ٦٤-٦٥
٧. القرآن ؛ س: الأعراف ؛ الآية: ١٧٥
٨. القرآن ؛ س: الاسراء ؛ الآية: ٣٦

”فحركة الاقتفاء تنهياً للذهن، ويتمثلها الخيال، بالجسم والأقدام، لا بمجرد الذهن والجنان.“^١

٤. ولون من ألوان ((التخييل)) يتمثل في الحركات السريعة المتتابة مثل صورة الذي يشرك بالله:

﴿فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾^٢

وهذا التعبير القرآني يرسم مشهداً عنيفاً يصور حال من زلت قدماه عن أفق التوحيد، فيهوي الى درك الشرك. فاذا هو ضائع ذاهب بدأ كأن لم يكن من قبل أبداً... ”انه مشهد الهوي من شاهر ﴿فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ﴾. وفي مثل لمح البصر يتمزق ﴿فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ﴾ أو تقذف به الريح بعيداً عن الأنظار: ﴿أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾ في هوة ليس لها قرار“^٣ والملحوظ هو سرعة الحركة مع عنفها وتعاقب خطواتها ”في اللفظ ”بالفاء“ وفي المنظر بسرعة الاختفاء“^٤..

على طريقة القرآن الكريم في التعبير بالتصوير.

وهي صورة صادقة لحال من يشرك بالله فيهوي من أفق الايمان اذ يفقد القاعدة الثابتة التي يطمئن اليها. وهو قاعدة التوحيد. ويفقد المستقر الآمن، فتتخطفه الأهواء تخطف الحوارح، وتتقاذفه الأوهام تقاذف الرياح. وهو لا يمسك بالعروة الوثقى، ولا يستقر على القاعدة الثابتة، التي تربطه بهذا الوجود الذي يعيش فيه.

والرمحشري يبين الدقائق البلاغية في هذا التصوير التخيلية

”ويحوز في هذا التشبيه أن يكون من المركب والمفرق. فان كان تشبيهاً مركباً فكأنه قال: من أشرك بالله فقد أهلك نفسه اهلاكاً ليس بعده نهاية، بأن صور حاله بصورة حال من خرّ من السماء فاختطفته الطير، فتفرق مزعاً في حواصلها، أو عصفت به الريح حتى هوت به في بعض المطاوح البعيدة. وان كان مفزقاً فقد شبه الايمان في علوه بالسماء، والذي ترك الايمان وأشرك بالله بالساقط من السماء، والأهواء التي تتوزع أفكاره بالطير المختطفه، والشيطان الذي يطوّح به في وادي الضلالة بالريح التي تهوي بما عصفت به في بعض المهوي المتلفة.“^٥

وعلق ابن عاشور على هذا التصوير التمثيلي التخيلي: ”أعقب نهيمهم عن الأوثان بتمثيل فضاة حال من يشرك بالله في مصيره بالشرك الى حال انحطاط وتلقف الضلالات اياه ويأسه من

١. المرجع السابق

٢. القرآن؛ س: الحج؛ الآية: ٣١

٣. في ظلال القرآن، س: الحج؛ الآية: ٣١، ص ٦-٧

٤. المرجع نفسه

٥. الكشاف، س: الحج؛ الآية: ٣١، ص ٢

النحاة ما دام مشركاً تمثيلاً بديعاً اذ كان من قبيل التمثيل القابل لتفريق أجزائه الى تشبيهات.^١
ويعلق عليه صاحب الوسيط: "فالجمله الكريمة مقررة لوجوب اجتناب الشرك بأبلغ صورة."^٢

وشبيه بها في سرعتها وتعدد مناظرها تلك الحركة المتخيلة في قوله :

﴿ مَنْ كَانَ يُظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى
السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُدْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴾^٣

ويشرح سيد قطب هذا التصوير العجيب لمن يئس من نصرة الله لنبيه، وضاق صدره، وبلغ حنقه على هذه الحال مبلغاً لا يطيقه، "فليحاول أن يغير من هذه الحال ما استطاع، ما دام لا يصبر، ولا ينتظر وعد الله بالنصر.. ليمدد الى السماء بحبل يتعلق به ليصعد عليه، فاذا لم يجده هذا، فليقطع هذا الحبل الممدود، ثم لينظر: هل أفلح تدبيره هذا في اذهاب ما يغيبه! لينظر، ان كان قد بقي فيه شيء ينظر، بعد قطع حبله الممدود، وبعد السقطة التي يترقبها الخيال!"^٤

وهو مشهد متحرك لغيب النفس، وللحركات المصاحبة لذلك الغيب، يحسم هذه الحالة التي تبلغ فيها الضيق بالنفس أقصاه، عندما ينزل بها الضر وهي على غير اتصال بالله. "والذي ييأس في الضر من عون الله يفقد كل نافذة مضيئة، وكل نسمة رحية، وكل رجاء في الفرج، ويستبد به الضيق، وينقل على صدره الكرب، فيزيد هذا كله من وقع الكرب والبلاء."^٥

ومن هذا القبيل - مع شيء من التحوير والتلطيف يناسب المخاطب هنا، هو النبي ﷺ - وقد عزّ عليه اعراض المشركين، وتمنى لو يستطيع هدايتهم للحق، واتيانهم بالمعجزة التي يطلبون :

﴿ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي
الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ﴾^٦

والمعنى عن طنطاوي: "وان كان - يا محمد - قد شق عليك اعراض قومك عن الايمان وظننت أن اتيانهم بما اقترحوا من آيات يكون سبباً في ايمانهم، فان استطعت أن تطلب مسلكاً عميقاً في جوف الأرض، أو مرقاة ترتقي بها الى السماء لتأتيهم بما اقترحوا من مطالب فافعل فان ذلك لن يفيد شيئاً لأن هؤلاء المشركين لا ينقصهم الدليل الدال على صدقك، ولكنهم

١. التحرير والتنوير، س: الحج؛ الآية: ٣١، ص ٢

٢. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الحج؛ الآية: ٣١، ص ٣

٣. القرآن؛ س: الحج؛ الآية: ١٥

٤. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٥

٥. في ظلال القرآن، س: الحج؛ الآية: ١٥، ص ١٠

٦. القرآن؛ س: الأنعام؛ الآية: ٣٥

يعرضون عن دعوتك عناداً وجحوداً.^١

والمعنى بعبارة ابن عاشور: "فان استطعت أن تطلب آية من جميع الجهات للكائنات ، ولعل اختيار الابتغاء في الأرض والسماء أن المشركين سألوا الرسول - ﷺ - آيات من جنس ما في الأرض ، كقولهم ﴿حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا﴾^٢ ، ومن جنس ما في السماء ، كقولهم: ﴿أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاءِ﴾^٣ "٤

٥. ولون من ((التخييل)) يتمثل في الحركة الممنوحة لما من شأنه السكون كقوله:
﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾^٥

فحركة الاشتعال "هنا تخيل للشيب في الرأس حركة كحركة اشتعال النار في الهشيم، فيها حياة وجمال."^٦ وفي مكان آخر يشرحه سيد قطب هكذا: "والتعبير المصور يجعل الشيب كأنه نار تشتعل ويحعل الرأس كله كأنما تشمله هذه النار المشتعلة ، فلا يبقى في الرأس المشتعل سواد."^٧

ومعنى الاشتعال "انتشار شواظ النار ولهبها في الشيء المحترق قال في المجمع: وقوله: ﴿وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ من أحسن الاستعارات والمعنى اشتعل الشيب في الرأس وانتشر ، كما ينتشر شعاع النار، وكان المراد بالشعاع الشواظ واللهيب."^٨

ويبين ابن عاشور التعبير البلاغي في لفظه: "واسناد الاشتعال الى الرأس مجاز عقلي ، لأن الاشتعال من صفات النار المشبه بها الشيب فكان الظاهر اسناده الى الشيب ، فلما جيء باسم الشيب تمييزاً لنسبة الاشتعال حصل بذلك خصوصية المجاز وغرابته ، وخصوصية التفصيل بعد الاجمال ، مع افادة تنكير [شيباً] من التعظيم فحصل ايجاز بديع. وأصل النظم المعتاد: واشتعل الشيب في شعر الرأس."^٩

١. الوسيط في تفسير القرآن ، س: الأنعام ؛ الآية: ٣٥ ، ص ٣

٢. القرآن ؛ س: الاسراء ؛ الآية: ٩٠

٣. القرآن ؛ س: الاسراء ؛ الآية: ٩٣

٤. التحرير والتنوير ، س: الأنعام ؛ الآية: ٣٥ ، ص ٢

٥. القرآن ؛ س: مريم ؛ الآية: ٤

٦. التصوير الفني في القرآن ؛ ص: ٦٦

٧. في ظلال القرآن ، س: مريم ؛ الآية: ٤ ، ص ٣

٨. الميزان في تفسير القرآن ، س: مريم ؛ الآية: ٤ ، ص ٢

٩. التحرير والتنوير ، س: مريم ؛ الآية: ٤ ، ص ١

التجسيم:

التجسيم هو أحد من أدوات تصوير المعاني في القرآن كما يقول الدكتور فهد الرومي "وتصوير المعاني يكون أحياناً بطريقة التجسيم أي جعلها في صورة مجسمة قابلة للوزن والكثافة."^١

ولقد وردت للتجسيم أمثلة كثيرة في القرآن الكريم ، ومنه :

كل التشبيهات التي جيء بها لإحالة المعاني والحالات صوراً وهيئات، نذكر منها قوله تعالى:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾^٢

فهذا تصوير يحسمه الأعمال بطريقة تمثيلية كما يعلق عليه ابن عاشور: "تمثيل لحال ما عمله المشركون من الخيرات حيث لم ينتفعوا بها يوم القيامة."^٣

ويقول في تفسيره سيد قطب: "ومشهد الرماد تشتد به الريح في يوم عاصف مشهود ، يحسم به السياق معنى ضياع الأعمال سدى ، لا يقدر أصحابها على الامساك بشيء منها ، ولا الانتفاع به أصلاً. يحسمه في هذا المشهد العاصف المتحرك ، فيبلغ في تحريك المشاعر له ما لا يبلغه التعبير الذهني المجرد عن ضياع الأعمال وذهابها ببداء."^٤

وكذلك قوله تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ

رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ﴾^٥

يحسم الرياء في القلب بالتراب على الحجر الأملس. "هذا القلب الصلد المغشي بالرياء يمثل [صفوان عليه تراب] حجر لا خصب فيه ولا ليونة ، يغطيه تراب خفيف يحجب صلادته عن العين ، كما أن الرياء يحجب صلادة القلب الخالي من الايمان."^٦

وقوله تعالى:

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ

كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ ...﴾^٧

يحسم أعمال المؤمنين بحنة بربوة، ومن هذا النوع قوله تعالى:

١. المرجع السابق ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٤ ص ٦

٢. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٥

٣. القرآن ؛ س: ابراهيم ؛ الآية: ٢٤-٢٦

٤. القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ٣٠

٥. المرجع السابق ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٤ ص ٦

٦. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٥

﴿ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ
وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ
الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ
اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝﴾^١

فنجد هنا تحسيم الكلمة الطيبة والكلمة الخبيثة عن طريق التشبيه بالمحسوس . وهذا كثير معتاد
في القرآن الكريم.

ولكن سنرى في هذا الباب لونا جديداً من التحسيم وهو تحسيم المعنويات ، لا على وجه
التشبيه والتمثيل ، بل على وجه التصيير والتحويل . وهذا يأتي في القرآن الكريم على الأنواع
المتنوعة كالاتية:

١ . ومن أمثلة تحسيم المعنويات قول الله تعالى:
﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحَضَّرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ
تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۝﴾^٢

وقوله تعالى:

﴿ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝﴾^٣

وكذلك قوله تعالى:

﴿ وَمَا تَقَدَّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۝﴾^٤

فنتصور بعد قراءة هذه الآيات أن الأعمال المعنوية أجسام فنراها موجودة حاضرة يوم القيامة ،
كما يقول سيد قطب: "فيجعل كأن هذا العمل المعنوي مادة محسوسة . تُحضر (على وجه
التحسيم) أو تُحضر هي (على وجه التشخيص) أو توجد عند الله كأنها دعيعة تُسَلَّمُ هنا فتتسلم
هناك." ^٥

ثم يفسر في تفسيره هذه التعبيرات هكذا: "استحضر اليوم المرهوب ، الذي لا يند فيه عمل ولا
نية ؛ والذي تواجه فيه كل نفس برصيدها كله"^٦

١ . القرآن ؛ س: ابراهيم ؛ الآية: ٢٤-٢٦

٢ . القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ٣٠

٣ . القرآن ؛ س: الكهف ؛ الآية: ٤٩

٤ . القرآن ؛ س: المزمل ؛ الآية: ٢٠

٥ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٧

٦ . في ظلال القرآن ؛ س: آل عمران ؛ الآية: ٣٠ ، ص ٢٨

وقريب من هذا تجسيم الذنوب كأنها أحمال "تحمل على الظهور زيادة في التجسيم"^١ :
قال الله تعالى:

﴿وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ﴾^٢

وقال تعالى:

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾^٣

ومن تجسيم المعنويات أمثال أخرى، منها قول الله تعالى:

﴿وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ﴾^٤

فأصبح التقوى — وهو شيء معنوي — كائناً مجسماً مثل زواد السفر الأخرى.

وقال تعالى:

﴿صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً﴾^٥

فأصبح الدين — وهو كائن معنوي — شيئاً مجسماً ذو صبغة معلومة.^٦

وقال تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾^٧

"فالسلم مما يدخل فيه."^٨

وقال الله تعالى:

﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ﴾^٩

"فالإثم مما له ظاهر وباطن."^{١٠} إلى آخر هذا النحو من الاستعارات.

١. المرجع السابق ، ص ٦٧

٢. القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ٣١

٣. القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ١٦٤

٤. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١٩٧

٥. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١٣٨

٦. انظر: التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٧

٧. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٠٨

٨. المرجع السابق

٩. القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ١٢٠

١٠. المرجع السابق ، ص ٦٧

٢. ويحدث القرآن عن حالة نفسية معنوية هي حالة التضايق والضجر والحرَج. فيجسمها كحركة جثمانية في قوله تعالى:

﴿... وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ﴾^١

ويفصل سيد قطب هذا التصوير المجسم: "فالأرض تضيق عليهم، ونفوسهم تضيق بهم كما تضيق الأرض؛ ويستحيل الضيق المعنوي في هذا التصوير ضيقاً حسيماً أوضح وأوقع؛ وتتجسم حالة هؤلاء الذين تخلفوا عن الغزو مع الرسول، فأحسوا بهذا الضيق الخانق، وندموا على تخلفهم ذلك الندم المحرج، حتى لا يجدون لهم ملجأ ولا مفرأ، ولا يطيقون راحة، الى أن قبل الله توبتهم. (الثلاثة هم: كعب بن مالك، وهلال بن أمية، ومرارة بين الربيع)."^٢

وكذلك يدخل في تفصيل أدق في تفسيره: "[ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ] فما الأرض؟ ان هي الا بأهلها. ان هي الا بالقيم السائدة فيها. ان هي الا بالوشائج والعلاقات بين أصحابها. فالتعبير صادق في مدلوله الواقعي فوق صدقه في جماله الفني، الذي يرسم هذه الأرض تضيق بالثلاثة المخلفين، وتتقاصر أطرافها، وتكتمش رقعتها، فهم منها في حرج وضيق. [وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ أَنفُسُهُمْ] .. فكأنما هي وعاء لهم تضيق بهم ولا تسعهم، وتضغطهم فيتكرب أنفاسهم."^٣ ومثله:

﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَازِمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ﴾^٤

وعن هذا التصوير للتضايق والحرَج يقول سيد قطب: "فالقلوب كأنما تفارق مواضعها وتبلغ الحناجر حقاً من شدة الضيق."^٥

ويقول في تفسيره: "والآزفة .. القربة والعاجلة .. وهي القيامة. واللفظ يصورها كأنها مقتربة زاحفة. والأنفاس من ثم مكروبة لاهثة، وكأنما القلوب المكروبة تضغط على الحناجر؛ وهم كاظمون لأنفاسهم ولآلامهم ولمخاوفهم، ولكظم يكرهم، ويثقل على صدورهم؛ وهم لا يجدون حميماً يعطف عليهم ولا شافعاً ذا كلمة تطاع في هذا الموقف العصيب المكروب!"^٦

١. القرآن؛ س: التوبة؛ الآية: ١١٨

٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٧

٣. في ظلال القرآن، س: التوبة؛ الآية: ١١٨، ص ٢٥

٤. القرآن؛ س: غافر؛ الآية: ١٨

٥. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٧

٦. في ظلال القرآن، س: غافر؛ الآية: ١٨، ص ١٠

ويقول طنطاوي في هذا الوضع المحرج: "والمعنى: وأنذر - أيها الرسول الكريم - الناس، وحذرهم من أهوال يوم عظيم قريب الوقوع، هذا اليوم تكون قلوبهم فيه مرتفعة عن مواضعها من صدورهم. ومتشبهة بحناجرهم، ويكونون كاظمين عليها وممسكين بها حتى لا تخرج مع أنفاسهم. كما يمسك صاحب القربة فمها لكي لا يتسرب منها الماء. فالآية الكريمة تصوير بديع لما يكون عليه الناس في هذا اليوم من فزع شديد، وكرب عظيم. وخوف ليس بعده خوف."^١ ومثله قوله تعالى:

﴿وَأَذْرَأَعَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ﴾^٢

وهذا تصوير الخوف الشديد كما يفصله ابن عاشور "وبلوغ القلوب الحناجر تمثيل لشدة اضطراب القلوب من الفزع والهلع حتى كأنها لا تضطربها تتجاوز مقارها وترتفع طالبة الخروج من الصدور فإذا بلغت الحناجر لم تستطع تجاوزها من الضيق؛ فشبهت هيئة القلب الهلوع المرعود بهيئة قلب تجاوز موضعه وذهب متصاعدا طالباً الخروج، فالمشبه القلب نفسه باعتبار اختلاف الهيئتين. وليس الكلام على الحقيقة، فإن القلوب لا تتجاوز مكانها"^٣

فالتعبير القرآني استخدم ملامح الوجه وحركات الصدر لتصوير حالة الخوف الشديد والكربة والضيق. كما يقول سيد قطب: "وهو تعبير مصور لحالة الخوف والكربة والضيق، يرسمها بملامح الوجوه وحركات القلوب."^٤

وكذلك يرى طنطاوي جوهرى: "فالآية تصور ما أصاب المسلمين من فزع وكرب في غزوة الأحزاب، تصويراً بديعاً مؤثراً، يرسم حركات القلوب، وملامح الوجوه، وخلجات النفوس."^٥ ومنه التعبير القرآني:

﴿فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ﴾^٦

فهذا التعبير يحسم الروح بالغا الحلقوم متحركاً محسوساً كما يرى سيد قطب: "كأنما الروح شيء محسم، يبلغ الحلقوم في حركة محسوسة."^٧

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: غافر؛ الآية: ١٨، ص ٤

٢. القرآن؛ س: الأحزاب؛ الآية: ١٠

٣. التحرير والتنوير، س: الأحزاب؛ الآية: ١٠، ص ١

٤. في ظلال القرآن، س: الأحزاب؛ الآية: ١٠، ص ٧

٥. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، ص ٢

٦. القرآن؛ س: الواقعة؛ الآية: ٨٣-٨٤

٧. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٧

وهذا تصوير آخر للتضايق والهرج والخوف ونرى فيه حركات الجسم الانساني كذلك ، كما يفسره طنطاوي جوهرى: ”والمعنى : اذ كنتم — أيها الجاحدون المكذبون — لم تعتبروا ولم تتعظوا بكل ما سقناه لكم من ترغيب وترهيب على لسان رسولنا محمد ﷺ — فهلا اعتبرتم واتعظتم وآمنتتم بوحدانيتنا وقدرتنا .. حين ترون أعز وأحب انسان اليكم ، وقد بلغت روحه حلقومه ، وأوشكت على أن تفارق جسده..“^١

وفي هذا التصوير يرى سيد قطب الأنظار تتحرك والصدر ترفع الى الحلقوم: ”لنكاد نسمع صوت الحشيرة ، ونبصر تقبض الملامح ، ونحس الكرب والضيق من خلال قوله : [فَلَوْ لَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ] .. كما نكاد نبصر نظرة العجز وذهول اليأس في ملامح الحاضرين من خلال قوله : [وَأَنْتُمْ جِيئْتُمْ تَنْظُرُونَ]..“^٢

ومن هذا القبيل قوله تعالى:

﴿...إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ﴾^٣

يفسر سيد قطب معنى ﴿حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ﴾: ”أي ضاقت صدورهم من الحيرة والهرج ، بين أن يقاتلواكم انتصاراً لقومهم ، أو يقاتلوا قومهم انتصاراً لكم.“^٤

ويوضح طنطاوي جوهرى معنى هذا التعبير: ”ومعنى حصرت: ضاقت وانقبضت ومنه الحصر في القول وهو ضيق الكلام على المتكلم.“^٥

٣. ومن هذا التجسيم وصف حالة عقلية أو معنوية — وهي حالة عدم الاستفادة مما يسمعه بعضهم من الهدى ، وكأنهم لم يسمعوا به ، أو يتصلوا اتصالاً ما . فيجعل كأنما هناك حواجز مادية تفصل بينهم وبينه.“^٦ ومن الأمثلة لهذا التجسيم قوله تعالى:

﴿إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ﴾^٧

فهذا بيان حالة عدم الاستفادة الكفار الجاحدين من نعمة السمع ، ونراه مجسماً . ”[إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ] فكان ذلك كالفذلكة لما قبله وهو بعمومه ينتزل منزلة التذليل. والمعزول:

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الواقعة ؛ الآية: ٨٣-٨٤ ، ص ٢

٢. في ظلال القرآن ، س: الواقعة ؛ الآية: ٨٣-٨٤ ، ص ١٣

٣. القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ٩٠

٤. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٨

٥. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: النساء ؛ الآية: ٩٠ ، ص ٥

٦. المرجع السابق

٧. القرآن ؛ س: الشعراء ؛ الآية: ٢١٢

المبعد عن أمر فهو في عزلة عنه. وفي هذا ابطال للكهانة من أصلها وهي وان كانت فيها شيء من الاتصال بالقوى الروحية في سالف الزمان فقد زال ذلك منذ ظهور الاسلام.^١ وكذلك قوله تعالى:

﴿ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾^٢

ان الانسان يسمع المواعظ ويتفقه بالتفكير، ولكن الكفار الجاحدين لا يسمعون كأن أسماعهم أوعية خالية لا يدخل المواعظ فيها، وقلوبهم (أي عقولهم) أشياء ناعم جداً مطوياً في الأكنان محفوظ من الاستعمال والاستخدام "والأكنة: الأغلفة التي تحول دون أن تفتح هذه القلوب فتفقه؛ والوقر: الصمم الذي يحول دون هذه الآذان أن تؤدي وظيفتها فتسمع.."^٣ ويستمر قوله في هذا الصدد: "وأثبتت لها الأكنة تخيلاً، وليس في قلب أحدهم شيء يشبه الكنان."^٤

وقال صاحب المنار "وجعل الأكنة على القلوب والوقر في الآذان في الآية من تشبيه الحجب والموانع المعنوية بالحجب والموانع الحسية؛ فان القلب الذي لا يفقه الحديث ولا يتدبره كالوعاء الذي وضع عليه الكن والكنان وهو الغطاء حتى لا يدخل فيه شيء. والآذان التي لا تسمع الكلام سماع فهم وتدبر كالآذان المصابة بالثقل أو الصمم، لأن سماعها وعدمه سواء."^٥ ومن نفس النوع قوله تعالى:

﴿ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبِهِمْ أَقْفَالُهَا ﴾^٦

وعبر سبحانه عدم فهم الجاحدين بالقلوب المقفلة أي عقولهم مقفلة، كما قال ابن عاشور: "والمعنى: ان الله خلقهم بعقول غير منفعة بمعاني الخير والصلاح فلا يتدبرون القرآن مع فهمه أو لا يفهمونه عند تلقيه وكلا الأمرين عجيب... والأقفال: جمع قفل، وهو استعارة مكنية اذ شبهت القلوب، أي العقول في عدم ادراكها المعاني بالأبواب أو الصناديق المغلقة"^٧

وقال صاحب الوسيط: "بل على قلوب هؤلاء المنافقين أقفالها التي حالت بينهم وبين التدبر والتفكير، والأقفال: جمع قفل — بضم فسكون — وهو الآلة التي تقفل بها الأبواب وما يشبهها، والمراد: التسجيل عليهم بأن قلوبهم مغلقة، لا يدخلها الايمان، ولا يخرج منها الكفر

١. التحرير والتنوير، س: الشعراء؛ الآية: ٢١٢

٢. القرآن؛ س: الأنعام؛ الآية: ٢٥

٣. في ظلال القرآن، س: الأنعام؛ الآية: ٢٥، ص ٧

٤. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٨

٥. تفسير المنار، محمد رشيد رضا، ج ٧، ص ٣٤٧-٣٤٨، ط ٢ دار المنار بمصر ١٣٦٧ هـ

٦. القرآن؛ س: محمد؛ الآية: ٢٤

٧. التحرير والتنوير، س: محمد؛ الآية: ٢٤

والنفاق.“^١ وكذلك قوله تعالى:

﴿ إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُونَ وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴾^٢

فهذا التعبير البليغ صير انكباب الجاحدين على الكفر بأنهم مغلولون وبين السدود لا يرون الحق. وصور — سبحانه وتعالى — ”انكبابهم على الكفر، واصرارهم عليه تصويراً بليغاً“^٣

ونجد بيان سيد قطب في هذا التعبير في تفصيل وشرح:

”هنا يرسم مشهداً حسياً لهذه الحالة النفسية؛ يصورهم كأنهم مغلولون ممنوعون قسراً عن النظر؛ محال بينهم وبين الهدى والايان بالحواجز والسدود؛ مغطى على أبصارهم فلا يبصرون ... ان أيديهم مشدودة بالأغلال الى أعناقهم؛ موضوعة تحت أذقانهم . ومن ثم فان رؤوسهم مرفوعة قسراً ، لا يملكون أن ينظروا بها الى الأمام! ومن ثم فهم لا يملكون حرية النظر والرؤية وهم في هذا المشهد العنيف! وهم الى هذا محال بينهم وبين الحق والهدى بسد من أمامهم وسد من خلفهم؛ فلو أرخى الشد فنظروا لم تنفذ أبصارهم كذلك من هذه السدود! وقد سدت عليهم سبيل الرؤية وأغشيت أبصارهم بالكلال!

ومع عنف هذا المشهد الحسي وشدته فان الانسان ليتلقى بأناس من هذا النوع ، يخيل اليه وهم لا يرون الحق الواضح ولا يدركونه أن هنالك حائلاً عنيفاً كهذا بينهم وبينه . واذالم تكن هذه الأغلال في الأيدي ، واذالم تكن الرؤوس مقمحة ومجبرة على الارتفاع ، فان نفوسهم وبصائرهم كذلك .. مشدودة عن الهدى قسراً وملفوفة عن الحق لفتاً. وبينها وبين دلائل الهدى سد من هنا وسد من هناك. وكذلك كان أولئك الذين واجهوا هذا القرآن بمثل ذلك الإنكار والجحود. وهو يصدع بالحجة ، ويدلي بالبرهان. وهو بذاته حجة ذات السلطان لا يتماسك لها انسان.“^٤

ومثال آخر لهذا النوع من التجسيم قوله سبحانه وتعالى:

﴿ حَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾^٥

١. الوسيط في تفسير القرآن ، س: محمد ؛ الآية: ٢٤ ، ص ٣

٢. القرآن ؛ س: يس ؛ الآية: ٨-٩

٣. المرجع السابق ، س: يس ؛ الآية: ٨-٩ ص ٣

٤. في ظلال القرآن ، س: يس ؛ الآية: ٨-٩ ، ص ٥

٥. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٧

ولا نستطيع أن نجد تعليقاً أفصح وأوضح مما جاء في تفسير سيد قطب: "إنها صورة صلدة، مظلمة، جامدة، ترسم من خلال الحركة الثابتة الحازمة. حركة الختم على القلوب والأسماع، والتغشية على العيون والأبصار.." ^١

وفي نفس الموضوع قوله تعالى:

﴿الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا﴾ ^٢

في تعبير طنطاوي: "وفي التعبير بقوله: (غطاء) اشعار بأن الحائل والساتر الذي حجب أعينهم عن الابصار، كان حائلاً شديداً، اذ الغطاء هو ما يغطي الشيء ويستره من جميع جوانبه." ^٣

وفسر ابن عاشور أهمية كلمة الغطاء في هذا التعبير بقوله: "والغطاء: مستعار لعدم الانتفاع بدلالة البصر على تفرد الله بالالهية. وحرف (من) للظرفية المجازية، وهي تمكّن الغطاء من أعينهم بحيث كأنها محوية للغطاء." ^٤

ويجمع سيد قطب كل هذه التعبيرات في نوع واحد بقوله: "وكلها تجسم هذه الحواجز المعنوية، كأنما هي موانع حسية، لأنها في هذه الصورة أوقع وأظهر." ^٥

٤. ويكون الوصف "حسياً بطبيعته" ^٦، فيختار عن الوصف هيئة تجسمه، كقوله:

﴿يَوْمَ يَغْشَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ ^٧

وفي هذا: "تصوير للاحاطة. والغشيان: التغطية والحجب. وقوله ﴿مِنْ فَوْقِهِمْ﴾ بيان للغشيان لتصويره تفضيلاً لحالة كقوله: ﴿وَلَا طَائِرٌ يَطِيرُ بِحَنَاحِيهِ﴾ ^٨ وتأكيذاً لمعنى الغشيان لرفع احتمال المجاز، فهو في موضع الحال من ﴿الْعَذَابُ﴾ وهي حال مؤكدة. ^٩ فأصبح الوصف حسياً لأن

١. المرجع السابق، س: البقرة؛ الآية: ٧، ص ٦

٢. القرآن؛ س: الكهف؛ الآية: ١٠١

٣. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الكهف؛ الآية: ١٠١، ص ٤

٤. التحرير والتنوير، س: الكهف؛ الآية: ١٠١، ص ٢

٥. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٨

٦. المرجع نفسه

٧. القرآن؛ س: العنكبوت؛ الآية: ٥٥

٨. القرآن؛ س: الأنعام؛ الآية: ٣٨

٩. التحرير والتنوير، س: العنكبوت؛ الآية: ٥٥، ص ٢

هذا العذاب "في مكان: يأتيهم من كل جانب، أو يحيط بهم. لأن هيئة الغشيان من فوق ومن تحت أدخل في الحسية من الوصف بالاحاطة."^١

فهذا القول القرآني "يرسم لهم صورتهم في جهنم هذه المحيطة بهم؛ وهم يستعجلون بالعذاب... وهو مشهد مفرع في ذاته، يصاحبه التقريع المخزي والتأنيب المرير"^٢

ومثله قوله سبحانه وتعالى:

﴿إِذْ جَاءَ وَكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾^٣

وكذلك من نفس النوع قوله تعالى:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾^٤

ويشرح ابن عاشور هذا التعبير المعجز مجملاً: "ومعنى ﴿لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ تعميم جهات الرزق، أي لرزقوا من كل سبيل، فأكلوا بمعنى رزقوا، كقوله: ﴿وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَمًّا﴾^{٥، ٦}

ويشرحه طنطاوي مفصلاً: "والمراد بقوله: ﴿لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ المبالغة في شرح ما ينعم الله به عليهم من خيرات وأرزاق تعميم من كل جهة من الجهات لا أن هناك فوقاً وتحتاً. أي لأكلوا أكلاً متصلاً وثيراً، ولعمهم الخير والرزق من كل جهة بأن تعطيهم السماء مطرها وبركتها، وتعطيهم الأرض نباتها وخيرها، فيعيشوا في رغد من العيش، وفي بسطة من الرزق."^٧

وان الله تعالى وعد لأصحاب الايمان والتقوى "وفرة ونماء وحسن توزيع وكفاية.. يرسمها في صورة حسية تجسم معنى الوفرة والفيض في قوله: ﴿لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾"^٨

ومن هذا النوع قوله تعالى:

١. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٨
٢. في ظلال القرآن، س: العنكبوت؛ الآية: ٥٥، ص ٦
٣. القرآن؛ س: الأحزاب؛ الآية: ١٠
٤. القرآن؛ س: المائدة؛ الآية: ٦٦
٥. القرآن؛ س: الفجر؛ الآية: ١٩
٦. التحرير والتنوير، س: المائدة؛ الآية: ٦٦، ص ١
٧. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: المائدة؛ الآية: ٦٦، ص ١
٨. في ظلال القرآن، س: المائدة؛ الآية: ٦٦، ص ٣٠

﴿كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا﴾^١

انه "تصوير بديع للظلام الحسي والمعنوي الذي يبدو على وجوه هؤلاء الظالمين. أي كأنما ألبست وجوههم قطعاً من الليل المظلم، والسواد الحالك، حتى سارت شديدة السواد واضحة الكدرة والظلمة."^٢

قريب من هذا التشريح شرح سيد قطب: "فهذا السواد الذي أصاب وجوههم ليس لوناً ولا صبغة، وإنما هو قطعة من الليل المظلم غشيت بها وجوههم!"^٣

وكذلك جاء في تفسيره: "كأنما أخذ من الليل المظلم فقطع رقعاً غشيت بها هذه الوجوه! وهكذا يغشى الجو كله ظلام من ظلام الليل المظلم ورهبة من رهبته، تبدو فيه هذه الوجوه ملعفة بأغشية من هذا الليل البهيم."^٤

٥. ومن (التجسيم) وصف المعنوي بمحسوس كوصف العذاب بأنه غليظ كقوله تعالى:

﴿وَمِنْ وَّرَائِهِمْ عَذَابٌ غَلِيظٌ﴾^٥

ولقد تجسّم العذاب أصبح ذا الغلظة والكثافة و"انه مشهد عجيب، يرسم الجبار الخائب المهزوم ووراءه مصيره يخایل له على هذا النحو المروع الفظيع. وتشارك كلمة ﴿غليظ﴾ في تفضيع المشهد، تنسيقاً له مع القوة الغاشمة التي كانوا يهددون بها دعاة الحق والخير والصلاح واليقين."^٦

والغليظ: "حقيقته الخشن الجسم، وهو مستعمل هنا في القوة والشدة بجامع الوفرة في كل، أي عذاب ليس بأخف مما هو فيه."^٧

ومثله:

﴿وَنَجِّنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ﴾^٨

-
١. القرآن؛ س: يونس؛ الآية: ٢٧
 ٢. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: يونس؛ الآية: ٢٧، ص ٣
 ٣. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٩
 ٤. في ظلال القرآن، س: يونس؛ الآية: ٢٧، ص ٢
 ٥. القرآن؛ س: ابراهيم؛ الآية: ١٧
 ٦. المرجع السابق، س: ابراهيم؛ الآية: ١٧، ص ١٠
 ٧. التحرير والتنوير، س: ابراهيم؛ الآية: ١٧، ص ٢
 ٨. القرآن؛ س: هود؛ الآية: ٥٨

ووصف اليوم بأنه ثقيل:

﴿ وَيَذُرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴾^١

فينقل العذاب من معنى مجرد الى "شيء ذي كثافة ووزن!"^٢

واليوم الثقيل: "هو يوم القيامة، وُصف بالثقيل على وجه الاستعارة لشدة ما يحصل فيه من المتاعب والكروب فهو كالشيء الثقيل الذي لا يستطيع حمله."^٣

ووصف يوم القيامة "بالثقل لشدة ما يقع فيه من أهوال وكروب، فهو كالشيء الثقيل الذي لا يستطيع حمله."^٤

وعند سيد قطب "ويذرون وراءهم يوماً ثقيلاً — ثقيلاً بتبعاته؛ ثقيلاً بنتائجها؛ ثقيلاً بوزنه في ميزان الحقيقة.." ^٥

ويرى طباطبائي بأنه "عدّ اليوم ثقيلاً من الاستعارة، والمراد بثقله شدته كأنه محمول ثقيل يشق حمله، واليوم يوم القيامة."^٦

٦. وضرب الأمثلة على المعنوي المحسوس، كقوله:

﴿ مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ ﴾^٧

جاء التعبير المعجز "لبيان أن القلب الانساني لا يتسع لاتجاهين."^٨

وتفصيله أن "الجوف: باطن الانسان صدره وبطنه وهو مقر الأعضاء الرئيسية عدا الدماغ. وفائدة ذكر هذا الظرف زيادة تصوير المدلول عليه بالقلب وتجليه للسامع فاذا سمع ذلك كان أسرع الى الاقتناع بانكار احتواء الجوف على قلبين..."^٩

والقول البليغ يؤثر في النفوس والأفهام تأثيراً. "وذلك ما يحصل للسامع من زيادة التصور

١. القرآن؛ س: الانسان؛ الآية: ٢٧

٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٩

٣. التحرير والتنوير، س: الانسان؛ الآية: ٢٧، ص ٢

٤. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الانسان؛ الآية: ٢٧، ص ٢

٥. في ظلال القرآن، س: الانسان؛ الآية: ٢٧، ص ١١

٦. الميزان في تفسير القرآن، س: الانسان؛ الآية: ٢٧، ص ٢

٧. القرآن؛ س: الأحزاب؛ الآية: ٤

٨. التصوير الفني في القرآن، ص ٦٩

٩. التحرير والتنوير، س: الأحزاب؛ الآية: ٤، ص ٢

والتجلى للمدلول عليه ، لأنه اذا سمع به ، صور لنفسه خوفاً يشتمل على قلبين فكان أسرع الى الإنكار^١

ونفي وجود قلبين في خوف رجل "كناية عن امتناع الجمع بين المتنافيين فان كان هناك متنافيين في الاعتقاد فان القلب الواحد أي النفس الواحدة لا يسع اعتقادين متنافيين ورأيين متناقضين فان كان هناك متنافيان فهما لقلبين وما جعل الله لرجل من قلبين في خوفه فالرجل الواحد لا يسعه أن يعتقد المتنافيين ويصدق بالمتناقضين وقوله: ﴿في خوفه﴾ يفيد زيادة التقرير.^٢

ومثل قوله تعالى:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا﴾^٣

وجاء هذا البيان المعجز "لبيان العبث في نقض العهد المعاهدة."^٤

ويبعث شعور كراهية لنقض العهد عن طريق "تمثيل بمرأة تغزل الغزل بقوة ثم تعود فتنقض ما أتبعته نفسها فيه وغزله من بعد قوة وتجعله أنكاثاً لا فتل ولا ابرام."^٥

"فمثل من ينقض العهد مثل امرأة حمقاء ملتائة ضعيفة العزم والرأي ، تفتل غزلها ثم تنقضه وتتركه مرة أخرى قطعاً منكوثاً ومحلولة ! وكل جزئية من جزئيات التشبيه تشي بالتحقير والترذيل والتعجب. وتشوه الأمر في النفوس وتقبحه في القلوب . وهو المقصود . وما يرضى انسان كريم لنفسه أن يكون مثله كمثل هذه المرأة الضعيفة الارادة الملتائة العقل ، التي تقضي حياتها فيما لا غناء فيه!"^٦

وهذه الجملة الكريمة "تحقر في كل جزئية من جزئياتها ، حال من ينقض العهد ، وتشببه على سبيل التنفير والتقبيح بحال امرأة ملتائة في عقلها ، مضطربة في تصرفاتها."^٧

ومثل قوله تعالى:

﴿وَلَا يَغْتَبُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أُخِيهِ مَيْتًا﴾^٨

١. الوسيط ، س: الأحزاب ؛ الآية: ٤ ، ص ١
٢. الميزان في تفسير القرآن ، س: الأحزاب ؛ الآية: ٤ ، ص ١
٣. القرآن ؛ س: النحل ؛ الآية: ٩٢
٤. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٩
٥. الميزان في تفسير القرآن ، س: النحل ؛ الآية: ٩٢ ، ص ٥
٦. في ظلال القرآن ، س: النحل ؛ الآية: ٩٢ ، ص ٣
٧. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: النحل ؛ الآية: ٩٢ ، ص ٥
٨. القرآن ؛ س: المحجرات ؛ الآية: ١٢

ونزل القول الكريم "لتفطع الغيبة، حتى لكانما يأكل الأخ لحم أخيه الميت!"^١ وهذا التحسيم لشعور الغيبة المعنوي: "... يعرض مشهداً تتأذى له أشد النفوس كثافة وأقل الأرواح حساسية. مشهد الأخ يأكل لحم أخيه .. ميتاً ..! ثم يبادر فيعلن عنهم أنهم كرهوا هذا الفعل المثير للاشمئزاز، وأنهم اذن كرهوا الاغتياب!"^٢

"والتمثيل مقصود منه استفظاع الممثل وتشويبه لافادة الاغلاظ على المغتابين لأن الغيبة متفشية في الناس وخاصة في الأيام الجاهلية."^٣

والقول الكريم "تمثيل وتصوير لما يناله المغتاب من عرض غيره على أفضع وجه وأفحشه."^٤

٧. ثم لما كان هذا التحسيم خطة عامة، "صوّر الحساب في الآخرة كما لو كان وزناً مجسماً للحسنات والسيئات"^٥:

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾^٦

﴿ فَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ... وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴾^٧

﴿ وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ﴾^٨

﴿ وَلَا يُظْلَمُونَ قَتِيلًا ﴾^٩

﴿ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴾^{١٠}

ويعلق سيد قطب على كلها مجموعة: "وكل ذلك تمثيلاً مع تحسيم الميزان."^{١١}

١. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٩

٢. في ظلال القرآن ، س:الحجرات ؛ الآية:١٢، ص ١٥

٣. التحرير والتنوير ، س:الحجرات ؛ الآية:١٢، ص ٤

٤. الوسيط ، س:الحجرات ؛ الآية:١٢، ص ٣

٥. التصوير الفني في القرآن ، ص ٦٩

٦. القرآن ؛ س:الأنبياء ؛ الآية:٤٧

٧. القرآن ؛ س:القارعة ؛ الآية:٦-٨

٨. القرآن ؛ س:الأنبياء ؛ الآية:٤٧

٩. القرآن ؛ س:النساء ؛ الآية:٤٩

١٠. القرآن ؛ س:النساء ؛ الآية:١٢٤

١١. التصوير الفني في القرآن ؛ ص: ٦٩

اجتماع التخيل والتجسيم :

وهو اجتماع التخيل والتجسيم في المثال الواحد من القرآن. وكثيراً ما يجتمع التخيل والتجسيم في المثال الواحد من القرآن، فيصور المعنوي المجرد جسماً محسوساً، ويخيل حركة لهذا الجسم أو حوله من اشعاع التعبير. ووقع هذه الظاهرة متنوعة:

١. من ذلك قوله تعالى:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾^١

والقذف "حقيقته رمي الجسم على جسم. واستعير هنا لإيراد ما يزيل ويبطل الشيء من دليل أو زجر أو اعدام أو تكوين ما يغلب، لأن مثل رمي الجسم المبطل بشيء يأتي على ليتلفه أو يشتته..."^٢

والدمغ "كسر الجسم الصلب الأجوف، وهو هنا ترشيح لاستعارة القذف لإيراد ما يبطل، وهو استعارة أيضاً حيث استعير الدمغ لمحق الباطل وازالته كما يزيل القذف الجسم المقذوف، فالاستعارتان من استعارة المحسوسين للمعقولين."^٣

ويقول الطبري "﴿فَيَدْمَغُهُ﴾ يقول: كما يدمغ الرجل الرجل بأن يشجّه على رأسه شجة تبلغ الدماغ، وإذا بلغت الشجة ذلك من المشجوج لم يكن له بعدها حياة."^٤

فمعنى الدمغ: "شجّ الرأس حتى يبلغ الدماغ"^٥ وهذا بيان غلبة الحق وزهوق الباطل وهذه سنة من سنن الله تعالى "والتعبير يرسم هذه السنة في صورة حسية حية متحركة. فكأنما الحق قذيفة في يد القدرة تقذف به على الباطل، فيشق دماغه! فاذا هو زاهق هالك ذاهب.." ^٦

ومثله قول طنطاوي جوهرى في تفسير هذا التعبير القرآني: "والتعبير القرآني البليغ يرسم هذه السنة الالهية في صورة حسية متحركة حتى لكأنما الحق قذيفة تنطلق بسرعة فتهدى على الباطل فشق أم رأسه، فاذا هو زاهق زائل."^٧

ويقول فيه الشيخ صراع الدهيم "كأن الحق وهو معنى مجرد ولعظم شأنه قذيفة ثقيلة ترمى على الباطل الهش الواهي فيريه جثة هامدة وقد استخدمت في هذا المشهد العظيم صورة الصراع

١. القرآن؛ س: الأنبياء؛ الآية: ١٨

٢. التحرير والتنوير، س: الأنبياء؛ الآية: ١٨

٣. نفس المرجع

٤. جامع البيان في تفسير القرآن، س: الأنبياء؛ الآية: ١٨

٥. الجامع لأحكام القرآن، س: الأنبياء؛ الآية: ١٨

٦. في ظلال القرآن، س: الأنبياء؛ الآية: ١٨، ص ٩

٧. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الأنبياء؛ الآية: ١٨، ص ١

الأزلي بين الحق والباطل.“^١ ومثله قوله تعالى:

﴿ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ﴾^٢

فهذه المرة ننظر قول ابن عاشور عن معنى القذف وهو: ”الرمي باليد بقوة . واستعير للحصول العاجل ، أي حصل الرعب في قلوبهم دفعة دون سابق تأمل ولا حصول سبب للرعب“^٣

ومرة ثانية يقول طنطاوي: ”وعبر — سبحانه — بالقذف ، لأنه كناية عن الرمي بقوة وعنفة وسرعة . والرعب : شدة الخوف والفرع ... أي وقذف — سبحانه — في قلوبهم الرعب الذي مלאها بالجزع والفرع فاستسلموا بسبب ذلك لما حكم به الرسول ﷺ عليهم.“^٤

ثم قوله تعالى:

﴿ وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾^٥

فتجسم العداوة الى مادة محسوسة تلقى بينهم فيقول سيد قطب: ”و كأنما العداوة والبغضاء مادة ثقيلة، تلقى بينهم، فتبقى الى يوم القيامة“^٦

﴿ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴾^٧

فهنا أصبح السكينة مادة محسوسة كما جاء في تفسير سيد قطب: ”كأنما السكينة رداء ينزل فيثبت القلوب الطائفة ويهدئ الانفعالات النائرة.“^٨

﴿ وَأَخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾^٩

وهذا التعبير المعجز عبر عن المعنوي عن طريق التصوير المحسوس: ”المقصود منه المبالغة في التواضع ... واطافة الجناح الى الذل اضافة بيانية ، أي: اخفض لهما جناحك الذليل.“^{١٠}

وفي تعبير سيد قطب: ”وهنا يشف التعبير ويلطف ، ويبلغ شغاف القلب وحنايا الوجدان . فهي

- ١ . المثل القرآني
- ٢ . القرآن ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٢
- ٣ . التحرير والتنوير، س: الحشر ؛ الآية: ٢، ص ٥
- ٤ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الحشر ؛ الآية: ٢، ص ٣
- ٥ . القرآن ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٦٤
- ٦ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٠
- ٧ . القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ٢٦
- ٨ . في ظلال القرآن ، س: التوبة ؛ الآية: ٢٦، ص ٣٨
- ٩ . القرآن ؛ س: الاسراء ؛ الآية: ٢٤
- ١٠ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الاسراء ؛ الآية: ٢٤، ص ٣

الرحمة ترق وتلطف حتى لكأنها الذل الذي لا يرفع عيناً، ولا يرفض أمراً. وكأنما للذل جناح يخفضه ايذاناً بالسلام والاستسلام.^١

ويشرح ابن عاشور هذا القول البليغ بالأمثلة: "وصيغ التعبير عن التواضع بتصويره في هيئة تذلل الطائر عندما يعتريه خوف من طائر أشد منه اذ يخفض جناحه متذللاً. ففي التركيب استعارة مكنية والجناح تخييل بمنزلة تخييل الأظفار للمنية في قول أبي ذؤيب:

وإذا المنية أنشبت أظفارها ألفيت كل تميمة لاتنفع

وبمنزلة تخييل اليد للشمال بفتح الشين والزمam للقرة في قول لبيد:

وغداة ريح قد كشفت وقرّة اذ أصبحت بيد الشمال زمامها^٢

﴿وَإِخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾^٣

وهذا كمثل السابق: "والتعبير عن اللين والموودة والعطف بخفض الجناح تعبير تصويري، يمثل لطف الرعاية وحسن المعاملة ورقة الجانb في صورة محسوسة على طريقة القرآن الفنية في التعبير."^٤

فكأنما الحق قذيفة خاطفة تصيب الباطل فتزهقه. وكأنما الرعب قذيفة سريعة تنفذ في القلوب لفورها. وكأنما العداوة والبغضاء مادة ثقيلة، تلقى بينهم، فتبقى الى يوم القيامة. وكأنما السكينة مادة مثبتة تنزل على رسول الله وعلى المؤمنين. وكأنما للذل جناح يُخفض من الرحمة بالوالدين.

وفي كل مثال من هذه يجتمع التجسيم — باحالة المعنى جسماً — مع التخييل بحركة هذا الجسم المفروضة.

٢. ومن ذلك:

﴿بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ﴾^٥

وهذا تعبير بليغ معجز صور معنى ذهني عن طريق تصوير محسوس:

"ولا بد أن نقذف قليلاً أمام ذلك التصوير الفني المعجز لحالة معنوية خاصة ...

الخطيئة كسب؟ ان المعنى الذهني المقصود هو اجتراح الخطيئة، ولكن التعبير

١. في ظلال القرآن، س: الاسراء؛ الآية: ٢٤، ص ٢

٢. التحرير والتنوير، س: الاسراء؛ الآية: ٢٤، ص ٤

٣. القرآن؛ س: الحجر؛ الآية: ٨٨

٤. في ظلال القرآن، س: الحجر؛ الآية: ٨٨، ص ٣

٥. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٨١

يومئى الى حالة نفسية معروفة .. ان الذي يجترح الخطيئة انما يجترحها عادة وهو يلتذها ويستسيغها؛ ويحسبها كسباً له — على معنى من المعاني — ولو أنها كانت كريمة في حسه ما اجترحها ، ولو كان يحس أنها خسارة ما أقدم عليها متحمساً ، وما تركها تملأ عليه نفسه، وتحيط بعالمه؛ لأنه خليق لو كرهها وأحس ما فيها من خسارة أن يهرب من ظلها — حتى لو اندفع لارتكابها — وأن يستغفر منها ، ويلوذ الى كنف غير كنفها. وفي هذه الحالة لا تحيط به ، ولا تملأ عليه عالمه ، ولا تغلق عليه منافذ التوبة والتفكير.. وفي التعبير: ﴿وأحاطت به خطيئته﴾ .. تجسيم لهذا المعنى . وهذه خاصية من خواص التعبير القرآني ، وسمة واضحة من سماته ؛ تجعل له رقعاً في الحس يختلف عن وقع المعاني الذهنية المجردة ، والتعبيرات الذهنية التي لا ظل لها ولا حركة . وأي تعبير ذهني عن اللجاجة في الخطيئة ما كان ليشتع مثل هذا الظل الذي يصور المجترح الآثم حبيس خطيئته ؛ يعيش في اطارها ، ويتنفس في جوها ، ويحيا معها ولها.^١

وقوله تعالى:

﴿الْأَفِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا﴾^٢

وهنا أصبح الفتنة كوادٍ عميق والكفار الجاحدون سقطوا فيه: ”والسقوط مستعمل مجازاً في الكون فجأة على وجه الاستعارة: شُبّه ذلك الكون بالسقوط في عدم التهيؤ له وفي المفاجأة باعتبار أنهم حصلوا في الفتنة في حال أمنهم من الوقوع فيها ، فهم كالساقط في هوة على حين ظن أنه ماش في طريق سهل ومن كلام العرب ((على الخبير سقطت)).^٣

”والتعبير يرسم مشهداً كاملاً كأن الفتنة فيه هاوية يسقط فيها المفتونون ؛ وكأن جهنم من ورائهم تحيط بهم، وتأخذ عليهم المنافذ والمتجهّمات فلا يفلتون . كناية عن مقارفتهم للخطيئة كاملة وعن انتظار العقاب عليها حتماً، جزاء الكذب والتخلف والهبوط الى هذا المستوى المنحط من المعاذير . وتقريراً لكفرهم وان كانوا يتظاهرون بالاسلام وهم فيه منافقون.“^٤

ومرة ثانية يقول سيد قطب في كتابه: ”فبعد أن تصبح الخطيئة شيئاً مادياً، تتحرك حركة الاحاطة ، وبعد أن تصبح الفتنة لجة ، يتحركون هم بالسقوط فيها.“^٥

١ . في ظلال القرآن ، س: البقرة ؛ الآية: ٨١ ، ص ٤-٥

٢ . القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ٤٩

٣ . التحرير والتنوير ، س: التوبة ؛ الآية: ٤٩

٤ . في ظلال القرآن ، س: التوبة ؛ الآية: ٤٩ ، ص ٣

٥ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٠

٣. ومنه قوله تعالى:

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾^١

وقوله تعالى:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾^٢

فيعلق سيد قطب على هذين تعبيرين: "ففي المثال الأول يصبح الحق والباطل مادتين تستر احدهما بالأخرى. وفي المثال الثاني يصبح ما أمر به مادة يشق بها ويصدع ، دلالته على القوة والنفاذ."^٣

٤. ومنه قوله تعالى:

﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولِيَاءُ لَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ﴾^٤

وجاء في (في ظلال القرآن) تفسير هذا التعبير ببسط وانسراح: "يمضي السياق يصور في مشهد حسي متحرك طريق الهدى وطريق الضلال ؛ وكيف يكون الهدى وكيف يكون الضلال .. يصور كيف يأخذ الله — ولي الذين آمنوا — بأيديهم ، فيخرجهم من الظلمات الى النور. بينما الطواغيت — أولياء الذين كفروا — تأخذ بأيديهم فتخرجهم من النور الى الظلمات!"^٥

وعن تأثير هذا المشهد يقول سيد قطب: "انه مشهد عجيب حي موح . والخيال يتبع هؤلاء وهؤلاء ، جيئة من هنا وذهاباً من هناك. بدلاً من التعبير الذهني المجرد ، الذي لا يحرك خيالاً ولا يلمس حساً ولا يستحيش وجداناً ولا يخاطب الا الذهن بالمعاني والألفاظ."^٦

ومبيناً فضل طريقة التصوير القرآنية يقدم مقارنة بين القول البليغ من الكلام الانساني والتعبير القرآني "فلنحاول أن نضع في مكان هذا المشهد الحي تعبيراً ذهنياً أياً كان . لنقل مثلاً: الله ولي الذين آمنوا يهديهم الى الايمان . والذين كفروا أولياؤهم الطاغوت يقودونهم الى الكفران .. ان التعبير يموت بين أيدينا ، ويفقد ما فيه من حرارة وحركة وإيقاع!"^٧

١. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٤٢

٢. القرآن ؛ س: الحجر ؛ الآية: ٩٤

٣. التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٠

٤. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٥٧

٥. في ظلال القرآن ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٥٧، ص ١٨

٦. المرجع نفسه

٧. المرجع نفسه

والى جانب التعبير المصور الحي الموحى نلتقي بدقة التعبير عن الحقيقة: ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولِيَاءُ لَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُهُم مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ﴾ "ان الايمان نور.. نور واحد في طبيعة وحقيقة .. ان الكفر ظلمات .. ظلمات متعددة متنوعة . ولكنها كلها ظلمات . و ما من حقيقة أصدق ولا أدق من التعبير عن الايمان بالنور ، والتعبير عن الكفر بالظلمة."^١

والتشريح الموجز له جاء من عند سيد قطب: "يستحيل الهدي والضلال نوراً وظلمة ، ثم تبدأ عملية الاجراج المتخيلة."^٢

﴿فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾^٣

وفي هذا التعبير القرآني نجد أنفسنا "أمام صورة حسية لحقيقة شعورية ، ولحقيقة معنوية .. ان الايمان بالله عروة وثيقة لا تنفصم أبداً .. انها متينة لا تتقطع .. ولا يضل الممسك بها طريق النجاة .. انها موصولة بمالك الهلاك والنجاة .. والايمان في حقيقة اهتداء الى الحقيقة الأولى التي تقوم بها سائر الحقائق في هذا الوجود .. حقيقة الله .. واهتداء الى حقيقة الناموس الذي سنه الله لهذا الوجود، وقام به هذا الوجود."^٤

وفي هذا المثال "يصبح الايمان عروة ، ثم تبدأ الحركة المتخيلة في الاستمساك بها. فتؤدي هذه الصور المجسمة المتحركة الى تمثيل أوضح وأرسخ للمعنى الخيالي المجرد."^٥

فأطلقنا النظر على أمثلة الصور القرآنية تأسست على التجسيم من نوعيه التشخيص والتخييل.

التجريد المطلق و التنزيه الكامل

وبهذه الطريقة المفضلة — أي التصوير بالتخييل والتجسيم — في التعبير عن المعاني المجردة، جرى الاسلوب القرآني محراه "في أخص شأن يوجب فيه التجريد المطلق ، والتنزيه الكامل"^٦ فقال تعالى:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾^٧

- ١ . المرجع نفسه
- ٢ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٠
- ٣ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٥٦
- ٤ . في ظلال القرآن ، س: البقرة ؛ الآية: ٢٥٧ ، ص ١٧
- ٥ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٠-٧١
- ٦ . المرجع نفسه ، ص ٧١
- ٧ . القرآن ؛ س: الفتح ؛ الآية: ١٠

يقول طباطبائي: "انه من الاستعارة التخيلية والاستعارة بالكناية جيء به لتأكيد ما تقدمه وتقرير أن مبايعة الرسول ﷺ كمبايعة الله من غير تفاوت فخييل أنه سبحانه كأحد المبايعين من الناس فأثبتت له يد تقع فوق أيدي المبايعين للرسول ﷺ مكان يد الرسول وفيه أنه غير مناسب لساحة قدسه تعالى أن يخييل على وجه هو منزه عنه."^١

ويزيد فيه ابن عاشور: "وجعلت اليد المتخييلة فوق أيديهم: اما لأن اضافتها الى الله تقتضي تشريفها بالرفعة على أيدي الناس... واما لأن المبايعة كانت بأن يمد المبايع كفه أمام المبايع ويضع هذا المبايع يده على يد المبايع، فالوصف بالفوقية من تمام التخيلية... فذكر الفوقية هنا ترشيح للاستعارة واغراق في التخييل."^٢

وأما سيد قطب فيبين بلاغة القول القرآني بطريقته الخاصة: "وهو تصوير رهيب جليل للبيعة بينهم وبين رسول الله ﷺ والواحد منهم يشعر وهو يضع يده في يده، أن يد الله فوق أيديهم. فالله حاضر البيعة. والله صاحبها. والله أخذها. ويده فوق أيدي المتابعين.. ومن؟ الله! يا للهول! ويا للروعة! ويا للحلال!

وان هذه الصورة لتأصل من النفس خاطر النكت بهذه البيعة — مهما غاب شخص رسول الله ﷺ فالله حاضر لا يغيب. والله أخذ في هذه البيعة ومعط، وهو عليها رقيب."^٣

ومن نفس النوع قوله تعالى:

﴿وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا﴾^٤

وجاء في التحرير والتنوير: "والكرسي شيء يجلس عليه متركب من أعواد أو غيرها موضوعة كالأعمدة متساوية، عليها سطح من خشب أو غيره بمقدار ما يسع شخصاً واحداً في جلوسه، فان زاد على مجلس واحد وكان مرتفعاً فهو العرش. وليس المراد في الآية حقيقة الكرسي اذ لا يليق بالله تعالى لاقتضائه التحيز، فتعين أين يكون مراداً به غير حقيقته."^٥

ويذكر الزمخشري أربعة أوجه في توجيه هذا البيان وهي: "أحدها أن كرسيه لم يضق عن السماوات والأرض لبسطه وسعته، وما الا تصوير لعظمته وتخييل فقط، ولا كرسي ثمة ولا قعود، ولا قاعدة، كقوله: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

١. الميزان في تفسير القرآن، س: الفتح؛ الآية: ١٠، ص ٢

٢. التحرير والتنوير، س: الفتح؛ الآية: ١٠، ص ١

٣. في ظلال القرآن، س: الفتح؛ الآية: ١٠، ص ١٨-١٩

٤. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٥٥

٥. التحرير والتنوير، س: البقرة؛ الآية: ٢٥٥، ص ٥

وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ﴿١﴾ من غير تصور قبضة وطى ويمين ، وانما هو تخييل لعظمة شأنه وتمثيل حسي . ألا ترى الى قوله: ﴿ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ﴾ والثاني : وسع علمه وسمي العلم كرسيًا تسمية بمكانه الذي هو كرسي العالم . والثالث : وسع ملكه تسمية بمكانه الذي هو كرسي الملك . والرابع : ماروي : أنه خلق كرسيًا هو بين يدي العرش دونه السماوات والأرض وهو الى العرش كأصغر شيء .^٢

ويستمر سيد قطب في بيانه عن الطريقة التصويرية: "وقد جاء التعبير في هذه الصورة الحسية في موضع التجريد المطلق ؛ على طريقة القرآن في التعبير التصويري ، لأن الصورة هنا تمنح الحقيقة المراد تمثيلها للقلب قوة وعمقاً وثباتاً . فالكرسي يستخدم عادة في معنى الملك . فاذا وسع كرسيه السماوات والأرض فقد وسعهما سلطانه . وهذه هي الحقيقة من الناحية الذهنية . ولكن الصورة التي ترسم في الحس من التعبير بالمحسوس أثبت وأمكن . وكذلك التعبير بقوله: ﴿ وَلَا يُؤْوِدُهُ حِفْظُهُمَا ﴾ فهو كناية عن القدرة الكاملة . ولكنه يحيى في هذه الصورة المحسوسة . صورة انعدام الجهد والكلال . لأن التعبير القرآني يتجه الى رسم صورة للمعاني تجسمها للحس ، فتكون فيه أوقع وأعمق وأحسن ."^٣

وورد قوله تعالى من نفس النوع:

﴿ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ﴾^٤

ورد في (في ظلال القرآن): "يكشف لهم عن جانب من عظمة الله وقوته على طريقة التصوير القرآنية ، التي تقرب للبشر الحقائق الكلية في صورة جزئية ، يتصورها ادراكهم المحدود ... وكل ما يرد في القرآن وفي الحديث من هذه الصور والمشاهد انما هو تقريب للحقائق التي لا يملك البشر ادراكها بغير أن توضع لهم تعبير يدركونه ، وفي صورة يتصورونها . ومنه هذا التصوير لجانب من حقيقة القدرة المطلقة ، التي لا تتقيد بشكل ، ولا تحيز في حيز ، ولا تتحدد بحدود."^٥

وذكر صاحب الكشاف أن الله تعالى مخاطباً جميع الناس : "نبههم على عظمتهم وجلالة شأنه على طريقة التخييل فقال: ﴿ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ﴾ والغرض من هذا الكلام اذا أخذته كما هو بحملته ومجموعه تصوير عظمتهم والتوقيف على كنه

١ . القرآن ؛ س : الزمر ؛ الآية : ٦٧

٢ . الكشاف ، س : البقرة ؛ الآية : ٢٥٥

٣ . في ظلال القرآن ، س : البقرة ؛ الآية : ٢٥٥ ، ص ١٥

٤ . القرآن ؛ س : الزمر ؛ الآية : ٦٧

٥ . في ظلال القرآن ، س : الزمر ؛ الآية : ٦٧ ، ص ٢

جلاله لا غير ، من غير ذهاب بالقبضة ولا باليمين الى جهة حقيقة أو جهة مجاز^١ ثم يقول عن استعمال الأسلوب كهذا ”وأن الأفعال العظام التي تتحير فيها الأفهام والأذهان ولا تكتنيتها الأوهام هينة عليه هواناً لا يوصل السامع الى الوقوف عليه ، الا اجراء العبارة في مثل هذه الطريقة من التحييل ، ولا ترى باباً في علم البيان أدق ولا أرق ولا ألطف من هذا الباب ، ولا أنفع وأعون على تعاطي تأويل المشتبهات من كلام الله تعالى في القرآن ...“^٢

وكذلك ورد قوله تعالى:

﴿ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ﴾^٣

ويعبر سيد قطب عنه: ”فهي تمثيل تدير الله للأمر كله من وراء الحركة الظاهرة للنبي ﷺ والعصبة المسلمة معه“^٤ وعن قوله تعالى:

﴿ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴾^٥

يقول الزمخشري في تفسيره: ”هو تمثيل لظهور آيات اقتداره وتبيين آثار قهره وسلطانه: مثلت حاله في ذلك بحال الملك اذا حضر بنفسه ظهر بحضوره من آثار الهيبة والسياسة ما لا يظهر بحضور عساكر كلها ووزرائه وخواصه ...“^٦

ويذوق سيد قطب جمال هذا التعبير الأدبي فيقول: ”فأما محيىء ربك والملائكة صفافاً صفافاً ، فهو أمر غيبي لا ندرك طبيعته ونحن في هذه الأرض . ولكننا نحس وراء التعبير بالجلال والهول.“^٧ أما قوله تعالى:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ﴾^٨

فيقول الزمخشري: ”غل اليد وبسطها مجاز عن البخل والجود“^٩

١ . الكشاف ، س: الزمر ؛ الآية: ٦٧ ، ص ١

٢ . المرجع نفسه

٣ . القرآن ؛ س: الأنفال ؛ الآية: ١٧

٤ . في ظلال القرآن ، س: الأنفال ؛ الآية: ١٧ ، ص ٢٤

٥ . القرآن ؛ س: الفجر ؛ الآية: ٢٢

٦ . الكشاف ، س: الفجر ؛ الآية: ٢٢

٧ . في ظلال القرآن ، س: الفجر ؛ الآية: ٢٢ ، ص ٦

٨ . القرآن ؛ س: المائدة ؛ الآية: ٦٤

٩ . الكشاف ، س: المائدة ؛ الآية: ٦٤ ، ص ١

وعلق صاحب الانتصاف على قول صاحب الكشاف السابق فقال: "والنكته في استعمال هذا المجاز تصوير الحقيقة المعنوية بصورة حسية تلزمها غالباً، وهي بسط اليد للحدود وقبضها للبخل، ولا شيء أثبت من الصور الحسية في الذهن، فلما كان الحد والبخل معنيين لا يدر كان بالحس. عبر عنهما بلازمهما لفائدة الايضاح والانتقال من المعنويات الى المحسوسات."^١ وقريب من هذا قوله تعالى:

﴿وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَسْطُ﴾^٢

ومن نفس النوع نرى التعبير في قوله تعالى:

﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾^٣

فيقول ابن عاشور: "ويحوز أن يكون المراد من العرش ملك الله وحكمه تمثيلاً بعرش السلطان، أي كان ملك الله قبل خلق السماوات والأرض مُلكاً على الماء."^٤ ويقول الزمخشري عن قدرة الله تعالى: "وكيفما كان فالله ممسك كل ذلك بقدرته، وكلما ازدادت الأجرام كانت أحوج اليه والى امساكه"^٥ وقريب من هذا قوله تعالى:

﴿ثُمَّ اسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾^٦

وكل التعبيرات من هذه الأنواع أوّل المفسرون بأنواع من التأويلات وجرت مناوشات ومشادات كلامية في التفسير والتأويل لهذه التعبيرات. ويقول سيد قطب عنها مؤيداً الطريقة التصويرية في تفسيره: "ولا حاجة بنا الى كل ما ثار من الجدل حول مثل هذه التعبيرات في القرآن، اذا نحن فقهنا طريقة القرآن التعبيرية؛ ولم نستعز من تلك الفلسفات الأجنبية الغربية التي أفسدت علينا كثيراً من بساطة القرآن وضوحه."^٧

ويستمر قائلًا في كتابه: "وثار ما ثار من الجدل حول هذه الكلمات، حينما أصبح الجدل صناعة، والكلام زينة. وان هى الاجارية على نسق متبع في التعبير، يرمي الى توضيح المعاني المجردة وتثبيتها؛ ويجري على سنن مطرد، لا تخلف فيه ولا عوج. سنن التخيل الحسي

١. الوسيط في تفسير القرآن، س: المائدة؛ الآية: ٦٤، ص ١-٢

٢. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٢٤٥

٣. القرآن؛ س: هود؛ الآية: ٧

٤. التحرير والتنوير، س: هود؛ الآية: ٧، ص ١

٥. الكشاف، س: هود؛ الآية: ٧

٦. القرآن؛ س: فصلت؛ الآية: ١١

٧. في ظلال القرآن، س: البقرة؛ الآية: ٢٥٥، ص ١٥

والتجسيم في كل عمل من أعمال التصوير.^١

وفي طريقة القرآن التصويرية ممكن أن نحمل ان هذه الطريقة قدّم المعاني الذهنية والحالات المعنوية خلال صور حية تقاس بمقياس حية. وان هذه الطريقة خلّع الحياة على الجوامد فهي تتحرك وتشعر كالآدميين. فهذه الريشة المبدعة ما مسّت جامداً الا نبض بالحياة، ولا عرضت مألوفاً الا بدا جديداً.

تقديم المعنى على مستوى الصوت

الباب السابع

دور الصوت في تقديم المعاني في القرآن

الفصل الأول: الدلالة الصوتية

الفصل الثاني: التناسق الصوتي للحروف المفردة

الفصل الثالث: التناسق الصوتي على مستوى اللفظ المفرد

والتركيب

الفصل الرابع: البناء الصوتي للمفردة القرآنية

الفصل الخامس: الفواصل بين التناسق الصوتي ورعاية المعنى

ان اللغة ظاهرة صوتية تختلف اختلافاً كلياً عن سائر الرموز الأخرى غير اللغوية ، ومن ثم فان دراستها دراسة علمية تستوجب البدء بالأصوات بوصفها وحدات مميزة تنتج عنها آلاف الكلمات ذات الدلالات المختلفة.

وأصغر وحدة صوتية في اللغة هي الفونيم ، وله قيمة دلالية بأنها تلعب دوراً فعالاً في تحديد دلالات الكلمات. كما ورد تعريفه في موسوعة ويكيبيديا (Wikipedia):

"A phoneme is the smallest unit of speech that distinguishes meaning. Phonemes are not the physical segments themselves, but abstractions of them."^١

والفونيم كما يعرفه بعض اللغويين هو "صوت نموذجي يحاول المتكلم تقليده. كما يعرفه بعضهم بأنه أصغر وحدة صوتية عن طريقها يمكن التفريق بين المعاني . والفونيم نوعان: قطعي Segmental و فوققطعي Suprasegmental ويشمل النوع الأول الصوامت والصوائت، وأما النوع الثاني فيشمل النبرات والأنغام والفواصل."^٢

اذن النوع الأول من الفونيمات (أي القطعية) يشمل الحروف والحركات، والنوع الثاني (أي فوق القطعية) يشمل النبر والتنغيم ، وهذا ما سنركز عليه في حديثنا هنا:

١. Wikipedia: The Free Encyclopedia (online) page: <http://en.wikipedia.org/wiki/Phoneme>

٢. مجلة التراث العربي، العدد ٨٥، مقال: الصوت والدلالة دراسة في ضوء التراث وعلم اللغة الحديث،

الدكتور محمد بو عمامة ، على الموقع www.awu.-dam.org/trath/85/trath85-002.htm

الفصل الأول

الدلالة الصوتية

في هذا الفصل نطرح نظرة طائفة على مفهوم الدلالة الصوتية ، وهي التي "تستمد من طبيعة الأصوات نغمها وجرسها فتوحي بوقع خاص ، يستنبط من ضم الحروف بعضها الى البعض الآخر"^١

اللغة هي نظام الأصوات و الحروف هي أقصر صوت من أصوات اللغة وهي كالطوب للبنيان أو كالخلية للجسم الحي . وان الحروف وأصواتها "مباني كتب الله المنزلة بالألسنة المختلفة ، وأصول كلام الأمم"^٢ "فالصوت هو الوحدة المادية للكلام المتصل"^٣ و "الأصوات بانضمام

بعضها الى بعض تشكل مفردات تلك اللغة ، والمفردات وحدها تمثل معجمها ، وبتأليفها تمثل الكلام في تلك اللغة ، والقدرة على تناسق هذا الكلام وتأليفه ، من مهمة الأصوات في تناسقها وتألفها ، وتنافر الكلمات وتهافتها قد يعود على الأصوات في قرب مخارجها أو تباعدها ، أو في طبيعة تركيبها وتماسكها ، أو من تداخل مقاطعها وتضامها ، ذلك أن اللغة أصوات."^٤

والأستاذ الرافعي يعبر عن الأصوات بأن "أصوات الحروف تنزل منزلة النبرات الموسيقية المرسلة في جملتها كيف اتفقت ، فلا بد لها مع ذلك من نوع في التركيب وجهة من التأليف حتى يمازج بعضها بعضاً ، ويتألف منها شيء مع شيء ، فتتداخل خواصها ، وتجتمع صفاتها ، ويكون منها اللحن الموسيقي ، ولا يكون الا من الترتيب الصوتي الذي يثير بعضه بعضاً على نسب معلومة ترجع الى درجات الصوت ومخارجه وأبعاده."^٥

ثم يستمر في قوله:

"ان مادة الصوت هي مظهر الانفعال النفسي ، وهذا الانفعال بطبيعته انما هو سبب في تنويع الصوت، بم يخرج فيه مدأ أو غنة أو ليناً أو شدة ، وبما يهيئ له من الحركات المختلفة في اضطرابه وتتابعه على مقادير تناسب ما في النفس من أصولها ؛ ثم هو يجعل الصوت الى الايجاز والاجتماع ؛ أو الاطناب والبسط؛

١. دلالة الألفاظ ؛ الدكتور ابراهيم أنيس ، ص ٤٦

٢. مجمع البيان في تفسير القرآن ، ج ١ ، ص ٣٣

٣. دور الكلمة في اللغة ، ص ٢٣

٤. الصوت اللغوي في القرآن ، محمد حسين الصغير ، ص ٧٣-٧٤

على الموقع www.rafed.net/books/olom-quran/al-saut/index.html

٥. اعجاز القرآن ، الرافعي ، ص ٢١٣-٢١٤

بمقدار ما يكسبه من الحدوة والارتفاع والاهتزاز وبعد المدى ونحوها ، مما هو بلاغة الصوغ في لغة الموسيقى .

فلو اعتبرنا ذلك في تلاوة القرآن على طرق الأداء الصحيحة لرأيناه أبلغ ما تبلغ اليه اللغات كلها في هز الشعور واستثارته من أعماق النفس ؛ وهو من هذه الجهة يغلب بنظمه على كل طبع عربي أو أعجمي .^١

أما الأصوات العربية "فهي أصل الكلام العربي في هذا الكتاب العربي المبين الذي أعجز الأولين والآخرين من العرب وغير العرب ، على أنه مركب من جنس الحروف العرب وهذا أدل على الإعجاز باعتباره مشاكلاً لكلامهم ، وعلى سنن تراكيبيهم ، فعلم بالضرورة أنه كلام الله تعالى ."^٢

"ولما كانت أصوات القرآن متجانسة تماماً ، فإن القرآن كله متلائم في الطبقة العليا"^٣

وعن دور الصوت في تعيين المعاني للكلمات يقول الدكتور محمد حسين على الصغير:

"لا شك أن استقلال أية كلمة بحروف معينة بكسبها ذائقة سمعية قد تختلف عن سواها من الكلمات التي تؤدي نفس المعنى بما يجعل كلمة دون كلمة — وان اتحدتا معنى — مؤثرة في النفس ، اما بتكثيف المعنى ، واما باقبال العاطفة ، واما بزيادة التوقع .

فهي تصك السمع ، وحيناً تهيء النفس وحيناً آخر تضفي صيغة التأثير: فزعاً من شيء أو توجهاً لشيء ، أو رغبة في شيء ... هذا المناخ الحافل تضفيه الدلالة الصوتية"^٤

وانصببت عناية القرآن العظيم بالاهتمام في اذكاء حرارة الكلمة عند العرب ، وتوهج العبارة في منظار حياتهم ، وحذب البيان القرآني على تحقيق موسيقى الألفاظ في جملة ، وتناغم الحروف في تركيبه ، وتعادل الوحدات الصوتية في مقاطعه ، فكانت مخارج الكلمات متوازنة النبرات ، وتراكيب البيان متلائمة الأصوات ، فاختر لكل حالة مرادة ألفاظها الخاصة التي لا يمكن أن تستبدل بغيرها ، فجاء كل لفظ متناسباً مع صورته الذهنية من وجه ، ومع دلالة السمعية من وجه آخر ، فالذي يستلذه السمع ، وتسيغه النفس ، وتقبل عليه العاطفة هو المتحقق في العذوبة والرفقة ، والذي يشرأب له العنق ، وتتوجس منه النفس هو المتحقق في الزجر والشدة ، وهنا ينبه القرآن المشاعر الداخلية عند الانسان في اثاره الانفعال المترتب على مناخ الألفاظ المختارة في مواقعها

١ نفس المرجع ، ص ٢١٥-٢١٦

٢ الصوت اللغوي في القرآن ، ص ٩٩

٣ النكت في اعجاز القرآن ، على بن عيسى الرماني ، ضمن ثلاث رسائل في اعجاز القرآن ،

تحقيق محمد حلف الله محمد زغلول سلام ، دارالمعارف مصر ، ط ٢ ، ١٩٦٨ م ، ص ٩٥

٤ نظرية النقد العربي : رؤية قرآنية معاصرة ، ص ٤٤-٤٥

فيما تشيعه من تأثير نفسي معين سلباً وإيجاباً.

ويقول الرافعي في هذا الموضوع كلاماً جميلاً أنقل هنا:

” وليس يخفى أن مادة الصوت هي مظهر الانفعال النفسي ، وأن هذا الانفعال بطبيعته إنما هو سبب في تنويع الصوت ، بما يخرج فيه مداً أو غنة أو ليناً أو شدة ، وبما يهيئ له من الحركات المختلفة في اضطرابه وتتابعه على مقادير تناسب ما في النفس من أصولها ؛ ثم هو يجعل الصوت الى الايجاز والاجتماع ؛ أو الاطناب والبسط ؛ بمقدار ما يكسبه من الحدوة والارتفاع والاهتزاز وبعد المدى ونحوها ، مما هو بلاغة الصوت في لغة الموسيقى .

فلو اعتبرنا ذلك في تلاوة القرآن على طرق الأداء الصحيحة لرأيناه أبلغ ما تبلغ اليه اللغات كلها في هز الشعور واستثارته من أعماق النفس ؛ وهو من هذه الجهة يغلب بنظمه على كل طبع عربي أو أعجمي حتى ان القاسية قلوبهم من أهل الزيف والالحاد ... لتلين قلوبهم وتهتز عند سماعه ، لأن فيهم طبيعة انسانية ، ولأن تتابع الأصوات على نسب معينة بين مخارج الأحرف المختلفة ، هو بلاغة اللغة الطبيعية التي خلقت في نفس الانسان ...

وما هذه الفواصل التي تنتهي بها آيات القرآن الا صور تامة للأبعاد التي تنتهي بها جمل الموسيقى ، وهي متفقة مع آياتها في قرار الصوت اتفاقاً عجيباً يلائم نوع الصوت والوجه الذي يساق عليه بما ليس وراءه في العجب مذهب ، وتراها أكثر ما تنتهي بالنون والميم ، وهما الحرفان الطبيعيان في الموسيقى نفسها ؛ أو بالمد ، وهو كذلك طبيعي في القرآن ، فان لم تنته بواحدة من هذه ، كأن انتهت بسكون حرف من الحروف الأخرى ، كان ذلك متابعة لصوت الجملة وتقطع كلماتها ، ومناسبة للون المنطق بما هو أشبه وأليق بموضعه ، وعلى أن ذلك لا يكون أكثر ما أنت واجده الا في الجمل القصار ، ولا يكون الا بحرف قوي يستتبع القلقله أو الصفير أو نحوهما مما هو ضروب أخرى من النظم الموسيقى .

وهذه هي طريقة الاستهواء الصوتي في اللغة ، وأثرها طبيعي في كل نفس ، فهي تشبه في القرآن الكريم أن تكون صوت اعجازه الذي يخاطب به كل نفس تفهمه ، وكل نفس لا تفهمه ، ثم لا يجد من النفوس على أي حال الا الاقرار والاستجابة ؛ ولو نزل القرآن بغيرها لكان ضرباً من الكلام البليغ الذي يُطمع فيه أو في أكثره ، ولما وجد فيه أثر يتعدى أهل هذه اللغة العربية الى أهل اللغات الأخرى ، ولكنه انفرد بهذا الوجه المعجز ، تتألف كلماته من حروف لو سقط واحد منها أو أبدل بغيره أو أقجم معه حرف آخر ، لكان ذلك خللاً بيناً ، أو ضعفاً ظاهراً في نسق الوزن وجرس

النغمة، وفي حس السمع وذوق اللسان، وفي انسجام العبارة وبراعة المخرج
وتساند الحروف وافضاء بعضها الى بعض، ولرأيت لذلك هجنة في السمع،
كالذي تنكره من كل مرثي لم تقع أجزاءه على ترتيبها، ولم تنفق على طبقاتها،
وخرج بعضها طولاً وبعضها عرضاً، وذهب ما بقي منها الى جهات متناكرة.^١

الفصل الثاني

التناسق الصوتي للحروف المفردة

في هذا الفصل نبحث عن أثر أصوات الحروف أي الفونيمات (phonemes) على معاني الكلمات في الخطاب القرآني. فقد استهل الخطاب القرآني بعض سورته بالحروف تسمى (مقطعات) ولا نعرف معناها ولكنها بلا شك تلعب دورها الصوتي في التأثير في آذان السامع، كما يقول محمد حسين الصغير إن "القرآن الكريم قد وجه اهتمام العرب — منذ عهد مبكر — ولفت نظرهم إلى ضرورة الاستفادة من الزخم الصوتي في اللغة العربية وهو يستهل بعض السور القرآنية بحملة محددة من الحروف الهجائية التي تنطق بأصواتها أسماء، لا بأدواتها حروفاً، للاستفادة من صوتيتها لدى الاستعمال دون حرفيتها."^١

وقال الزمخشري في الحروف المقطعات: "إن العرب كانوا إذا سمعوا القرآن لغوا فيه، فأنزل الله هذا النظم البديع ليعجبوا منه، ويكون تعجبهم سبباً لاستماعهم، واستماعهم سبباً لاستماع ما بعده، فترقّ القلوب وتلين الأفتدة."^٢

وكان القرآن الكريم "قد افتتح عامة سورته بعشر أنواع بيانية من فن القول شملت طائفة متميزة من معاني النحو وأساليب البلاغة حتى حصر أرباب علوم القرآن بذلك دون تزيّد عليها أو نقصان منها، فلا يخرج شيء من فواتح السور عنها، وقد يتداخل بعضها ببعض تارة."^٣

ومن هذه: الاستفتاح بحروف التهجي، وهو موضوع هذا البحث في الصوت اللغوي، إذ تم استفتاح تسع وعشرين سورة في المصحف الشريف بحروف هجائية مقطعة يمكن حصرها بالضبط في النحو الآتي^٤:

أ. ثلاثة حروف موحدة هي: ص . ق . ن .

ب. عشرة حروف مثناة هي: طه . طس . يس . حم

ج. اثنا عشر مثلثة الحروف هي: الم . الر . طسم .

د. اثنا حروفهما أربعة: المر . المص .

هـ. اثنا حروفهما خمسة: كهيعص . حمعسق .

١. الصوت اللغوي في القرآن، ص ٨٣

٢. البرهان في علوم القرآن؛ الموضوع: أسرار الفواتح والسور؛ العنوان: تنبيهات تختص بالفواتح الشريفة

٣. المرجع نفسه

٤. الصوت اللغوي في القرآن، الصغير، ص ٨٤

ورصد الزمخشري مواطن استعمال هذه الأصوات وكثرتها ، بحسب الحاري على ألسنة العرب في تكاثر بعض الحروف دون بعض ، وعرض لفائدة التكرار في جملة منها ، وتناول مسألة تفريقها على السور دون جمعها في أول القرآن ، وكأنه يشير الى الحكمة المتوخاة من كل جانب فقال:

”ومما يدل على أنه تعمد بالذکر من حروف المعجم أكثرها وقوعاً في تراكيب الكلم : أن الألف واللام لما تكاثر وقوعهما فيها جاءتا في معظم هذه الفواتح مكررتين ، وهي : فواتح سورة البقرة ، وآل عمران ، والروم ، والعنكبوت ، ولقمان ، والسجدة ، والأعراف ، والرعد ، ويونس ، وإبراهيم ، وهود ، ويوسف ، والحجر . فان قلت : فهلا عددت بأجمعها في أول القرآن ، وما لها جاءت مفرقة على السور؟ قلت : لأن إعادة التنبيه على أن المتحدى به مؤلف منها لا غير ، وتحديد في غير موضع واحد ، أوصل الى الغرض ، وأقوله في الأسماع والقلوب ، من أن يفرد ذكره مرة ، وكذلك مذهب كل تكرير جاء في القرآن فمطلوب به تمكين المكرر في النفوس وتقريره . فان قلت : فهلا جاءت على وتيرة واحدة ، ولم تختلفت أعداد حروفها؟ قلت : هذا على عادة افتنانهم في أساليب الكلام وتصرفهم فيه على طرق شتى ومذاهب متنوعة ، وكما أن أبنية كلماتهم على حرف وحرفين الى خمسة أحرف لم تتجاوز ذلك ، سلك بهذه الفواتح ذلك المسلك.“^١

وتعقب الزركشي ملائمة صوت الطاء للسين في (طس) ومجانسته للهاء في (طه) ، وهو يعمم هذه الملائمة وتلك المجانسة صوتياً على القرآن فيقول: ”وتأمل اقتران الطاء بالسين والهاء في القرآن ، فان [الطاء] جمعت من صفات الحروف خمس صفات لم يجمعها غيرها؛ وهي الجهر والشدة والاستعلاء والاطباق والاصمات . والسين مهموس رخو مستغل صغير منفتح ، فلا يمكن أن يجمع الى الطاء حرف يقابلها ، كالسين والهاء ؛ فذكر الحرفين اللذين جمعا صفات الحروف.“^٢

وتنبه الزركشي أيضاً الى اشتغال سورة (ق) على ذات الحرف ، لما في صوت القاف من القلقة والشدة من جهة ، ولاشتماله على الجهر والانفتاح من جهة أخرى .

”وتأمل السورة التي اجتمعت على الحروف المفردة : كيف تجد السورة مبنية على كلمة ذلك الحرف ، ممن ذلك ﴿ ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ﴾^٣ فان السورة مبنية على

١ . الكشاف ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١ ، ص ٦

٢ . البرهان في علوم القرآن ؛ الموضوع: أسرار الفواتح والسور ؛ العنوان: الاستفتاح بحروف التهجي

٣ . القرآن ؛ س: ق ؛ الآية: ١

الكلمات القافية: من ذكر القرآن، ومن ذكر الخلق، وتكرار القول ومراجعته مراراً؛ والقرب من ابن آدم، وتلقي الملكين، وقول العتيد، وذكر الرقيب، وذكر السائق، والقربين، واللقاء في جهنم، والتقدم بالوعد، وذكر المتقين، وذكر القلب، والقرآن، والتنقيب في البلاد، وذكر القتل مرتين، وتشقق الأرض، والقاء الرواسي فيها، وبسوق النخل، والرزق، وذكر القوم، وخوف الوعيد، غير ذلك^١

وأشار الزركشي الى خصوصية للدلالة الصوتية في سورة (ص) للابانة بهذا الحرف وصوتيته على أصداء الخصومات النازلة، والمحاكات الشديدة الوقع، بما يتناسب واصطكاك الصاد في الحلحلة، وصدائها الواقع على الأذن، مؤكداً على ما حدث من مجريات أحداث السورة نفسها محاكاة في الأصوات الشديدة لما نشب من الأحداث الجسمية، فقال مؤكداً وجهة نظره الصوتية، في تذوق الشدة والوقعة والخصومة من خلال صوت الصاد، ومصاقبته لما ورد في السورة ذاتها من اشارات موحية بذلك: "واذا أردت زيادة ايضاح فتأمل ما اشتملت عليه سورة (ص) من الخصومات المتعددة، فأولها خصومة الكفار مع النبي ﷺ وقولهم: ﴿أَجْعَلِ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا﴾^٢ الى آخر كلامهم. ثم اختصام الخصمين عند داود، ثم تخاصم أهل النار، ثم اختصام الملائكة في العلم، وهو الدرجات والكفارات، ثم تخاصم ابليس واعتراضه على ربه وأمره بالسجود، ثم اختصامه ثانياً في شأن بنيه وحلفه ليغوينهم أجمعين الا أهل الاخلاص منهم"^٣

ولقد أورده ابن الزمليكاني واعتبر هذه الحروف "كالمهيجة لمن يسمعها من الفصحاء، والموقظة للهمم الراقدة من البلغاء."^٤

ويعضد هذا الرأي أمران:

الأول: أن هذه الحروف الهجائية في فواتح السور القرآنية طالما ورد بعدها ذكر القرآن أو الكتاب معظماً مفحماً، يتلوه الدليل على اعجازه، والحديث عن الانتصار له، والاشارة الى تحديه العالم والأمم والشعوب والقبائل، مما يؤيد حكمة هذه الأصوات لبيان اعجازه وكماله، وحسن نظمه وتأليفه، وسر بقاءه وخلوده، كونه نازلاً من الله، مستقراً في هذا المصحف الشريف، دون تصحيف أو تحريف، أو زيادة أو نقصان، زيادة في دوامه، وتعهداً بحفظه وسلامته، بما أكده الله تعالى:

١. المرجع السابق
٢. القرآن؛ ص:ص؛ الآية:٥
٣. المرجع السابق
٤. البرهان الكاشف عن اعجاز القرآن، ص ٥٧، نقلاً عن: الصوت اللغوي في القرآن، ص ١٠٠

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾^١

الثاني: أن المتتبع لأسباب النزول ، والأحداث التي رافقت قرع الأسماع بهذه الأصوات ، يجد الايدان بها قد تقطر سيله بأشد الظروف قسوة على الرسالة الاسلامية ، فكان التحدي قائماً أشده بمثل هذه الأصوات المدوية في الآفاق .
فما كان منها في السور المكية ، وهي الحقبة التي واجهت بها الرسالة عنفاً وغطرسة وتكديباً ، فقد جاءت فيه هذه الحروف رداً مفحماً في التحدي الصارخ ، والدليل الناصع على صدق المعجزة .
وما كان منها في السور المدنية ، فقد جاء تحدياً لأهل الكتاب فيما نصبوه من عدااء للدين الجديد ، انذاراً للمنافقين فيما كادوا به محمداً والذين معه.^٢

ويكتب محمد جمال الهاشمي:

"ان القرآن في أسلوبه البياني الفذ أراد أن يجذب الأنظار والأفكار ، فافتتح بعض سورته المباركة بهذه الحروف المقطعة فهي أشبه ما تكون بإشارات المحطات العالمية في الراديو حيث تتخذ كل دولة رمزاً خاصاً لها يدل على محطة اذاعتها ، ويميز بينها وبين غيرها من المحطات ، وهكذا القرآن كان يتخذ من هذه الحروف رمزاً مخصوصاً لوجهه يستلقت به الأذهان لتستمع الى آياته المنزلة بوعي وانتباه ، ولا زالت هذه الهزة الوجدانية تعترى النابهين من المؤمنين كلما طرقت أسمائهم هذه الحروف الساحرة في تقاطيعها المطربة ، وانما كان يستعمل هذه الاشارة الحروفية في الحالات الخاصة التي تستدعي الاهتمام ، كما أنه ربما يباري الانسانية بموضوعه من دون مقدمة وتمهيد حتى بما التزم به من الاستهلال كجملة : بسم الله الرحمن الرحيم ، لأن الموضوع نفسه يستدعي المبادأة والمفاجأة كسورة (براءة) ، فالقرآن انما يجري في مفاتيح سورته مع الظروف المحيطة بتلك السور المباركة ، وان الحروف المقطعة من التأثير ما لا يخفى على السامع والواعي."^٣

وكذلك لمسنا لبعض الحروف دلالة صوتية معينة يتعاقبها في سلك بعض الألفاظ حتى عادت ذات وقع خاص على السمع ، وطبيعة مواتية في الحس من خلال ترادفها وتناظرها واحتشادها ، وسنختار منها ((الفاء)) العاطفة ، نظراً لاختيار المثل لها دون سواها في دلالته الصوتية كما يلي:
أولاً: الفاء في كل من ((اختلط)) و((أصبح)) في قوله تعالى:

١. القرآن ٤: من؛ الآية:

٢. الصوت اللغوي في القرآن ، ص ١٠٠

٣. من تفسير القرآن الكريم: بحث ، محمد جمال الهاشمي ، نقلاً عن: الصوت اللغوي في القرآن ، ص ٩٨

﴿ فَأَخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا ... ﴾^١

”فيها ترتيب وتعقيب يصك السمع في دلالة وقع الأمر دون حائل وبلا فاصل تعبيراً عن الخسران النهائي ، والحرمان المتواصل دفعة واحدة ، وهنا تلتقي الدلالة الصوتية بالدلالة الاجتماعية بما يستفاد من معنى لغوي.“^٢

ثانياً: ويتمثل هذا التوالي عاطفاً بالفاء دالاً على ”سرعة الايقاع ، وعدم الامهال ، بما يوحيه للسمع وللذهن كلاً غير منفصل“^٣ بقوله تعالى:

﴿ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ﴾^٤

”فلا حائل ولا زمن بين الاصابة والاحتراق ، اذ تختفي الحدود الزمنية فما هي الالحظات حتى تعود الجنة رميمًا بمحاجة الاصابة وشدة الاحتراق ونفاذ الأمر.“^٥

ثالثاً: وما يقال آنفاً يجري تطبيقه على كل من قوله تعالى:

﴿ فَأَصَابَهُ وَاِبِلٌ فَمَرَّكَهُ صَلْدًا ... ﴾^٦

وقوله تعالى:

﴿ فَإِنْ لَّمْ يُصِْبْهَا وَاِبِلٌ فَطَلٌّ ﴾^٧

”فوجود الفاء مكرورة على هذا النمط سواء أكان الحرف عاطفاً أم رابطاً فان له دخلاً كبيراً في الوقع الموسيقي على الأذن.“^٨

رابعاً: ويبلغ هذا الترتيب في التعاقب دورته بقوله تعالى:

﴿ فَأَزْرَهُ فَاسْتَعْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ ﴾^٩

”فالتوالي هنا زيادة على جرسه السمعي ليوحي الى النفس نقطة الانتهاء من حقيقة الأمر حتى عاد واقعاً دون شك مقترناً بالدلالة الايحائية في كشف تماسك هذه الجماعة وترابطها ، وكذا الزرع

١. القرآن ؛ س: الكهف ؛ الآية: ٤٥

٢. نظرية النقد العربي ؛ ص ٤٧

٣. المرجع نفسه

٤. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٦

٥. المرجع السابق

٦. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٤

٧. القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ٢٦٥

٨. نظرية النقد العربي ؛ ص ٤٨

٩. القرآن ؛ س: الفتح ؛ الآية: ٢٩

في شدة أسره ، وقوة تشابكه.^١

ويقول اليرافعي في حيثية الأصوات المفردة في كلمات القرآن: "تتألف كلماته من حروف لو سقط واحد منها أو أبدل بغيره أو أفجم معه حرف آخر ، لكان ذلك خللاً بيناً ، أو ضعفاً ظاهراً في نسق الوزن وجرس النغمة ، وفي حس السمع وذوق اللسان ، وفي انسجام العبارة وبراعة المخرج وتساند الحروف وافضاء بعضها الى بعض ، ولرايت لذلك هجئة في السمع ، كالذي تنكره من كل مرئي لم تقع أجزاءه على ترتيبها ، ولم تتفق على طبقاتها ، وخرج بعضها طويلاً وبعضها عرضاً ، وذهب ما بقي منها الى جهات متناكرة."^٢

البدء بواو القسم:

وننظر في ظاهرة أسلوبية أخرى من البيان المعجز ، وهي ظاهرة البدء بواو القسم في مثل آيات:

﴿ وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ ﴾^٣

﴿ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۝ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۝ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۝

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَىٰ ۝ ﴾^٤

﴿ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ ﴾^٥

﴿ وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ۝ فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۝ ﴾^٦

﴿ وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝ ﴾^٧

والأصل في الواو أن تأتي في درج الكلام للربط والعطف ، فاذا جاءت للقسم فان لها الصدارة ، في مقام التوثيق لما يسبق انكاره ، أو الاقرار والشهادة .

وهناك فائدة أخرى لهذه الواو ، وحتى تقول الدكتور عائشة بأنها ليست واو للقسم بل للفائدة أخرى: "وهذه غير واو القسم التي تستهل بها آيات قرآنية ذات عدد . دون أن يسبقها ما يدعو الى توثيق أو شهادة."^٨ وقد اتجه بها المفسرون ، أو جمهورهم فيما أعلم ، الى تعظيم المقسم به .

١ . نظرية النقد العربي ؛ ص ٤٨

٢ . اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢١٧

٣ . القرآن ؛ س: الضحى ؛ الآية: ١-٣

٤ . القرآن ؛ س: الليل ؛ الآية: ١-٤

٥ . القرآن ؛ س: النجم ؛ الآية: ١-٢

٦ . القرآن ؛ س: العاديات ؛ الآية: ١-٣

٧ . القرآن ؛ س: العصر ؛ الآية: ١-٢

٨ . الاعجاز البياني للقرآن ، ص ٢٢٦

ثم مضوا يلتمسون وجه العظمة في كل ما تلا الواو. وأكثر ما ذكروه من ذلك، يدخل في الحكمة وهي تختلف تماماً عن العظمة: "فما من شيء في الكون يُخلق عبثاً، وكل ما خلق الله، خلقه لحكمة ظاهرة لنا أو خفية علينا! أما العظمة فلا يهون القول بها لمجرد لمح وجه لظاهر الحكمة في المقسم به، بعد هذه الواو."^١

نلاحظ بادئ ذي بدء أن ظاهرة القسم بالواو، جاءت في مستهل السور مع: الضحى، والليل والفجر وليال عشر، والعصر، والتين والزيتون، والنجم إذا هوى، والعاديات ضبحاً، والنازعات غرقاً، والذاريات ذرواً، والصفات صفأ، والسما والطارق، والسما ذات البروج، والشمس وضحاها، والطور وكتاب مسطور.

وكلها سور مكية، ولم تأت سورة مدنية مبدوءة بهذه الواو. "فاذا كان القصد الى اعظامها، فما وجه ايثارها بهذا الاستهلال، وليس في القرآن كله، سورة مفتوحة بالواو مع اسم من أسماء الله الحسنى، ولا ريب في أن عظمته تعالى تتضاءل دونها عظمة مخلوقاته."^٢

تقول الدكتورة عائشة:

"والذي اطمأنت اليه بعد طويل التدبر لسياقها في الآيات المستهلة بالواو، هو أن هذه الواو قد خرجت عن أصل معناها اللغوي الأول في القسم للتعظيم، الى معنى بلاغي، هو اللفت باثارة بالغة الى حسيات مدركة لا تحتمل أن تكون موضع جدل ومماراه، توطئة ايضاحية لبيان معنويات يمارى فيها، أو تقرير غيبيات لا تقع في نطاق الحسيات والمدركات.

فالبيان القرآني في قسمه بالفجر وبالصبح إذا أسفر وإذا تنفس، وبالشمس وضحاها، والليل إذا يغشى والنهار إذا تجلى...

انما يجلو معاني من الهدى والحق أو الضلال والباطل، بماديات من النور والظلمة في مختلف درجاتهما.

وهذا البيان للمعنوي بالحسي، هو مدار استعمال البيان القرآني للظلمات والنور بمعنى الضلال والهدى."^٣

وهو الذي يمكن أن نعرضه على الآيات المستهلة بواو القسم، فتقبله دون تكلف في التأويل أو اعتساف الملحظ.

١. المرجع نفسه

٢. المرجع نفسه، ص ٢٢٨

٣. المرجع نفسه، ص ٢٣٠

ففي آيات الليل مثلاً:

﴿ وَاللَّيْلِ إِذَا يَحْشَىٰ ۚ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۚ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۚ
إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۚ ١

يقول فيها سيد قطب: "في اطار من مشاهد الكون وطبيعة الانسان تقرر السورة حقيقة العمل والجزاء. ولما كانت هذه الحقيقة متنوعة المظاهر... وكانت العاقبة كذلك في الآخرة مختلفة وفق العمل والوجهة... لما كانت مظاهر هذه الحقيقة ذات لونين، وذات اتجاهين.. كذلك كان الاطار المختار لها في مطلع السورة ذا لونين في الكون وفي النفس سواء... وهذا من بدائع التناسق في التعبير القرآني"^٢

وتقول الدكتورة عائشة:

"ذكروا فيها وجوه الحكمة في تعاقب الليل والنهار، وليس هنا مطلق الليل ومطلق النهار. واذ لم يتعلق البيان القرآني فيهما بغير الغشبية والتجلي، نلمح السر البياني فيما تلفت اليه الواو من تقابل واضح محسوس، بين غشبية الليل بظلامه وتجلي النهار بضياؤه.

ومثله في الوضوح الحسي المدرك، التفاوت بين خلق الذكر والأنثى.

توطئة ايضاحية لبيان تفاوت مماثل في معنويات لا تدرك بالحس: ((ان سعيكم لشتى))، وتفاوت أبعد، في غيبيات مما بين الآخرة والأولى، والجزاء والعقاب.

﴿ فَأَمَّا مَنْ أُعْطِيَ وَاتَّقَىٰ ۚ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۚ فَسَنِيبُهُ لِلسَّرَىٰ ۚ
وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ۚ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ۚ فَسَنِيبُهُ لِلْعُسْرَىٰ ۚ إِنَّ
عَلَيْنَا لِلْهُدَىٰ ۚ وَإِنَّ لَنَا لِلْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ۚ فَاذْرُتْكُمْ نَارًا تَلْظَىٰ ۚ لَا
يُصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ۚ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۚ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۚ الَّذِي
يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۚ ٣٤

كل هذه المتقابلات: المعنوي منها والغيبي: أعطى وبخل، اتقى واستغنى، صدق وكذب، اليسرى والعسرى، الآخرة والأولى، يصلها ويجنبها، الأشقى والأتقى...
يجلوها البيان المعجز بتوطئة موضحة لافتة الى التفاوت المادي الواضح المدرك في قوله تعالى:

١. القرآن؛ س: الليل؛ الآية: ١-٤

٢. في ظلال القرآن، س: الليل، الآية: ١-٢١، ص ١

٣. القرآن؛ س: الليل؛ الآية: ٥-١٦

٤. الاعجاز البياني للقرآن، ص ٢٣١

﴿ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ ۚ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۚ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۚ ۝
إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتَّىٰ ۝﴾^١

وفي آيات الضحى:

﴿ وَالضُّحَىٰ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝﴾^٢

يقول سيد قطب: "لقد أطلق التعبير جواً من الحنان اللطيف، والرحمة الوديدة، والرضى الشامل، والشجى الشفيف... فلما أراد اطاراً لهذا الحنان اللطيف، ولهذه الرحمة الوديدة، ولهذا الرضى الشامل، ولهذا الشجى الشفيف، جعل الاطار من الضحى الرائق، ومن الليل الساجي، أصفى آنين من آونة الليل والنهار. وأشف آنين تسري فيهما التأملات، وتتصل الروح بالوجود وخالق الوجود..."^٣

"الواو لافتة الى صورة مادية وواقع حسي، يشهد به الناس تألق الضوء في ضحوة النهار، ثم فتور الليل اذا سجي وسكن. وتتعاقب الظاهرتان الكونيتان كل يوم دون أن يكون في تواردهما ما يبعث على دهشة وانكار، بل دون أن يخطر على بال أحد أن السماء تخلت عن الأرض بأن أسلمتها الى وحشة الليل بعد تألق الضوء في ضحى اليوم نفسه.

فأي عجب في أن يجيء بعد أنس الوحي وتحلى نوره على المصطفى ﷺ، فترة سكون للوحي، على نحو ما نشهد من سجو الليل بعد تألق الضحى؟ وفيه القول، أو الظن بأن محمداً ودعه ربه وقلاه؟"^٤

ونتدبر كذلك، آية النجم:

﴿ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝﴾^٥

"اللفت بالواو الى ظاهرة كونية مشهودة، يراها الناس في النجم اذا هوى، فيلمحون على الأفق ما يبدو على مد البصر من اتصال السماء بالأرض بخيط من النور."^٦ "المراد من النجم أحواله الدالة على قدرة خالقه ومصرفه، ومن أعظم أحواله حال هويته وسقوطه... وقال — سبحانه — ﴿ صَاحِبُكُمْ ﴾ للإشارة الى ملازمته — ﷺ — لهم، طوال أربعين سنة قبل البعثة، وأنهم في تلك

١. القرآن؛ س: الليل؛ الآية: ١-٤

٢. القرآن؛ س: الضحى؛ الآية: ١-٣

٣. في ظلال القرآن؛ س: الضحى؛ الآيات ١-١١، ص ١-٢

٤. الاعجاز البياني للقرآن، ص ٢٣٢

٥. القرآن؛ س: النجم؛ الآية: ١-٢

٦. المرجع السابق

المدة الطويلة لم يشاهدوا منه الا الصدق ، والأمانة، والعقل الراجح ، والقول السديد ..^١ هذه ظاهرة كونية تتكرر على مرأى منهم ومشهد، فلا يجدون فيها ما هو موضع جدل أو انكار، ففيم العجب وفيم الممارسة والانكار للظاهرة الغيبية المماثلة ، اذ يتجلى نور الوحي من الأفق الأعلى ، فيدنو ويتدلى حتى يصل الى المصطفى على هذه الأرض؟

﴿ وَمَا يُنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۖ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۖ ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَىٰ ۖ وَهُوَ بِالْأفْقِ الْأَعْلَىٰ ۖ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۖ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۖ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۖ أَفْتُمَارُونَ ۗ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۗ ﴾^٢

وآيات العاديات:

﴿ وَالْعَدِيدِ صُبْحًا ۖ فَأَلْمُورِيتِ قَدْحًا ۖ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۖ فَأَأْتِرُنَّ بِهِ نَقْعًا ۖ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۗ ﴾^٣

يقول سيد قطب: ” انها خطوات المعركة على ما يألفه المخاطبون بالقرآن أول مرة .. والقسم بالخيل في هذا الاطار فيه احياء قوي بحب هذه الحركة والنشاط لها ، بعد الشعور بقيمتها في ميزان الله والتفاته سبحانه اليها! وذلك فوق تناسق المشهد مع المشاهد المقسم عليها والمعقب بها ... أما الذي يقسم الله — سبحانه — عليه فهو حقيقة في نفس الانسان ، حين يخوي قلبه من دوافع الايمان . حقيقة ينبهه القرآن اليها ، ليحند ارادته لكفاحها ، مذ كان الله يعلم عمق وشائجها في نفسه ، وثقل وقعها في كيانه“^٤

تقول الدكتورة عائشة:

”السورة تبدأ بالواو لافتة الى عهد لقوم من غارات الخيل الضبحة ، تجوهم على غير توقع فلا ينتبهون الا وقد توسطت الجمع فبعثرته وسط نفعها المثار . توطئة ايضاحية لصورة بيانية أخرى منذرة بغيب غير مشهود ولا مدرك ، يفجأ الانسان الكنود لربه ، بالبعث يأخذه على غير أهبة أو توقع ، فاذا الناس في حيرة وارتباك ، قد بُعثوا من القبور أشناتاً كالفراس المبتوث أو الجراد المنتشر ، واذا كل ما في صدورهم قد حُصل ، لم تغلت منه خافية مضمرة في طي الصدور“^٥

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س:النجم ؛ الآية: ١، ص ٢

٢. القرآن ؛ س:النجم ؛ الآية: ٣-١٢

٣. القرآن ؛ س:العاديات ؛ الآيات: ١-٥

٤. في ظلال القرآن ؛ س:العاديات ؛ الآية ١-٥، ص ١

٥. الاعجاز البياني للقرآن ، ص ٢٣٣

وهذه الصورة البيانية هي في قوله تعالى:

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ • وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَلِكَ لَشَهِيدٌ • وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ • أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ مَا فِي الْقُبُورِ • وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ • إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ •﴾^١

وآيات العصر التالية:

﴿وَالْعَصْرِ • إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ • إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ •﴾^٢

يقول طنطاوي: "فالعصر مثل الدهر .. وأقسم به — سبحانه — لما فيه من التنبيه بتصريف الأحوال وتبدلها."^٣

ويقول سيد قطب: "والحقيقة الضخمة التي تقررها هذه السورة بمجموعها هي هذه: انه على امتداد الزمان في جميع الأعصار، وامتداد الانسان في جميع الأدهار، ليس هنالك الا منهج واحد رابع، وطريق واحد ناج. هو ذلك المنهج الذي ترسم السورة حدوده، وهو هذا الطريق الذي تصف السورة معالمه . وكل ما وراء ذلك ضياع وخسار..^٤"

وجمال هذا التعبير في أن "الواو في موضعها الذي تطرد به الظاهرة الأسلوبية في اللفت الى ابتلاء الانسان بالزمن يعصره ويصهره بالضغط والمعاناة... توطئة ايضاحية لبيان ما يستخلص العصر من عصارة هذا الانسان، وما يبلو من طاقته ويصهر من معدنه، كاشفاً عن خيره أو شره . فيكون الخسر أو النجاة."^٥

وعن جمال هذا الأسلوب المبدع يقول الدكتورة عائشة:

"وقوة اللفت في مثل هذا الأسلوب تأتي من العدول بالواو عن موضعها المؤلف في درج الكلام، فتثير أقصى التنبه.

ولعل السلف الصالح من المفسرين، ما فاتهم هذا الملحظ البياني الا لأن علماء البلاغة قد عرفوا خروج الخبر والاستفهام والأمر والنهي عن معانيها الأولى في أصل اللغة، التي معان بلاغية نصوا عليها في كتب البلاغة المدرسية . ثم لم يشيروا الى

١. القرآن؛ س: العاديات؛ الآيات:

٢. القرآن؛ س: العصر؛ الآية: ١-٣

٣. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: العصر؛ الآية: ١

٤. في ظلال القرآن؛ س: العصر؛ الآية: ١، ص ١

٥. الاعجاز البياني للقرآن، ص ٢٣٣

خروج القسم عن معناه الأول. فكان ما كان من اعتساف التأويل للآيات المبدوءة
بواو القسم، لتظل كما أراد لها علماء البلاغة، على أصل معناها اللغوي، لا تخرج
عنه إلى معنى بلاغي.^١

فصوت الواو في هذا الأسلوب له إحياء خاص بطلب التوجه إلى ما يأتي بعده.

الفصل الثالث

التناسق الصوتي على مستوى اللفظ المفرد
والتركيب

أول ما يلفت الانتباه هو ان القرآن الكريم قد خلا من التنافر في بنية كلماته ، فأصواته كلها قامت على الائتلاف . هذا من جانب ، ومن جانب آخر فقد سجلت كلمات القرآن الكريم قمة التناسق بين أصواتها والمعاني المرادة لها، وهذا هو الجديد في الصوت القرآني: أن يوظف الصوت المفرد داخل الكلمة لخدمة المعنى المقصود.

ولا شك أن استقلالية أية كلمة بحروف معينة "يكسبها صوتياً ذائقة سمعية منفردة ، تختلف — دون شك — عما سواها من الكلمات التي تؤدي المعنى نفسه ، مما يجعل كلمة ما دون كلمة — وان اتحدا بالمعنى — لها استقلاليته الصوتية ، اما في الصدى المؤثر ، واما في البعد الصوتي الخاص ، واما بتكثيف المعنى بزيادة المبنى ، واما باقبال العاطفة ، فهي حيناً تصك السمع ، وحيناً تهيب النفس ، وحيناً تضفي صيغة التأثير: فرعاً من شيء أو توجهاً لشيء ، أو رغبة في شيء"^١

استعمل القرآن طائفة من الألفاظ ، تم اختيار أصواتها بما يتناسب مع أصداؤها ، واستوحى دلالتها من جنس صياغتها ، فكانت دالة على ذاتها بذاتها ، فالفرع مثلاً والشدة ، والهدية ، والاشتباك ، والخصام ، والعنف ، دلائل هادرة بالفرع الهائل والمناخ القاتل.

وهذا المناخ الحافل تضفيه الدلالة الصوتية ، ونماذجها من المقال القرآني تتجلى مختارة منه ، وحروف صاحبت بعض الكلمات ، فعاد لهما الوقع الخاص من النفس ، بما لا تعطيه كلمة أخرى ، مقارنة للمعنى ، أو لا تفرغه صيغة مماثلة من التركيب.

"وهذا باب متسع بحدود في دلالة الألفاظ المثل الصوتية ، وأثرها في السمع وجلجلتها في الحس ، هدوءاً وإثارة ، وقد يستوعب جملة من ألفاظه في الجرس والنعمة والصدى والايقاع"^٢ ، بيد أنني سأحاول عرض أظهرها من خلال بعض الأمثلة:

الكلمة ((متشاكسون)) في قوله تعالى:

﴿ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ ﴾^٣

١. نظرية النقد العربي ، ص ٤٤-٤٥

٢. المرجع نفسه ، ص ٤٥

٣. القرآن ٤: س: الزمر ٤ الآية: ٢٩

يقول طنطاوي: "وقوله ﴿مُتَشَاكِسُونَ﴾ من الشاكس بمعنى التنازع والتخاصم وسوء الخلق ... ان مثل المشرك الذي يعبد آلهة متعددة ، كمثل عبد مملوك لجماعة متشاكسين متنازعة لسوء أخلاقهم وطباعهم ، وهذا العبد موزع وممزق بينهم" ^١ ويقول ابن عاشور: "والتشاكس: شدة الاختلاف" ^٢

وفي المفردات: "شركاء متشاكسون: أي: متشاجرون لشكاسة خلقهم." ^٣

"تعتبر لغة عن المخاصمة والعناد والجدل في أخذ ورد لا يستقران ، وقد تعطي بعض معناها الكلمة ((متخاصمون)) ولكن المثل لم يستعملها حفاظاً على الدلالة الصوتية التي جمعت في الكلمة حروف الأسنان والشفة في التاء والشين والسين تعاقبان ، تتخللها الكاف ، فأعطت هذه الحروف مجتمعة نغماً موسيقياً خاصاً حملها أكثر من معنى الخصوصية والجدل والنقاش بما أكسبها من أزيز في الأذن يبلغ السامع الى أن الخصام قد بلغ درجة الفورة والعنف من جهة ، كم أحاطه بهجس مهموس خاص يؤثر في الحس والوجدان من جهة أخرى." ^٤

والكلمة ((أوهن)) من قوله تعالى:

﴿وَإِنْ أُوْهِنَ الْبُيُوتُ لَبِيتُ الْعُنْكُبُوتِ﴾ ^٥

قال الراغب: "الوهن: ضعف من حيث الخلق" ^٦

تعطي معنى الضعف ، وقد تحقق هذا المعنى كلمة ((أوهى)) ولكن المثل استعملها دون سواها لما يعطيه ضم حروف الحلق وأقصى الحلق على النون من التصاق وانطباق وغنة لا تتأتى بضم الألف المقصورة إليها ، حينئذ تصل الكلمة الى السمع وهي تحمل لوناً باهتاً مؤكداً بضم هذه النون الى تلك الحروف لتحدث وقعاً يشعر بالضعف المتناهي لا مجرد الضعف وحده. ^٧

والكلمة ((كَلُّ)) من قوله تعالى:

﴿وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ ...﴾ ^٨

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الزمر ؛ الآية: ٢٩ ، ص ١
٢. التحرير والتنوير ؛ س: الزمر ؛ الآية: ٢٩ ، ص ٢
٣. المفردات في غريب القرآن ؛ كتاب الشين ، ص (شعلط - شكا) على الموقع
٤. نظرية النقد العربي ، ص ٤٥
٥. القرآن ؛ س: العنكبوت ؛ الآية: ٤١
٦. المفردات في غريب القرآن ؛ كتاب الواو ، ص (وفد - ويل)
٧. نظرية النقد العربي ، ص ٤٦
٨. القرآن ؛ س: النحل ؛ الآية: ٧٦

يقول القرطبي: "أي ثقل على وليه وقرابته، ووبال على صاحبه" ^١ وقال طنطاوي: "حمل ثقيل، وهم كبير على مولاه الذي يتولى شئونه من طعام وشراب وكساء وغير ذلك. وهذا بيان لعدم قدرته على القيام بمصالح نفسه، بعد بيان عدم قدرته على القيام بفعل أي شيء على الإطلاق." ^٢

ويقول الدكتور محمد حسين الصغير "فانها توحى عادة بمعنى العالة، ولكن المثل استعملها دون سواها لإضاءة المعنى بما فيها من غلظة وشدة وثقل، لهذا الصدى الخاص المتولد بأطباق اللسان على الالهة في ضم الكاف الى اللام المشددة. وما ينجم عن ذلك من رنة في النفس، ووقع على السمع، من وراء ذلك بأن هذا العبد شؤم لا خير معه وبهيمة لا أمل باصلاحه، فهو عالة عادة بل هو ((كل)) وكفى." ^٣

ومثل ذلك كلمة ((عتل)) في قوله تعالى:

﴿عُتِلَ بَعْدَ ذَلِكَ زَيْنِمْ﴾ ^٤

يقول سيد قطب في صفة الصوتية للكلمة ((عتل)) بأنها لعبت دورها في تمثيل الغليظ الجافي المتنطع. فيقول: "وهي لفظة تعبر بحرسها وظلها عن مجموعة من الصفات ومجموعة من السمات، لا تبلغها مجموعة من ألفاظ وصفات. فقد يقال: ان العتل هو الغليظ والجافي. وانه الأكل الشروب. وانه الشره المنوع. وانه الفظ في طبعه، اللقيم في نفسه، السيء في معاملته... ولكن تبقى كلمة [عتل] بذاتها أدل على كل هذا، وأبلغ تصويراً للشخصية الكريهة من جميع الوجوه." ^٥

والكلمة ((صر)) في قوله تعالى:

﴿كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ﴾ ^٦

"والصر: البرد الشديد المميت لكل زرع أو ورق يهب عليه فيتركه كالمحترق" ^٧ انها كلمة لا يسد غيرها مسدها في المعجم بهذه الدلالة الصوتية الخاصة لما تحمله من وقع تصطك به الأسنان، ويشتد معه اللسان، فالصا الصارخة مع الرء المضعفة قد ولدتا جرساً يضفي صيغة

١. الجامع لأحكام القرآن، القرطبي، س: النحل؛ الآية: ٧٦.

٢. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: النحل؛ الآية: ٧٦، ص ٤

٣. نظرية النقد العربي، ص ٤٦

٤. القرآن؛ س: القلم؛ الآية: ١٣

٥. في ظلال القرآن، س: القلم؛ الآية: ١٣، ص ١٧

٦. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ١١٧

٧. التحرير والتنوير، س: آل عمران؛ الآية: ١١٧

الفرع ، وصورة الرهبة ، فلا الدفء يستنزل ، ولا الوقابة تتجمع ، بما يزلزل وقعه كيان الانسان.^١
ويقول سيد قطب عن النفوذ الصوتي لكلمة الصر: "فاذا نحن أمام حقل قد تهيأ للاحصاب. فهو
حرث. ثم اذا العاصفة تهب. انها عاصفة باردة ثلجة محرقة! تحرق هذا الحرث بما فيها من صر.
واللفظة ذاتها كأنها مقذوف يلقي بعنف ، فيصور معناه بجرسه النفاذ. واذا الحرث كله مدمر
خراب!" فكان هذا البيان تركز حول هذه الكلمة.^٢

ومثل ذلك كلمة ((الدع)) في قوله تعالى:

﴿يَوْمَ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَاً﴾^٣

فالدع: "الدفع في الظهور. وهي حركة غليظة تليق بالخائضين اللاعبين ، الذين لا يجدون ، ولا
يتتهون الى ما يجري حولهم الأمور."^٤

"لفظ الدع يصور مدلوله بجرسه وظله جميعاً."^٥

والكلمة ((تمسه)) في قوله تعالى:

﴿وَلَوْلَمْ تَمْسُسْهُ نَارٌ﴾^٦

يقول الدكتور الصغير عن قوله ((تمسه)): "لها أزيزها الحالم ، وصوتها المهموس ، ونغمها
الرفيق ، نتيجة لالتقاء حرفي السين متجاورين بما لا نحققه كلمة أخرى تؤدي نفس المعنى ،
ولكنها لا تؤدي هذه الدلالة الصوتية التي وفرتها هذه الكلمة برقة وبساطة."^٧

وهنا أكتفي بهذه الأمثلة ، وفي الفصل التالي يأتي المزيد من الأمثلة في هذا موضوع.

١. نظرية النقد العربي ، ص ٦٤

٢. في ظلال القرآن ، س: آل عمران ؛ الآية: ١١٧ ، ص ٢٣

٣. القرآن ؛ س: الطور ؛ الآية: ١٣

٤. المرجع السابق ، س: الطور ؛ الآية: ١٣ ، ص ٦

٥. التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٩

٦. القرآن ؛ س: النور ؛ الآية: ٣٥

٧. نظرية النقد العربي ، ص ٤٧

الفصل الرابع

البناء الصوتي للمفردة القرآنية

انماز القرآن ببناؤه الصوتي الذي لا يقترب منه في خصائصه بناء أبداً، و"لعل الأساس في بناء القرآن الصوتي أنه غير قائم على نظام (الحركة والسكون) في قالب جاهز كما هو معروف في الشعر (عمودياً وحرراً)"^١، الأمر الذي لا يستلزم فرض قالب صوتي قد لا يكون موافقاً للموقف

الذي يُصوّر، أو الصورة التي تُرسم، والذي يهمنا هنا أن:

"القرآن لما كان منمازاً عن الشعر وقوانينه فإنه لم يقع أسير التوحد الشكلي في اختيار المفردة التي تنهي عبارته والتي تفرض نفسها — أي القافية — تفرض نفسها شكلاً لازماً في نهاية كل عبارة في الشعر مما يعني: أن الاختيار مشروط أساساً كصيغة تشكيلية تحقق تنغيماً معيناً كثيراً ما يكون على حساب الأداء الدلالي للمفردة في الحد الأدنى من السلبية؛ إذ قد يتحكم هذا الاختيار المشروط بالفكرة أو الصورة كلياً مما سيعني في كل الأحوال قصوراً في الايصال والتصوير لما يراد الاخبار عنه أو تصويره وعلى الرغم من هذا كله فإن القرآن ما كان تاركاً أسلوباً مثل هذا — التأثير الصوتي — دون الافادة التامة من خصائصه التأثيرية والجمالية؛ لذلك نجد أن الفاصلة تتكرر غالباً وعلى امتداد السورة، ولا تخرج عن التوحد الصوتي أو الشكلي الا في مواضع قليلة لأن القرآن لم يشترط لنفسه شروطاً في التعبير قد تكون حائلاً بينه وبين الدقة في الدلالة والمعنى؛ لذلك ظهرت المفردة القرآنية مستعملة في نمطية غريبة ما اعتادتها الأذن العربية"^٢

لذلك أصبح الدكتور أبو عائشة مضطراً لتعريف المفردة القرآنية بأنها: "الشكل الدلالي الوحيد الصالح — بأفضل أداء صوتي ممكن — للتعبير عن كل أغراض السياق."^٣

فقد عني القرآن بالجرس والايقاع عنايته بالمعنى وهو لذلك يتخير الألفاظ على أساس من تحقيق الموسيقى المتسقة مع جو الآية وجو السياق بل جو السورة كلها في كثير من الأحيان وبخاصة تلك السور القصار التي حُفِلَ بها العهد المكي... لتأكيد أصول العقيدة: من الايمان

١. الأسباب الصوتية لاختيار المفردة القرآنية، الدكتور أبو عائشة عامر مهدي صالح العلواني (أستاذ البلاغة

والنقد في كلية التربية، جامعة الأنبار)، نشر مقاله على الشبكة على الموقع

<http://tafsir.net/vb/showthread.php?t=2361>

٢. المرجع نفسه

٣. المرجع نفسه

بالله وتوحيده.

هذه السور التي ما أن سمع بعضها الوليد بن المغيرة حتى قال قولته المشهورة: "والله لقد سمعت منه كلاماً ما هو من كلام الانس ولا من كلام الجن، وان له لحلاوة، وان عليه لطلاوة، وان أعلاه لمثمر، وان أسفله لمغدق، وانه ليعلو ولا يعلو عليه"^١

فما هي الطلاوة التي فيه اذا كانت حلاوته ومعانيه ودلالاته انها نابعة من الألفاظ "من حيث هي أصوات أثر موسيقي خاص يوحي الى السمع بتأثيرات مستقلة تمام الاستقلال عن تأثيرات المعنى وعن مجرد كون اللفظ رقيقاً وغير رقيق، ونرى الشعراء في العادة يتجنبون طائفة من الألفاظ التي لا يستطيعون أن يستسيغوها"^٢

وقد أشار الدكتور ابراهيم أنيس الى هذا النوع من الدلالة التي تستمد من طبيعة الأصوات والتي يُسميها علم اللغة الحديث (الدلالة الصوتية) أو (رمزية الألفاظ) كما سماها (أتو جسبرسن)^٣

لأن لكل كلمة "ذائقة سمعية — تكسيها من استقلالها بحروف معينة — قد تختلف عما سواها من الكلمات التي تؤدي نفس المعنى مما يجعل الكلمة المختارة مؤثرة أكثر من الأخرى — وان اتحدت معها بالمعنى — بما تضيفه الدلالة الصوتية التي تتجلى بكلمات مختارة"^٤

هذه الظاهرة واضحة "جد الوضوح في القرآن وعميقة كل العمق في بنائه الفني الا أن حديثهم عنها لم يتجاوز ذلك الايقاع الظاهري ولم يرتق الى ادراك التعدد في الأساليب الموسيقية وتناسق ذلك كله مع الجو الذي تطلق فيه هذه الموسيقى ووظيفتها التي تؤديها في كل سياق"^٥

فهذه الألفاظ "ينظر فيه تارة حيث هي أبنية صوتية مادتها الحروف وصورتها الحركات والسكنات من غير نظر الى دلالتها... وتارة من حيث هي أداة لتصوير المعاني ونقلها من نفس المتكلم الى نفس المخاطب بها... ولا شك أنها هي أعظم الناحيتين أثراً في الاعجاز اللغوي الذي نحن بصده اذ اللغات تتفاضل من حيث هي بيان أكثر من تفاضلها من حيث هي أجراس وأنغام"^٦

وكل هذا ليس الا صورة أخرى لما قاله الرافعي حين جعل الكلمة ثلاثة أصوات هي: صوت النفس والذي عرفه بأنه: الصوت الموسيقي الذي يتكون من تأليف حروف الكلمة واجتماعها

١. الجامع لأحكام القرآن، من: المدثر؛ الآيات: ١٨، ص ١

٢. الأسباب الصوتية لاختيار المفردة القرآنية

٣. دلالة الألفاظ ص ٦٨، ٧٠

٤. الصورة الفنية في المثل القرآني؛ للدكتور محمد حسين على الصغير، دار المؤرخ العربي، ص ٢٣٨

٥. التصوير الفني في القرآن، ص ٧٣

٦. النبأ العظيم، محمد عبدالله دراز، مؤسسة الرسالة للطباعة، ط ١، ص ١٠٦

ومخارجها وحركاتها ومداتها وغنائها ... وصوت العقل وهو الصوت المعنوي الذي يختص
بمعنى الكلمة (دالتها) ومخاطبتها للعقل وصوت الحس: الذي هو اجتماع ايقاع حروف
الكلمة وروعة معانيها ، أو هو اجتماع صوت النفس وصوت العقل وعلى مقدار ما يكون في
الكلام البليغ من هذا الصوت يكون فيه من روح البلاغة وصوت الحس هذا هو روح الاعجاز
في القرآن الكريم^١

ولاختيار المفردات القرآنية قياسات التالية:

تختار المفردة لكونها معبرة عن مدلولها بحرسها، وذلك من خلال الخواص التالية :

(١) بنية المفردة:

قد تختار المفردة القرآنية لبنيتها الصرفية ، فقد اقترنت بعض الأوزان الصرفية بدلالات خاصة من
”ذلك أنك تجد المصادر الرباعية المضعفة تأتي للتكرير؛ نحو الزعزعة والقلقلة والصلصلة
والقعقعة ، والصعصعة ، والجرجرة ، والقرقرة . ووجدت أيضاً الفَعْلَى في المصادر والصفات
انما تأتي للسرعة ؛ نحو البشكى والجمزى والولقى ... فجعلوا المثال المكرر للمعنى المكرر
أعني باب القلقله والمثال الذي توالى حركاته للأفعال التي توالى الحركات فيها“^٢ والتي
”تتميز عن الثلاثي الأصلي بزيادة مقطع يضخم حجم الفعل ليقوي طاقة التعبير بحكاية أصوات
الشيء أو تصوير حركته أو نوره أو أثره في النفس بالأصوات فهو بذلك متميز بإيقاع ذاتي“^٣
وهذا ما سمي بـ ”التنسيق المتصل في التكرير المعجل“^٤ قال تعالى:

﴿ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴾^٥

سميت هكذا لتكرر حلقاتها وتتابعها ”تسلسل الشيء اضطرب كأنه تُصور منه تسلسل متردد،
فردد لفظه تنبيهاً على تردد معناه ومنه السلسلة ... وماء سلسل متردد في مقره حتى صفا...“^٦
قال تعالى:

﴿ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّى سَلْسِيلًا ﴾^٧

١. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢٢١
٢. الخصائص باب (امساس الألفاظ أشباه المعاني) ص ١٥٦
٣. الجامع في فقه اللغة العربية ؛ هنري فليش ، دار المشرق ؛ ط ٢؛ ١٩٩٠م ، ج ٢ ص ٤٢٦-٤٤٦
٤. دليل الدراسات الأسلوبية، ميشال جوزيف شريم، المؤسسة الجامعية للدراسات بيروت، ١٩٨٤، ص ٩١-٩٢
٥. القرآن ؛ س: الحاققة ؛ الآية: ٣٢
٦. المفردات في غريب القرآن ، كتاب السين ، ص (سكب - سما)
٧. القرآن ؛ س: الانسان ؛ الآية: ١٨

”أي سهلاً لذيداً سلساً حديد الجرية“^١ وقال تعالى:

﴿ رِيحٌ صَرْصِرٌ عَائِيَةٌ ﴾^٢

”قال الليث: صرّ الجندبُ صريراً. وصر الباب يصرّ؛ وكل صوت شبه ذلك فهو صرير إذا امتدّ، فإذا كان فيه تخفيف وترجيع في إعادة ضوعف. كقولك: صرصر الأخطب صرصرة“^٣ وجاء في الخصائص: ”قال الخليل كأنهم توهموا في صوت الجندب استطالة ومداً، فقالوا صرّ وتوهموا في صوت البازي تقطيعاً فقالوا: صرصر“^٤ وقال تعالى:

﴿ مِنْ شَرِّ أَلْوَسَاسِ الْخَنَاسِ • الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ • ﴾^٥

فـ ”لما كانت الوسوسة كلاماً يكرره الموسوس ويؤكدّه عند من يلقيه كرروا لفظها بأزاء تكرير معناها فقالوا: (وسوس وسوسة) فراعوا تكرير اللفظ ليفهم منه تكرير مسماه... وقد علم بهذا أن من جعل هذا الرباعي بمعنى الثلاثي المضاعف لم يُصب لأن الثلاثي لا يدل على تكرار بخلاف الرباعي المكرر. فتأمله فانه مطابق للقاعدة العربية في الحدو بالألفاظ حدو المعاني..“^٦ وبهذا يرى التوظيف الدقيق للصوت في خدمة المعنى بالاضافة الى ما يحققه من جمال صوتي، وقد تنبه الرافعي الى هذا الجمال الذي تحققه البنية القرآنية ذاكراً أن ما يوجد في القرآن من كلمات طويلة تتسم بأنها من ”الألفاظ المركبة التي ترجع عند تجريدتها من المزيادات الى الأصول الثلاثية أو الرباعية، أما أن تكون اللفظة خماسية الأصول فهذا لم يرد منه في القرآن شيء، لأنه مما لا وجه للعدوية فيه الا ما كان من اسم غرّب ولم يكن في الأصل عربياً: كإبراهيم وإسماعيل... ولا يحيى به مع ذلك الا أن يتخلله المدّ... فتخرج الكلمة وكأنها كلمتان.“^٧

-
١. المفردات في غريب القرآن، كتاب السمين، ص(سكب - سما)
 ٢. القرآن؛ س: الحاقة؛ الآية: ٦
 ٣. تهذيب اللغة، الأزهرى، ص ١٦٧٩ على العنوان <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=3134&page=1>
 ٤. الخصائص، باب (امساس الألفاظ أشباه المعاني) ص ١٥٦
 ٥. القرآن؛ س: الناس؛ الآيات: ٤-٥
 ٦. تفسير المعوذتين، ابن القيم الحوزية، تحقيق سيد إبراهيم، دار الحديث، ص ٦٣.
 ٧. بدائع الفوائد، ابن القيم، تحقيق عدنان درويش محمدا الاسكندراني، دارالكتاب العربي، ط ١، ج ٢ ص ٢٥١
 ٧. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، ص ٢٢٩

ب) صفات حروفها:

تكاد تطرد آراء الباحثين على أن من الألفاظ ما هو مصور لمعناه بحرس حروفه ولعل أهم ما يتبادر الى الذهن كمؤثر صوتي هو اختلاف المفردات بصوت واحد يكون مهموساً في أحدهما مجهوراً في أخرى لذلك نرى القرآن يعدل عن احدهما الى الأخرى بحسب حاجة السياق أو الصورة التي تُرسم كما في استخدامه تعالى لكلمة (نضخ) بدلاً من (نضح) وكلاهما كان يعني خروج الماء. فقال تعالى:

﴿فِيهِمَا عَيْنَانِ نَضَّخَتَا﴾^١

يقول الدكتور ابراهيم السامرائي: "والنضخ أكثر من النضح، لأن النضح غير معجمة"^٢ وهذه من فوائد الابدال الصوتي في العربية ومثل هذا الهدير والهديل"^٣ ولفظة (تنضخ) التي تعبر عن فوران السائل في قوة وعنف، واذا قورنت بنظيرتها (تنضح) التي تدل على تسرب السائل في تؤدة وبطء، فسوف يتبين لنا أن صوت الخاء في الأولى له دخل في دلالتها^٤ لأن "الأصوات الفخمة القوية تؤتي المواقف القوية"^٥

وهذا الأسلوب كثير في كلام العرب اذ يتغير المعنى بتغير صوت من أصوات لفظه كما ذكر ابن جنبي في التفرقة بين (خضم) و(قضم) اذ يستخدم الصوت الأقوى غالباً للدلالة على المعنى الأقوى، وعلل هذا الاختيار بأنه كان "حذواً لمسموع الأصوات على محسوس الأحداث."^٦

كتب ابن جنبي في الخصائص عن هذا حيث وجهه صوتياً في تعليل الفرق بين (قط) و(قد) فقال: "(قط الشيء) اذا قطعه عرضاً و((قده)) اذا قطعه طولاً، وذلك لأن منقطع الطاء أقصر مدة من منقطع الدال وكذلك قالوا: ((مدّ الجبل)) و((مت اليه بقراءة)) فجعلوا الدال — لأنها مجهورة — لما فيه علاج، وجعلوا التاء — لأنها مهموسة — لما لا علاج فيه"^٧ جرياً منهم في جعل "الصوت الأقوى للفعل الأقوى والصوت الأضعف للفعل الأضعف"^٨ بل ان القيمة الصوتية

١. القرآن؛ س: الرحمن؛ الآية: ٦٦

٢. الكشاف؛ س: الرحمن؛ الآية: ٦٦

٣. من بديع لغة التنزيل، الدكتور ابراهيم السامرائي، دارالفرقان - عمان، ١٩٨٤، ص ٢٨٧

٤. ينظر دلالة الألفاظ ص ٤٦

٥. ينظر: بحوث لسانية، نعيم علوية، ط ١، المؤسسة الجامعية للدراسات والنشر والتوزيع-لبنان، ص ١٣

٦. الخصائص، باب امساس الألفاظ أشباه المعاني، ص ١٥٨

٧. الخصائص؛ باب: علل العربية كلامية هي أم فقهية؛ ص ١٨؛ وينظر: جرس الألفاظ ودلالاتها في البحث

البلاغي والنقدي عند العرب؛ د. ماهر مهدي هلال، وزارة الثقافة والاعلام، بغداد ١٩٨٠ ص ٢٩٣

٨. نفس المرجع

للحرف لا تتحدد في جرسه فقط بل حتى باقترانه مع الأصوات المجاورة في اللفظة كما في قوله تعالى:

﴿ الْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝^١ ﴾

فهذه اللفظة المعبرة عن الشدة والقوة انما تم لها ذلك من طبيعة أصواتها ف"العين لا تأتلف مع الهاء الا اذا كانتا مفصولتين مثل هرع وهلع وهطع أو تقدمت العين على الهاء"^٢ كما في الآية الكريمة "فلو لم تتقدم العين على الهاء لم تأتلفا ، وذلك لثقلهما معاً مما يناسب سياق السورة الدال على القوة والشدة."^٣ وفي القرآن "كلمات شديدة الإيحاء قوية البعث لم تتضمنه من المعاني وهناك عدد كبير من ألفاظ تصور بحروفها"^٤ قال تعالى:

﴿ يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ ۝ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝^٥ ﴾

"والفراش هو الجراد الذي ينفرش ويركب بعضه بعضاً... والمبثوث المتفرق في الجهات كأنه محمول على الذهاب فيها والبث التفريق... فالفراش اذا ثار لم يتجه الى جهة واحدة"^٦ بل يتطاير من كل جانب^٧ فهو مبثوث وقد انتهت كلمة الفراش وكلمة المنفوش بالشين كما انتهت كلمة المبثوث بالشاء ، والشين والشاء من حروف التنفسي والانتشار ولطالما تلمس (صاحب الظلال) هذا الأمر وقد كان "أفضل من فصل ما بين جرس اللفظ وظله والذي كثيراً ما تصور أنه واحد لأن الجرس خاص بالصوت والموسيقى أما الظل فهو استدعاء صورة المدلول الحسي"^٨

من ذلك ما اشتقه القرآن ليوم القيامة من أوصاف (الصاخة) و(الطامة) فالصاخة لفظة تكاد تحرق صماخ الأذن في ثقلها وعنف جرسها... وضع هذه الألفاظ بجوار ذلك اللفظ المشرق الرشيقي (تنفس) في قوله تعالى: ﴿ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝^٩ ﴾ تجدد الاعجاز في اختيار الألفاظ

-
١. القرآن ؛ س: القارعة ؛ الآية: ١-٢
 ٢. عبقرى من البصرة ؛ د. مهدي المخزومي ؛ ص ١٤٣ ؛ وزارة الاعلام العراقية ؛ ١٩٧٢
 ٣. الأسباب الصوتية لاختيار المفردة القرآنية
 ٤. من بلاغة القرآن ، أحمد أحمد بدوي ، دار النهضة القاهرة ، ص ٦٩
 ٥. القرآن ؛ س: القارعة ؛ الآيات: ٤-٥
 ٦. مجمع البيان س: القارعة ؛ الآية: ٤ ، ص ١
 ٧. ينظر: تفسير من نسمات القرآن ، غسان حمدون ، ٦٥٤ ، دار السلام ، ط ٢ ، ١٤٠٧ هـ - ١٩٨٦ م
 ٨. البيان في اعجاز القرآن ، د. صلاح عبد الفتاح الخالدي ، ص ١٩٥ ، نقلاً عن الأسباب الصوتية
 ٩. القرآن ؛ س: التكوير ؛ الآية: ١٨

لمواضعها ونهوض هذه الألفاظ برسم الصور على اختلافها^١ فهي ملائمة تماماً لركة الصبح ويبدو ذلك في همس التاء والسين وذلاقة النون والفاء فاللفظة موحية بدلالاتها وجرسها وظلها على هذه اليقظة التي شملت الطبيعة.. وقد فَرَّقَ ما بين قوله تعالى: ﴿إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ﴾ وقوله تعالى: ﴿وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا﴾ في الآية القرآنية:

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا...﴾^٢

وانما اختيرت لفظة ﴿انشُزُوا﴾ وجرسها الذي يدل على حركة القيام لأن الزاي أقوى من السين والسين أقوى من الفاء..^٣ وقد يماً لاحظ ابن جني "أن اختلاف الحرف الواحد في اللفظتين أو الحرفين.. يؤدي الى اختلاف دقيق في المعنى المراد من اللفظ وان دقة المعنى تتفق مع جرس الحرف المختار، فكان هناك اختياراً مقصوداً للصوت ليؤدي المعنى المغاير لما يؤديه الصوت الآخر واعتبر أن فيه وجهاً للحكمة المعجزة للدلالة على قوة الصنع"^٤

ج) حال الحروف لحال السياق:

قد تكون المفردة ثقيلة من حيث بنيتها أو طبيعة أصواتها في غير سياقها غير أن علاقتها مع ما قبلها أو بعدها تجعل المفردة هي الأنسب في الاختيار داخل سياقها من ذلك قوله تعالى:

﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝ أَلَكُمُ الذَّكْرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذْ قَسَمَ ضِيزَى ۝﴾^٥

وقد تعجب الراجعي من "نظم هذه الكلمة الغريبة والتلافه على ما قبلها؛ اذ هي مقطعان أحدهما مدّ ثقيل، والآخر مدّ خفيف، وقد جاءت عقب غنتين في ((إذْ)) و ((قَسَمَ)) واحداهما خفيفة حادة، والأخرى ثقيلة متفشية، فكانها بذلك ليست الا مجاورة صوتية لتقطيع موسيقي"^٦

فأية لفظة أخرى لها عين مفهومها في اللغة مثل ظالمة أو جائرة لا توفي المعنى المراد ايفاء تلك

١. ينظر: التصوير الفني ص ٧٨-٧٩

٢. القرآن ٤ س: المحادلة ٤ الآية: ١١

٣. الأسباب الصوتية لاختيار المفردة القرآنية

٤. المرجع نفسه

٥. القرآن ٤ س: النجم ٤ الآية: ١٩-٢٢

٦. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، ص ٢٣٠

اللفظة القرآنية ... من ثقل حرف الضاد المستعلي المفخم وإيحاء المدين المتقابلين الى أسفل والى أعلى أعني الياء والألف. والذي رأى الرافعي في جرسهما ما يشبه حال المتهكم المستغرب حين يميل يده ورأسه^١ على أن هذا لا يعني أن "كلمة ﴿الأخرى﴾ و كلمة ﴿اذن﴾ زائدتان لمجرد القافية أو الوزن، فهما ضروريتان في السياق لنكت معنوية خاصة. وتلك ميزة فنية أخرى: أن تأتي اللفظة لتؤدي معنى في السياق وتؤدي تناسباً في الإيقاع، دون أن يطغى هذا على ذلك، أو يخضع النظم للضرورات"^٢ فالخطاب القرآني لا يأتي بالزوائد اللفظية لمجرد الجرس النغمي بل لها أثر معنوي خاص ينقص دونها. ومن مناسبة الحرف لحال السياق قوله تعالى:

﴿لَعْنٌ لَّمْ يَنْتَه لَنْسَفَعًا بِالنَّاصِيَةِ﴾^٣

هكذا ﴿لَنْسَفَعْنَ﴾" بذلك اللفظ الشديد المصور بجرسه لمعناه وانه لأوقع من مرادفه لناخذنه بشدة"^٤

فاذا كان السياق يُراد به الشدة والغلظة والتهديد فَلِمَ لم يشدد النون في (لنفسعن) مع أن العرب انما يزيدون في الصوت لزيادة المعنى^٥

والجواب عن ذلك يبدو في قراءة الآية مرتلة حيث يُلاحظ ما حققه السكون من اختزال زمني في قراءة الآية لا يتحقق فيها لو شدد بل لو لد إيقاعاً بطيئاً لا يتناسب مع هذا التهديد المقتضي للسرعة فناسب جرس الآية دلالتها ليكون الجرس عامل تهديد يأخذ على الكافر فرصة النظر والتفكير ولعل في هذا سبب آخر للعدول عن ﴿لناخذنه﴾ بالاضافة الى اختلاف الدلالة بينهما ، وهذا ما استشعره سيد قطب كما يبدو في قوله عن ﴿ولنفسعن بالناصية﴾: "صورة حسية للأخذ الشديد السريع"^٦

فالأصوات "تابعة للمعاني فمتى قويت قويت ومتى ضعفت ضعفت ويكفيك من ذلك قولهم قَطَعَ وَقَطَعَ وَكَسَرَ وَكَسَرَ زادوا في الصوت لزيادة المعنى واقتصدوا فيه لاقتصادهم فيه"^٧
أما بالنسبة لحركة الحرف في البنية فقد راعت العرب القدر اليسير من الأصوات على رأي ابن جني. فلو تأملنا لفظتي (سُعر ونُدُر) في قوله تعالى:

١. ينظر: اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، ص ٢٦١؛ وينظر: من بلاغة القرآن، ص ٢٦١

٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٨٦

٣. القرآن؛ س: العلق؛ الآية: ١٥

٤. المرجع السابق، ص ١٨

٥. المحتسب، ابن جني، تحقيق على النجدي ناصف ورفقاؤه، القاهرة، ١٣٦٨هـ، ج ٢ ص ٢١٠

٦. المرجع السابق

٧. المرجع السابق

﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ﴾^١

وقوله تعالى:

﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ﴾^٢

حيث عُذَّت مثل هذه اللفظة ثقيلة مستكرهة ولكنها ليست في القرآن هكذا.^٣ على أن الحركة وان كانت ثقيلة في نفسها لسبب من أسباب الثقل الا أنها متى ما استعملت في القرآن رأيت لها شأناً عجبياً فلفظة النذر السابقة جمع (نذير) الضمة ثقيلة فيها لتواليها على النون والذال معاً فضلاً عن جسأة هذا الحرف ونبوه في اللسان وخاصة اذا جاء فاصلة للكلام كما يقول الرافعي ويضيف لكنه جاء في القرآن على عكس ذلك فتأمل مواضع القلقلة في دال (لقد) وفي الطاء من (بطشتنا) وهذه الفتحات فيما وراء الطاء الى واو (تماروا) مع الفصل بالمد كأنها تثقيل لخفة التتابع في الفتحات اذا هي جرت على اللسان ليكون ثقل الضمة عليه مستحقاً بعد ... ثم ردد نظرك في الراء من (تماروا) فأنها ما جاءت الا مساندة لراء (النذر) حتى اذا انتهى اللسان الى هذه انتهى اليها من مثلها فلا تحف عليه ولا تغلظ ولا تنبو فيه ويكمل الرافعي ثم أعجب لهذه الغنة التي سبقت الطاء في نون (أنذرهم) وفي ميمها والغنة الأخرى التي سبقت الذال في (النذر)^٤

على أنه يجب الا يُفهم من هذه النظرة الثاقبة للأستاذ الرافعي أن قوة هذا الاستخدام الصوتي لللفظة قد اختفت وانما سوَّغت بحيث لا تظهر جسأة في الكلام ولا ثقلاً في السمع لأن الشيء يُقاس بما حوله ، وفرق بين اختفاء ثقل الشيء وبين التهيئة له لأن سياق سورة القمر يتطلب مثل هذا الاستخدام "والحقيقة أن الخروج على القاعدة في سياق النظم لا ينقص من قيمة القاعدة لأن القاعدة تُعنى بالغالب في بناء اللغة ، أما الشذوذ عنها فهو في حالة ثانية وهي حالة انتقال الألفاظ الى الاستعمال التطبيقي في التعبير الأدبي أي وضع اللقطة ضمن سياق فني يخضع اللقطة الى الكثير من المؤثرات التي منها المؤثرات الذوقية والنفسية"^٥

فالقرآن يضع حاجة السياق بالدرجة الأساس مستفيداً من كل ما تتيحه اللغة من وسائل تعبيرية قد لا يتخذ معيار (الأفصح) شرطاً في الاختيار ومن الظواهر الصوتية التي تُوظف في التعبير

١. القرآن ؛ س: القمر؛ الآية: ٣٦

٢. القرآن ؛ س: القمر؛ الآية: ٤٧

٣. ينظر المثل السائر؛ ص ٦٧؛ واعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢٢٧

٤. جرس الألفاظ ص ١٦١ نقلاً عن: الأسباب الصوتية لاختيار المفردة القرآنية؛

وينظر: اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢٢٧-٢٢٨

٥. ينظر: المحتسب ج ١ ص ١٤٨، والبحر المحيط ؛ س: القمر؛ الآية: ٤٧

القرآني مستفيدة من كل امكانات اللغة وشكلياتها ظاهرة الادغام والتي جيء بها بصورة أعطت
 للنص القرآني خصوصية في الاستعمال ففي ﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ﴾^١ "أجمعوا على
 الفك في ﴿ يُشَاقِقِ ﴾ اتباعاً لخط المصحف وهي لغة الحجاز والادغام لغة تميم كما جاء في
 الآية الأخرى ﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ ﴾^٢،^٣

طالما ذُكِرَ اللهُ تعالى وحده فاذا ذُكِرَ معه الرسول ﷺ فَكُتِبَ الادغام وهو لغة الحجاز^٤ قال تعالى:
 ﴿ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾^٥

وقال تعالى:

﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ ﴾^٦

وقال تعالى:

﴿ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾^٧

وقد نبه الدكتور فاضل السامرائي لهذا غير أنه أبعد في تعليل هذا الاستخدام حيث قال "ولعله
 وَحَدَّ الحرفين وأدغمهما في حرف واحد لأنه ذكر الله وحده وفكهما وأظهرهما لأنه ذكر الله
 والرسول فكانا اثنين.^٨

(د) ظل المفردة:

ظل المفردة هو "استدعاء صورة المدلول الحسي"^٩ وان الأسلوب القرآني كثيراً ما كان يقرن

جرس المفردة بظلمها ، قال تعالى:

﴿ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ﴾^{١٠}

١. القرآن ؛ س: الأنفال ؛ الآية: ١٣
٢. القرآن ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٤
٣. البحر المحيط ، س: الأنفال ؛ الآية: ١٣ ، ص ١
٤. التعبير القرآني ، ص ١٩
٥. القرآن ؛ س: الأنفال ؛ الآية: ١٣
٦. القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ١١٥
٧. القرآن ؛ س: الحشر ؛ الآية: ٤
٨. ينظر: التفسير القرآني للقرآن ، عبدالكريم الخطيب ، ج ٨ ص ١٣٥٥
٩. تفسير من نسمات القرآن كلمات وبيان ، غسان حمدون ، دار السلام ، ط ٢ ، ١٩٨٦ م ، ص ٦٣١
١٠. القرآن ؛ س: النازعات ؛ الآية: ٨

أي خائفة” يقال: وجف القلبُ يَجِفُّ وجفًا ووجيفًا، اذا ارتفعت ضرباته من شدة الخوف^١”
 ”وبقدر ما تكثر الصوامت تزداد الحركة السريعة ويقدر ما تكثر المصوتات تخف هذه السرعة
 ويحل محلها الجمود والثبات“^٢ فلماذا عدَّل القرآن عن خائفة الي واجفة؟ ولعل في فهم
 السياق ما يعطي اجابة وافية عن هذا السؤال فالآيات السابقة:

﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ۝﴾^٣

”والراجفة: من الرجف وهو الاضطراب الشديد، والحركة القوية، لأن بسببها تضطرب الأمور،
 وتحتل الشئون... والمراد بالرادفة: النفخة الثانية، التي تردف الأولى، أي تأتي بعدها... يقال:
 وجف القلبُ يَجِفُّ وجفًا ووجيفًا، اذا ارتفعت ضرباته من شدة الخوف“^٤

”عبرت عن سرعة الوقوع والتتابع فلو قيل (خائفة) بدلاً من (واجفة) لما ناسبت من الناحية
 الصوتية معاني سابقاتها ولما اتسقت معها، ذلك أن صوت المدّ فيها ما كان مناسباً هنا سرعة
 السياق. لذلك تم العدول عن تسمية القيامة بما فيه مدّ من الأسماء ويتأكد لنا من خلال بقية
 الأسماء التي غالباً ما جاء فيها المد مثل الحاقّة والصاخّة والطامة على أن هذا الملحظ الصوتي
 ليس منعزلاً عن ملحظ ايحائي من ظل المفردة لأن (وجف) في هذا السياق أكثر دلالة وايحاء
 من (خاف) فبالإضافة الى معنى الخوف فانها تدل على (السرعة والاضطراب)“^٥

”الوجيف: سرعة السير، وأوجفت البعير: أوجفت البعير: أسرته. قال تعالى: ﴿فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ
 مِنْ خَيْلٍ وَلَا رَكَابٍ﴾^٦... قال تعالى: ﴿قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ﴾ أي مضطربة كقولك: طائرة
 وخافقة، ونحو ذلك من الاستعارات لها.“^٧ وبهذا تكون (واجفة) أولى في الاستخدام، فاللفظ
 المستخدم اذا كان له معنى عام ومعنى خاص كان الأولى حمله على العام لتضمنه الخاص^٨ فاذا
 كان هذا في تفسير النص فهو أولى بالاستخدام أصلاً اذا كان يحقق غاية السياق. ومن ذلك
 تعبير القرآن حين يصور هدوء الليل وسكونه بالعسيسة تارة بالسجو أخرى وبالسريران ثالثة
 مُزاوجاً في تصوير الحركة المتخيلة لامتداد الليل بهدوء ما بين الدلالة الوضعية للألفاظ وبين

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم؛ س: النازعات؛ الآية: ٨.

٢. الأسباب الصوتية لاختيار المفردة القرآنية

٣. القرآن؛ س: النازعات؛ الآية: ٦-٧

٤. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: النازعات؛ الآية: ٦، ص ٢-٣

٥. الأسباب الصوتية لاختيار المفردة القرآنية

٦. القرآن؛ س: الحشر؛ الآية: ٦

٧. المفردات، كتاب الواو، ص (وبل-الودق)

٨. تفسير مفردات ألفاظ القرآن، سميع عاطف الزين، الدارالأفريقية العربية، ط ١، ٢٠٠٣م، ص ٩٠٩

ايحائها الموسيقي في السمع فيقول الله تعالى:

﴿وَاللَّيْلُ إِذَا عَسَّسَ﴾^١

يقول سيد قطب: "أي إذا أظلم . ولكن اللفظ فيه تلك الإيحاءات كذلك . فلفظ عسس مؤلف من مقطعين: عس عس . وهو يوحي بحرسه بحياة في هذا الليل ، وهو يعس في الظلام بيده أو برجله لا يرى! وهو إيحاء عجيب واختيار للتعبير رائع."^٢ ويقول في قوله تعالى:

﴿وَاللَّيْلُ إِذَا سَجَى﴾^٣

"لا الليل على إطلاقه بوحشته وظلامه . الليل الساجي الذي يرق ويسكن ويصفو، وتغشاه سحابة رقيقة من الشحي الشفيف، والتأمل الوديع . كجو اليتيم والعيلة . ثم ينكشف ويجلي مع الضحي الرائق الصافي.." ^٤ ويقول الزمخشري: "قيل: ليلة ساجية ساكنة الريح . وقيل معناه: سكن الناس والأصوات فيه . وسجا البحر: سكنت أمواجه . وطرف ساج: ساكن فاتر"^٥

وفي قوله تعالى:

﴿وَاللَّيْلُ إِذَا يَسَّرَ﴾^٦

يقول سيد قطب: "والليل هنا مخلوق حي ، يسري في الكون ، وكأنه ساهر يجول في الظلام ! أو مسافر يختار السرى لرحلته البعيدة ! يا للأناقة التعبير! ويا لجمال النغم ! ويا للتناسق مع الفجر..."^٧ وهو "إيحاء عجيب لا يوجد في العبارة المؤدية للمعنى (أقبل بظلامه)"^٨

وقد جعل الرافعي من صوت الحس الذي هو اجتماع جرس المفردة (صوت النفس) وظلها (صوت العقل) معياراً للبلاغة فعلى مقدار ما يكون في الكلام البليغ من هذا الصوت يكون فيه من روح البلاغة وهو روح الإعجاز في القرآن الكريم^٩ لذلك أصبح الليل جرساً وظلاً إيحائياً مفهوماً للنعمة والجمال والطمأنينة على الرغم من ارتباطه في شعر غير واحد من شعراء قبل الإسلام بالهموم والآلام النفسية المبرحة . وبهذا يتكون لدينا ما يشبه الاستخدام الصوتي

- ١ . القرآن ؛ س: التكوير ؛ الآية: ١٧
- ٢ . في ظلال القرآن ؛ س: التكوير ؛ الآية: ١٧ ، ص ٦
- ٣ . القرآن ؛ س: الضحي ؛ الآية: ٢
- ٤ . في ظلال القرآن ؛ س: الضحي ؛ الآية: ٢ ، ص ٢
- ٥ . الكشف ؛ س: الضحي ؛ الآية: ٢
- ٦ . القرآن ؛ س: الفجر ؛ الآية: ٤
- ٧ . في ظلال القرآن ؛ س: الفجر ؛ الآية: ٤ ، ص ٢
- ٨ . مقدمة في أصول التفسير، أحمد بن عبدالحليم بن تيمية ، ص ٤٥
- ٩ . ينظر: اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢٢١

المختص بسياق معين فمن ذاك التفريق القرآني بين (الصبح ، والفجر) حيث يُلاحظ أن كل استخدام لمفردة الصبح واشتقاقاتها لا يخرج عن سياق العذاب والهلاك قال تعالى:

﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقَرٌّ﴾^١

وقال تعالى:

﴿وَهُمْ نَائِمُونَ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ﴾^٢

وقال تعالى كذلك:

﴿وَإِذْ مَوْعِدُهُمُ الصُّبْحَ الْيَسَّ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ﴾^٣

وعلى العكس من لفظة (الفجر) التي ما استخدمت الا في سياق حال من العذاب ان لم يكن أقرب الى الرقة قال تعالى:

﴿وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ ... هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرِ ۝﴾^٤

وقال تعالى

﴿سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾^٥

أو في سياقات تتعلق بالأحكام يستثنى من هذا قوله تعالى:

﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ﴾^٦

وانما جيء به للحاجة الى جمع ولا جمع للفجر لمناسبة (الاصباح للانفلاق) من حيث الجرس، والسرف في هذا الاستخدام الخاص السابق مراعاة جرس كل من اللفظتين للسياق الذي استخدم فيه لأن (الصاد) صوت قوي لاجتماع الصفيير والاطباق والاستعلاء (مفخم) والباء صوت مجهور شديد متقلقل انفجاري^٧ فناسب لفظهما (الصبح) معرض الهلاك والعذاب، وسيختلف السياق تماماً فيما لو استبدلت احدهما بالأخرى. غير أن التعبير القرآني خالف هذا الاستخدام في قوله تعالى:

﴿وَالصُّبْحُ إِذَا تَنَفَّسَ﴾^٨

-
١. القرآن ؛ س: القمر ؛ الآية: ٣٨
 ٢. القرآن ؛ س: القلم ؛ الآية: ٢٠
 ٣. القرآن ؛ س: هود ؛ الآية: ٨١
 ٤. القرآن ؛ س: الفجر ؛ الآيات: ١-٦
 ٥. القرآن ؛ س: القدر ؛ الآية: ٥
 ٦. القرآن ؛ س: الأنعام ؛ الآية: ٩٦
 ٧. الممتع الكبير في التصريف ، ابن عصفور الاشبيلي ؛ تحقيق الدكتور فخر الدين قباوة ؛ ص ٤٢٥ - ٤٣٠
 ٨. القرآن ؛ س: التكوير ؛ الآية: ١٨

فعدل في هذا الموضوع عن استخدام (الفجر) لتحقيق التناسق الصوتي في نظم السياق الذي جاءت فيه هذه الآية:

﴿ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنُوسِ • الْجَوَارِ الْكُنُوسِ • وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ •
وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ • ﴾^١

ففي هذا الخطاب القرآني، الألفاظ المختارة كلها "تحتوي صوت (السين) الصفيري فجيء بالصاد الصفيري ليناسب التكرار فلو كان الاختيار واقعاً على (الفجر) لأصبح الجرس متعشراً فيه نبوة يوجدها صوت (الحيم) الذي سيكون ثقيلاً جداً في مثل هذا السياق لذلك أرى ضرورة لدراسة التناسق الصوتي كسبب لاختيار المفردة مما يحقق للسياق إيقاعاً داخلياً قائماً على التكرار الصوتي الذي يحققه الاختيار الدقيق للمفردة دون الاختلال بقيمته الدلالية".^٢

ومن أسباب الاختيار الصوتي في القرآن "اختيار ألفاظ معينة ذات جرس خاص لاشاعة جرس واحد في السياق وبما يتلائم مع دلالاته العامة أو بما يساعد على تثبيت أطر الصورة المرسومة ويحقق ظلالها المعنوية، وقد ذهب بعض دارسي الصوت الى أنه لا يتم تذوق الهندسة الإيقاعية الحقة الا اذا حصلنا على تلاؤم بين المكونات الثلاثة التي تشكل الرؤوس الثلاثة للمثلث وهي: معانٍ وأصوات ومشاعر. ويمكن القول ان الأصوات في نظام اللغة الفنولوجي لا قيمة لها رمزية بينما هي تثير بعض مشاعر القارئ المستمع في كلام محدد بالاتفاق مع المعنى"^٣ قال تعالى:

﴿ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنُوسِ • الْجَوَارِ الْكُنُوسِ • وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ • وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ • ﴾^٤

وقد اختيرت مفردات الآية مشتركة "بدلالة المعنى والصوت اللذان يشكلان عنصراً واحداً في صرف مشاعر وذهن القارئ أو المستمع في اتجاه واحد وهو الغاية التعبيرية التي يحتاجها السياق أو البنية العامة فمدار الدلالة المعجمية لمفردات الآية تدور حول الخفاء والمخافتة فالخنس في أغلب معانيها تدل على السر والاختفاء والحبس والتأخر وهي هنا بمعنى اختفاء هذه الكواكب"^٥

"هي الكواكب التي تخنس أي ترجع في دورتها الفلكية وتجري وتختفي. والتعبير يخلع عليها الحياة رشيقة كحياة الأطباء. وهي تجري وتختفي في كناسها وترجع من ناحية أخرى. فهناك حياة تنبض من خلال التعبير الرشيق الأنيق عن هذه الكواكب، وهناك ايحاء شعوري بالجمال في

١. القرآن ٤س:التكوير؛ الآية:١٥-١٨

٢. الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية

٣. المرجع السابق

٤. القرآن ٤س:التكوير؛ الآية:١٥-١٨

٥. دليل الدراسات الأسلوبية، ص ١١٠

حركتها ، في اختفائها وفي ظهورها، في تواربها وفي سفورها، في جريها وفي عودتها، يقابله ايحاء بالجمال في شكل اللفظ وجرسه.^١

وعسعس الليل "أدبر ظلامه أو أقبل ، فهذا اللفظ من الألفاظ التي تستعمل في الشيء وضده ... وقيل: العسعسة: رقة الظلام وذلك في طرفي النهار، فهو من المشترك المعنوي ، وليس من الأضداد ، أي: أقبل وأدبر معاً ..."^٢ ويظهر سيد قطب شعور حسه المرهف بتعليقه على هذه المقطعة الجميلة:

"وكل متذوق لجمال التعبير والتصوير يدرك أن قوله تعالى: ﴿ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنُوسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۝ ﴾ ثروة شعورية وتعبيرية . فوق ما يشير اليه من حقائق كونية . ثروة جميلة بديعة رشيقة ؛ تضاف الى رصيد البشرية من المشاعر ، وهي تستقبل هذه الظواهر الكونية بالحس الشاعر . يلوح بهذه المشاهد الكونية التي يخلع عليها الحياة ؛ ويصل روح الانسان بأرواحها من خلال التعبير الحي الجميل عنها؛ لتسكب في روح الانسان أسرارها، وتشي له بالقدرة التي وراءها ، وتحديثها بصدق الحقيقة الايمانية التي تدعى اليها.."^٣

وقد نبه ابن جني كثيراً الى معنى المخافتة والخفاء الذي يحققه صوت السين كما في مقارنته بين (صعد وسعد) قائلاً: "جعلوا الصاد لأنها أقوى — لما فيه أثر مشاهد يرى وهو الصعود في الجبل والحائط ونحو ذلك وجعلوا السين — لضعفها — لما لا يظهر ولا يُشاهد حساً ... فجعلوا الصاد لقوتها مع ما يشاهد من الأفعال المعالجة المتجشمة وجعلوا السين لضعفها فيما تعرفه النفس وان لم تره العين والدلالة اللفظية أقوى من الدلالة المعنوية"^٤ وكذلك قال في تفريقه بين القسم والقسم في نفس المكان.

ومن كلام ابن جني هذا نفهم دقة ما أشار اليه ابن القيم حين فرق بين سورة (الفلق) و(الناس) فـ(سوره الفلق تضمنت الاستعاذة من الشر الذي هو ظلم الغير له بالسحر والحسد وهو شرّ من خارج) وسورة الناس تضمنت الاستفادة من الشر الذي هو سبب ظلم العبد نفسه وهو شرّ من داخل)^٥ لذلك تكرر صوت السين في الاختيار في سورة الناس دون الفلق قال تعالى:

١. في ظلال القرآن ، س: التكوير؛ الآية: ١٥-١٧ ، ص ٦

٢. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: التكوير؛ الآية: ١٧ ، ص ١

٣. في ظلال القرآن ، س: التكوير؛ الآيات: ١٥-١٨ ، ص ٧

٤. الخصائص ، باب (امساس الألفاظ أشباه المعاني)، ص ١٥٩

٥. بدائع الفوائد ج ٢ ص ٢٥٠

﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ • مَلِكِ النَّاسِ • إِلَهِ النَّاسِ • مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ
الْخَنَّاسِ • الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ • مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴾^١

لنجد بهذا نكتة أخرى من نكت ذكر وتكرار مفردة الناس مع أن "السياق يقتضي أن يكون الاضمار أولى هنا من الاظهار ليكون تكرار هذا الصوت مؤكداً لصورة الخفاء التي عليها السورة وكذلك الوسوسة التي هي صوت الحلي والهمس الخفي وكذلك يُقال (لهمس الصائد)"^٢

وأصلها الصوت الذي لا يحسّ أو الالتقاء الخفي في النفس اما بصوت خفي لا يسمعه الا من ألقى اليه واما بغير صوت كما يوسوس الشيطان الى العبد... وأما الخناس فهو من خنس يخنس اذا توارى واختفى...^٣

و"الوسوسة: الخطرة الرديئة، وأصله من الوسواس، وهو صوت الحلي، والهمس الخفي... ويقال لهمس الصائد وسواس"^٤ و"الخنوس: الانقباض والاستخفاء. خَنَسَ من بين أصحابه يَخْنِسُ وَيَخْنُسُ، بالضم خُنُوساً وَخِنَاساً وَانْخَنَسَ: انقبض وتأخر، وقيل رجع... يقال: خَنَسَ به أي واره. ويقال: يَخْنِسُ بهم أي يغيب بهم. وخنس الرجل اذا توارى وغاب."^٥

وبهذا ندرك تكرار السين أيضاً في قوله تعالى:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعَلْمَا تَوْسُوسُ بِهِ نَفْسَهُ ﴾^٦

حيث تكرر صوت السين أربع مرات وهو لم يتكرر في الخمسة عشر آية السابقة الا سبع مرات فقط، كل ذلك لما يمتاز به السين من صفات وهي (مصمت، رخو، مهموس، منفتح، مستقل، مرقق، غير مطبق)^٧

-
١. القرآن ٤٤: س: الناس ٤ الآية: ١-٦
 ٢. تفسير مفردات ألفاظ القرآن، ص ٩٢٧
 ٣. عدة المسلمين في معاني الفاتحة وقصار السور من كتاب رب العالمين، محمد محمود الصواف، ص ٢٨٤-٢٨٥
 ٤. المفردات، كتاب الواو، ص (وذو- وعي)
 ٥. لسان العرب، باب الخاء، مادة: خنس، ص ١٧٠٢
 ٦. القرآن ٤٤: س: ق: الآية: ١٦
 ٧. ينظر: الممتع الكبير في التصريف، ص ٤٢٥-٤٣٠

الفصل الخامس

الفواصل بين التناسق الصوتي ورعاية المعنى

وعند الزركشي الفاصلة في القرآن الكريم هي "آخر كلمة في الآية، كالقافية في الشعر، وقرينة السجع، وقال أبو عمرو الداني: كلمة آخر الجملة." ^١ إذ قد تشتمل الآية الواحدة على عدة جمل، وليست كلمة آخر الجملة فاصلة لها، بل الفاصلة آخر كلمة في الآية، ليعرف بعدها بدء الآية الجديدة بتمام الآية السابقة لها. كما فرّق أبو عمرو الداني الفواصل من رؤوس الآي: "الفاصلة هي الكلام المنفصل عما بعده، والكلام المنفصل قد يكون رأس آية وغير رأس، وكذلك الفواصل يكن رؤوس آية وغيرها، وكل رأس آية فاصلة وليس كل فاصلة رأس آية." ^٢ وقال القاضي أبو بكر الباقلاني "الفواصل حروف متشاكلة في المقاطع، يقع بها افهام المعاني" ^٣ ويقول الزركشي: "وتقع الفاصلة عند الاستراحة بالخطاب لتحسين الكلام بها، وهي طريقة التي يباين القرآن بها سائر الكلام، وتسمى فواصل لأنه ينفصل عنده الكلامان، وذلك أن آخر الآية فصل بينها وبين ما بعدها" ^٤ ويقول الزمخشري: "جعلت فواصل الآية كقوافي الشعر، وفائدتها الوقف والدلالة على أن الكلام قد انقطع، وأن ما بعده مستأنف." ^٥ ويكتب محمد محمد داود:

"والملاحظ في رؤوس الآيات التناسب الصوتي يلفت الانتباه وتستريح له الأذن إلى حد يأخذ بالنفس، ولعله كان أحد الأسباب التي جعلت الوليد يقول بعد سماعه القرآن: (إن له لحلاوة وإن عليه لطلاوة) وهما من حس اللسان وحسن الأذن. وإذا ما أحببت محاولة الكشف عن الظاهرة بأسلوب علمي، وذلك بتتبع أصوات الحروف والحركات التي تكوّن هذه الفواصل، بهذا التناسق الصوتي المبدع، فإننا نلاحظ التالي:

كثرة ورود الحركات، وبخاصة الطويلة [حروف المد: الألف والواو، والياء]، بما لها من نغمات منتظمة تسيطر على لحن الكلام، يضاف إلى هذا كثرة ورود الصوامت المتوسطة [النون - الميم - الراء - الواو - الياء]، وهي قريبة - من

١. البرهان في علوم القرآن، للزركشي، الموضوع: معرفة الفواصل ورؤوس الآي؛ العنوان: غير محدد

٢. الاتقان في علوم القرآن، النوع ٥٩؛ ص ٣٤٢

٣. المرجع السابق، الموضوع: معرفة الفواصل ورؤوس الآي؛ العنوان: غير محدد

٤. المرجع نفسه

٥. الكشف؛ س: الأحزاب؛ الآية: ٦٧

الناحية الفيزيائية — الى طبيعة الحركات ، التي تسهم في خاصية التنغيم الشجي بشكل واضح . يدعم هذا ظواهر صوتية خاصة بالقرآن : المد والغنة . وكل هذه العناصر الصوتية لا تكون بهذا التناسب الفريد في غير القرآن من فنون الشعر والنثر.^١

وعن سبب تسمية الفواصل بقول السيوطي بأنها قد تكون هذه التسمية "أخذ من قوله تعالى ﴿كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ﴾^٢ ولا يجوز تسميتها قوافي اجماعاً ، لأن الله لما سلب عن القرآن اسم الشعر وجب سلب القافية عنه أيضاً لأنها منه ، وخاصة في الاصطلاح."^٣ وما ورد في القرآن "متناسق حروف الروي والايقاع ، موحد خاتمة الفاصلة بالصوت ، يقف فيه بالآية على الحرف الذي وقف عنده في الآية التي قبلها ، فلا يسمى سجعاً عند علماء الصناعة"^٤

ولا نسمي الفاصلة القرآنية سجعاً لأنه "لو كان القرآن سجعاً لكان غير خارج عن أساليب كلامهم ، ولو كان داخلاً فيها لم يقع بذلك اعجاز ، ولو جاز أن يقال : هو سجع معجز ، لجاز أن يقولوا : شعر معجز ، كيف والسجع مما كان تألفه الكهان من العرب ، ونفيه من القرآن أجدر بأن يكون حجة من نفي الشعر ، لأن الكهانة تنافي النبوات بخلاف الشعر."^٥

وقد يكون الكلام على مقال السجع و"مجيئه على صورته لا يقتضي كونه هو؛ لأن السجع يتبع المعنى فيه اللفظ الذي يؤدي السجع؛ وليس كذلك ما اتفق هو في معنى السجع من القرآن؛ لأن اللفظ وقع فيه تابعاً للمعنى. وفرق بين أن ينتظم الكلام في نفسه بألفاظه التي تؤدي المعنى المقصود فيه وبين أن يكون المعنى منتظماً دون اللفظ؛ ومتى ارتبط المعنى بالسجع كان افادة السجع كإفادته غيره. ومتى ارتبط المعنى بنفسه دون السجع كان مستجلباً لتحسين الكلام دون تصحيح المعنى"^٦

فإن السجع عند العرب "مهمة لفظية تأتي أواخر الكلمات في الفقرات وتلاؤمها ، فيكون الاتيان به أنى اتفق لسد الفراغ اللفظي ، وأما مهمة الفاصلة القرآنية فليس كذلك ، بل هي مهمة لفظية ومعنوية بوقت واحد ، انها مهمة فنية خالصة ، فلا تفرط في الألفاظ على سبيل المعاني ، ولا

١ . الاعجاز الصوتي في القرآن الكريم ، د. محمد محمد داود ،

http://www.55a.net/firas/arabic/index.php?page=show_det&id=762&select_page=9

٢ . القرآن ؛ س:فصلت ؛ الآية:٣

٣ . الاتقان في علوم القرآن ، النوع ٥٩ ، ص ٣٤٢

٤ . الصوت اللغوي في القرآن ، ص ١٤٤

٥ . المرجع نفسه ص ٣٤٣

٦ . البرهان في علوم القرآن ، للزركشي ، الموضوع: معرفة الفواصل ورؤوس الآي ؛ العنوان: غير محدد

اشتطاط بالمعاني من أجل الألفاظ ، بينما يكون السجع في البيان التقليدي مهمة تنحصر بالألفاظ غالباً ، لذلك ارتفع مستوى الفاصلة في القرآن بلاغياً ودالياً عن مستوى السجع فنياً ، وان وافقه صوتياً.^١ ويكتب الرافعي في هذا المجال:

”وما هذه الفواصل التي تنتهي بها آيات القرآن الا صور تامة للأبعاد التي تنتهي بها جمل الموسيقى ، وهي متفقة مع آياتها في قرار الصوت اتفاقاً عجيباً يلائم نوع الصوت والوجه الذي يساق عليه بما ليس وراءه في العجب مذهب ، وتراها أكثر ما تنتهي بالنون والميم ، وهما الحرفان الطبيعيان في الموسيقى نفسها ؛ أو بالمد ، وهو كذلك طبيعي في القرآن ، فان لم تنته بواحدة من هذه ، كأن انتهت بسكون حرف من الحروف الأخرى ، كان ذلك متابعة لصوت الجملة وتقطيع كلماتها ، ومناسبة للون المنطق بما هو أشبه وأليق بموضعه ، وعلى أن ذلك لا يكون أكثر ما أنت واجده الا في الجمل القصار ، ولا يكون الا بحرف قوي يستتبع القفلة أو الصفير أو نحوهما مما هو ضروب أخرى من النظم الموسيقى .

وهذه هي طريقة الاستهواء الصوتي في اللغة ، وأثرها طبيعي في كل نفس ، فهي تشبه في القرآن الكريم أن تكون صوت اعجازه الذي يخاطب به كل نفس تفهمه ، وكل نفس لا تفهمه ، ثم لا يجد من النفوس على أي حال الا الاقرار والاستجابة ؛ ولو نزل القرآن بغيرها لكان ضرباً من الكلام البليغ الذي يُطمع فيه أو في أكثره ، ولما وجد فيه أثر يتعدى أهل هذه اللغة العربية الى أهل اللغات الأخرى ، ولكنه انفرد بهذا الوجه المعجز ، تتألف كلماته من حروف لو سقط واحد منها أو أبدل بغيره أو أقجم معه حرف آخر ، لكان ذلك خللاً بيناً ، أو ضعفاً ظاهراً في نسق الوزن وجرس النغمة ، وفي حس السمع وذوق اللسان ، وفي انسجام العبارة وبراعة المخرج وتساند الحروف وافضاء بعضها الى بعض ، ولرأيت لذلك هجنة في السمع ، كالذي تنكره من كل مرثي لم تقع أجزاءه على ترتيبها ، ولم تتفق على طبقاتها ، وخرج بعضها طويلاً وبعضها عرضاً ، وذهب ما بقي منها الى جهات متناكرة.^٢

فنعني بالفاصلة : ”الكلام المنفصل مما بعده ، وقد يكون رأس آية وقد لا يكون ، وتقع الفاصلة عند نهاية المقطع الخطابي ، سميت بذلك لأن الكلام ينفصل عندها.“^٣ وان القرآن الكريم تميز بمنهج فريد في فواصله ورؤوس آياته . ويقول محمد محمد داود عن صور مجيء الفاصلة

١. الصوت اللغوي في القرآن ، ص ١٤٧

٢. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢١٦-٢١٧

٣. مباحث في علوم القرآن ، ص ١٥٣

القرآنية:

”فالفاصلة في القرآن ليست على وتيرة واحدة ، كما هو الحال في كل من السجع التقفية ، فهي لا تلتزم شيئاً من ذلك ، حيث تجري في عدد من آيات القرآن على نمط ، ثم يتحول عنه الى نمط آخر ، ومن خلال جريها على نمط واحد ، فأغلب ما تقوم عليه هو حرف المد . يقول الله تعالى:

﴿ق وَالْقُرْآنَ الْمَجِيدَ ۝ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ۝ أَيْدًا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيجٍ ۝ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ۝﴾^١

والفاصلة قيمة صوتية ذات وظيفة دلالية ، ورعايتها تؤدي الى تقديم عنصر أو تأخيرها ، ليس فقط رعاية للتناسق الصوتي ، بل رعاية للمعنى أيضاً...“^٢

ففي قوله تعالى:

﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلٍ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذْكُرُونَ ۝﴾^٣

الآية الأولى ختمت بـ ((يؤمنون)) والثانية ختمت بـ ((تذكرون)). ”وذلك ليس بمجرد الفاصلة بل لرعاية الاختصاص . فالفواصل في القرآن تتطلبها المعاني ، أما ان تهمل المعاني ليهتم بتحسين اللفظ فذلك غير موجود في القرآن الكريم.“^٤

توضيح ذلك أن ”مخالفة القرآن لنظم الشعر ظاهرة واضحة لا تخفى على أحد فقول من قال شعر كفر وعناد محض فناسب ختمه بقوله ((قليلاً ما تؤمنون)) وأما مخالفته لنظم الكهان وألفاظ السجع فيحتاج الى تذكر وتدبر لأن كل منهما نثر فليست مخالفته له في وضوحها لكل واحد كمخالفته للشعر ، وانما تظهر بتدبر ما في القرآن من الفصاحة والبلاغة والبدائع والمعاني الأنيقة أنيقة فحسن ختمه بقوله ﴿قليلاً ما تذكرون﴾.“^٥

وجاءت الفواصل تتطلبها المعاني . ومن من الفصحاء والبلغاء يقدر على أن يحافظ على الفواصل مع بقاء المعاني على سردها على المنهج الذي يقتضيه حسن رصف الكلام وبناء

١ . القرآن ؛ س:ق ؛ الآيات: ١-٦

٢ . الاعجاز الصوتي في القرآن

٣ . القرآن ؛ س:الحاقة؛ الآيات ٤١-٤٢

٤ . ظواهر قرآنية ، ص ١٩٧

٥ . الاتقان في علوم القرآن ، النوع ٥٩ ص ٣٤٨-٣٤٩

التركيب - وهي تحمل ما تحمل من أغراض دلالية يتلقاها المتلقون حكمة بالغة وعبرة وعظة. وفي هذا يقول الزمخشري: "لا تحسن المحافظة على الفواصل لمجرد ما الاعم بقاء المعاني على سردها على المنهج الذي يقتضيه حسن النظم والتامة فأما أن يهمل المعاني ويهتم بتحسين الألفاظ وحده غير منظور فيه الى مؤداه فليس من قبيل البلاغة"^١

فكل تقديم في القرآن أو تأخير أو حذف أو اظهار أو اضمار .. "ليس لمجرد الفاصلة بل لرعاية الاختصاص."^٢ و"مبنى الفواصل على الوقف، ولهذا ساع مقابلة المرفوع بالمجرور، وبالعكس."^٣ ومن أمثله في القرآن الكريم: قوله تعالى:

﴿لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمَلَأِ الْأَعْلَى وَيُقَذِفُونَ مِنْ كُلِّ حَانِيبٍ ۝

ذُهِورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَأَصِيبٌ ۝

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَائِبٌ ۝

فَاسْتَفْتَيْهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ۝ ﴿٤﴾

وقوله تعالى:

﴿فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ۝

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدَرٍ ۝ ﴿٥﴾

وقوله تعالى:

﴿إِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَأَنْشَقَّ الْقَمَرُ ۝

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ ۝ ﴿٦﴾

وقوله تعالى:

﴿وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ ۝

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ ﴿٧﴾

نجد في فواصل القرآن من بينها: "ما يساعد على الترقيم حيث ختمت بحروف المد ... وهي المختصة بالمد والتطويل وهذا يستخدم في الترقيم - ونجد بعد هذه الحروف يأتي حرف

١. المرجع نفسه، النوع ٥٩، ص ٣٥٢

٢. المرجع نفسه

٣. المرجع نفسه

٤. القرآن؛ س: الصافات؛ الآيات: ٨-١١

٥. القرآن؛ س: القمر؛ الآيات: ١١-١٢

٦. القرآن؛ س: القمر؛ الآيات: ١-٢

٧. القرآن؛ س: الرعد؛ الآيات: ١١-١٢

مختص بهذه الظاهرة كذلك وتختلف مخارجه حسب ما يجاوره وقد أثبتت الدراسة الحديثة أنه يأخذ من خصائص وصفات الحروف المجاورة له - وهي حرف النون ولذلك فإن لحرف النون أكثر من عشر مخارج ولذلك نجد أنه: كثر في القرآن الكريم ختم الفواصل بحروف المد واللين والحقاق النون. وحكمته وجود التمكين مع التطريب بذلك: أي يحدث انسجام صوتي في النطق وعذوبة في السمع.^١ وقال سيبويه: "أنهم إذا ترنموا يلحقون الألف والياء والنون، لأنهم أرادوا مد الصوت، ويتركون ذلك إذا لم يترنموا. وجاء في القرآن على أسهل موقف وأعذب مقطع."^٢

فنجد الفواصل وحروف الأسجاع تأتي في مواضعها بما لا يقدر على مثله أحد. ثم نجد تناسق المفردات واختيار كل وحده من وحدات التراكيب بحيث لو حاولت استبدال واحدة بأخرى حاولت مستحيلاً. وتلك من الأمور التي كانت تبين مقدرة منشىء الأقوال من الفصحاء. فلقد كان العربي حريصاً على أن يربط أجزاء كلامه بعضها ببعض ويربط بين دلالات بعضه وبعض.

الفواصل القرآنية عميقة الدلالة تحتاج الى تدبر:

جاءت الفواصل القرآنية عميقة الدلالة تحتاج الى تدبر ليتبين المستمع عمق دلالتها ونماذجها ليست بالقليلة وذلك لأن القرآن نزل مخاطباً جميع العقول ومن أمثلة ذلك: قوله تعالى:

﴿إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عَبَادُكَ وَإِنْ تُغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾^٣

فإن قوله (وان تغفر لهم) "يقتضي - في ظاهر الأمر أن تكون الفاصلة الغفور الرحيم وكما نقلت عن مصحف أبي وبها قرأ ابن شيبوذ وذكر في حكمته أنه لا يغفر لمن استحق العذاب الا من ليس فوقه أحد يرد عليه حكمه فهو العزيز أي الغالب. والحكيم هو الذي يضع الشيء في محله. وقد يخفي وجه الحكمة على بعض الضعفاء في بعض الأفعال فيتوهم أنه خارج عنها وليس كذلك فكان في الوصف بالحكيم احتراص حسن: أي وان تغفر لهم مع استحقاقهم العذاب فلا معترض عليك لأحد في ذلك والحكمة فيما فعلته."^٤

ونظير ذلك في سورة التوبة قوله تعالى:

١. ظواهر قرآنية، ص ٢٠٥

٢. الاتقان في علوم القرآن؛ النوع ٥٩، ص ٣٥٢

٣. القرآن؛ س: المائدة؛ الآية: ١١٨

٤. المرجع السابق، ص ٣٥٠

﴿أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾^١

وفي سورة الممتحنة:

﴿وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾^٢

وفي سورة النور:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ﴾^٣

يقول السيوطي: "فان بادئ الرأي يقتضي تواب رحيم لأن الرحمة مناسبة للتوبة ، لكن عبر به اشارة الى فائدة مشروعية اللعان وحكمة وهي الستر عن هذه الفاحشة العظيمة."^٤

ومن هنا يتبين أن "تذليل الآيات الكريمة بهذه الفواصل انما هي لحكمة اقتضتها كل آية على حدة ففي الآية الأخيرة فان الزنا يستوجب التوبة وعندما شرع الله سبحانه وتعالى اللعان بين الزوجين شرعه لحكمة يعملها ومع ذلك فهو يقبل توبة التائبين من العصاة فاقضى أن تحيء الفاصلة (تواب) واقتضى أيضاً حكمة مشروعية اللعان فهو تواب وهو حكيم وهكذا كل الآيات السابقة وبقية الآيات التي تختم بفواصل عميقة الدلالة تحتاج الى تدبر وتعقل."^٥

ومن ذلك أيضاً قوله تعالى:

﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾^٦

"فالتختم بالحلم والمغفرة عقب تسابيح الأشياء غير ظاهر في بادئ الرأي ولكن من حكمته : انه لما كانت الأشياء كلها تسبح ولا عصيان في حقها وأنتم تعصون ، ختم بها مراعاة للمقدر أو للمقدر أو المقرر في الآية وهو العصيان... والتقدير : حليماً عن تفريط المسبحين غفوراً لذنوبهم. وقيل حليماً عن المخاطبين الذين لا يفقهون التسبيح باهمالهم النظر في الآيات والعبر ليعرفوا حقه بالتأمل فيما أودع في مخلوقاته مما يوجب تنزيهه."^٧ وهكذا كل آية من آيات كتاب الله الكريم جاءت الفاصلة فيها شيء من الخفاء تحتاج الى عميق تدبر لو أديرت ألسنة الخلق على أن تستبدل بها غيرها ما وجدت وتلك في حد ذاتها من معجزات كتاب الله. ويقول

١. القرآن ؛ س: التوبة ؛ الآية: ٧١

٢. القرآن ؛ س: الممتحنة ؛ الآية: ٥

٣. القرآن ؛ س: النور ؛ الآية: ١٠

٤. الاتقان في علوم القرآن ؛ ص ٣٥٠

٥. ظواهر قرآنية ؛ ص ٢١٧

٦. القرآن ؛ س: الاسراء ؛ الآية: ٤٤

٧. معترك الأقران في اعجاز القرآن ، ص ٤٧

اللَّهُ تَعَالَى:

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾^١

يقول الزركشي:

”فانه سبحانه لما تقدم نفي ادراك الأبصار له عطف على ذلك قوله [هو اللطيف] خطاباً للسامع بما يفهم؛ اذ العادة أن كل لطيف لا تدركه الأبصار، ألا ترى أن حاسة البصر انما تدرك اللون من كل متلون والكون من كل متكون، فادراكهما انما هو للمركبات دون المفردات، وكذلك لما قال [وهو يدرك الأبصار] عطف عليه قوله [الخبير]، مخصصاً لذاته سبحانه بصفة الكمال؛ لأنه ليس كل من أدرك شيئاً كان خبيراً بذلك الشيء، لأن المدرك للشيء قد يدركه ليخبره، ولما كان الأمر كذلك أخبر سبحانه وتعالى أنه يدرك كل شيء مع الخبرة به، وانما خص الأبصار بادراكه ليزيد في الكلام ضرباً من المحاسن يسمى التعطف؛ ولو كان الكلام: لا تبصره الأبصار، وهو يبصر الأبصار، وهو يبصر الأبصار لم تكن لفظتا [اللطيف الخبير] مناسبتين لما قلبيهما.“^٢

وعلى نحو ما سبق تحيء آية الغض:

﴿ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ٥ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَائِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوْ التَّابِعِينَ غَيْرَ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾^٣

فيقول فيه الدكتور البدر اوي زهران: ”فحاء عقب الغض ((ان الله خير بما يصنعون)) فهم يصنعون احتلاس النظر. وجاء ختام الآية الثانية طلب التوبة من المؤمنين جميعاً لأنه خالقهم واعلم بما يصدر عنهم وبما يصنعون من مخالفات لأمره في آية الغض فهو يعلم خائنة الأعين

١. القرآن؛ س: الأنعام؛ الآية: ١٠٣

٢. البرهان في علوم القرآن؛ الموضوع: معرفة الفواصل ورؤوس الآي؛ العنوان: التلايف الفواصل ...

٣. القرآن؛ س: النور؛ الآيات: ٣٠-٣١

وما تخفي صدور عباده وما يصدر من مخالفات فجاء طلب التوبة منهم جميعاً ((لعلكم تفلحون)) في توبتكم ولا تختانون أنفسكم فيتوب عليكم ويغفر لكم ما بدر منكم فيكون ذلك سبب فلاحكم.^١ وقد تبدو في فاصلة آية ((وإذا سألك عبادي)) عمق دلالة في حاجة الى تدبر

متدبر. فجاءت هذه الآية عقب آية رمضان، فيقول الله تعالى:

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ
وَالْفُرْقَانِ فَمَن شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا
الْعُدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُم وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥ وَإِذَا سَأَلَكَ
عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي
وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ٢ ﴾

”فجاء عقب الأمر بالدعاء والاستجابة لعلم يرشدون.“^٣ وقيل: ”فيه تعريض بليلة القدر حيث ذكر ذلك عقب ذكر رمضان أي لعلهم يرشدون الى معرفتها“^٤ أي الى معرفة ليلة القدر. فجاءت الفاصلة قوية آمرة هادية.

فعلينا أن نتأمل فوق كل ما سبق كيف جاء البناء اللغوي لكل هذه الآيات السابقة انه جاء وفق مقاطع صوتية رتبت ترتيباً داخل كل بنية وصيغة على حدة. ثم رتبت فيما بينها ترتيباً في تراكيب لغوية وفق أنظمة العربية عند كل مستوياتها، فجاءت قوة في البناء ووضوحاً في الدلالة، ويسر في حسن التأليف فيما بينها نجد سبيلها الى القلب والعقل معاً وتسيل على اللسان رقة وفي الأذن عذوبة.

تنوع الفواصل بتنوع الموضوع:

يتنوع نظام الفواصل، كما تتعدد ألوان الايقاع الموسيقي، ويجري ذلك على سنن خاصة، ويؤدي الى أهداف مقصودة. نظام الفواصل يتنوع في السور المختلفة، ويتنوع في السورة الواحدة كذلك. ويقول سيد قطب في تنوع نظام الفاصلة في القرآن الكريم:

”فأما تنوعه في السور فيختلف بالقياس الى الفواصل بين الطول والتوسط والقصر، وهو أشبه باختلاف بحور الشعر في الديوان الواحد. وقصارى ما يقال فيه: ان

١. ظواهر قرآنية؛ ص ٢١٩

٢. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ١٨٥-١٨٦

٣. ظواهر قرآنية، ص ٢٢٠

٤. الاتقان في علوم القرآن، ص ٣٥١

الفواصل تقصر غالباً في السور القصار، وأنها تتوسط أو تطول في السور المتوسطة والطوال. وبالقياس الى حرف القافية، يشتد التماثل والتشابه في السور القصيرة ويقبل غالباً في السور الطويلة. وتغلب قافية النون والميم وقبلهما ياء أو واو على جميع القوافي في سور القرآن. وذلك مع تعدد الأساليب الموسيقية ولو تشابهت القوافي في السور المختلفة.

وأما تنوع هذا النظام في السور الواحدة، فقد لاحظنا في مرات كثيرة أن الفاصلة والقافية، لا تتغيران لمجرد التنويع. وقد تبين لنا في بعض المواضع سر هذا التغير، وخفي علينا السر في مواضع أخرى، فلم نرد أن نتحمل له لنثبت أنه ظاهرة عامة، كالتصوير، والتخييل، والتجسيم، والايقاع.^١

فمن المواضع التي فيها يعني تغير نظام الفاصلة شيئاً خاصاً ما جاء في سورة مريم. فالسورة تبدأ بقصة زكريا ويحيى، وتليها قصة مريم وعيسى، وتسير الفاصلة هكذا بدءاً من قصة زكريا عليه السلام:

﴿ ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ يَدَّاءَ خَفِيًّا ۝
قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝﴾^٢

ثم جاء بقصة مريم عليها السلام:

﴿ وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ اتَّيَدَّتْ مِنْ أهلكَ مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝
فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝
قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝﴾^٣

حتى أن تنتهي القصتان على روي واحد. ثم فجأة يتغير هذا النسق في آخر قصة عيسى على النحو الآتي:

﴿ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝
وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَمَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝
وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْ لِي جَبَارًا شَقِيًّا ۝
وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝
ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝
مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝﴾

١. التصوير الفني في القرآن؛ ص ٨٨-٨٩

٢. القرآن؛ م: مريم؛ الآية: ٢-٤

٣. القرآن؛ م: مريم؛ الآية: ١٦-١٨

وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ٥
فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ١

وهكذا "يتغير نظام الفاصلة فتطول ، ويتغير نظام القافية فتصبح بحرف النون أو بحرف الميم وقبلهما مد طويل . وكأنما هو في هذه الآيات الأخيرة يصدر حكماً بعد نهاية القصة ، مستمداً منها . ولهجة الحكم تقتضي أسلوباً موسيقياً غير أسلوب الاستعراض . وتقتضي إيقاعاً قوياً رصيناً، بدل إيقاع القصة الرضى المسترسل ، وكأنما لهذا السبب كان التغيير." ٢

ونحن نستأنس في هذا الاستنباط بملاحظة أخرى . ذلك أنه "بمجرد الانتهاء من إصدار هذا الحكم والقاء ذلك القرار ، عاد الى النظام الأول في القافية والفاصلة ، لأنه عاد الى قصص جديد" ٣ ، وهذا على النحو الآتي:

﴿ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ٥
أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ٥
وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ٥
إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ٥
وَأذْكَرُ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ٥
إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ٥
يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ٥ ﴾ ٤

و بدأت سورة ((النبأ)) بفاصلة النون والميم:

﴿ عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ٥
عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ ٥
الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ٥
كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ٥
ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ٥ ﴾ ٥

وبعد الانتهاء من هذا التقرير، وابتداء نسقاً معنوياً جديداً ، وهو نسق الجدل بدل التقرير، تغير نظام الفاصلة هكذا:

- ١ . القرآن ؛ س: مريم ؛ الآية: ٣٠-٣٧
- ٢ . التصوير الفني في القرآن ؛ ص ٩٠
- ٣ . المرجع نفسه
- ٤ . القرآن ؛ س: مريم ؛ الآية: ٣٧-٤٥
- ٥ . القرآن ؛ س: النبأ ؛ الآية: ١-٤

﴿ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ٥
 أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ٥
 وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ٥
 وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ٥
 وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ٥
 وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَاسًا ٥
 وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ٥ ﴾^١

وسورة ((آل عمران)) سارت على الفاصلة الغالبة حتى قرب النهاية، فلما بدأت دعاء من طائفة من المؤمنين يذكرون الله قياماً وعوداً وعلى جنوبهم، تغيرت الفاصلة هكذا:

﴿ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥
 رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ٥ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ٥ ﴾^٢

وتوجد في القرآن كثير من مثل هذه الملاحظات، ولكننا لا نستطيع لها تفسيراً مطرداً في جميع مواضع التغير، فيكفي أن نشير إليها، بمقدار ما يتضح لنا من سرها.

تأثير صوتي للفواصل القرآنية:

ونستنتج من كل ما سبق أن البناء اللغوي لكل هذه الآيات السابقة انه جاء وفق مقاطع صوتية رتبت ترتيباً داخل كل بنية وصيغة على حدة ..

وجاء الكلام بعيداً عن "التعقد والتكلف عذوبة في الأذن سهولة في النطق فيتم تجاوب تستريح له النفس في وقع موسيقي تتمخض عنه الدلالة في ثوب من البناء اللغوي المعجز لأساطين البلاغة وأرباب الفصاحة . وظهرت الهوه فسيحة بينه وبين كلامهم." ^٣ فأنخذ نموذج واحد من

الفواصل القصيرة :

﴿ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ٥
 وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ٥
 وَظِلِّ مَمْدُودٍ ٥
 وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ٥ ﴾^٤

١. القرآن ؛ س:النبأ ؛ الآية:٤- ١١

٢. القرآن ؛ س:آل عمران ؛ الآية:١٩١-١٩٢

٣. ظواهر قرآنية ، ص ٢٢٠

٤. القرآن ؛ س:الواقعة:٢٨-٣١

فنجد المقاطع تحيء دقات متساوية من حيث الكم والكيف والانغلاق والانفتاح . أي عندما "تتفاعل الكلمات في الآيات داخل القراءة فاننا نجد قرائن متساوية ذات وقع موسيقي له وظيفة دلالية لأنه يعبر عن قضية فيسهم فيه النغم بدوره فتحية المباني واضحة تكشف عن دلالات في قضية كبرى من أوهل القضايا وأخطرها قضية الساعة الواقعة ."^١

والسورة من أولها الى آخرها جاءت على نمط خاص في الفواصل:

﴿ إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝

لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝

خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ ۝

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ۝

وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًا ۝

فَكَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا ۝ ﴿^٢

فلو أراد أن نستنتق ما جاءت عليه البنيات اللغوية من تراكيب خاصة بالفواصل لنجد الصفحات وضاق الزمن قبل أن نستخلص كل ما جاء في سورة واحدة من أنواع التحاليل الصوتية لكيفية النطق وما تعلق به من دلالة وما يتركه في نفس السامع من عبرة زاجرة وحكمة بالغة وشفاء للنفوس وهدى الى الحق . وان وقع موسيقي يؤدي فيه النغم دوره مع وضوح في قوة وسهولة في الوصول الى القلب: فمثلاً نتعمق ما جاء في بداية سورة الواقعة:

﴿ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ الواقعة من أسماء يوم القيامة، سميت بذلك لتحقق كونها ووجودها ...

﴿ لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ أي: ليس لوقوعها اذا أراد الله كونها صارف يصرفها، ولا دافع يدفعها

﴿ خَافِضَةٌ رَافِعَةٌ ۝ أي: تخفض أقواماً الى أسفل سافلين الى الجحيم، وان كانوا في الدنيا أعزاء،

وترفع آخرين الى أعلى عليين الى النعيم المقيم، وان كانوا في الدنيا وضعاء"^٣

"لو أردنا التحليل ضاقت الصفحات وما اتسع الزمن ولو أردنا الفهم والعبرة الواصلة الى القلب

لوجدناها تأتي من أقصر طريق وأقرب سبيل الجملة تصل في كلمة تامة محققة كل المراد."^٤

﴿ اذا رجحت الأرض رجاً ۝ "ترج بما فيها كرج الغريال بما فيه ...

﴿ وبست الجبال بساً ۝ أي: فتتت فتناً ...

١ . ظواهر قرآنية ؛ ص ٢٢٢

٢ . القرآن ؛ س: الواقعة ؛ الآية: ١-٦

٣ . تفسير ابن كثير ؛ س: الواقعة ؛ الآية: ١-٣ ، ص ١

٤ . ظواهر قرآنية ، ص ٢٢٣

﴿ فكانت هباءً منبثاً ﴾ ... كرهج الغبار يسطع ثم يذهب ، فلا يبقى منه شيء ...^١

أي عبرة تصل الى القلب أسرع من ذلك . فان ”وظيفة اللغة الأولى هي التواصل ، فأى تواصل أسرع من ذلك تسمع الآية فلا تكاد تخرج من الشفتين حتى تستقر في العقل والقلب حكمة محققة الهدف الذي من أجله قيلت في بناء محكم ونسق صوتي منسجم في مقاطع متناسقة متتابعة يقف أمامها المحللون الصوتيون في خشوع لما اشتملت عليه من تناسق في تتابع واحكام لا يقدر عليه بشر.^٢

ومن المبادئ اللغوية الهامة المسلم بها لدى لغويين قدماء ومحدثين ”ان المعاني تختلف باختلاف الصور والتراكيب المؤدية لها والمعبرة عنها.“^٣ ومعناه أن الخطاب القرآني وما انبثق عنه من دلالات له ظلال وايحاءات ومعان مختلفة انما جاءت خاصة بهذا البناء نتيجة للصورة اللغوية التي جاء عليها ولما اشتمل عليه من وحدات لغوية ذات مقاطع وبنيات خاصة به جاءت نتيجة للصورة التي رأيناها عليها.

يعني هذا أن الأبنية التي قُدمت معبرة عن هذا الغرض في القرآن تحمل صوراً أخرى من المعاني ”لأنها جاءت على خاصية وصنعة وصفة غير التي جاءت عليها هنا وأنه لن يكون المفهوم واحداً من هذه وتلك. ان اللغة حقاً ظاهرة معقدة مستوياتها مترابطة متداخلة ونحن أمام المعجزة الكبرى الخالدة لنبينا صلوات الله وسلامه عليه الذي جاءته من عنده.^٤

اننا نرى مباني مختلفة ذات اتساق خاصة بها ، وصفات لغوية مخالفة وصفة في العبارة والصيغ أخرى ينتج عنها أن يكون المفهوم من هذه غير المفهوم من تلك ولننظر الخطاب القرآني:

- ﴿ إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زُلْزَالَهَا ۝
- وَأُخْرِجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝
- وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝
- يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝
- بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝
- يَوْمَئِذٍ يَصُدُّرُ النَّاسُ أَسْتَاتًا لِّبُرُوْا أَعْمَالَهُمْ ۝
- فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝

١ . تفسير ابن كثير ؛ س: الواقعة ؛ الآية: ١-٣ ، ص ١

٢ . ظواهر قرآنية ، ص ٢٢٣

٣ . المرجع نفسه

٤ . المرجع نفسه ، ص ٢٢٤

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ١ ﴿﴾

”فانظر الفواصل الخمس الأولى متحدة ولكن بينها ترابط تطلبتها الدلالة ، فلو أمسكنا بالفاصلة الثالثة ((مالها)) نجدها مرتبطة بالفاصلتين السابقتين عليها وبالفاصلتين اللاحقتين بها.“^٢

وهكذا لناخذ مثلاً من البناء اللغوي الآيتين الأخيرتين :

﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ٥ ﴾

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ٣ ﴿﴾

مع ما يتضح في الآيتين من اتحاد في الكلمات المكونة لهما ، وما يترتب على ذلك من نسق صوتي نجد أن ”كلمة (خيراً) وكلمة (شراً) تتكون كل منهما باصطلاح الصوتيين من مقطعين (قصير مفتوح + متوسط مغلق) بالاضافة الى الفاصلة (يره) في الآيتين واحدة وهي مكونة من مقطعين (قصير مفتوح + متوسط مغلق) فيحدث نتيجة لكل ذلك انسجام صوتي قوي تحيي معه الفقرات ذات وقع موسيقي له أثر حسن على الأذن تستريح له النفس والقلب... ألا أن كل ذلك لم يكن هدفاً لذاته ، وانما له وظيفة دلالية لتتضح أبعادها من الأصداء...“^٤

وهذا يتضح من الأقوال المأثورة منها:

يذكر القرطبي في تفسيرهاتين الآيتين رواية المطلب بن حنطب ”أن أعرابياً سمع النبي ﷺ يقرأها فقال : يا رسول الله أمثقال ذرة ! قال : نعم ، فقال الأعرابي واسوأته ! مرارا ، ثم قام وهو يقولها ، فقال النبي ﷺ : لقد دخل قلب الأعرابي الايمان.“^٥

وقال الحسن: ”قدم صعصعة (عم الفرزدق) على النبي ﷺ ، فلما سمع: ((فمن يعمل مثقال ذرة)) الآيات، قال: لا أبالي ألا أسمع من القرآن غيرها، حسبي. فقد انتهت الموعظة؛ ذكره الثعلبي.“^٦

وهكذا كثير.. ان هذه التراكيب اللغوية بتلك الأبنية ووحداتها اللغوية بمقاطعها الصوتية المعينة التي جاءت عليها لم تحيي لذاتها اذن وانما لتسهم في المعنى وتؤدي وظيفة دلالية يتضح صداها في أقوال هؤلاء وموافقهم جميعاً وفي موقف كل من يقرأ ويتدبر أو يسمع ويتعظ.

١. القرآن ؛ س: الزلزلة ؛ الآيات: ١-٨

٢. ظواهر قرآنية ، ص ٢٢٥

٣. القرآن ؛ س: الزلزلة ؛ الآيات: ٧-٨

٤. المرجع نفسه ، ص ٢٢٧

٥. الجامع لأحكام القرآن ؛ س: الزلزلة ؛ الآية: ٧-٨ ص ٢

٦. المرجع نفسه

الباب الثامن

دور الايقاع في أداء المعنى في القرآن

- | | |
|---------------|---|
| الفصل الأول: | دور الايقاع في الأداء والفهم |
| الفصل الثاني: | الايقاع الموسيقي – من ألوان التناسق في القرآن |
| الفصل الثالث: | بناء الايقاع في النص القرآني |
| الفصل الرابع: | المعاني الكامنة في الايقاع القرآن |

الفصل الأول

دور الايقاع في الأداء والفهم

لقد ثبت علمياً أن حاسة السمع لدى الانسان "أهم الحواس الخمس في عمليتي الادراك والتوصل لا مع غيره فحسب وانما مع الكون كله الذي يمتلي بألاف الأصوات ليلاً ونهاراً، وأنها الحاسة التي لا تتوقف عن العمل حتى في حالة نوم الانسان."^١

ومن ثم انها ليست آلة لادراك المحسوسات من الأصوات فقط "وانما لادراك المعقولات من المعاني أيضاً؛ فقد نابت عن العقل في بعض الأحيان في قبول الأشياء ورفضها، نحو قوله تعالى: ﴿قَالُوا أَفَلَا تَسْمَعُونَ﴾^٢ وأشربوا في قلوبهم العجل بكفرهم ﴿٣﴾ وقوله تعالى: ﴿مَنْ إِلَهٌ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ أَفَلَا تَسْمَعُونَ﴾^٤ تعني كلمة السمع في هاتين الآيتين فهم الكلام وعقله ثم ما ينتج عنه من تصرف ورد فعل بعد ذلك. ومنه يتبين أن السمع ما وقر في الأذن مما يسمعه الانسان، وما وقر في العقل مما يفهمه كذلك، فصار بذلك الوسيلة الرئيسة لتلقي العلم واكتساب اللغة..."^٥

والسمع تجعل — مع اللسان — أكبر طرق التواصل في المجتمع الانساني؛ وهو التكلم والاستماع. "لقد توصل الدارسون الى أن عملية التواصل التي تعتمد على الكلام تستهلك حوالي ٧٠٪ من وقت الانسان الذي يقتضيه متكلماً ومستمعاً"^٦ وأن كيفية أداء الكلام أهم من كمية الأداء. "وأن هذه العملية لا تقتصر على ما نقول فقط وانما كيف نقول أيضاً."^٧ يعني هناك فرق بين كلام وآخر؛ بين كلام خطيب باهر وكلام انسان عادي. وهو ما يعني أن "كيفية الأداء الصوتي الكلامي تسهم الى حد كبير في تحديد مفهوم الرسالة اللغوية"^٨ "لأن الأذن تنفعل بكل

١. من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين (الايقاع)

وانظر: الدلالة الصوتية، كريم زكي حسام الدين، ص ٧ وما بعدها

٢. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٩٣

٣. القرآن؛ س: القصص؛ الآية: ٧١

٤. من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين (الايقاع)، ص ١

٥. المرجع نفسه

٦. الدلالة الصوتية، كريم زكي حسام الدين، ص ١٤٩

٧. المرجع نفسه، ص ١٥

ما تسمع وتتفاعل معه إن ايجاباً أم سلباً،^١

وحاسة السمع تحس جذباً الى بعض الأصوات — وخاصةً أصوات موسيقية — ودفعاً لبعض آخر — وخاصةً أصوات غير مرتبة. ”وهو ما يستشف منه أن العرب الأولين كانوا يحفلون كثيراً بالعنصر الموسيقي، ولم يكن ذلك عندهم من قبيل الترف ولاهدار الطاقات وإنما عدوه وسيلة فعالة من وسائل الاتصال والتبليغ، اذ به يؤثر في المتلقي فينفع وتتحرك مكنوناته فينصاع لذلك العمل الفني وينجذب اليه.“^٢

وهذا يقودنا الى الايقاع. وللايقاع تعريفات متعددة — كما حسه أذواق العلماء — ولكننا نشعر بتعمق قليل أنها احساس واحد قد تم اظهاره بتعبيرات مختلفة حسب أذواق مختلفة. فالايقاع في جوهره ”يشكل صوراً كثيرة متعددة، تشمل معظم جوانب الحياة، متمثلة فيما يصدر من الانسان من قول منظوم أو منثور، وما يطاله من حركات جسمية، كنبضات قلبه، وحركات أطرافه، وسريان دمه في جوف شريانه.“^٣

يذهب أبو حيان التوحيدي الى أنه: ”فعل يكييل زمان الصوت بفواصل متناسبة متشابهة متعادلة“^٤ وانه على حد تعبير أحدهم: ”ظاهرة مألوفة في طبيعة الانسان نفسه: فيبين ضربات القلب انتظام وبين وحدات النفس انتظام، وبين النوم واليقظة انتظام، وهكذا“^٥

أو أنه ”تواتر الحركة النغمية وتكرار الوقوع المطرد للنبرة في الالتقاء وتدفق الكلام المنظوم والمنثور عن طريق تألف مختصر العناصر الموسيقية“^٦

وهو بتعبير أحد آخر: ”يمثل في جملة من المظاهر، بحيث كان كل شيء في نفسه ومع غيره أيضاً ايقاعاً: اذا تكرر على سبيل الانسجام والائتلاف؛ بل اذا تكرر على سبيل التناقض والاختلاف كتعاقب الفصول مثلاً“^٧

أو هو ”التوازن الناشئ عن تقارب الشبه بين المسافات الفاصلة بين كل نبر ونبر، وهذا التوازن

١. من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين (الايقاع)، ص ١

٢. المرجع نفسه، ص ٢

٣. البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن

٤. المقابسات، أبو حيان التوحيدي، ص ٨٢،

على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=40&page=1>

٥. فلسفة وفن، زكي نجيب محمود، مطبعة لجنة التأليف والترجمة والنشر، القاهرة، ١٩٦٣م، ص ٢١٠

٦. المعجم المفصل في الأدب، محمد التونجي، ج ١، ص ١٤٩

٧. نظرية القراءة — تأسيس للنظرية القراءة العامة للقراءة الأدبية، د. عبد الملك مرتاض، ص ٢٢٦

هو مصدر رشاقة الأسلوب وسبب قوي من أسباب ارتياح النفس له“^١

وكذلك ”انه في طبيعة ناموس من نواميس المظاهر الحياتية ، كتوالي الليل والنهار ، والشمس والقمر ومدار الأيام والشهور والسنوات ؛ كما يمثل في تلاطم أمواج البحار وفي جريان الأنهار ، فهنا تحرير المياه وهناك صفير الرياح ، وهناك زمجرة الرعود.“^٢ أما حسب معاجمنا العربية فهو مستمد من ”وقع المطر ، وهو شدة ضربه الأرض اذا وبل“^٣

كما أنه ” من ايقاع اللحن والغناء ، وهو أن يوقع الألحان ويبينها ، وسمى الخليل رحمه الله كتاباً من كتبه في ذلك المعنى كتاب الايقاع“^٤

وهو بعبارة أخرى ”اتفاق الأصوات والألحان وتوقعها في الغناء أو العزف“^٥

فالموضح من كل ما مر ذكره ، أن (الايقاع) ”يقوم على الانسجام والتوافق الحركي والنعمي ، والذي من شأنه أن يولد حركة منتظمة يوفرها الايقاع للغة التي يتخللها.“^٦

أما في اصطلاح فني فهو ”الفاعلية التي تنتقل الى المتلقي ذي الحساسية المرهفة الشعور بوجود حركة داخلية ، تمنح التابع الحركي وحدة نغمية عميقة .. الايقاع بلغة الموسيقى ، هو الفاعلية التي تمنح الحياة للعلامات الموسيقية المتغايرة التي تؤلف بتتابعها العبارة الموسيقية“^٧

وهذا الايقاع تنبض في كل نص وكل عبارة نقرأها في القرآن الكريم يلعب دوره في ابلاغ المعاني الى الأذهان المتلقية لتلتقط مفاهيم هذا الخطاب المقدس وتتفاعل معها حياة البشر المؤمن به.

للايقاع دور حاسم في حياتنا وان الباحثين ”أدر كوا وثوق الصلة بين الايقاع الموسيقي وبين نظام الذي تسير عليه حركة الجسم والطبيعة“^٨ وقد بلغ أكثرهم ان الايقاع ”من سمات الحياة بل هو الحياة نفسها — كما يقولون — يدركه الانسان في مهده عندما تأخذه أمه لينام أو ترقصه

١. الفاصلة القرآنية بين المبني والمعنى ، عيد محمد شبايك ، دار حراء القاهرة ، ط ١ ، ١٩٩٣ م ، ص ٧٠

٢. البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، ص ١

٣. لسان العرب ، مادة وقع ، ص ٦٣٠٨

٤. المرجع نفسه ، ص ٦٣١٢

٥. لاروس: المعجم العربي الحديث ، د. خليل الجر ، ص ٢٠٥

٦. البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، أ. محمد حرير ، ص ١

٧. في البنية الايقاعية للشعر الأدبي ، د. كمال أبو ديب . دار العلم للملايين بيروت ص ٢٣٠-٢٣١

٨. التعبير الموسيقي لفؤاد زكريا ٢٠-٢١ ، نقلاً عن: من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين (الايقاع) ،

الدكتور بلقاسم بلعرج بن أحمد م مجلة التراث العربي ، العدد ٩٨ ، مايو ٢٠٠٥ م

ليكف عن البكاء ، وقد أثبتت التجارب الطبية أن ضربات قلب الأم تمثل أول الايقاعات التي يسمعها الطفل في بطن أمه ، وبعد ولادته على صدرها ، ونجد احساسه بالأنماط الايقاعية الأخرى تنمو معه تدريجياً قبل ولادته.^١

وان الايقاع معاملة الذوق وله لذة "ولذته لا تظهر في السمع والفم بقدر ما تظهر في احساس المتلقي بتحقيق التلاؤم والتطابق بين الأنغام والكلمات والمعاني التي تنفذ — من دون شك — الى قلبه وتهز أعماقه.^٢

يقول د. على أحمد سعيد أدونيس: "الايقاع في اللغة الشعرية لا ينمو في المظاهر الخارجية للنغم: القافية ، والجناس ، تزواج الحروف وتنافره ، هذه كلها مظاهر أو حالات خاصة من مبادئ الايقاع وأصوله العامة. ان الايقاع يتجاوز هذه المظاهر الى الأسرار التي تصل بين النفس والكلمة ، بين الانسان والحياة"^٣

وورد عن بيرتون (Berton) قوله : "ان الايقاع يساعد في انتاج الانفعال القوي والتأثير المتزايد ، والمتانة والمهابة ، وخفة السمع ، والسرعة والاسترخاء أو أي تأثير آخر يقصد اليه الشاعر"^٤

وتقول خالدة سعيد : "الايقاع ، بالمعنى العميق ، لغة ثانية لا تفهمها الأذن وحدها ، وانما يفهمها ، قبل الأذن والحواس ، الوعي الحاضر والغائب (...) الايقاع لغة ، بل هو سابق للغة المصطلح على تسميتها كذلك . انه ما قبل المصطلحات ..."^٥

وعن دور الايقاع والشكل في الشعر أو النثر العالي يقول محيي الدين اللاذقاني "ان الوزن ليس الا مجرد هيكل ، أما الايقاع فروح تسري في النص ، وتعتمد على النشاط النفسي للمبدع والمتلقي على السواء."^٦

ويقول أيضاً "الوزن تشكيل واحد له طول محدد ، وأنغام محفوظة ، أما الايقاع فمجموعة من التشكيلات المتداخلة التي تتغير بتغير المناخ النفسي ..."^٧

- ١ الدلالة الصوتية، كريم زكي حسام الدين، ص ١٥١؛ نقلاً عن: من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين..
- ٢ المرجع نفسه؛ وانظر الشعر العربي المعاصر: قضاياها وظواهره الفنية والمعنوية ، عز الدين اسماعيل ص ٦٧
- ٣ مقدمة للشعر العربي، الدكتور على أحمد سعيد أدونيس ، دار العودة ، بيروت ، ط٤ ، ١٩٨٣ ، ص ٩٤
- ٤ ابداع الدلالة في الشعر الجاهلي ، محمد العبد ص ٣٣ ، نقلاً عن: من سمات الأداء في ثقافة العرب
- ٥ حركية الحدائث في الشعر العربي المعاصر، د. ماخير بك ، دار الفكر بيروت ، ط٢ ، ١٩٨٦ م ، ص ١١١
- ٦ القصيدة الحرة ، معضلاتها الفنية وشرعيتها التراثية ، لمحيي الدين اللاذقاني ، في مجلة: فصول ، العدد الخاص بـ "الأفق الأدوني" ، المجلد ١٦ ، العدد ١ ، صيف ١٩٩٧ ، ص ٤٣ ؛ نقلاً عن: عبثية الايقاع في النقد الحدائثي ، عبد العالي محدوب ، على الموقع www.aljamaa.info/ar/imprimer.asp?id=4559
- ٧ المرجع نفسه ، ص ٤٥

نستنتج مما ذكر سالفاً أن "الايقاع مثير للاستجابة للصوت والصورة والانفعال والفكرة، وهو من هذه الناحية ليس مجرد حقيقة سيكولوجية فحسب وانما هو عنصر ابداعي كبقية العناصر الابداعية الأخرى، وينطوي على بعد نفسي ابلاغي مؤثر سهل المرور الى الجانب الآخر حيث المتلقي"^١

أنواع الايقاع:

ان للايقاع عند العرب نوعان: ايقاع داخلي وايقاع خارجي:
— فالداخلي يعرف "بجرس اللفظ المفرد أو ما يطلق عليه البلاغيون بـ(فصاحة المفرد) وله وقع كبير على النفس لما له من ارتباط قوي بالدلالة والايحاء."^٢

"الايقاع الداخلي ... يشبه الصدى البعيد ... فهو ينبع من النفس، ويصطدم بالعالم الخارجي، فيعود محملاً بشحنة اضافية تحمل صفاته الأولى بتركيب جديد."^٣

— أما الخارجي فيقصد به "الموسيقى الناتجة عن ارتباط الألفاظ وتآلفها وتناسقها. ومن هذين الايقاعين يتولد الايقاع العام للنص الابداعي"^٤

الايقاع الداخلي للكلمة:

ان الشعراء العرب قد عنوا — بالاضافة ايقاع القافية والوزن — بالايقاع الداخلي في صياغتهم، "فجاءت ألفاظهم منسجمة ومتناسقة يأخذ بعضها برقاب بعض، ولم يكن ذلك سهلاً عليهم مثلما قد يتصوره بعض الناس، وانما كان يستهلك من أعمارهم أياماً وشهوراً، وكان منهم من لا يخرج قصيدته للناس حتى يحول عليها الحول وهو يجتهد في تصحيحها وتنقيحها وتهذيبها كزهير والحطيئة مثلاً"^٥

وإذا أنعمنا النظر في مفردات اللغة العربية "وجدنا فيها أكثر من عنصر واحد يجعل من الايقاع الداخلي للكلمة أكثر تأثيراً في النفس"^٦

١. من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين (الايقاع)، ص ٣ وانظر: ابداع الدلالة، ٤٣٣، والابلاغية في البلاغة العربية، سمير أبو حمدان، ص ٦٩
٢. المرجع نفسه، نقلاً عن الابلاغية في البلاغة العربية، سمير أبو حمدان، ص ٦٨
٣. المرجع نفسه، ص ٦٩
٤. القصيدة الحرة، معضلاتها الفنية وشرعيتها التراثية ص ٤٥، نقلاً عن: عشية الايقاع في النقد الحدائني
٥. من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين، ص ٤، وانظر المعجم المفصل في الأدب، محمد التونجي، دارالكتب العلمية بيروت، ط ٢، ١٩٩٩ م، ج ١، ص ٣٨٦-٣٨٧
٦. المرجع نفسه

من ذلك:

(١) الصوت وأثره الموسيقي: "لا يخلو حرف من أحرف الكلمة من صوت وموسيقى خاصة به وهو بهذه الخاصية يأتلف مع أصوات ويختلف مع أخرى، وهو أمر يحتم على المتكلم اختيار المؤتلف ورصفه جنباً إلى جنب سعيًا للحصول على لفظ مستساغ يقع من النفس موقعاً حسناً"^١

وقد كان للخليل بن أحمد فضل سبق في هذا المجال — حيث "أنه اللغوي النحوي العروضي الذواقة"^٢ — عرض حروف العربية حرفاً حرفاً وأبنية كلماتها بناء مشيراً إلى الشروط والأسباب

والمعايير التي بها تعرف الكلمة العربية من غيرها، من ذلك أنه ذهب إلى أن لكل حرف من حروف الهجاء طبيعة نغمية خاصة، يفضلها يحسن بناء لفظة أو يقبح بصرف النظر عن مخارج صوته، فالعين والقاف معاً على سبيل المثال "لا تدخلان في بناء الا حسنتاه لأنهما أطلق الحروف وأضخمها جرساً فاذا اجتمعا أو أحدهما في بناء حسن البناء لنصاعتهما"^٣ فهذا

الذوق "ربط بين الطبيعة النغمية للصوت وبين وقع جرس اللفظة على السمع والنفس معاً."^٤

"إن الإنسان عند النطق بالحرف يحتاج إلى مجهود عضلي تشترك فيه مجموعة من العضلات والأوتار والأعصاب، وهو ليس واحداً، وإنما يختلف من صوت إلى آخر، فما يخرج من الحلق يتطلب جهداً كبيراً مما يخرج من الفم أو الشفتين. ولما كانت النفس البشرية تميل بطبعها إلى الاقتصاد في المجهود للوصول إلى غرضها، فإنه متى تحقق لها ذلك شعرت باللذة، والعكس بخلافه، فهي تنفر من بعض الحروف لثقلها في النطق وتحميل المتكلم بعض المشقة"^٥

وفي هذا السياق ورد قول الجاحظ: "... وإذا كانت الكلمة ليس موقعها إلى جنب أختها مرضياً موافقاً، كان على اللسان عند انشاء ذلك الشعر مؤونة (...) وأجود الشعر ما رأيت متلاحم الأجزاء سهل المخارج فتعلم بذلك أنه قد أفرغ فراغاً واحداً وسبك سبكاً واحداً فهو يجري على اللسان كما يجري الدهان"^٦

١. البلاغية في البلاغة العربية ص ٧٦، نقلًا عن: من سمات الأدار في ثقافة العرب الأولين (الايقاع)

٢. من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين (الايقاع)، ص ٥

٣. كتاب العين، ج ١، ص ٥٣؛ وانظر الأسس النفسية لأساليب البلاغة، مجيد عبدالحميد ناجي، ص ٤٧

٤. المرجع السابق

٥. المرجع نفسه

٦. البيان والتبيين، ج ١، ص ٦٦-٦٧

ومن ثم شبهوا جري الألفاظ من الأسماع مجرى الصور من الأبصار.^١

”وهو ما يوحي بأن العملية البلاغية لا تقوم على السمع فقط ، من حيث هو مقياس لتذوق نغم الألفاظ وإيقاعها، وكشف البعد الجمالي والبلاغي فيها وإنما تقوم على مشاركتها بقية الحواس على اعتبار أنها أساس الذوق الفني فكل حاسة تتقبل ما كان موافقاً لما طبعت له.“^٢

(٢) البعد الإيحائي للموسيقى الداخلية للكلمة: لكل كلمة بعد إيحائي بلاغي ”يدل على معنى بذاته ، وطالما هي تعبير عن صورة ذهنية سمعية فانه بإيقاعها الموسيقي قادرة على إثارة الأنفعال المناسب في نفس المتلقي فيدرك معنى الكلمة من خلال سماع جرسها وإيقاعها الداخلي من دون أن يكون له علم مسبق به ، أي يمكننا معرفة معاني الألفاظ أو الكلمات من خلال موسيقاها وهو ما يدعى عند البلاغيين بالموهبة الموسيقية للألفاظ.“^٣ كالحفيف لصوت الأغصان عندما يلامسها الهواء والخيرير لصوت الماء عندما ينساب في الجداول بين الصخور وما إلى ذلك.

وإدراك دلالات الألفاظ من خلال أصواتها وأجرامها ”أمر شائع عند العرب حتى ولو كانت المفردات من الدخيل ، ... فقد كان لديهم إحساس قوي بإيقاع اللفظ وجرسه وموسيقاه ، حتى ان نغمة اللفظ كانت تنتقل إلى أذهانهم صورة من الصور التي تتعادل معها ، مما دعاهم إلى التأكيد على الربط بين إيقاع اللفظ ومدلوله وصوره الإيحائية ، فالألفاظ عندهم تجري مجرى الصور في البصر.“^٤

ولم يتوقفوا عند هذا الحد وإنما ”تعدوه إلى الربط بين الصيغة وما لها من دلالة إيحائية معنوية بغض النظر عن طبيعة الأصوات التي تتألف معها فقد أشاروا إلى أن لكل صيغة من صيغ الزيادة دلالة معنوية إيحائية عامة ، تختلف عما للأخرى.“^٥

وبديهي أن ”تختلف الدلالة التصويرية الإيحائية للألفاظ عند المتلقي والمبدع على حد سواء ، وذلك لاختلاف الأطار الذوقي العام والخبرات المكتسبة عند كل منهما.“^٦

١. انظر: المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر ، ص ٥٣-٥٤

٢. من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين (الإيقاع) ، ص ٦

٣. انظر: دلالة الألفاظ ، ص ٧٥ وما بعدها

٤. المرجع السابق ، جزو ٢ ، ص ١

٥. المرجع نفسه ، ص ٤

٦. انظر: دلالة الألفاظ ، ص ٧٥ وما بعدها؛ والأسس النفسية للبلاغة العربية ص ٥٥-٥٦

الموسيقى الخارجية:

ان تناول البلاغيين لم يتوقف عند حد الايقاع الداخلي للمفردة فحسب وانما تعداه الى الايقاع الخارجي ، "حالة كونها مع مثيلاتها لتأليف بيت شعري أو مقطع أدبي،"^١

ففي رأي عبدالقاهر الجرجاني الفصاحة في اللفظ المفرد تزداد بعد أن ينتظم في سياق الألفاظ ، فمنه يستمد قوته وفصاحته الفعلية ، بمعنى أن فصاحة اللفظ تكمن في موقعه مع باقي الألفاظ وليس في وحده ، فبعد بيان هذا في فصل (في تحقيق القول على البلاغة والفصاحة) يقول: " أن الألفاظ لا تتفاضل من حيث هي ألفاظ مجردة، ولا من حيث هي كلم مفردة، وأن الألفاظ تثبت لها الفضيلة وخلافها، في ملائمة معنى اللفظ لمعنى التي تليها ، أو ما أشبه ذلك ، مما لا تعلق له بصريح اللفظ. ومما يشهد لذلك: أنك ترى الكلمة تروك وتؤنسك في موضع ، ثم تراها بعينها تثقل عليك وتوحشك في موضع آخر"^٢

يعني "أن للفظ المفرد فصاحة وتأثيراً ابلاغياً أقل بكثير مما لو كان مع غيره من الألفاظ منتظماً في سياق شعري أو نثري حيث تزداد قوة التأثير في نفس المتلقي فهماً وطرباً وقبولاً... فان ايقاعه يحل العقد ويسل السخائم ويشجع الجبان ، وهو ما يعني أنه يؤدي دوراً أساسياً في الاثارة والابلاغية."^٣

١. المرجع السابق ، ص ١

٢. دلائل الاعجاز ، ص ٣٢-٣٣

٣. المرجع السابق ، ص ٢٤ وانظر: عيار الشعر، ابن طباطبا العلوي ، ص ١٦

الفصل الثاني

الايقاع الموسيقي — من ألوان التناسق في القرآن

ان في القرآن ايقاعاً موسيقياً متعدد الأنواع ، يتناسق مع الجو ويؤدي وظيفة أساسية في البيان . يقول الدكتور عبد الكريم اليافي تعليقا على مقال (قواعد تشكل النغم في موسيقى القرآن) للدكتور نعيم اليافي: "يرى المفكرون المؤمنون أمثال روني غينون أن الكتب السماوية انما نزلت بلغة ايقاعية موزونة ، ولكن الوزن والايقاع فيها يختلفان عما هو معروف في الشعر الدنيوي . ولقد تميزت اللغة العربية بنزول القرآن الكريم فيها"^١

ويقول الدكتور نعيم اليافي: "الموسيقى في القرآن أمر يرفضه قوم ، ويتحرج من ذكره آخرون ، يرفضه أولئك الذين يزاجون بين الموسيقى والوزن الشعري قافية وروياً وتفاعيل فينزهون القرآن عن هذا الوزن قافية وروياً وتفاعيل . ويتحرج منه هؤلاء الذين يحسون فيه نغماً وجرساً وإيقاعاً ، ولكنهم يحدون في المصطلح مادة غريبة ونايبة عنه وعن مستلزماته من ورع وتقى وصلاح... وإذا كان القرآن ينأى عن وزن الشعر ولو تلامحت فيه بعض أشطره وأبياته فانه لا ينأى عن الايقاع بل يتوسل به في نسقه العالي الجميل حقيقة لا ادعاء."^٢

ولما كانت هذه الموسيقى القرآنية اشعاعاً للنظم الخاص في كل موضع ، وتابعة لقصر الفواصل وطولها، كما هي تابعة لانسجام الحروف في الكلمة المفردة ، ولانسجام الألفاظ في الفاصلة الواحدة.. فاننا نؤثر أن نتحدث عن هذه الظواهر كلها مجتمعة .
جاء في القرآن الكريم:

﴿ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴾^٣

وجاء فيه حكاية عن كفار العرب:

﴿ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ﴾^٤

وصدق القرآن الكريم ، فليس هذا النسق شعراً. ولكن العرب كذلك لم يكونوا مجانين ولا جاهلين بخصوصائص الشعر، يوم قالوا عن هذا النسق العالي: انه شعراً!

١ . مجلة التراث العربي ، العددان ١٥ و١٦ ، مقال: قواعد تشكل النغم في موسيقى القرآن،

للدكتور نعيم اليافي ، على الموقع <http://www.awu-dam.org/trath/15-16/turath15-16-007.htm>

٢ . المرجع نفسه ، العددان ٢٥ و٢٦ ؛ مقال: عودة الى موسيقى القرآن، للدكتور نعيم اليافي

على الموقع www.awu-dam.org/trath/25-26/turath25-26-003.htm

٣ . القرآن ؛ س:يس ؛ الآية: ٦٩

٤ . القرآن ؛ س: الأنبياء ؛ الآية: ٥

”لقد راع خيالهم بما فيه من تصوير بارع؛ وسحر وجدانهم بما فيه منطق ساحر؛ وأخذ أسماعهم بما فيه من ايقاع جميل. وتلك خصائص الشعر الأساسية؛ اذا نحن أغفلنا القافية والتفاعل.“^١

على أن النسق القرآني قد جمع بين مزايا النثر والشعر جميعاً. فقد أعفى التعبير من قيود القافية الموحدة والتفعيلات التامة؛ فنال بذلك حرية التعبير الكاملة عن جميع أغراضه العامة. وأخذ في الوقت ذاته من الشعر الموسيقي الداخلية، والفواصل المتقاربة في الوزن التي تغني عن التفاعل؛ والتقفية المتقاربة التي تغني عن القوافي؛ وضم ذلك الى الخصائص التي ذكرنا، فشأى النثر والنظم جميعاً.

يقول الدكتور طه حسين: ”ان القرآن ليس شعراً وليس نثراً. انما هو قرآن. ولسنا في حاجة الى هذا اللعب بالعبارات، فالقرآن نثر متى احتكنا للاصطلاحات العربية كما ينبغي. ولكنه نوع ممتاز مبدع من النثر الفني الجميل المتفرد.“^٢

والباقلائي اذ ينبه على أن القرآن الكريم خارج عن الوزن الشعري يشير الى أن: ”فائدته تتم بالخروج منه. وأما الكلام الموزون فان فائدته تتم بوزنه“^٣

يعني هذا أن القرآن الكريم غير محتاج الى وزن الشعر لكي يتم له تأثيره. فهو قد أثر في النفوس ويؤثر من دون موسيقى الشعر ووزنه، على حين أن قسطاً غير هين من تأثير الشعر يوعد الى وزنه فاذا ما فقد الوزن انتقص التأثير وربما اضمحل.

بيد ان استغناء القرآن عن الوزن ليس مما يعني افتقاده للايقاع والنغم، بل ”ان له موسيقاه الخاصة الممزوجة بحروفه والمحكمة البديعة التي تزيد على ما في النثر والتي هي موسيقى نصية نابعة من نسيجه اللغوي منضافاً اليها صلاحيته لقبول التنغيم والتجويد والتغني مما يظهر في حسن الأداء الصوتي“^٤

هذا الذي ندب الله اليه في مثل قوله:

﴿وَرَتَّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً﴾^٥

والترتيل قراءة جميلة حسنة منسقة منظمة كي ”تستبين معه الكلمات والحروف، حتى يفهمها

١. التصوير الفني في القرآن، ص ٨٥

٢. المرجع نفسه، هامش ص ٨٥

٣. اعجاز القرآن للباقلاني، ص ٢١

٤. مجلة التراث العربي (المجلد ٨٦-٨٧ مقال) الظاهرة القرآنية وامتيازها من فنون القول (د. أحمد محمد ويس

٥. القرآن؛ س: المزمّل؛ الآية: ٤

السامع ، وحتى يكون ذلك أعون الى حسن تدبره ، وأثبت لمعانيه في القلب ..”^١

وحيثما تلا الانسان القرآن ”أحس بذلك الايقاع الداخلي في سياقه ؛ يبرز بروزاً واضحاً في السور القصار، والفواصل السريعة ، ومواقع التصوير والتشخيص بصفة عامة ؛ ويتوارى قليلاً أو كثيراً في السور الطوال ، حتى تنفرد الدقة دونه في آيات التشريع. ولكنه — على كل حال — ملحوظ دائماً في بناء النظم القرآني.“^٢

وها نحن أولاء نتلو سورة النجم مثلاً:

﴿ وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ
الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ
فَأَسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ
أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتَمَارُونَهُ
عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ
الْمَأْوَىٰ ۝ إِذْ يُغْشَى السِّدْرَةَ مَا يُغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ لَقَدْ رَأَىٰ
مِنَ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝
الْكُفْمَ الذَّكْرَ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذْ قَسَمَ صَبْرَىٰ ۝ ﴿٣﴾

هذه فواصل متساوية في الوزن تقريباً — على نظام غير نظام الشعر العربي — متحدة في حرف التقفية تماماً ، ذات ايقاع موسيقي متحد تبعاً لهذا وذلك ، ”وتبعاً لأمر آخر لا يظهر ظهور الوزن والقافية ، لأنه ينبعث من تآلف الحروف في الكلمات ، وتناسق الكلمات في الجمل ؛ ومردة الى الحس الداخلي والادراك الموسيقي ، الذي يفرق بين ايقاع موسيقى وايقاع ، ولو اتحدت الفواصل والأوزان.“^٤

يقول سيد قطب في هذا:

”والايقاع الموسيقي هنا متوسط الزمن تبعاً لتوسط الجملة الموسيقية في الطول ، متحد تبعاً لتوحد الأسلوب الموسيقي ، مستمر للروى كجو الحديث الذي يشبه التسلسل القصصي . وهذا كله ملحوظ . وفي بعض الفواصل يبدو ذلك جلياً مثل:

﴿ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ۝ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝ ﴿٥﴾

١ . الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: المزمّل ؛ الآية: ٤

٢ . التصوير القرآني في القرآن ، ص ٨٥

٣ . القرآن ؛ س: النجم ؛ الآية: ١-٢٢

٤ . المرجع السابق ، ص ٨٦

٥ . القرآن ، س: النجم ؛ الآية: ١٩-٢٠

فلو أنك قلت: أفرايتم اللات والعزى ومناة الثالثة، لاختلف القافية، ولتأثر الايقاع.
وكذلك في قوله:

﴿الْكُمُ الذَّكْرُ وَلَهُ الْأُنْثَى • تِلْكَ إِذْ قَسَمَ ضِيزَى •﴾^١

فلو قلت: الكم الذكر وله الأنثى، تلك قسمة ضيزى، لاختل الايقاع المستقيم بكلمة ((اذن)). ولا يغني هذا أن كلمة ((الأخرى)) وكلمة ((اذن)) زائدتان لمجرد القافية أو الوزن، فهما ضروريتان في السياق لنكت معنوية خاصة. تلك ميزة فنية أخرى: أن تأتي اللفظة لتؤدي معنى في السياق، وتؤدي تناسباً في الايقاع، دون أن يطغى هذا على ذلك، أو يخضع النظم للضروريات.^٢

ملاحظة اتزان الايقاع في الآيات والفواصل تبدو واضحة في كل موضع على نحو ما ذكرنا أو قريباً من هذه الدقة الكبرى. ودليل ذلك أن يُعدل في التعبير عن الصورة القياسية للكلمة الى صورة خاصة، أو أن يُبنى النسق على نحو يختل اذا قدمت أو أخرت فيه، أو عدلت في النظم أي تعديل.

مثال الحالة الأولى حكاية قول ابراهيم:

﴿قَالَ أَفَرَأَيْتُمْ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ • أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ الْأَقْدَمُونَ • فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِيَ إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ • الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ • وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ • وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ • وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ • وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ •﴾^٣

في هذا المقطع القرآني "فقد حُطفت ياء المتكلم في ((يهدين ويسقين ويشفين ويحيين)) محافظة على حرف القافية مع ((تعبدون والأقدمون والدين...)). مثله حطفت الياء الأصلية في الكلمة، نحو: ((والفجر. وليال عشر. والشفع والوتر. والليل اذا يسر. هل في ذلك قسم لذي حجر)) (٨٩: ١-٥). فياء ((يسري)) حذفت قصداً للانسجام مع ((الفجر، وعشر، والوتر، وحجر...))^٤

"ونستشعر من صفة ابراهيم لربه، واسترساله في تصوير صلته به، أنه يعيش بكيانه كله مع ربه. وأنه يتطلع اليه في ثقة، ويتوجه اليه في حب؛ وأنه يصفه كأنه يراه، ويحس وقع انعامه وفضاله

١. القرآن، س: النجم؛ الآية: ٢١-٢٢

٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٨٦

٣. القرآن؛ س: الشعراء؛ الآيات: ٧٥-٨٢

٤. المرجع السابق، ص ٨٧

عليه بقلبه ومشاعره وجوارحه .. والنغمة الرخية في حكاية قوله في القرآن تساعد على اشاعة هذا الجو والقاء هذا الظل ، بالايقاع العذب الرخي اللين المديد..^١

ومثل :

﴿ وَيَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْءٍ نَّكَرٍ ۚ خُشِعْنَا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنْ
الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُتْتَبِرٌ ۚ مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَذَا
يَوْمٌ عَسِيرٌ ۙ ﴿٢﴾

”فاذا أنت لم تخطف الياء في ((الداع)) أحسست ما يشبه الكسر في وزن الشعر.“^٣ ومثله:

﴿ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمْ قُصَصًا ۙ ﴿٤﴾

”فلو مددت ياء (نبغي) كما هو القياس لاحتل الوزن نوعاً من الاحتلال.“^٥

ومثل هذا يقع عن زيادة هاء السكت على ياء الكلمة أو ياء المتكلم في مثل:

﴿ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۚ فَأُمَّهُ هَاوِيَةٌ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَةٌ ۚ نَارٌ حَامِيَةٌ ۙ ﴿٦﴾

ومثل:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۚ فَيَقُولُ هَذَا مَا أقرأُ كِتَابِيَةَ ۙ أَنِّي ظَنَنْتُ
أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَةَ ۙ فَهُوَ فِي عَيْشَةٍ رَاضِيَةٍ ۙ ﴿٧﴾

ومثال الحالة الثانية: ”ألا يكون هناك عدول عن صيغة قياسية ؛ ومع ذلك تلحظ الموسيقى الكامنة في التركيب ، والتي تختل لو غيرت نظامه“^٨ ومثل:

﴿ ذِكْرٌ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۙ إِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۙ قَالَ رَبِّ انِّي
وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا ۙ وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۙ ﴿٩﴾

١ . في ظلال القرآن ؛ س: الشعراء ؛ الآية: ٧٨-٨٢ ، ص ٤

٢ . القرآن ؛ س: القمر ؛ الآيات: ٦-٨

٣ . التصوير الفني في القرآن ، ص ٨٧

٤ . القرآن ؛ س: الكهف ؛ الآية: ٦٤

٥ . المرجع نفسه

٦ . القرآن ؛ س: القارعة ؛ الآيات: ٨-١١

٧ . القرآن ؛ س: الحاقة ؛ الآيات: ١٩-٢١

٨ . التصوير الفني في القرآن: ص ٨٨

٩ . القرآن ؛ س: مريم ؛ الآيات: ٢-٤

”فلو حاولت مثلاً أن تغير فقط وضع كلمة ((مني)) فتجعلها سابقة لكلمة ((العظم)): قال رب اني وهن مني العظم. لأحسست بما يشبه الكسر في وزن الشعر؛ ذلك أنها تتوازن مع ((اني)) في صدر الفقرة هكذا: ((قال رب اني)) ((وهن العظم مني)).“^١ وكل هذا جنباً بجنب الموسيقى الداخلية التي نلاحظها ولكن لا نستطيع شرحها، وهي كامنة في نسيج اللفظة المفردة، وتركيب الجملة. ويمكن ادراكها بحاسة خفية لا نكتسبها لكونها هبة لدية. وهكذا تظهر في بناء التعبير القرآني تلك الموسيقى الداخلية، موزونة بميزان شديد الحساسية، تميله أهون الحركات والاهتزازات، وهو ليس بشعر، وغير مقيد بقيود الشعر التي تمنع من الحرية الكاملة في التعبير الدقيق عن الغرض المطلوب.

الفصل الثالث

بناء الايقاع في النص القرآني

ان القرآن الكريم من حيث معجزة الهمية قد بهر في كل فنون لغوية وأدبية استعمل كل طرق الأداء الفنية على مستوى اعجازي وبتعبير محمد حرير "ان القرآن العظيم في تجليه نراه ينحو منحى اعجازياً فهو ليس بالعمل الفني المقصود لذاته ؛ انه وسيلة لا غير ، يسخرها الخطاب القرآني بغية تأدية الغرض الديني المنشود . ونحن ان رأينا الايقاع قد تجسد في القرآن ماثلاً ، فما ذلك الا من باب الحميمية بين الغرض الديني والغرض الفني ، فيجعل منه وسيلة للتأثير والتمكين قصد الاستحابة والاذعان ، ذلك أن للانسان جانباً وجدانياً ، فلا مناص من مخاطبة هذا الجانب بلغة النظم الفني وجماله."^١

وهو بهذا ، آل ايقاعاً قرآنياً مميزاً انه "تلك الظاهرة العجيبة التي امتاز بها القرآن في وصف حروفه وترتيب كلماته ترتيباً دونه كل ترتيب ونظام تعاطاه الناس في كلامهم"^٢

ولكن القرآن لم يتابع طريقة الشعراء في ايقاعيته كما أوضح الزرقاني: "ان الذي دفع بالاهتمام ، وجعله يتزايد نحو مكونات المتن القرآني بصفة عامة ، وايقاعيته بصفة خاصة ، هو خروج هذه الايقاعية التي أمدت القرآن العظيم مكانته الخالدة عن منظومة أشعار العرب ، وما ألفوه فيها."^٣

ولذلك فالايقاع القرآني هو تلك الظاهرة المتمثلة في "اتساق القرآن واثلاف حركاته وسكناته ، ومداته وغناته ، واتصالاته ، وسكناته ، ذلك ما يسترعي الأسماع ، ويستهوئ النفوس بطريقة لا يمكن أن يصل اليها أي كلام آخر من منظوم أو منشور"^٤

البنية الايقاعية في القرآن:

العلماء منذ زمن الجاحظ يدرسون "وجود ايقاعية جمالية اختص بها الخطاب القرآني ، بيد أن تلك الايقاعية لم نجد لها على وتيرة واحدة ؛ بل المتأمل فيها يلفيها مجسدة على ضرب من تشكيلات متنوعة ولدتها طبيعة النص القرآني في جماليته الاعجازية ؛ ذلك أن الخطاب القرآني قد ابنتى في كليته بنية ايقاعية متفردة ، ما فتى أن طبع بها ، فميزته عن غيرها من البنى"^٥

- ١ . البنية الايقاعية وجماليته في القرآن ، أ. محمد حرير ، مجلة التراث العربي ، العددان ٩٩ و ١٠٠ ، ص ٢-٣
- ٢ . مناهل العرفان في علوم القرآن ، محمد عبدالعظيم الزرقاني ، دارالكتب العربي بيروت ، ط ١ ، ١٩٩٥ م ، ص ١٩٤
- ٣ . المرجع السابق ، ص ٣
- ٤ . التعبير الفني في القرآن ، ص ١٨٥
- ٥ . البنية الايقاعية وجماليته في القرآن ، أ. محمد حرير ، ص ٣

فهو اذن "يتشكل تحت أشكال ايقاعية متنوعة، غنية، متجددة، متفاوتة النفس، متميزة النغم"^١

ويتجلى تنوع الايقاع في القرآن بتنوع خطابه. و"اننا نجد كلما اختلفت ضروب الايقاع في القرآن، فان الأمر يترتب اليه اختلاف في البنية نفسها. وقد تجسد ذلك جلياً في السور القصصار حيث يأتي ايقاعها قصيراً مزدحماً في فواصله، وذلك في مثل سور كثيرة، كسورة (المدثر). وهذا خلاف بعض السور الطوال، حيث تلجأ الفواصل الى التباعد. وهذا الضرب في الايقاع نجده مجسداً في الكثير من السور كسورة (الفرقان)".^٢

عناصر الايقاع في الخطاب القرآني:

كما أن القرآن معجزة الالهية فظهر اعجازه في تمام عباراته بل كلماته بل حروفه. فالإيقاع تظهر في العناصر الايقاعية اللفظية كالحروف والكلمات والعبارات و غير اللفظية حتى أن القرآن كله له ايقاع خاص. كما ذكر محمد حريز: "والايقاع في الخطاب القرآني لم تتجسد بنيته في تشكلاته الايقاعية المتنوعة فقط، بل نجده يتجلى في عناصر أخرى مثل الحرف، واللفظة والعبارة أو الجملة".^٣

الحرف:

للايقاع نصيبه من ابلاغ المعاني فالقرآن الكريم أعطى له فرصة كي تلعب دوره في خطابه بدءاً من حروفه. وايقاع الحروف بنية لايقاع الكلمات والعبارات. بعبارة محمد حريز ان القرآن الكريم "تداعت حروفه خلال تعابيره، توفيراً للجمال الجرس وتآلف النظم ايقاعاً ومعنى، على طريقة ملفتة للنظر"^٤

وفي كلمات الرافعي هي "طريقة يتوخى بها الى أنواع من المنطق وصفات من المهجة لم تكن على هذا الوجه من كلام العرب ولكنها ظهرت فيه أول شيء على لسان النبي ﷺ؛ فجعلت المسامع لا تنبو عن شيء من القرآن"^٥

وان العرب قبل نزول القرآن العظيم كانوا "يرسلون أو يحذمون في منطقتهم، كيما اتفق لهم، لا يراعون أكثر من تكيف الصوت، دون تكيف الحروف التي مادة الصوت..."^٦

١. نظام الخطاب القرآني — تحليل سيميائي مركب لسورة الرحمن، د. عبد الملك مرتاض، ص ٢٦٧

٢. المرجع السابق

٣. البنية الايقاعية وجمالياتها في القرآن، ص ٣

٤. المرجع نفسه، ص ١

٥. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، ص ٢١٢

٦. المرجع نفسه

وهذه المادة للصوت هي "مظهر الانفعال النفسي وأن هذا الأخير بطبيعته ، إنما هو سبب في تنوع الصوت، بما يخرج فيه من المد أو الغنة أو اللين أو الشدة ، وبما يهيئ له من الحركات المختلفة على مقادير تناسب ما في خلجات النفس".^١

وقد ظلوا العرب على هذا الحال حتى نزول القرآن ، "فلما قرئ عليهم القرآن ، رأوا حروفه في كلماته ، وكلماته في جملة ، ألحاناً لغوية رائعة ؛ كأنها لا تتلافها وتناسبها قطعة واحدة ، قراءتها هي توقيعها فلم يفتهم هذا المعنى ، وأنه أمر لا قبل لهم به ، وكان ذلك أبين في عجزهم"^٢

وخلال محاولتنا لتمثيل هذا الأمر باستقرائنا لمقاطع منتخبة من النظم القرآني "نلني أنفسنا أمام حروف متداعية من خلال تعبيره ، ما فتئت توفر حسن وجمال جرس ، وتآلف النظم إيقاعاً ومعنى على شاكلة تلفت النظر."^٣

فلنتأمل المقاطع القرآنية الآتية:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ إِلَهُ الرَّسُولِ إِن كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ إِلَيْكَ وَمَا نُزِّلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝﴾^٤

وقول الله تعالى:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ۝ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝﴾^٥

١. البنية الإيقاعية وجماليتها في القرآن ، ص ٣

٢. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢١٤

٣. المرجع السابق ، ص ٤

٤. القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ٥٧-٦٠

٥. القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ٦٣-٦٤

فلنتأمل هذين مقطعين من حيث الحروف المعادة على أبعاد تتجاوب أصواتها في النفس ،
فلنتأمل عدد حروف (الميم) و(النون) و(التاء) و(الكاف) في المقطع الأول، ونلاحظ مواقعها
في النظم. ثم لنتأمل عدد حروف (السين) و(اللام) و(الميم) و(النون) في المقطع الثاني
ونلاحظ مواقعها في النظم.

ولتوضيح ذلك أكثر ننظر هذه الكلمات بشكل جدولي كالآتي:

في المقطع الأول:

(الكاف)	(التاء)	(الميم)	(النون)
يأمركم	الصالحات	من	تؤمنون
حكمتكم	جنات	يتحاكموا	يزعمون
تحكموا	تجري	أمروا	أنهم
يعظكم	تحتها		أمنوا
كان	تؤدوا		أنزل
منكم	الأمانات		أنزل
كنتم	حكمتكم		من
ذلك	تحكموا		يريدون
اليك	تنازعتكم		أن
قبلك	كنتم		أن
يتحاكموا	تؤمنون		الشیطان
يكفرون	تر		أن
	يتحاكموا		الذين
	الطاغوت		كان
			منكم
			أمنوا
			تنازعتكم
			فان
			ان
			كنتم

وفي المقطع الثاني:

الميم	اللام	السين	النون
ما	أرسلنا	أرسلنا	أرسلنا
من	رسول	رسول	من
أنهم	الا	أنفسكم	باذن
ظلموا	ليطاع	فاستغفروا	أنهم
أنفسهم	الله	واستغفر	أنفسهم
لهم	لو	الرسول	يؤمنون
رحيما	ظلموا	أنفسهم	بينهم
يؤمنون	الله	يسلموا	أنفسهم
يحكموك	لهم	تسليما	
فيما	الرسول		
بينهم	لوجدوا		
ثم	الله		
أنفسهم	لا		
مما	لا		
يسلموا	يسلموا		
تسليما	تسليما		

فنرى تكرار الحروف تنبئنا عن ايقاعها الخاص وانشاء جمالياتها في مقطع من مقاطع في القرآن الكريم و"هذا اللون من تكرار الحرف في القرآن العظيم على أبعاد تكسب النظم ايقاعية تزيده جمالاً وحسناً؛ ذلك أنه ما من أحد يشك في أن الجمالية الايقاعية، تنشأ عن تكرار الحرف في الكلمات على أبعاد مناسبة لسلامة الجرس، وصحة النغم في بناء اللفظة أو الجملة أو النسق بصفة عامة."^١

وعن تكرار حروف المد يقول محمد حرير: "وإذا ما حاولنا .. تتبع ظاهرة تكرار المدود، فإننا نجد أنها هي الأخرى تحدث ايقاعية ذات قيمة سمعية عند تكرارها، ويتجلى هذا الأمر بشكل واضح وأوفر في حروف المد الثلاثة: (الألف، والواو، والياء)، وخاصة عندما تجانسها حركة ما

قبلها. وهي عند التكرار تتمخض عنها ايقاعية تطريبيه تطيب بها النفس ويأنس اليها السمع.^١
وقال السيوطي في شأن هذه الخصيصة اللغوية المتعلقة بالايقاعية: "كثُر في القرآن ختم
الفواصل بحروف المد واللين والحقاق النون، وحكمته وجود التمكّن مع التطريب بذلك، كما
قال سيبويه: انهم اذا ترنموا يلحقون الألف والياء والنون لأنهم أرادوا مد الصوت، ويتركون
ذلك اذا لم يترنموا، وجاء في القرآن على أسهل موقف وأعذب مقطع"^٢ فهي بذلك "تتجسد في
نهاية الدفقات الصوتية للحمل، محدثة عند الوقف من الايقاعية الأخاذة"^٣

اللفظة:

والحروف ترقى الى الألفاظ، ولهذه الألفاظ ايقاعها الخاص، وفي القرآن يلعب ايقاع الألفاظ
دوره في جعلها نصاً معجزاً. "ان اللفظة القرآنية لها جانب كبير في سمو التعبير القرآني، يفوق
أشكال وأنماط التعبيرات الأخرى من غير النظم القرآني، بحيث تقوم اللفظة القرآنية على اعتبارات
تجعلها تسمو عن غيرها."^٤

يقول الرافعي في شأن ألفاظ القرآن: "ولو تدبرت ألفاظ القرآن في نظمها، لرأيت حركاتها
الصرفية واللغوية تحري في الوضع والتركيب مجرى الحروف أنفسها فيما هي له من أمر
الفصاحة فيهيئ بعضها لبعض، ويساند بعضها، ولن تجدها الا مؤتلفة مع أصوات الحروف،
مساوقة لها في النظم الموسيقي، حتى ان الحركة ربما كانت ثقيلة في نفسها لسبب من أسباب
الثقل أيها كان، فلا تعذب ولا تساغ وربما كانت أو كس النصيبين في حظ الكلام من الحرف
والحركة، فاذا هي استعملت في القرآن رأيت لها شأنًا عجيباً، ورأيت أصوات الأحرف
والحركات التي قبلها قد امتهدت لها طريقاً في اللسان، واكتفتها بضروب من النغم الموسيقي
حتى اذا خرجت فيه كانت أعذب شيء وأرقه، وجاءت متمكنة في موضعها، وكانت لهذا
الموضع أولى الحركات بالخفة والروعة"^٥

فنرى هذا من بعض الشواهد القرآنية على سبيل المثال، يقول الله تعالى:

﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ﴾^٦

١. المرجع نفسه
٢. الاتقان في علوم القرآن، ص ٣٥٢
٣. المرجع السابق
٤. المرجع نفسه
٥. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، ص ٢٢٧
٦. القرآن؛ س: القمر؛ الآية: ٣٦

”فلفظة (النذر) جمع نذير؛ فان الضمة ثقيلة فيها لتواليها على حرف (النون) والذال معاً، فضلاً عن جسأة هذا الحرف ونُبوه في اللسان، وخاصة اذا جاء فاصلة للكلام. فكل ذلك مما يكشف عنه ويفصح عن موضع الثقل فيه؛ ولكنه جاء في القرآن على العكس وانتفى من طبيعته في قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ﴾ فتأمل هذا التركيب، وأنعم ثم أنعم على تأمله، وتدوق مواقع الحروف وأجر حركاتها في حس السمع وتأمل مواضع القلقلة في دال (لقد)، وفي الطاء من (بطشتنا) وهذه الفتحات المتوالية فيما وراء الطاء الى واو (تماروا)، مع الفصل بالمد، كأنها تثقيل لخفة التتابع في الفتحات اذا هي جرت على اللسان، ليكون ثقل الضمة عليه مستخفاً بعد، ولكون هذه الضمة قد أصابت موضعها كما تكون الأحماض في الأطعمة. ثم ردد نظرك في الراء من (تماروا) فانها ما جاءت الا مساندة لراء (النذر) حتى اذا انتهى اللسان الى هذه انتهى اليها من ثقلها، فلا تحجف عليه ولا تغلظ ولا تنبو فيه، ثم اعجب لهذه الغنة التي سبقت الطاء في نون (أنذرهم) وفي ميمها، وللغنة الأخرى التي سبقت الدال في (النذر).

وما من حرف أو حركة في الآية الا وأنت مصيب من كل ذلك عجباً في موقعه والقصد به، حتى ما تشك أن الجهة واحده في نظم الجملة والكلمة والحرف والحركة، ليس منها الا ما يشبه الرأي أن يكون قد تقدم فيه النظر وأحكامه الروية وراضه اللسان، وليس منها الا متخير مقصود اليه من بين الكلم ومن بين الحروف ومن بين الحركات...”^١

والأستاذ محمد حرير يعلق على هذه الآية: ”ومثل هذا الأمر في القرآن العظيم كثير، فحتى في الألفاظ ذات العدد الملحوظ من الحروف والمقاطع نجد ذلك، فبمثيل ما ذكر سالفاً، يكون لهذه الألفاظ مواضعها من حيث الايقاعية العذبة والتركيب الخفيف.“^٢ ولتأمل قوله تعالى:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾^٣

١. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، ص ٢٢٧-٢٢٨

٢. البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن، ج ٢، ص ٢

٣. القرآن؛ س:النور؛ الآية:٥٣

فلنتأمل كلمة ((لَيْسَتْخَلْفَنَّهُمْ)) فهي كلمة واحدة من عشرة أحرف "وقد جاءت عذوبتها من تنوع مخارج الحروف ومن نظم حركاتها ، فانها بذلك صارت في النطق كأنها أربع كلمات ؛ اذ تُنطق على أربع مقاطع." ^١ ويقول فيها الأستاذ محمد حرير: "واذا ما حاولنا تلمس الايقاعية فيها ، فاننا لا شك نلفيها في تنوع مخارج حروفها ، وفي معظم حركاتها ، وبتألف وتناسق هذه الحركات وتلك الحروف ، فكأنما صارت لفظة (ليستخلفنهم) في النطق أربع كلمات هكذا: (ليس - تخل - فن - هم) وما هي في حقيقة الأمر الا أربعة مقاطع." ^٢

وقوله تعالى:

﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ ^٣

ولنتأمل كلمة ((فَسَيَكْفِيكَهُمُ)) فانها كلمة من تسعة أحرف ، وهي ثلاثة مقاطع وقد تكررت فيها الياء والكاف ، "وتوسط بين الكافين هذا المد الذي هو سر الفصاحة في الكلمة كلها." ^٤

ويقول فيها الأستاذ محمد حرير: "اذ أن لفظة (فسيكفيكهم) ، قد بلغ عدد حروفها بمفردها تسعة أحرف غير أن سر جمال هذه اللفظة تمثل في ايقاعيتها التي انبتت من تكرار حرف (الياء) و(الكاف) فيها ، ثم من وسط حرف (الكاف) الأولى ، وحرف (الكاف) الثانية وحرف المد (الياء) الذي يعد (المرتکز الايقاعي) في هذه اللفظة" ^٥

وهذه ايقاعية اللفظة تلعب دوراً هاماً في ابلاغ المعنى ابلاغاً معجزاً كما يقول محمد حرير: "ان الخطاب القرآني بتوظيفه اللفظة المختارة ، جعلها تسهم في أداء المعنى مصحوبة بايقاعيتها ، وهو بذلك أضحي شديد العناية بما يسمى "الأونوماتوبيا" (Onomathopée) ، أي اقتران الايقاع بالمعنى أو بالصورة التي قد تمثلها هذه المعنى." ^٦ ولتوضيح هذه العناية أكثر ، نلاحظ لفظة

(لنبوتنهم) في قوله تعالى:

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرُفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نِعَمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴾ ^٧

- ١ . اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢٢٩
- ٢ . البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، ج ٢ ، ص ٢
- ٣ . القرآن ؛ س: البقرة ؛ الآية: ١٣٧
- ٤ . اعجاز القرآن والبلاغة النبوية ، ص ٢٢٩
- ٥ . البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، ج ٢ ، ص ٢
- ٦ . المرجع نفسه
- ٧ . القرآن ؛ س: العنكبوت ؛ الآية: ٥٨

ان لفظة (لنبوئتهم) هي بمعنى: ”((لنبوئتهم)) لننزلنهم... وقرئ لنبوئتهم، من الثواء وهو النزول للإقامة.“^١

وعن سبب اختيار هذه اللفظة يقول محمد حرير: ”ان الخطاب القرآني العظيم استأثر لفظة (لنبوئتهم) بالاختيار؛ ذلك أن صيغتها وما تضمنه من تشديد وتأکید ”باللام والنون“ وما تحدته أيضاً من ايقاعية، يؤكد سر استثنائه بهذه اللفظة والذي به أيضاً تم سر فصاحة هذه اللفظة.“^٢

ومن التأمّل في هذه الأمثلة يتجلى علينا ”ان اللفظة القرآنية، فقد امتازت بخصائص ومزايا، جعلت لها طابعاً معجزاً في القرآن وبلاغته، ان للفظة القرآنية مسحة خلاصة عمجية، تتجلى في ايقاعيتها التنغيمية التي تستهوي النفوس،“^٣ وبعبارة العلامة الزرقاني: ”ان من ألقى سمعه الى هذه المجموعة الصوتية الساذجة — أي حروف والألفاظ — يشعر من نفسه ولو كان أعجمياً لا يعرف العربية، بأنه أمام لحن غريب، وتوقيع عجيب، يفوق في حسنه وجماله كل ما عرف من توقيع الموسيقى وترنيم الشعر“^٤

وكذلك للمفردة القرآنية بعض ميزات خاصة، وجمال وقع المفردة في الأسماع ليس أقل شأناً كما بين محمد حرير: ”فقد اتفق معظم دارسي اللفظة القرآنية على تمييزها بميزات كثيرة. ولعل أبرز هذه الميزات هو جمال وقعها في الأسماع، وأداؤها الفني الذي تقوم به بكل ما تكونت به من حروف، ومن صور ترتيب هذه الحروف. انها الايقاعية التي توحى بمعاني هذه اللفظة قبل أن توحى بمدلولاتها اللغوية عليها“^٥

ونجد بيان هذه الظاهرة في لفظة (أناقلتم) في قوله تعالى:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ أَنْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَنْقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ﴾^٦

فكلمة ((أناقلتم)) أصبح ثقيلاً جداً وزناً وأوضح سيد قطب أثره في ابلاغ المعنى: ”ان في هذه الكلمة ((طنناً)) على الأقل من الأثقال! ولو أنك قلت: تناقلتم، لخف الجرس، ولضاع الأثر

١. الكشاف، س: العنكبوت؛ الآية: ٥٨.

٢. البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن، ج ٢، ص ٣

٣. المرجع نفسه

٤. مناهل العرفان في علوم القرآن، ج ٢، ص ١٩١-١٩٢

٥. المرجع السابق

٦. القرآن؛ س: التوبة؛ الآية: ٣٨

المنشود ، ولتوارت الصورة المطلوبة التي رسمها هذا اللفظ ، واستقل برسمها.^١
ويكتشف محمد حرير أسرارها الإيقاعية مزيداً: "فالمتمامل في لفظة (أناقلتم) ، بكل ما تكونت به
من حروف ، ومن صور ترتيب هذه الحروف ، ومن حركة التشديد على حركة اللثوي "الثاء" ،
وحرف المد "الألف" بعده ، ثم تمثل حرف "القاف" الذي هو من بين حروف القلقله ، ثم
محيء "الثاء" المهموسة ، و"الميم" ذات الغنة والمطبقة ، كل ذلك يوحي بالمعنى شعوراً قبل أن
توحي به المنظومة المعجمية ، بحيث اننا نلاحظ في خيالنا ذلك الجسم المتناقل ، يرفعه
الرافعون بجهد جهيد ، ثم ما فتى أن يسقط من أيديهم في ثقل. ومن هنا كانت المشاكلة بين
البطاء في تلفظ الكلمة (أناقلتم) ، وبين الحركة البطيئة التي تكونت من المتناقل.^٢

وهذا الأمر ينطبق انطباقاً تاماً على لفظة (كُبَاراً) من قوله تعالى:

﴿ قَالَ نُوحُ رَبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا ۝
وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴾^٣

وورد عن هذا في (البنية الإيقاعية):

"فإن أول شيء يستدعي انتباهنا ؛ بل أسمعنا ، هو تلك الصيغة المبالغة المتمثلة في
لفظة (كُبَاراً) ؛ إذ أحدثت هذه اللفظة إيقاعية خاصة ذات جرس يتصل بالنطق
والسماع ، كما ولدت نغمة مشوبة بالقوة والعنف ، إذ أن صيغة (كُبَاراً) ، وهي
صفة لمكر قوم نوح - عليه السلام - تفيد توضيحاً وبلاغة في المعنى ، كما تفيد في
الوقت نفسه ، وقعاً شديداً على النفس ، الأمر الذي يحدث إيقاعية تشبع الفم
وتملؤه انتفاخاً ضغطاً ، وفي الوقت نفسه ، تشعر هذه الإيقاعية النفس وكأنها
تنحدر الى الأرض تعبيراً عن شدة مكر الماكرين.^٤

ويعلق السيد قطب على إيقاعية بعض الألفاظ القرآنية من حيث بنيتها وفعاليتها في القرآن الكريم
التي لها من الوقع ما يجعل القارئ أو السامع يتحسس لها المعنى قبل معرفته لها في المعاجم
اللغوية، فيقول في قوله تعالى: ﴿وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لِيُبْتَئَنَّ ۝﴾ بأنها ترسم "صورة التبطئة في جرس
العبرة كلها"^٥ ويبين في جرس كلمة ((ليبطن)) خاصتها أن اللسان ليكاد يتعثر، وهو يتخبط

١. التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٦

٢. البنية الإيقاعية وجماليتها في القرآن ، ج ٢ ، ص ٣

٣. القرآن ؛ س: نوح ؛ الآية: ٢١-٢٢

٤. المرجع السابق

٥. القرآن ؛ س: النساء ؛ الآية: ٧٢

٦. التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٦

فيها، حتى يصل ببطء الى نهايتها.

وتتلو حكاية قول هود:

﴿أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ عَلَيَّ يَبِينَةً مِنْ رَبِّي وَأَتَانِي رَحْمَةً مِنْ عِنْدِهِ فَعَمَّيْتُ
عَلَيْكُمْ أَنْزِلُكُمْ مَوْهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَارِهُونَ﴾^١

فنحس أن كلمة ((أنزلكم موهها)) "تصور جو الاكراه بادماج كل هذه الضمائر في النطق، وشد بعضها الى بعض، كما يدمج الكارهون مع ما يكرهون، ويشدون اليه وهم منه نافرون."^٢

وهكذا يبدو لون من التناسق أعلى من البلاغة الظاهرية، وأرفع من الفصاحة اللفظية، اللتين يحسبهما بعض الباحثين في القرآن - قديماً وحديثاً - أعظم مزايا القرآن.

ونسمع كلمة ((يصطرخون)) في الآية:

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا • كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ • وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا
رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ...﴾^٣

فيخيل لنا "جرسها الغليظ، غلظ الصراخ المختلط المتجاوب من كل مكان، المنبعث من حناجر مكتظة بالأصوات الخشنة؛ كما تلقي البك ظل الاهمال لهذا الاصطراخ الذي لا يجد من يهتم به أو يليه . وتلمح من وراء ذلك كله صورة ذلك العذاب الغليظ الذي هم فيه يصطرخون."^٤

وحين يستقل لفظ واحد بهذه الصور كلها يكون ذلك فناً من التناسق الرفيع.

ومثلها كلمة ((عتل)) "في تمثيل الغليظ الجافي المتقطع"^٥:

﴿عَتَلْ بَعْدَ ذَلِكَ زَيْمٌ﴾^٦

وفي قوله تعالى:

﴿وَمَا هُوَ بِمُرْخِزِجِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعْمَرَ﴾^٧

١. القرآن؛ س: هود؛ الآية: ٢٨.

٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٧٦.

٣. القرآن؛ س: فاطر؛ الآية: ٣٧.

٤. المرجع السابق، ص ٧٧.

٥. المرجع نفسه.

٦. القرآن؛ س: القلم؛ الآية: ١٣.

٧. القرآن؛ س: البقرة؛ الآية: ٩٦.

صوّرت لنا كلمة ((بمزحزحه)) "المقدمة في التعبير على الفاعل لابرازها — صورة الزحزحة المعروفة كاملة متحركة ، من وراء هذه اللفظة المفردة."^١

وكذلك قوله:

﴿فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ﴾^٢

فكلمة ((كُبْكِبُوا)) "يحدث جرسها صوت الحركة التي تتم بها."^٣

و وضع هاتين اللفظتين اللغوي هو الذي يمنحها هذه الصورة — وليس هو استعمال القرآن الخاص لهما، كما هو الشأن في الكلمات الماضية، التي اشتقتها خاصة أو استعملها أول مرة — ولكن اختيارهما في مكانيهما يحسب بلا شك في بلاغة التعبير.

ومن الأوصاف التي اشتقتها القرآن ليوم القيامة: ((الصَّآخَةُ)) و((الطَّآمَةُ)). "والصاخة لفظة تكاد تحرق صمّاخ الأذن في ثقلها وعنف جرسها، وشقه للهواء شقاً، حتى يصل الى الأذن صاخاً ملتحاً. والطامة لفظة ذات دويّ وطنين ، تخيل اليك بجرسها المدوي أنها تطم وتعم ، كالطوفان يغمر كل شيء ويطويه."^٤

العبارة :

يقول الزرقاني في حديث له عن أن القرآن الكريم لم يخرج عن مهود العرب في لغتهم :
 "من كلماتهم — أي العرب — تألفت تراكيبه ، وعلى قواعدهم العامة في صياغة هذه المفردات وتكوين التراكيب جاء تأليفه ، ولكن المعجز والمدهش لأعجب العجب ، أنه مع دخوله على العرب من هذا الباب الذي عهدوه ، ومع مجيئه بهذه المفردات والتراكيب التي توافروا على معرفتها ... نقول ان القرآن مع ذلك ... قد أعجزهم بأسلوبه الفذ ... ولو دخل عليهم من غير هذا الباب الذي يعرفونه ، لأمكن أن يلتمس لهم عذر أو شبه عذر، وأن يسلم لهم طعن أو شبه طعن"^٥

ثم يتبع تفصيل هذا بأن جمل اللغة من غير القرآن العظيم ، منها ما هو حقيقة ومنها ما هو مجاز ، ومنها متآلف الكلمات ، ومتنافرها ، ومنها واضح المعاني ومعقدها ومنها ما هو موافق للقياس اللغوي ، ومنها ما هو خارج عنها ، ومنها الحمل الاسمية والفعلية والخبرية والانشائية ، ومنها

١. التصوير الفني في القرآن ، ص ٧٦

٢. القرآن ؛ س: يس ؛ الآية: ٩٤-٩٥

٣. المرجع السابق ، ص ٧٧

٤. المرجع نفسه ، ص ٧٧-٧٨

٥. مناهل العرفان في علوم القرآن ، ج ٢ ، ص ١٨٦

الجمل المنفية والأخرى المثبتة وفيها المتقدمة والمتأخرة والواصلة والفاصلة ، الى غير ذلك من التراكيب العربية هو ديدن الأدباء والكتاب من خلال أساليبهم وأغراضهم ، وكل مقال من هذا صالح لمقامه ؛ ولكن أن يجتمع كل من التآلف وموافقة القياس والجمع بين الخبر والانشاء والنفسي والاثبات والايحاز والاطناب والتقديم والتأخير والفصل والوصل ، وما الى ذلك ما لا يستطيعه البشر.^١

الآية وصياغتها:

الآية القرآنية تشمل على جملة واحدة حيناً وعلى مجموعة من الجمل حيناً آخر. و"ان دراسة الآية في حقيقة أمرها تتصل اتصالاً مباشراً بدراسة الجملة ، بمعنى أن الذي نعنيه بالآية هو نفسه ما نعنيه بالجملة على وجه التقريب . وإذا كان علماء البلاغة والاعجاز من ترائنا يجعلون البلاغة درجات؛ فانهم يقرون باطمئنان أن صياغة العبارة القرآنية أو (الآية)، يأتي في الجانب الأعلى من السمو البلاغي الذي هو الاعجاز ذاته."^٢

ولتوضيح الأمر نلجأ لضرب الأمثلة ، فتأمل قوله تعالى:

﴿عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ۚ عَنِ النَّبِيِّ الْعَظِيمِ ۚ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ۝﴾^٣

هنا نلاحظ " بين العبارة والأخرى تقابلاً موسيقياً في عدد الألفاظ ، وتقابلاً أيضاً في عدد الحروف والحركات المكونة لهذه العبارات ؛ انها البنية الفريدة لعبارات القرآن التي شكلت خاصية سمت بها عن كل بنية قولية منظومة أو منثورة."^٤

" ان التناسق الذي يعطي العبارة القرآنية تلك الجاذبية التي تستهوي الأسماع لهو من بين بنية وهندسة ايقاعية العبارة في القرآن العظيم"^٥

ذلك أن العبارة تستمد دلالتها "من مفردات الدلالات اللغوية للألفاظ ، ومن الدلالة المعنوية الناشئة من اجتماع الألفاظ في نسق معين ، ثم الايقاع الموسيقي الناشئ من مجموعة ايقاعات الألفاظ ، متناغماً مع بعض ، ثم من الصور والظلال التي تشعها الألفاظ متناسقة في العبارة"^٦

١. انظر: المرجع نفسه ، ص ١٨٩ - ١٩٠

٢. البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، ج ٢ ، ص ٤

٣. القرآن ؛ س: النبي ؛ الآية: ١ - ٣

٤. المرجع السابق

٥. المرجع نفسه

٦. النقد الأدبي — أصوله ومنهجه ، سيد قطب ، دارالكتب العربية بيروت لبنان ، ص ٤٢

ويتبين هذا الأمر بعدما نتذكر "ان العبارة — باعتبارها مجموعة من الألفاظ — يحكمها النظم والتأليف، وما هذان الأخيران ، الا من مقومات العملية الایقاعية."^١

وبيان ذلك "ان من دلائل وبراهين اهتمام العبارة القرآنية بالایقاعية هو تكيف بعض الألفاظ المكونة لهذه العبارة حتى يتم التناسق في الصيغة التعبيرية للعبارة ككل ضمن السياق،"^٢ ومن أمثلة ذلك قوله تعالى:

﴿ وَقِيلَ الْيَوْمَ نُنَسِّأُكُمْ كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ نَّاصِرِينَ ۝ ذَلِكُمْ بِأَنَّكُمْ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ ٣ ﴾

واللفظة التي يجذب اهتمامنا هي ((ذلكم)). فلقد وردت لفظة (ذلكم) جمعاً ، اذ كان في الامكان محيطها بصيغة الافراد هكذا: (ذلك بأنكم اتخذتم ...). لكن "الذي يخالف هذا الأمر هو تحنّب شعور المستمع بالكسر في الایقاعية ، فكان ورودها بصيغة الجمع قد أدى غرضاً فنياً بتحسيد هذه الایقاعية في العبارة ككل."^٤

الایقاعية بالتكرار:

نجد في القرآن الكريم تكرار العبارات في حين أو آخر، وهذا التكرار ليس عبثاً ولكن له دور هام في ابلاغ المعاني الى القارئ أو السامع. بعبارة محمد حرير: "لقد احتوى الخطاب القرآني على تكرار طبيعي خال من التكلف ، ويلفيه الدارس في أشكال وأنماط متعددة ، تارة يلفيه في العبارة ، وتارة يلفيه في أجزاء العبارة : في ألفاظها وحروفها ، وهو في كل الأحوال يحدث ايقاعية خاصة يساير فيها مقتضيات التعبير الفني الديني."^٥

يقول الله تعالى:

﴿ أَمْنُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الْقَوْمِ يَعْدِلُونَ ۝ أَمْنُ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ

١. المرجع السابق

٢. المرجع نفسه

٣. القرآن ؛ س: الحاثية ؛ الآية: ٣٣-٣٤

٤. البنية الایقاعية وجماليتها في القرآن ، ج ٢ ، ص ٤-٥

٥. المرجع نفسه ، ص ٥

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا أَلَلَهُ مَعَ اللَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ • أَمَّنْ
يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ اللَّهُ
مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ • أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ
يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ اللَّهُ مَعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ •
أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ اللَّهُ مَعَ اللَّهِ قُلْ
هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ • ﴿١﴾

في هذه الآيات الخمسة تتكرر عبارة "أله مع الله" خمس مرات وبالتأمل فيها نلغيا "تحدث
إيقاعية مميزة عن باقي الآيات التي سبقت هذه المقاطع ، أو التي تلت هذه المقاطع ؛ ذلك أن
عبارة "أله مع الله" كانت (المرتكز الإيقاعي) الذي ميز خطاب هذه المقاطع إيقاعياً.^٢

ونستطيع أن نطبق نفس القول على تكرار عبارة ((ويل يومئذ للمكذبين)) في قوله تعالى:

﴿ وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتْ • لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ • لِيَوْمِ الْفُضْلِ • وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ
الْفُضْلِ • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ • أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ • ثُمَّ نُنْبِئُهُمُ
الْآخِرِينَ • كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ • أَلَمْ
نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَّهِينٍ • فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ • إِلَى قَدَرٍ مَعْلُومٍ •
فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ • أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ
كِفَاتًا • أَحْيَاءَ وَأَمْوَاتًا • وَجَعَلْنَا فِيهَا رِوَاسِي شَامِخَاتٍ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً
فُرَاتًا • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ • انْطَلِقُوا إِلَى مَا كُنْتُمْ بِهِ تَكَذِّبُونَ •
انْطَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ • لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ • إِنَّهَا
تَرْمِي بِشَرِّ رِشْرَشِ الْفُضْرِ • كَأَنَّهُ جِمَالَاتٌ صُفْرٌ • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ •
هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ • وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ
لِلْمُكَذِّبِينَ • هَذَا يَوْمُ الْفُضْلِ جَمَعْنَكُمْ وَالْأَوَّلِينَ • فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ
فَكِيدُون • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ • إِنْ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونَ •
وَفَوْكَةً مِمَّا يَشْتَهُونَ • كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ • إِنَّا
كَذَلِكَ نَحْرِي الْمُحْسِنِينَ • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ • كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا
إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ • وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ارْكَعُوا لَا
يُرْكَعُونَ • وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ • فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ • ﴿٣﴾

١. القرآن ؛ س: النمل ؛ الآية: ٦٢-٦٦

٢. المرجع السابق

٣. القرآن ؛ س: المرسلات ؛ الآية: ١١-٥٠

ان تكرار عبارة ﴿ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴾ عشر مرات: "شكلت (المرتكز الايقاعي) في هذا المقطع المنتخب من سورة المرسلات ، غير أن هذا المرتكز الايقاعي ، نلفيه في ذات الوقت يتنوع بتنوع ما قبله وما بعده . ولو لم يكن كذلك ، لكان ضرباً من التكرار الممل ، ذلك أننا وجدناه تارة يسوده التذکر الذي يحوي التخويف من يوم الفصل في قوله تعالى: ﴿ وَمَا أَذْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴾ وتارة أخرى يسوده الانتقام بالمجرمين في قوله تعالى: ﴿ كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴾ .. الى غير ذلك من أنواع هذا التكرار الايقاعي الذي يحدث تكرار عبارة ﴿ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴾ .

لكن على الرغم من هذا التنوع في الايقاعية ؛ فان هذا التكرار المتوالي ... نلفيه يكتسي ايقاعية تكاد تكون ذات طابع واحد ، متخذة شكل بنيتها من ذلك النطق والجرس والصيغة والمعنى"^١

وسبب ذلك "أنه في بناء الجملة الصوتي هناك تأثير متبادل بين الصوت والمعنى ، ففي الوقت الذي يؤثر فيه السياق والمعنى على اقامة علاقات وروابط بين التتابع الصوتي للكلمات والجمل — ممثلاً في التكرار فان الأصوات تؤثر من جهة ما يوفره من ايقاعات وتناغم يزيد من بهاء المعنى ويقربه من قلب المتلقي"^٢

وهذا يتجلى أكثر في قوله تعالى:

﴿ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴾^٣

فهذه العبارة التي تكررت احدى وثلاثين مرة ، والتي أحدثت ايقاعية مميزة بتكرارها ، "تلغيتها تنوع بتنوع السياق المدرجة فيها؛ اذ المتفحص في عبارة (فبأي آلاء ربكما تكذبان) يلفي ايقاعيتها يسودها التذکر بنعم الله ، وذلك من الآية الأولى الى غاية الآية الثلاثين ، وتارة يسودها الوعيد والتعجيز من الله تعالى ، وذلك من الآية الواحدة والثلاثين الى غاية الرابعة والأربعين ، ثم تارة أخرى نلفي هذه الايقاعية يسودها ذكر ثواب المتقين وجزاء العاملين ، وذلك من الآية الخامسة والأربعين الى غاية السابعة والسبعين . والى جانب هذا الذي ذكرناه ، فعلى الرغم من هذا العدد الكبير الذي تكرر في هذه السورة الواحدة ؛ فقد أضفت هذه العبارة على السورة ايقاعية طبعتها بالجمال المعجز"^٤

١ . البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، ج ٢ ، ص ٥

٢ . الأصول المعرفية لنظرية التلقي ، ناضم عوده حضر ، دار الشروق عمان ، ط ١ ، ١٩٩٧ م ، ص ٨٥

٣ . القرآن ؛ س : الرحمن ؛ الآية : ١٣

٤ . البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، ج ٢ ، ص ٥-٦

في هذه الآية المتكررة تأمل لفظة ((آلاء)) "تحس سمعاً أن الحروف بايقاعها المجزأ صاعدة نحو السماء، هابطة تلامس عقول البشر على الأرض... بقوله تعالى: "ربكما" ف"ربكما" بالمد في آخرها تثبت سيطرة الخالق على الكون وما فيه، وكذلك قوله "تكذبان" ف"الباء" بمدّها هو مد نحو الأعلى في الايقاع، وهو خطاب للمثنى هما الجن والانس اللذان يكذبان ما نزل من الأفق الأعلى و"النون" نزول طبيعي للأرض بخطاب البشر والجان.^١

ويحدر بنا الذكر هنا أن التكرار في القرآن الكريم مثل في هذه الآيات هو ليس تكراراً بل الحقيقة أن لكل كلمة متكررة أو عبارة متكررة دور يختلف في كل مقام، كما يقول محمد حرير "يجب أن نذكر في هذا المقام أن ما نعني به من لفظة (تكرار) هو في جوهره ليس تكراراً، وما ينبغي له أن يكون؛ ذلك أن ارتباط العبارات التي تبدو مكررة في القرآن بوظائف كثيرة ومتنوعة يخرجها من دائرة التكرار المتعارف عليه."^٢

المعمارية الايقاعية للنص القرآني:

نستطيع أن نقرر من هذه الدراسة أنه أشاد جزء ملفت للنظر من اعجاز النص القرآني العظيم على ايقاعيته التي تحدت مع غيرها من أساليب نظم القرآن فصحاء العرب وبلغاء هم من شعراء وخطباء، وما دام الأمر على هذا الحال، فإن هذا التحدي بهذا الاعجاز:

"نلغيه قد تجسد أكثر في معمارية هذه الايقاعية التي شملت المتن القرآني بكليته، وذلك بجميع عناصرها الأساسية: من ايقاعية الحروف التي تجتمع بدورها لتؤلف ايقاعية الكلمات، والتي تجتمع بدورها هي أيضاً لتؤلف ايقاعية الحمل والعبارات، لتشكل في الأخير بنية معمارية ايقاعية قرآنية، تصب في الخطاب القرآني ونظمه بشكل عام. وهي بنية على غاية من الروعة والجمال؛ إذ أن هذه البنية المعمارية الايقاعية الفريدة في كلماتها وعباراتها وفقراتها وسورها، جعلت النص القرآني يمتاز بخاصية سما بها فوق كل خطاب."^٣

وبيان ذلك، أن "من ألقى سمعه الى مجموعة القرآن الصوتية، وهي مرسلة على وجه السذاجة في الهواء، مجردة من هيكل الحروف والكلمات، كان يكون السامع بعيداً عن القارئ، يشعر من نفسه — ولو كان أعجمياً — بأنه أمام لحن غريب توقيع عجيب، يفوق في حسنه وجماله

١. معجزة حروف القرآن، حليلة مدرس بوداود، دار الغرب للنشر والتوزيع الجزائر، ص ١٤٦

٢. المرجع السابق، ص ٦

٣. البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن، ص ٦

انظر: خصائص التعبير القرآني وسماته البلاغية، د. عبد العظيم ابراهيم محمد المطعني، ج ١، ص ٢٩٧

كل ما عرف من توقيع الموسيقى ، وترنيم الشعر^١

ومن شأن النظام الصوتي كهذا أنه "يسترعي الأسماع ، ويشير الانتباه ويحرك داعية الاقبال في كل انسان الى هذا القرآن العظيم ، وبذلك ينقى أبد الدهر سائداً على ألسنة الخلق وفي آذانهم ، ويعرف بذاته ومزاياه بينهم فلا يجزؤ أحد على تغييره وتبديله مصداقاً لقوله سبحانه وتعالى: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾^٢ بحيث لو دخله شيء من كلام الناس لإعتل مذاقه ، واختل نظامه"^٣

ومثلاً لهذا البيان نأخذ سورة العاديات:

﴿وَالْعُدِيَّاتِ صَبْحًا ۝ فَالْمُورِيَّاتِ قَدْحًا ۝ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ۝ فَأَثَرُنَّ بِهِ نَقْعًا ۝ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۝ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ۝ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ۝ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ رَمَاهُ فِي الْقُبُورِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ۝ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ۝﴾^٤

بعد قراءة هذا النص ، كل صاحب ذي شعور يشعر أن:

لها ايقاعية موسيقية جلية ، تبدو في تواتر ايقاعيتها منقسمة الى ثلاث نغمات متناسبة مع أقسام هذا النص فكراً ولغوياً.

— القسم الأول : يبدأ من الآية الأولى الى الآية الخامسة.

— القسم الثاني : يبدأ من الآية السادسة الى الآية الثامنة.

— القسم الثالث : يبدأ من الآية التاسعة الى الآية الحادية عشر ، وهي الآية الأخيرة.

بحيث نجد في هذه الأقسام الثلاثة ما يلي:

— هناك خمس ايقاعات موسيقية في القسم الأول ، ومنه تولدت لدى القارئ أو السامع ايقاعية ذات نغمة واحدة ، احتوت على فواصل مكونة من كلمات ممدودة الآخر وهي (صبحاً — قدحاً — صبوحاً — نقعاً — جمعاً).

— وهنا ثلاث ايقاعات موسيقية في القسم الثاني ، ومنه تولدت أيضاً ايقاعية ذات نغمة واحدة ، غير أنها أطول نفساً من الايقاعية الأولى . وقد احتوت هذه النغمة على فواصل مكونة من ثلاث كلمات انتهت بـ(فونيم) واحد هو حرف "الدال" في كل من (كنود — شهيد — شديد).

١ . التعبير الفني في القرآن ، بكري شيخ أمين ، ص ١٨٥-١٨٦

ينظر: مناهل العرفان في علوم القرآن ، ج ٢ ، ص ١٩١-١٩٢

٢ . القرآن ؛ س: الحجر ؛ الآية: ٩

٣ . مناهل العرفان في علوم القرآن ، ج ٢ ، ص ١٩٤

٤ . القرآن ؛ س: العاديات ؛ الآية: ١-١١

— وهنا ثلاث ايقاعات موسيقية أيضاً في القسم الثالث ، والذي به أختتمت السورة ومنه كذلك تولدت ايقاعية ذات نغمة واحدة ، احتوت على فواصل مكونة هي الأخرى من ثلاث كلمات ، انتهت بـ(فونيم) واحد ، وهو حرف ”راء“ في كل من (القبور — الصدور — لخبير) ... ونتيجة ما ذكر ان الايقاعية الموسيقية في هذا النص قد تمثلت في معماريته ككل ، فوجدناها في جرس ألفاظها وفي نغمة عبراتها وفي فواصل آياتها وبالتالي في السورة ككل ، كما ألفيناها في ذات الوقت متشاكلة مع مضامينها ومشاهدها ، اذ تنوعت ايقاعيتها بتنوع مواقفها وانسجمت بانسجامها.^١

وشبيهه بذلك ”ان المرء ليحار اذا قرأ مثلاً سورة ”الرحمان“ فيتساءل : هل انبعث ايقاعها الرخي المناسب من مطلعها أم من ختامها أم من خلال آياتها ؟ واذا هو يقطع بأن النغم يسري فيها كلها: في فواصلها ومقاطعها وفي ألفاظها وحروفها وفي انسياقها وانسيابها“^٢

خصوصية الايقاع في الخطاب القرآني:

يختص الخطاب القرآني بايقاعية نغمية فريدة من نوعها ، ولذلك فان المسألة الاعجاز ”تتجسد في هذا الجبروت الخارق من النسج والايقاع الداخلي والخارجي والذي هو وارد في ايقاع السورة من جهة ، وفي شكل ايقاعات السورة الأخرى الملاحقة المترابطة من القرآن من جهة أخرى.“^٣

وهذه الايقاعية القرآنية المستأثرة بميزاته الخاصة في نظمه البديع ونسجه القشيب جعل أحد المستشرقين يعترف بهذه الميزة اذ يقول: ”ان وحدة القرآن الفنية ، يضمها نسق شعري ، غير مألوف في الأدب العربي ، فهناك قافية تربط الكلمات التي تختم الآية ، وهذه الآية ليست محددة بمعيار ، بل ينسج شكلها من خلال الحاجة التي يقتضيها مضمونها“^٤

وهذه حقيقة لأن ”هذه الايقاعية ليست عملاً فنياً مقصوداً لذاته ، بل هي مجرد وسيلة سخرها القرآن العظيم للحاجة التي يقتضيها المضمون المتمثل في الجانب الديني.“^٥ ويركز هذا المستشرق على الفاصلة القرآنية ، ”باعتبارها نسيجاً صوتياً ايقاعياً يسترعي الأسماع ، ويثير

١. البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، ج ٢ ، ص ٧

٢. مباحث في علوم القرآن ، د. صبحي صالح ، ص ٣٣٦

٣. نظام الخطاب القرآني — تحليل سيميائي مركب لسورة الرحمن ، ص ٢١٦

٤. نقلاً عن: البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، ج ٢ ، ص ٨

٥. المرجع نفسه ، ص ٨

الانتباه ، ويحرك داعية الاقبال الى هذا القرآن العظيم^١ وذلك " أن للفاصلة القرآنية وظيفة ايقاعية لا ممارسة فيها ، فضلاً عن ذلك ، فانها تؤدي دوراً بنائياً تشكيمياً للنص وهذا يتبدى في الصورة النمطية الطاغية على شكل الخطاب الذي يتحرك به النص"^٢

وأختم هذا الفصل بعبارة الأستاذ محمد حرير:

"ان الخطاب القرآني في ايقاعيته ، يشعرنا بوزن ليس على أعاريض الشعر في رجزه ولا في قصيده ، وليس أيضاً على سنن النثر المرسل ومنه ولا المسجوع كما شعرنا تراكيب حروفه على تناسق عجيب بين الجهر والهمس ، وبين الشدة واللين وبين المقطوع والممدود ، بحيث تشكل مجتمعة معمارية ايقاعية ذات لحن طروب على الرغم من تنقل أساليب القرآن بين موضوعات مختلفة من مواعظ ووعد ووعيد وتشريع وقصص .. ذلك ما لا يلتبس الا في نظمه المعجز ، ونسجه القشيب ، وبذلك بدا حجة على العرب ، والعرب بدورهم حجة على سائر الناس."^٣

وبالتأكيد هذه المزية جعلت النص القرآني المقدس يتسامى في كل زمان وكل مكان تحقيقاً لقوله تعالى: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾^٤

-
١. المرجع نفسه
 ٢. أدبية الخطاب القرآني — مقارنة تحليلية توصيفية لفاعلية التبليغ الإعجازي، د. سليمان عشراشي، ص ٣٧٣
 ٣. البنية الايقاعية وجماليتها في القرآن ، ص ٨
 ٤. القرآن ؛ س: الحجر ؛ الآية: ٩.

الفصل الرابع

المعاني الكامنة في نغم القرآن

للقرآن كله نغم معجز من أول حرفه الى آخره، وفي تعبير الدكتور صبحي الصالح: "ان هذا القرآن - في كل سورة منه وآية، وفي كل مقطع منه وفقرة، وفي كل مشهد منه وقصة، وفي كل مطلع منه وختام - يمتاز بأسلوب ايقاعي غني بالموسيقى مملوء نغماً، حتى ليكون من الخطأ الشديد في هذا الباب أن نفاضل فيه بين سورة وأخرى، أو نوازن بين مقطع ومقطع، لكننا حين نوميء الى تفرد سورة منه بنسق خاص انما نقرر ظاهرة أسلوبية بارزة تؤيدها بالدليل، وندعمها بالشاهد، مؤكداً أن القرآن نسيج واحد في بلاغته وسحر بيانه، الا أنه متنوع تنوع موسيقي الوجود في أنغامه وألحانه!"^١

ولعلنا لا نخطئ ان رددنا - مع الأستاذ سيد قطب - سحر القرآن الى نسقه الذي يجمع بين مزايا النثر والشعر جميعاً: "فقد أعفى التعبير من قيود القافية الموحدة، والتفعيلات التامة، فنال بذلك حرية التعبير الكاملة عن جميع أغراضه العامة، وأخذ في الوقت ذاته من الشعر الموسيقي الداخلي، والفواصل المتقاربة في الوزن التي تغني عن التفاعيل، والتقفية التي تغني عن القوافي، وضم ذلك الى الخصائص التي ذكرنا، فشأى النثر والنظم جميعاً"^٢

"وان هذه الموسيقى الداخلية لتنبعث في القرآن حتى من اللفظة المفردة في كل آية من آياته، فتكاد تستقل - بحرسها ونغمها - بتصوير لوحة كاملة فيها اللون زاهياً أو شاحباً، وفيها الظل شقيقاً أو كثيفاً."^٣

وما رأينا لونا أزهى من نضرة الوجوه السعيدة الناظرة الى الله، ولونا أشد تجهماً من سواد الوجوه الشقية الكالحة الباسرة في قوله تعالى:

﴿ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۖ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۖ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بِاسِرَةٌ ۖ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۖ ﴾^٤

في رأي طنطاوي: "قوله [ناضرة] اسم فاعل من النضرة - بفتح النون المشددة وسكون الضاد - وهي الجمال والحسن. تقول: وجهه نضير، اذا كان حسناً جميلاً. وقوله [باسرة] من البسور وهو

١. مباحث في علوم القرآن؛ الدكتور صبحي الصالح ٣٣٤٤

٢. التصوير الفني في القرآن، ص ٨٦

٣. المرجع نفسه

٤. القرآن؛ س: القيامة؛ الآية: ٢٢-٢٥

شدة الكلوح والعبوس^١

ويقول فيه الدكتور صبحي: "لقد استقلت في لوحة السعداء لفظة ((ناظرة)) بتصوير أزهى لون وأبهاء، كما استقلت في لوحة الأشقياء لفظة ((باسرة)) برسم أمقت لون وأنكاه."^٢

يرى فيه سيد قطب: "ان هذا النص ليشير اشارة سريعة الى حالة تعجز الكلمات عن تصويرها؛ كما يعجز الادراك عن تصويرها بكل حقيقتها... هذه الوجوه الناضرة.. نضرها أنها الى ربها ناظرة.. الى ربها؟ فأى مستوى من الرفعة هذا؟ أي مستوى من السعادة؟"^٣ ثم يقول: "ان مدلول الكلمات ذاته مقيد بما تدركه عقولنا وتصوراتنا المحدودة. فاذا انطلقت وتحررت من هذه التصورات فقد تغير طبيعة الكلمات. فالكلمات ليست سوى رموز يختلف ما ترمز اليه بحسب التصورات الكامنة في مدارك الانسان. فاذا تغيرت طاقته تغير معها رصيده من التصورات، وتغيرت معها طبيعة مدلول الكلمات."^٤ وفي قوله تعالى:

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنُوسِ • الْجَوَارِي الْكُنُوسِ • وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ • وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ •﴾^٥

يقول الدكتور صبحي: "و حين تتسمع همس السنين المكررة تكاد تستشف نعومة ظلها مثلما تستريح الى خفة وقعها."^٦ وفي قوله تعالى:

﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ •﴾^٧

"تقع الرهبة في صدرك وأنت تسمع لاهناً مكروباً صوت الدال المنذرة المتوعدة مسبوغة بالياء المشبعة المديدة في لفظة ((تحيد)) بدلاً من ((تحرف)) أو ((تبتعد))"^٨ "أي: تميل وتهرب وتفتر منه في حياتك"^٩ و"[[تحيد]] تفرّ وتهرب، وهو مستعار للكراهية أو لتجنب أسباب الموت... وتقديم [منه] على [تحيد] للاهتمام بما منه الحياد، وللرعاية على الفاصلة."^{١٠}

١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: القيامة؛ الآية: ٢٢-٢٥، ص ١

٢. مباحث في علوم القرآن؛ ٣٣٥

٣. في ظلال القرآن؛ س: القيامة؛ الآيات: ٢٢-٢٥، ص ٦

٤. المرجع نفسه، ص ٧

٥. القرآن؛ س: التكويد؛ الآية: ١٥-١٨

٦. مباحث في علوم القرآن، ٣٣٥

٧. القرآن؛ س: ق؛ الآية: ١٩

٨. المرجع نفسه

٩. الوسيط في تفسير القرآن؛ س: ق؛ الآية: ١٩، ص ٣

١٠. التحرير والتنوير، س: ق؛ الآية: ١٩

ونقرأ قوله تعالى:

﴿فَمَنْ زُحِرِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾^١

يقول الزمخشري: "الزحزحة: التنحية والابعاد تكرير الزح، وهو الجذب بعجلة"^٢ "فلا ترى في المعجم غير كلمة ((زحزح)) تصور مشهد الابعاد والتنحية بكل ما يقع في هذا المشهد من أصوات، وما يصاحبه من ذعر الذي يمر بحسيس النار ويسمعه ويكاد يصلاه!"^٣ و"صورة الزحزحة المعروفة كاملة متحركة، من وراء هذه اللفظة المفردة."^٤

وعن كلمة ((تميز)) من قوله تعالى:

﴿تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾^٥

يقول الدكتور صبحي الصالح: "ولياخذنك من الغيظ مثل ما يأخذ جهنم حين تتسمع لفظ ((تميز))..."^٦ أي "تكاد النار تنقطع وينفصل بعضها عن بعض، لشدة غضبها عليهم، والتهامهم لهم... والغيظ أشد الغضب"^٧ "وجهنم هنا مخلوق حية، تكظم غيظها، فترتفع أنفاسها في شهيق وتفور؛ ويملاً جوانحها الغيظ فتكاد تتمزق من الغيظ الكظيم وهي تنطوي على بضغ وكره يبلغ الى حد الغيظ والحنق على الكافرين!"^٨ ويستولى على القارئ القلق وهو يكرر (هاء) السكت في أكثر فواصل سورة الحاقة، مثلاً في قوله تعالى:

﴿مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَةٌ ۖ هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَةٌ ۖ﴾^٩

"أن الذي هلك سلطانه من أوتي كتابه بشماله لا أنت ولا سلطانك، فتظل من الآيات في قلق شديد."^{١٠} ويوحى هذا الخطاب القرآني "التفجع والتحسر الطويل"^{١١} للذي أوتي كتابه بشماله.

١. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ١٨٥
٢. الكشاف؛ س: آل عمران؛ الآية: ١٨٥
٣. مباحث في علوم القرآن؛ ٣٣٥
٤. التصوير الفني في القرآن، ص ٧٧
٥. القرآن؛ س: الملك؛ الآية: ٨
٦. مباحث في علوم القرآن؛ ٣٣٥
٧. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الملك؛ الآية: ٨، ص ٢
٨. في ظلال القرآن، س: الملك؛ الآية: ٨، ص ٨
٩. القرآن؛ س: الحاقة؛ الآية: ٢٩
١٠. مباحث في علوم القرآن؛ ٣٣٥-٣٣٦
١١. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: الحاقة؛ الآية: ٢٩، ص ١

”والرنة الحزينة الحسيرة المديدة في طرف الفاصلة الساكنة وفي ياء العلة قبلها بعد المد بالألف، في تحزن وتحسر.. هي جزء من ظلال الموقف الموحية بالحسرة والأسى ايحاء عميقاً بليغاً..“^١ وفي قوله تعالى:

﴿... وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ۝ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ...﴾^٢

”وما أحسب شفتيك الا منقبضتين استقباحاً واستهجاناً لحال الكافر الذي يتجرع صديده ولا يكاد يسيغه“^٣ والتجرع: ”تكلف الجرع وهو بلع الماء“^٤ ”تناول المشروب جرعة جرعة على الاستمرار“^٥

”[يَتَجَرَّعُهُ] يتكلف جرعه [وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ] دخل كاد للمبالغة. يعني: ولا يقارب أن يسيغه، فكيف تكون الاساغة، كقوله ﴿لَمْ يَكْدِ يَرَاهَا﴾^٦ أي لم يقرب من رؤيتها فكيف يراها.“^٧

”فتستشعر في لفظ ((التجرع)) ثقلاً وبطء أ يدعوان الى التقرز والكراهية!“^٨ وفي قوله تعالى:

﴿فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ﴾^٩

”يحدث جرسها صوت الحركة التي تتم بها“^{١٠} ”ولا أحسبك الا مستشعراً عنف لفظة الكبكية ... حتى لتكاد تتصور أولئك المجرمين يكبون على وجوههم أو على مناخرهم، ويُلقون القاء المهملين، فلا يقيم أحد لهم وزناً!“^{١١} ”فان يك هذا كله في اللفظة المفردة، تعبر مستقلة عن لوحة كاملة، فكيف بالآية التي تناسق في جوهر الكلمات، أو في السورة التي تنسجم حول فكرتها جميع الآيات!“^{١٢}

١. في ظلال القرآن، س: الحاققة؛ الآية: ٢٩، ص ١٠.

٢. القرآن؛ س: ابراهيم؛ الآية: ١٧.

٣. مباحث في علوم القرآن؛ ٣٣٦.

٤. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، س: ابراهيم؛ الآية: ١٧، ص ٤.

٥. مجمع البيان في تفسير القرآن، س: ابراهيم؛ الآية: ١٧، ص ١.

٦. القرآن؛ س: النور؛ الآية: ٤٠.

٧. الكشاف؛ س: ابراهيم؛ الآية: ١٧.

٨. مباحث في علوم القرآن؛ ٣٣٦.

٩. القرآن؛ س: الشعراء؛ الآية: ٩٤.

١٠. التصوير الفني في القرآن، ص ٧٧.

١١. مباحث في علوم القرآن؛ ٣٣٦.

١٢. المرجع نفسه.

وقوله تعالى:

﴿يَمْعُشَرُ أَعْيُنَ النَّاسِ وَإِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ ۝ فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝
يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ۝﴾^١

نجد فيها وجود "الايقاع المرعب المزلزل ، يتحداهما أن ينفذوا من أقطار السماوات والأرض... الحملة الساحقة تستمر الى نهايتها ، والتهديد الرعب يلاحقهما ، والمصير يتمثل لهما... انها صورة من الهول فوق مألوف البشر — وفوق مألوف كل خلق — وفق تصور البشر وتصور كل خلق. وهي صورة فريدة ، وردت لها نظائر قليلة في القرآن، تشبهها ولا تماثلها.^٢ والمتأمل في هذه الآيات الكريمة "يراهما قد صورت بأسلوب بديع تفرد الله — تعالى — بالملك والبقاء ، وافتقار الخلائق جميعاً الى عطائه ، وأنهم جميعاً في قبضته ، ولن يستطيعوا الهروب من حكمه فيهم."^٣ "من ذا الذي يقرأ قوله تعالى... ثم لا يتخيل في جو هذه الآية وحدها الشواظ الناري يتطاير ، والنحاس الملتهب يذوب فوق رؤوس المجرمين وهم يحاولون النفاذ من أقطار السموات!"^٤ ونظير هذه الصورة المهولة قوله تعالى:

﴿وَذُرِّيِّ وَالْمُكْذِبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ ۝﴾

وقوله تعالى:

﴿ذُرِّيِّ وَمَنْ خَلَقْتُ وَجِيدًا ۝﴾^٥

يقول الدكتور صبحي الصالح عن الايقاع القرآني لسورة قرآنية كاملة:
"ومن ذا الذي يقرأ سورة كاملة من سور القرآن — طويلة أو قصيرة ومكية أو مدنية — ثم لا يوقف نسقها الرائع قلبه ، ويهز ايقاعها العجيب مشاعره؟
ان المرء ليحار اذا قرأ مثلاً سورة ((الرحمن)) ، فيتساءل : هل انبعث ايقاعها الرخي المنسب من مطلعها أم من ختامها أم من خلال آياتها؟ واذا هو يقطع بأن النغم يسري فيها كلها: في فواصلها ومقاطعها ، وفي ألفاظها وحروفها ، وفي انسياقها ، حتى لو انتقى على حدة مقطع واحد من مقاطعها ، أو موضوع واحد من

١. القرآن ؛ س: الرحمن ؛ الآية: ٣٣-٣٥

٢. في ظلال القرآن ؛ س: الرحمن ؛ الآية: ٣٥، ص ١٢

٣. الوسيط في تفسير القرآن الكريم ، س: الرحمن ؛ الآيات: ٣٣-٣٥، ص ٣

٤. مباحث في علوم القرآن ؛ ٣٣٦

٥. القرآن ؛ س: المزمل ؛ الآية: ١١

٦. القرآن ؛ س: المدثر ؛ الآية: ١١

موضوعاتها الجزئية ، والتمس في أجزائه النغم والايقاع لكان في كل جزء منه نغمة ،
وفي كل حرف منه لحن من ألحان السماء! ^١

ويقول سيد قطب في نفس الموضوع: وحيثما تلا الانسان القرآن أحس بذلك الايقاع الداخلي في سياقه ؛ يبرز بروزاً واضحاً في السور القصار ، والفواصل السريعة ، ومواضع التصوير والتشخيص بصفة عامة ؛ ويتوارى قليلاً أو كثيراً في السور الطوال ، حتى تنفرد الدقة دونه في آيات التشريع. ولكنه - على كل حال - ملحوظ دائماً في بناء النظم القرآني. ^٢ وننظر في سورة

النجم في الفصل (من ألوان التناسق في القرآن - الايقاع الموسيقي)

وعلى هذا الأساس من انفراد القرآن بحفظه على تناسقه الايقاعي - سواء أُحُلَّت على تعاقب سورة وحدة كاملة ، أم اقتطعت بغير تعمد بعض أجزائه على حدة - على هذا الأساس يحلو لنا أن نقتطف من سور قرآنية متنوعة بعض مواقف الدعاء ، ثم نقف بأذاننا مواطن السحر في ايقاعها الحذاب. "و الدعاء بطبيعته ضرب من النشيد الصاعد الى الله ، ولا يحلو وقعه في نفس الضارع المبتهل الا أن تكون ألفاظه منتقاة ، فلا غرو اذا بدا النبي الكريم ﷺ في دعائه المأثور كالحريص على شيء من التقطيع المقصود ، من سجع لطيف ، أو طباق رشيق ، أو رنة شافية. أما القرآن نفسه فلم ينطق عن لسان النبيين والصدقيين والصالحين الا بأحلى الدعاء نغماً ، وأروع سحر بيان! واذا تذكرنا أن ابتهال الصالحين كثير في القرآن رغياً أو رهياً ، طمعاً أو خوفاً ، استعجالاً لخير أو دفعاً لشر ^٣ ، أدركنا سرّاً من أسرار التنغيم ينبعث من كل مقطع في كتاب الله. ^٤

فلنستمع الى نوع من هذه الموسيقى. "انها موسيقى الدعاء المتموجة الرخية الطويلة الخاشعة" ^٥

كما وصفه سيد قطب. و دعاء آخر على لسان ابراهيم عليه السلام:

﴿ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعَلَّمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعَلِّنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي
الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ • الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكَبِيرِ
إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ • رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَ • رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ

١. مباحث في علوم القرآن : ٣٣٦ - ٣٣٧

٢. التصوير الفني في القرآن ، ص ٨٥

٣. وقرأ في هذا الموضوع: احياء علوم الدين ، أبو حامد الغزالي ، ص ٣١٣ وبعد

على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=1&page=1>

٤. مباحث في علوم القرآن : ٣٣٧

٥. التصوير الفني في القرآن ، ص ٩٢

يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿١﴾

”ولسنا كذلك في حاجة الى قواعد واصطلاحات لنحس أن هذا أسلوب غير الأسلوبين السابقين ، منسجم مع الدعاء كل الانسجام ، بالتطريب والتموج والاسترسال.“^٢

ومن سحر القرآن أن ”النغم الصاعد فيه خلال الدعاء يثير بكل لفظة صورة ، وينشئ في كل لحن مرتعاً للخيال فسيحاً : فنتصور مثلاً — ونحن نرتل دعاء زكريا — شيخاً جليلاً مهيباً على كل لفظة ينطق بها مسحة من رهبة وشعاع من نور ، ونتمثل هذا الشيخ — على وقاره — متأجج العاطفة ، متهدج الصوت ، طويل النفس ، ما تبرح أصداً كلماته تتجاوب في أعماق قلوبنا شديدة التأثير. بل ان زكريا في دعائه ليحرك القلوب المتحجرة بتعبيره الصادق عن حزنه وأسائه خوفاً من انقطاع عقبه ، وهو قائم يصلي في المحراب لا ينادي اسم ((ربه)) نداء خفياً ، ويكرر اسم ((ربه)) بكرة وعشياً ، ويقول في لوعة الانسان المحروم وفي ايمان الصديق الصفي“^٣ وورد دعاء المتضرع في هذا النمط من الخطاب القرآني:

﴿ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا • وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا • يَرِثُنِي وَيَرِثْ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا • ﴿١﴾

ذلك دعاء زكريا لربه في ضراعة وخفية. ”والألفاظ والمعاني والظلال والايقاع الرخي . كلها تشارك في تصوير مشهد الدعاء.“^٤ ”وان البيان لا يرقى هنا الى وصف العذوبة التي تنتهي في فاصلة كل آية بيائها المشددة وتنوينها المحوّل عند الوقف ألفاً لينة كأنها في الشعر ألف الاطلاق : فهذه الألف اللينة الرخية المنسابة تناسقت بها ((شقياً — ولياً — رضىاً)) مع عبد الله زكريا، ينادي ربه نداء خفياً“^٥

ولقد استشعرنا ”هذا الجو الغنائي كله ونحن نتصور نبياً يبتهل وحده في خلوة مع الله ، وكدنا نصغي الى ألقانه الخفية تصّاعد في السماء ، فكيف بنا لو تصورنا جماعة من الصديقين الصالحين وصفهم الله بأنهم من أولي الأبواب“^٦

١. القرآن ؛ س: ابراهيم ؛ الآية: ٣٨-٤١
٢. التصوير الفني في القرآن ، ص ٩٣
٣. مباحث في علوم القرآن ؛ ٣٣٧-٣٣٨
٤. القرآن ؛ س: سورة مريم ؛ الآية: ٤-٦
٥. في ظلال القرآن ، س: مريم ؛ الآيات ٤-٦ ، ص ٤
٦. مباحث في علوم القرآن ؛ ٣٣٨
٧. المرجع نفسه

والمؤمنون يبدؤون دعائهم في هذا النمط من الخطاب القرآني:
﴿الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾^١

كيف بنا لو تصورنا هؤلاء يشركون ذكرانا واناثا، شبانا وشيبا، بأصوات رخية متناسقة تصعد
معاً وتهبط معاً وهي تجار الى الله وتنشد هذا الفخم الجليل:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ • رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ
تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ • رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا
يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا • رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا
سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ • رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ
الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾^٢

يشرح الدكتور صبحي الصالح هذا الدعاء: "ان في تكرار عبارة (ربنا) لما يُلين القلب، ويعت
فيه نداوة الايمان، وان في الوقوف بالسكون على الرء المذلقة المسبوقة بهذه الألف اللينة كما
يعين على الترخيم والترنيم، ويعوّض في الأسماع أحلى ضربات الوتر على أعذب العيدان!"^٣

ويقول سيد قطب في تفسير هذه الآيات الدعائية:

"ان كل سورة من سور القرآن تغلب فيها قافية معينة لآياتها — والقوافي في القرآن
غيرها في الشعر، فهي ليست حرفاً متحداً، ولكنها ايقاع متشابه — مثل بصير،
حكيم، مبين، مريب .. الألباب، الأبصار، النار، قرار .. خفياً، شقياً، شرقياً، شيباً
... الخ

وتغلب القافية الأولى في مواضع التقرير . والثانية في مواضع الدعاء . والثالثة في
مواضع الحكاية. وسورة آل عمران تغلب فيها القافية الأولى. ولم تبعد عنها الا في
موضعين: أولهما في أوائل السورة وفيه دعاء. والثاني هنا عند هذا الدعاء الجديد..
وذلك من بدائع التناسق الغني في التعبير القرآني .. فهذا المد يمنح الدعاء رنة رحية،
وعذوبة صوتية . تناسب جو الدعاء والتوجه والابتهاال.

وهناك ظاهرة فنية أخرى .. ان عرض هذا المشهد: مشهد التفكير والتدبر في خلق
السموات والأرض، واختلاف الليل والنهار، يناسبه دعاء خاشع مرتل طويل النغم،
عميق النبرات . فيطول بذلك عرض المشهد وايحاءاته ومؤثراته، على الأعصاب

١. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ١٩١

٢. القرآن؛ س: آل عمران؛ الآية: ١٩١-١٩٤

٣. مباحث في علوم القرآن؛ ٣٣٨

والأسماع والخيال ، فيؤثر في الوجدان ، بما فيه من خشوع وتنغيم وتوجه
وارتجاف .. وهنا طال المشهد بعبارته و طال بنغماته مما يؤدي غرضاً أصيلاً من
أغراض التعبير القرآني ، ويحق سمة فنية أصيلة من سماته.^١

وفي تعبير الدكتور صبحي الصالح: "ولئن كان في موقفى الدعائين هذين نداوة ولين ، بعض
مواقف الدعاء القرآنية الأخرى صخب رهيب : ها هو ذا نوح عليه السلام يدأب ليلاً نهاراً على
دعوة قومه الى الحق ، ويصر على نصحهم سراً وعلانية ، وهم يلجون في كفرهم وعنادهم
ويفرون من الهدى فراراً ، ولا يزدادون الا ضللاً واستكباراً. فما على نوح — وقد أيس منهم —
الا أن يتملكه الغيظ ويمتلئ فوه بكلمات الدعاء الثائرة الغضبي تنطلق في الوجوه مديدة
محلجلة ، بموسيقاها الرهيبه وايقاعها العنيف . وما أظنك تتخيل الجبال الا دكاً ، والسماء الا
متحجمة عابسة ، والأرض الا مهتزة مزلزلة ، والبحار الا هائجة ثائرة ، حين دعا نوح على قومه
بالهلاك والتبار"^٢ فقال نوح:

﴿ رَبِّ لَا تَذَرُ عَلَيَّ الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا • إِنَّكَ إِن تَذَرُهُمْ يُضِلُّوْا
عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا • رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ
بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَرِدِ الظَّالِمِيْنَ إِلَّا تَبَارًا • ﴾^٣

فيشرح الدكتور صبحي هذا الخطاب القرآني: "أما الحناجر الكظيمة المكبوتة التي يتركها
القرآن في بعض مشاهدته تطلق أصواتها الحبيسة — بكل كربها وضيقها وبُحْتها حشرحتها —
فهي حناجر الكافرين النادمين يوم الحساب العسير ، ولنا الآن أن تتمثل شرذمة من أولئك
المحجرمين تلفح وجوههم النار، فيتحسرون ويحاولون التنفيس عن كربهم ببعض الأصوات
المتقطعة المتهدجة كأنهم بها يتخففون من أنقال تنقض ظهورهم ويفرغون عن طريقها ما
يعانون من عذاب أليم : وإذا هم يوم الدين يدعون ربهم دعاء التائبين النادمين"^٤ ويقولون:

﴿ رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَّرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلًا • رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ
مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنَتُهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا • ﴾^٥

١. في ظلال القرآن ، س: آل عمران ؛ الآيات: ١٩١-٢٠٠ ، ص ٥-٦

٢. مباحث في علوم القرآن ؛ ٣٣٩

٣. القرآن ؛ س: نوح ؛ الآية: ٢٦-٢٨

٤. المرجع السابق

٥. القرآن ؛ س: الأحزاب ؛ الآية: ٦٧-٦٨

والابتداء بالنداء ووصف الربوبية "اظهار للتضرع والابتهاال".^١ وزيادة الألف "لاطلاق الصوت"^٢ فذلك شأن الايقاع في القرآن "ليست الفاصلة فيه كقافية الشعر تقاس بالتفعيلات والأوازن، وتضبط بالحركات والسكنات، ولا النظم فيه يعتمد على الحشو والتطويل، أو الزيادة والتكرار، أو الحذف والنقصان، ولا الألفاظ تحشد حشداً، وتلصق الصاقاً، ويلتمس فيها الابهام والاغراب،"^٣ بل الفاصلة فيه حرة من أي تقييد، والنظم لا يتابع أي صنعة، والألفاظ خالٍ من كل تعقيد. وهو أسلوب يؤدي غرضه كاملاً بلا نقص، كان ايقاعه لين أو شديد، ويسري بهدوء أو متهيج، وانسيابه كالماء يسقي الغرس ويرويه.

١. التحرير والتنوير، س: الأحزاب؛ الآياتان ٦٧-٦٨، ص ١

٢. الكشاف، س: الأحزاب؛ الآية: ٦٧

٣. مباحث في علوم القرآن؛ ٣٤٠

باب الختام

نتائج البحث

التوصيات والمقترحات

نتائج البحث

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات والسلام على أشرف المرسلين نبينا محمد وآله وأصحابه ذوي الهمم العاليات وسلم تسليماً وبعد:

فأحمد الله الذي سهل اتمام هذا البحث على هذا النحو، وقد وصلت فيه الى النتائج التالية:
ان القرآن الكريم اصطنع لنفسه من اللهجات والعربية والكلمات المعربة كياناً وتألف منها كلاماً الذي وحدة موحدة بخصائصه اللغوية . فلهذه اللغة مميزات الاعجازية . وهي عربية في كلماتها وتراكيبها ، ونحوها وصرفها ، وصورها البلاغية والتصويرية ، لكنها عربية لا كالعربية — التي لغة كلام العرب شعرهم ونثرهم — لأنها بلغت حد الاعجاز، ولهذا اختصت بالقرآن.

وسحر القرآن الكريم العرب منذ اليوم الأول سواء في ذلك السابقون الأولون الذين شرح الله صدرهم للاسلام ، و الجاحدين المنكرين الذين كانت على ابصارهم غشاوة . والمصدر لتأثير القرآن السحري كامن في لغته، والنظم التي تربط أجزاء لغته بدءاً من الحروف والحركات ، والأسلوب الذي يقدم هذا النظم المعجز .

وتتميز كلمات القرآن بخصائصها في تقديم المعاني نحملها كالتالي:

١. اختار القرآن لنفسه أجمل الكلمات ما تخف به نطقاً في اللسان وقرعاً للأذان . ونجد فيها المميزات التالية:

(أ) الانسجام بين الحروف والحركات التي تساند بعضها البعض فنحدها مؤتلفة اثتلافاً تاماً.

(ب) استعمل القرآن بعض صيغ الجموع وترك مفردها لثقلها وكذلك استعمل صيغ المفرد لبعض الكلمات وترك جموعها لثقلها.

(ج) وأحياناً ترك الكلمة مطلقاً لسبب ما وعبر عن معناه بتعبير مركب جميل .

(د) اختار القرآن لنفسه كلمات من جميع اللهجات العربية وكذلك الكلمات العجمية المعربة المستعملة في تلك البيئة.

٢. ومن خصائص كلمات القرآن أنها جاءت بأجود تناسب صوتي ، وأحسن ترتيب ليناسب

المعنى المنطقي .

٣ . نجد في كلمات القرآن المرونة والاتساع في معانيها ليناسب رسالته الأبدية الكونية .

٤ . نجد في كلمات القرآن مظاهر الابداع والدقة في معانيها ، منها :

(أ) الابداع في استعمال حروف المعاني

(ب) التنوع في المواضيع القرآنية

(ج) مراعاة الحروف ومعانيها

(د) ابدال حرف في كلمة مثل بكة ومكة

(ر) وجود الوجوه والنظائر والأفراد في كلماته .

٥ . تظهر في كلمات القرآن الجدة والاختراع في استعمالها مثل التركيب (أولى لك فأولى)

واستعمال المشترك في معنييه في موضع واحد .

٦ . ولكلمات القرآن معانيها الايحائية الخاصة الى جنب الدلالة الأساسية، وهذا يعطيها أهميتها

الخاصة لاختيارها للخطاب القرآني .

ولبنية الكلمة القرآنية أسباب خاصة تعطيها مميزات، من أهمها:

١ . اختيار المفردة للجانب الايحائي، وهي الدلالة الهامشية، للوجوه التالية:

(أ) قد تختار المفردة في التعبير القرآني مصورةً المعنى المراد وفي نفس الوقت يكون لها مقابل على المستوى الدلالي توحى به الى جنب المعنى الذي أدته أساساً .

(ب) وقد تختار المفردة لمعناها الايحائي المعتمد على الغرابة اللفظية مصورةً غرابةً فعل الناس .

(ج) وقد تختار المفردة لمعناها الايحائي النابع من دقة التصوير الحركي .

(د) وقد يصف القرآن الشيء وصفاً خاصاً ليبدل من خلال ايحاء هذا الوصف على دلالة تنصب في اغناء الدلالة العامة للسياق .

٢ . اختيار المفردة للتسمية لعلاقة دلالية خاصة، منها

(أ) تسمية الشيء بوصفه جزءاً من معناه مثل تسميات يوم القيامة .

(ب) وتسمية الشيء باعتباره وصفاً لنفسه حيث يتم العدول عن التسمية الأساسية الى تسمية تتعلق بفعل خاص يكون هو المقصود الدلالي الذي يحتاجه السياق .

- ج) وتسمية الشيء باعتبار ما سيكون عليه وهو من أساليب الإيجاز.
٣. اختيار المفردة للتعبير عن الشيء بما هو معه في علاقة خاصة، ومن وجوهها:
- أ) العلاقة السببية: وهي أن يكون اللفظ المذكور مسبباً عن المعنى المقصود.
- ب) العلاقة الجزئية: وهي أن يكون المذكور جزءاً من المعنى المقصود.
- ج) العلاقة المحلية: وهي تسمية الشيء باسم محله.
٤. اختيار المفردة بناءً أعلى موافقة السياق: مع أنه يتصور قيام غيرها مقامها وعند التأمل نجد أن هذا الاختيار مشروط بموافقة لمعنى يفهم من السياق.
٥. اختيار المفردة لإعتماد الأسلوب القرآني إلى الوصف الحسي الذي تمر عليه النفس دون أن تنبه إلى أن هذا مستعار أو أنه أسلوب مجازي خرج عن المعنى المباشر إلى المعنى الثانوي.
٦. اختيار المفردة ذات الدلالات المتعددة للتوسع في المعنى.
٧. ودق القرآن في اختيار من الصيغ المتنوعة لمادة ما واختار الأنسب لنفسه.
٨. وكذلك دق في اختيار من المترادفات والكلمات القريبة في المعنى.
- ثم بلاغة القرآن تبعث من نظمه و بداعة أساليبه. وفيه رأينا أسرار جمالية في استخدام اسم الإشارة، واسم الموصول، والحملة الاسمية وفيها تقديم الخبر على المبتدأ، واستخدام صيغة التثنية لبلاغ المعنى، وصيغة التأنيث للدلالة على الضعف، والنسب يزيد قوة الفعل، والتكثير على السندرة، والاضمار يكون أبلغ من التصريح، ورأينا الوجوه الحسنة في استعمال الفعل، واسم الفاعل، وحذف المفعول به، واستعمال البدل، وأسلوب النداء.
- ثم رأينا الجمال البياني في الإيجاز، والالتفات، والوصل والاستئناف، والاستفهام التقريري والاعتراض التقريري، والاستغناء عن الفاعل.
- ثم رأينا أسلوب التكرار يأتي للتوكيد، أو زيادة التنبيه، أو التهويل، أو للتعظيم. واستعمل القرآن من نوعي التكرار أي اللفظي والمعنوي لهذه الأهداف.
- ثم دخلنا من الكلمات والتراكيب إلى أسلوب العبارات الطويلة. فأدر كنا طريقة تصوير المعنى كطريقة مفضلة في القرآن الكريم في معظم أغراضه. وفي أداء هذه الأغراض تنوع التصوير القرآني بتنوع الموضوعات، الذي بلغ حد الكمال في التأثير في النفوس البشرية.

وان القرآن — لأداء معانيه — يلمس البداهة، ويوقظ الاحساس، لينفذ منهما الى البصيرة مباشرة، ويصل الى الوجدان. ومن مواد لهذه العملية المشاهد المحسوسة أو المشخصة، والحوادث المنظورة أو المصائر المصوّرة، والحقائق البديهية الخالدة التي تفتح لها البصيرة المستنيرة وتدرّكها الفطرة المستقيمة.

ويعمد كل هذا مستخدماً طريقة التصوير والتشخيص، خلال التخيل والتجسيم الفني. وفي هذا المنطق الوجداني اشتركت الألفاظ المعبرة، والتعبيرات المصوّرة، والصور الشاخصة، والمشاهد الناطقة، والقصص الكثيرة، التي ذكرنا أمثلة لا تحديداً.

ثم وجدنا أصوات الحروف تلعب دوراً هاماً في أداء المعاني — على حدة، وعلى مستوى التراكيب. ونظرة الى الحروف تبرز تناسبها تناسباً طبعياً في الهمس والجهر والشدة واللين والتفخيم والترقيق مما يشكل أنغاماً متناسقة متناسبة. وهذه الخاصية تعود الى طريقة اختيارها وسبكها وتناسب مخارجها. كما أن وضع الكلمة في الآية واختيار موقعها والثامها مع جارتها له الأثر الكبير في اعطاء هذا الجرس الخاص والايقاع المؤثر في نفس السامع. ولا يقتصر وضع الكلمة في الآية على تأثيره في اللحن والنغم وإنما لهذا الموقع والوضع المناسب تأثير على المعنى وابعاده.

ورأينا في هذه الدراسة ان القرآن الكريم قد راعى التفاصيل الدقيقة في اختيار الكلمات لعباراته، والحروف والأصوات لكلماته، والحركات لحروفه، لينظم له الخطاب معجزة البيان لإبلاغ المعاني الى المتلقي. وان القرآن أخذ طريقة موحدة للتعبير يتخذها في أداء جميع الأغراض سوياً، حتى أغراض البرهنة والجدل. وهي طريقة التصوير الفني. وبعض الناس حين ينظر في الموضوعات الإلهية والتشريعية والكونية، وما فيها من دقة وعظمة، واحاطة وشمول، يحسب أن طريقة التعبير القرآنية تابعة لها، ويحسبها مكمّن الاعجاز كله فيها. وكما أن بعضهم يفرق بين المعاني وطريقة الأداء، ويتحدث عن اعجاز القرآن في كل منهما على انفراد. أما العلماء المحدثين كأمثال سيد قطب والرافعي وفاضل السامرائي يعتقدون ان الطريقة التي اتبعها القرآن في التعبير، هي التي أبرزت هذه الأغراض والموضوعات؛ فهي كفاء هذه الأغراض والموضوعات.

وقد شغل النقاد العرب في المباحث العقيمة حول اللفظ والمعنى منذ أن أثارها الجاحظ، فزعم أن المعاني ملقاة على الطريق، ثم تابعه في البحث ابن قتيبة وقدامة وأبو هلال العسكري وغيرهم مخالفين ومؤيدين — وعبدالقاهر الجرجاني قد وصل فيها إلى رأي حاسم حين انتهى في كتابه (دلائل الاعجاز) إلى أن اللفظ وحده، ليس مدار البحث من حيث هو لفظ، وإنما يدور البحث فيه من حيث دلالاته. وأن المعنى وحده ليس مدار البحث من حيث هو خاطر في الذهن، إنما يدور البحث فيه من حيث أنه ممثل في اللفظ. وأن النظم الذي يؤدي به المعنى يقيدته من حيث تحديده، فلا يمكن اتحاد المعنى تمام الاتحاد حين يختلف النظامان.

إن للجرجاني فضله العظيم في تقرير هذه القضية. فنستطيع أن نستقرأ عنه: إن طريقة الأداء حاسمة في تصوير المعنى؛ إنه حيثما اختلفت طريقتان للتعبير عن المعنى الواحد اختلفت صورتا هذا المعنى في النفس والذهن. وبذلك تربط المعاني وطرق الأداء ربطاً لا يجوز الحديث بعده عن المعاني والألفاظ، كل على انفراد. فلن يبرز المعنى الواحد إلا في صورة واحدة. فإذا تغيرت الصورة تغير المعنى بمقدارها. وقد لا يتأثر المعنى الذهني العام في ذاته، ولكن صورته في النفس والذهن تتغير، وهي المعول عليها في الفن — إذ التعبير في الفن للتأثير — فإذا اختلف الأثر الناشئ عنه، فالمعنى المنقول مختلف بلا مرأى.

ويُفضّل الطريقة التصويرية في القرآن بأنها هذه الطريقة هي التي جعلت للمعاني والأغراض والموضوعات القرآنية صورتها الحاضرة أمامنا، وبهذه الصورة كانت قيمتها الكبرى. لقد كانت السمة الأولى للتعبير القرآني هي اتباع طريقة تصوير المعاني الذهنية والحالات النفسية، وإبرازها في صور حسية، والسير على طريقة تصوير المشاهد الطبيعية، والحوادث الماضية، والقصص المروية، والأمثال القصصية، ومشاهد القيامة، وصور النعيم والعذاب، والنماذج الإنسانية.. كأنها كلها حاضرة شاخصة، بالتخييل الحسي الذي يفعمها بالحركة المتخيلة.

فليس فضل عليها لطريقة الأخرى، التي تنقل المعاني والحالات النفسية في صورتها الذهنية التجريدية؛ وتنقل الحوادث والقصص أخباراً مروية وتعبّر عن المشاهد والمناظر تعبيراً لفظياً، لا تصويراً تخييلياً.

يكفي لبيان هذا الفضل ، أن نتصور هذه المعاني كلها في صورتها التجريدية ، وأن نتصورها بعد ذلك في الهيئة الأخرى التشخيصية:

ان المعاني في الطريقة الأولى تخاطب الذهن والوعي ، وتصل اليهما مجردة من ظلالها الجميلة. وفي الطريقة الثانية تخاطب الحس والوجدان ، وتصل الى النفس ، من منافذ شتى : من الحواس بالتخييل ، ومن الحس عن طريق الحواس ، ومن الوجدان المنفعل بالأصداء والأضواء. ويكون الذهن منفذاً واحداً من منافذها الكثيرة الى النفس ، لا منافذها المفرد الوحيد.

ولهذه الطريقة فضلها ولا شك في أداء الدعوة كل عقيدة؛ ولكننا انما ننظر اليها هنا من الوجهة الفنية البحتة. وان لها من هذه الوجهة لشأناً. فوظيفة الفن الأولى هي اثاره الانفعالات الوجدانية؛ واشاعة اللذة الفنية بهذه الاثارة ، واجاشة الحياة الكامنة بهذه الانفعالات ، وتغذية الخيال بالصورة لتحقيق هذا جميعه .. وكل أولئك تكفله طريقة التصوير والتشخيص للفن الجميل.

وفي هذه الطريقة التصويرية تلعب دوره كل من الأصوات والحروف وحركاتها والكلمات المنظمة منها دوراً حاسماً في تشييد كلام معجز لا يساويه من كلام البشر. وأصبح هذا الأسلوب الحامل كل الخصائص الأدبية والفنية والجمالية قدوة للأدباء والشعراء والكتاب حذوا حذوه وأخذوا من منهله منذ نزوله حتى الآن وتستمر تأثير القرآن على اللغة العربية وآدابها مادام القرآن واللغة باقيين.

التوصيات والمقترحات

ومن أهم التوصيات والمقترحات التي أرجو أن تتحقق هي:

أولاً: ينبغي للمسلمين أن يلقنوا أولادهم القرآن منذ الصغر، وأن يعوّدوهم العناية بالقرآن؛ لأنه المصدر الأول، الذي به تعرف الشريعة الإسلامية الخالدة، وعلى الناشئة من أبناء المسلمين أن يتلقوا القرآن من أفواه القراء؛ لأنه طريقة ماثورة عن رسول الله ﷺ والتقليد بها واجب شرعاً. ويجب الحرص على وجود فئة من كل جيل تحفظ القرآن بقراءاته غيباً، تلقيناً عن قبلهم من القراء؛ لتتصل سلسلة السند في حفظ القرآن إلى أن يرث الله الأرض ومن عليها.

ثانياً: ينبغي لوزارة الشؤون الإسلامية وجمعيات تحفيظ القرآن في الدول الإسلامية أن تعتنى بدراسة الوسائل الناجعة لنشر القرآن بين المسلمين على نطاق واسع؛ لأنه السبيل الوحيد لرأب الصدع وتوحيد الصف وجمع الكلمة، وأن توضع لذلك مناهج جديدة تعني بالقرآن الكريم تلاوة واستحفاً وتفسيراً وبياناً لأهم مسائل علوم القرآن والقراءات، وتشجيع مدرسي القرآن برواتب ومكافآت تعينهم على أداء واجبهم.

ثالثاً: أقترح على المسلمين وعلمائهم كافة أن يواصلوا اهتمامهم بنشر الكتب التي توضح للمسلمين - وبخاصة طلبة العلم - أهمية علم القرآن والقراءات التي حققها المستشرقون الذين لا يوثق بتحقيقاتهم غالباً لقلّة أمانتهم العلمية، وعدم تعمقهم بالعربية ووقوعهم في تصحيفات وأخطاء منكرة، كما لا يوثق بعزوهم إلى ما يعزّون إليه، لقلّة فهمهم كلام العرب، ولتعمد بعضهم التشويه والكذب والتحريف.

رابعاً: وأقترح للجهات ذات العلاقة لخدمة القرآن أن تتبنى برامج اذاعية تهدف إلى توعية الأمة الإسلامية بحقيقة هذا القرآن، وتقوية الصلة به، والاستزادة من الثقة فيه، والتماس الوسائل الكفيلة بذلك. ولا أريد من ذلك الخطبات الوعظية بل إبراز محاسن القرآن من الجوانب اللغوية

والأدبية الفنية.

خامساً: أريد أن أجذب اهتمام الذين يهتمون بتعلم القرآن وتعليمه أن يتعلموا اللغة العربية ويخلقوا فيهم ذوق خاصة لها ذوقاً لغوياً وأديباً وفنياً وعلمياً وكذلك يتعلموا علوم النفس البشرية كي يتحققوا من فهم التأثير القرآني ونوعيته ويستعملوا هذا في نشر تعليم القرآن ونشر معانيه.

سادساً: أريد أن يتخلص المسلمون من قيد التشريعات القديمة للقرآن ويقرؤونه قراءة جديدة حسب أحوال معاصرة لهم . وخاصة في وطننا باكستان نجد تراجم نص القرآن باللغة الأردية القديمة وحتى نجد تراجم لفظية ، لا يفهم عامة الناس حقيقة القرآن خلال هذه التراجم. ولكنهم مع ذلك يعتنقونها عامتهم وخاصتهم وهم غير مستعدين للنظر وراءها. ونحن في حاجة ماسة الى ترجمة معاني القرآن من جديد يتمها نوع من مجلس العلماء، لا فرد واحد.

سابعاً: وأرجو من الأخوة والأخوات أن لا يقرؤون القرآن لنية موجب الثواب والبركات فقط؛ ولا يتخذون منه وسيلة لعلو درجاتهم في الحياة الأخروية فقط. ان القرآن الكريم هو من أكبر نعم الله تعالى سبحانه في حياتنا هذه. والعمل بتعليماته يسهل بعد فهم أسلوب خطابه من حيث اللغة والفن.

وفي ختام هذه الدراسة أقول: ان هذه محاولة متواضعة غاية التواضع . أردت أن أشارك بها في ميدان البحث العلمي ، خدمة للدراسات القرآنية. وما أبرئ نفسي من القصور أو التقصير ، فتلك شيمة الانسان في كل زمان ومكان؛ ذلك أن الكمال المطلق لكتاب الله وحده ، أما أعمال بني الانسان فانها عرضة للخطأ والنسيان ، موصولة بمدد لا يكاد ينقطع من عسرات الهفوات والزلات ، ومهما بالغ المرء في الحرص واليقظة فلا بد من العثار في هافية القول ، أو عافية العقل.

ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا أو أخطأنا ، وصلى الله على سيدنا محمد وآله وأصحابه أجمعين.

فهارس المصادر والمراجع

المصادر والمراجع المطبوعة
الكتب من المكتبات الالكترونية
المقالات من المجلات الالكترونية

المصادر والمراجع المطبوعة

١. القرآن الكريم
٢. الابلاغية في البلاغة العربية، سمير أبو حمدان
٣. منشورات عويدات الدولية، بيروت - باريس، الطبعة ١، ١٩٩١ م
٤. أحكام القرآن، الشافعي: جمعه البهيتي، دار الكتب العلمية، ١٩٩٩ م
٥. أدبية الخطاب القرآني - مقارنة تحليلية توصيفية لفاعلية التبليغ الاعجازي، د. سليمان عشراي، جامعة وهران - الجزائر، ١٩٩٢ م
٦. الأسس النفسية لأساليب البلاغة العربية، مجيد عبدالحميد ناجي، المؤسسة الجامعية للدراسات والنشر والتوزيع بيروت، الطبعة الأولى، السنة ١٩٨٤ م
٧. أصول النقد الأدبي، أحمد الشايب، مكتبة النهضة العربية، ١٩٩٩ م
٨. الأصول المعرفية لنظرية التلقي، ناضم عودة خضر، الطبعة ١، ١٩٩٧، دار الشروق عمان
٩. الاعجاز البياني للقرآن ومسائل ابن الأزرق، عائشة عبدالرحمن (بنت الشاطي)، دار المعارف القاهرة، الطبعة الثالثة، السنة غير موفرة
١٠. الاعجاز الفني في القرآن، عمر السلامي، مؤسسات عبدالكريم بن عبدالله، تونس، ١٩٨٠ م
١١. اعجاز القرآن والبلاغة النبوية، مصطفى صادق الرافعي، دارالكتاب العربي بيروت لبنان
١٢. الاقصى القريب في البلاغة، التتوخي، مطبعة السعادة القاهرة، الطبعة والسنة غير موفرة
١٣. الاكسيفر في علم التفسير، نجم الدين سليمان بن عبدالقوي بن عبدالكريم الطوفي الحنبلي، تحقيق: عبدالقادر حسين، تفاصيل الطبعة غير موفرة
١٤. بحوث في علوم القرآن الكريم، الدكتور عبدالغفور محمود مصطفى جعفر، الطبعة ١، ١٩٨٥ م
١٥. بحوث لسانية، نعيم علوية، المؤسسة الجامعية للدراسات والنشر والتوزيع - لبنان، ط ١
١٦. بحوث ومقالات في اللغة، رمضان عبد التواب، مكتبة الخانجي، القاهرة، الطبعة ٢، ١٩٨٨ م
١٧. بدائع الفوائد، ابن القيم، تحقيق: عدنان درويش محمد الاسكندراني، دار الكتاب العربي، ط ١
١٨. تأويل مشكل القرآن، عبدالله بن مسلم بن قتيبة الدينوري، شرحه ونشره: السيد أحمد صقر، دار التراث القاهرة، الطبعة ٢، ١٩٧٣ م

- ١٨ . تذكرة الدعاة ، البهي الخولي ، مكتبة الفلاح ، الكويت ، سنة ١٣٩٩ هـ
- ١٩ . ترجمة القرآن الكريم وأثرها في معانيه ، نحدث رمضان ،
دار المحبة دمشق ، الطبعة ١ ، ١٩٩٨ م
- ٢٠ . التصوير الفني في القرآن ، سيد قطب ، دار الشروق ، الطبعة ١٤ ، ١٩٩٣ م ،
- ٢١ . التعبير البياني : رؤية بلاغية نقدية ، د. شفيح السيد ،
دار الفكر العربي ، القاهرة ، الطبعة ٣ ، ١٩٨٨ م
- ٢٢ . التعبير الفني في القرآن ، بكرى شيخ أمين ، الطبعة الأولى الرابعة ١٩٨٠ ، دار الشروق
- ٢٣ . التعبير الموسيقي ، فؤاد زكريا ، دار مصر للطباعة ، الطبعة ١ ، ١٩٥٦ م
- ٢٤ . التعريض في القرآن الكريم ، د. ابراهيم محمد عبدالله الخولي ،
الناشر غير موفر ، الطبعة ١ ، ١٩٨٥ م
- ٢٥ . التفسير القرآني للقرآن ، عبد الكريم الخطيب ، دار الفكر بيروت
- ٢٦ . تفسير المعوذتين ، ابن القيم الجوزية ، تحقيق سيد ابراهيم ، دار الحديث
- ٢٧ . تفسير المنار ، محمد رشيد رضا ، دار المنار بمصر ، ط ٢ ، ١٣٦٧ هـ
- ٢٨ . تفسير من سمات القرآن كلمات وبيان ، غسان حمدون ، دار السلام ، ط ٢ ، ١٩٨٦ م
- ٢٩ . تفسير مفردات ألفاظ القرآن ، سميع عاطف الزين ،
الدار الأفريقية العربية ، الطبعة ١ ، ٢٠٠٣ م
- ٣٠ . تفسير من سمات القرآن ، غسان حمدون ، ٦٥٤ ، دار السلام ، الطبعة ٢ ، ١٩٨٦ م
- ٣١ . تلخيص البيان في مجازات القرآن ، الشريف الرضي ، تحقيق محمد عبدالغني حسن
- ٣٢ . التوفيق العلمي بين الحضارة والاسلام ، رضوان شافعي المتعافي ، الطبعة غير موفرة
- ٣٣ . الجامع في فقه اللغة العربية ؛ هنري فليش ، دار المشرق / المكتبة الشرقية ؛ ط ٢ ، ١٩٩٠ م
- ٣٤ . جرس الألفاظ ودلالاتها في البحث البلاغي والنقدي عند العرب ؛ د. ماهر مهدي هلال ،
وزارة الثقافة والاعلام ، بغداد ، ١٩٨٠ م
- ٣٥ . حركية الحدائث في الشعر العربي المعاصر ، الدكتور ماخيربك ،
دار الفكر بيروت ، الطبعة ٢ ، ١٩٨٦ م
- ٣٦ . خصائص التعبير القرآني وسماته البلاغية ، الدكتور عبد العظيم المطعني ، مكتبة وهبة
القاهرة ، الطبعة ١ ، ١٩٩٢ م
- ٣٧ . درة التنزيل وغرة التأويل ، الخطيب الاسكافي ، دار الكتب العلمية ، ط ١ ، ١٩٩٥ م
- ٣٨ . دلائل الاعجاز ، عبدالقاهر الجرجاني ، تصحيح السيد محمد رشيد رضا ،
مكتبة القاهرة ، ١٩٦١ م
- ٣٩ . دلالة الالفاظ ، الدكتور ابراهيم انيس ، مكتبة الأنجلو ، الطبعة الرابعة ١٩٨٠ م

٤٠. الدلالة الصوتية، كريم زكي حسام الدين، مكتبة الأنجلو المصرية، الطبعة ١، ١٩٩٢ م
٤١. دليل الدراسات الأسلوبية، ميشال جوزيف شريم،
المؤسسة الجامعية للدراسات بيروت، ١٩٨٤ م
٤٢. دور الكلمة في اللغة، ستيفن اولمان، ترجمة وتعليق: دكتور كمال بشر، مكتبة الشباب
٤٣. الدين والفكر والسياسة، صلاح قنصوة، مكتبة دار الكلمة، القاهرة، ٢٠٠٣ م
٤٤. الشعر العربي المعاصر: قضاياها وظواهره الفنية والمعنوية، عز الدين اسماعيل،
دار العودة بيروت، الطبعة ٥، ١٩٨٨ م
٤٥. الشعر والتجربة، أرشيبالد مكليش؛ ت: سلمى الخضراء الجيوسي، الطبعة غير موفرة
٤٦. الصورة الفنية في التراث النقدي والبلاغي عند العرب، الدكتور جابر احمد عصفور،
دار الثقافة القاهرة، الطبعة ١، ١٩٧٤ م
٤٧. الصورة الفنية في المثل القرآني، الدكتور محمد حسين على الصغير، دار المؤرخ العربي
٤٨. ظواهر قرآنية: في ضوء الدراسات اللغوية، دكتور البدر اوي زهران،
دار المعارف القاهرة، ط ٢، ١٩٩٣ م
٤٩. عبقرى من البصرة، د. مهدي المخزومي، وزارة الاعلام العراقية؛ ١٩٧٢
٥٠. عدة المسلمين في معاني الفاتحة وقصار السور من كتاب رب العالمين،
محمد محمود الصواف، تفاصيل غير موفرة
٥١. علم الدلالة، بييرو جيرو، ترجمة: منذر عياش،
دار طلاس دمشق سوريا، الطبعة ١، ١٩٩٢ م
٥٢. علم اللغة، الدكتور علي عبد الواحد وافي، مكتبة النهضة مصر، ١٣٨٢ هـ
٥٣. علم اللغة العام: الأصوات، د. كمال محمد على بشر،
دار المعارف القاهرة، الطبعة ٧، ١٩٨٠ م
٥٤. الفاصلة القرآنية بين المبنى والمعنى، عبد محمد شبايك،
دار حراء القاهرة، الطبعة ١، ١٩٩٣ م
٥٥. الفروق في اللغة، أبو هلال العسكري، تحقيق: محمد باسل عيون السود،
دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة ١، سنة النشر ٢٠٠٠ م
٥٦. فلسفة وفن، زكي نجيب محمود،
مطبعة لجنة التأليف والترجمة والنشر القاهرة، ١٩٦٣ م
٥٧. الفوائد — المشوق الى علوم القرآن وعلم البيان، ابن القيم الحوزية،
دار نشر الكتب الاسلامية غوجرانواله باكستان، الطبعة الأولى، السنة ١٣٩٤ هـ

- ٥٨ . في البنية الايقاعية للشعر الأدبي ، د. كمال أبو ديب ،
دار العلم للملايين بيروت ، الطبعة ٢ ، ١٩٨١ م
- ٥٩ . في رحاب القرآن ، الدكتور السيد العراقي ، دار الفكر العربي ، ١٩٨٥ م
- ٦٠ . القرآن — أنواره ، آثاره ، أوصافه ، فضائله ، خصائصه ، تفسيره ؛
محمد محمود الصواف ، مؤسسة الرسالة بيروت ، الطبعة ٣ ، ١٣٩٤ هـ
- ٦١ . كتاب العين ، خليل بن أحمد الفراهيدي ، دار الهجرة ، قم ، إيران ، ١٤٠٥ هـ
- ٦٢ . لاروس : المعجم العربي الحديث ، الدكتور خليل الجر ، مكتبة لاروس ، باريس ، ١٩٧٣
- ٦٣ . مباحث في علوم القرآن ، الدكتور صبحي الصالح ،
دار العلم للملايين بيروت ، الطبعة ١٣ ، ١٩٨١ م
- ٦٤ . مباحث في علوم القرآن ، مناع القطان ،
مكتبة المعارف للنشر والتوزيع ، الطبعة ٢ ، ١٩٩٦ م
- ٦٥ . مبادئ النقد الأدبي ، أ. أريشاردز ، ترجمة : د. مصطفى بدوي ،
المؤسسة المصرية العامة للتأليف والترجمة ، ١٩٦٣ م
- ٦٦ . مجلة (فصول) ، العدد الخاص بـ (الأفق الأدوني سي) المجلد ١٦ ، العدد ١ ، ١٩٩٧ م
- ٦٧ . القصيدة الحرة : معضلاتها الفنية وشرعيتها التراثية ، محي الدين اللاذقاني ،
- ٦٨ . المحتسب ، ابن جني ، تحقيق على النجدي ناصف والدكتور عبدالحليم النجار
والدكتور عبدالفتاح اسماعيل شلبي ، القاهرة ، ١٣٦٨ هـ
- ٦٩ . مذكرات في أدبيات اللغة العربية ، طنطاوي جوهري المصري ،
مكتبة الشعب القاهرة ، ١٩٩٩ م
- ٧٠ . معترك القرآن في اعجاز القرآن ، جلال الدين عبدالرحمن السيوطي ،
تحقيق على محمد السبحاوي ملتزم الطبع والنشر دار الفكر العربي
- ٧١ . معجزة حروف القرآن ، حليلة مدرس بوداود ، دار الغرب للنشر والتوزيع — الجزائر (د.ت)
- ٧٢ . المعجزة الكبرى القرآن ، محمد أبو زهرة ، دار الفكر العربي القاهرة ، الطبعة ١ ، ١٩٨٥ م
- ٧٣ . المعجزة والاعجاز في القرآن الكريم ، د. سعد الدين الصالح ،
دار المعارف القاهرة ، ط ٢ ، ١٩٩٣ م
- ٧٤ . المعجم المفصل في الأدب ، محمد التنوحي ،
دار الكتب العلمية بيروت ، الطبعة ٢ ، ١٩٩٩ م
- ٧٥ . مقدمة للشعر العربي ، الدكتور على أحمد سعيد أدونيس ،
دار العودة بيروت ، الطبعة ٤ ، ١٩٨٣ م

٧٦. الممتع الكبير في التصريف ، ابن عصفور الاشبيلي ؛
تحقيق الدكتور فخرالدين قباوة، قديمي كتب خانة ، كراتشي
٧٧. مناهل العرفان في علوم القرآن، محمد عبدالعظيم الزرقاني،
دارالكتاب العربي بيروت، الطبعة ١، ١٩٩٥ م
٧٨. من بديع لغة التنزيل ، الدكتور ابراهيم السامرائي ، دارالفرقان - عمان، ١٩٨٤
٧٩. من بلاغة القرآن، أحمد أحمد بدوي، دار النهضة القاهرة
٨٠. منهج الزمخشري في تفسير القرآن وبيان اعجازه ، د. مصطفى صاوي الجويني،
الطبعة ٣، دارالمعارف
٨١. النبأ العظيم ، محمد عبدالله دراز ، مؤسسة الرسالة للطباعة ، الطبعة ١
٨٢. نظام الخطاب القرآني - تحليل سيميائي مركب لسورة الرحمن ، د. عبد الملك مرتاض،
دار همه للطباعة والنشر - الجزائر، ٢٠٠١ م
٨٣. نظرية القراءة - تأسيس للنظرية القراءة العامة للقراءة الأدبية، د. عبد الملك المرتاض،
دارالغرب للنشر والتوزيع ، الجزائر، ٢٠٠٣ م
٨٤. نظرية المعنى في النقد العربي، د مصطفى ناصف،
دارالأندلس للطباعة والنشر والتوزيع بيروت
٨٥. النقد الأدبي ، داود سلوم ، مطبعة الزهراء بغداد ، ١٩٦٧ م
٨٦. النكت في اعجاز القرآن ، علي بن عيسى الرماني، ضمن ثلاث رسائل في اعجاز القرآن،
تحقيق محمد خلف الله محمد زغلول سلام، دارالمعارف مصر، ط ٢، ١٩٦٨ م
٨٧. الوجوه والنظائر في القرآن الكريم: دراسة وموازنة، سليمان القرعاوي ،
مكتبة الرشد الرياض ، الطبعة ١، ١٩٩٠ م
٨٨. الوجوه والنظائر لألفاظ كتاب الله العزيز، أبو عبدالله الحسين بن محمد الدامغاني ،
تقديم وتحقيق: عربي عبدالحميد علي ، مكتبة عثمانية، كوثته
٨٩. يتيمة البيان في شيء من علوم القرآن، الشيخ محمد يوسف البنوري ،
تفاصيل الطبع غير موفرة

المصادر والمراجع من المكتبات الإلكترونية

١. أبجد العلوم ، محمد صديق بن حسن نخان القنوجي
 عنوانه على الشبكة <http://www.al-eman.com/IslamLib/viewtoc.asp?BID=266>
٢. اتفاق المباني وافتراق المعاني ، الدقيقي
 عنوانه على الشبكة <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=3190&page=1>
٣. الاتقان في علوم القرآن، جلال الدين عبدالرحمن السيوطي
 عنوانه على الشبكة <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=4&page=1>
٤. احياء علوم الدين ، أبو حامد محمد الغزالي
 عنوانه على الشبكة <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=1&page=1>
٥. أساس البلاغة، ابو القاسم محمود بن عمر بن محمد بن عمر الزمخشري
 عنوانه على الشبكة <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=13&page=1>
٦. أسباب نزول القرآن، أبو الحسن علي الواحدي النيسابوري،
 على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=2&page=1>
٧. أسرار البلاغة، عبدالقاهر الجرجاني
 عنوانه على الشبكة <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=3&page=1>
٨. أسرار ترتيب القرآن، جلال الدين عبدالرحمن السيوطي
 عنوانه على الشبكة <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=1104&page=1>
٩. اعجاز القرآن ، محمد بن الطيب أبو بكر الباقلائي
 عنوانه على الشبكة <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=51&page=1>
١٠. اعراب القرآن، أبو جعفر النحاس،
 على الموقع <http://www.altafsir.com/QuranSyntax.asp>
١١. انوار التنزيل وأسرار التأويل، عبدالله بن عمر البيضاوي،
 على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
١٢. بحر العلوم، أبو الليث نصر بن محمد السمرقندي ،
 على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
١٣. البحر المحيط، ابو حيان الأندلسي ، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
١٤. البرهان في علوم القرآن، بدرالدين الزركشي،
 على الموقع www.altafsir.com/MiscellaneousBooks.asp

- ١٥ . البلاغة العربية أسسها وعلومها وفنونها ؛ عبدالرحمن الميداني
على الموقع www.altafsir.com/MiscellaneousBooks.asp
- ١٦ . بلاغة الكلمة في التعبير القرآني، الدكتور فاضل السامرائي
على الموقع <http://www.islamiyyat.com/balaghat%20alkalima%20book.htm>
- ١٧ . البنية والدقة في اختيار اللفظة، د. فاضل السامرائي،
على الموقع <http://www.islamiyyat.com/tape1.htm>
- ١٨ . البيان والتبيين، عمرو بن عثمان الجاحظ،
على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=65&page=6
- ١٩ . تاج العروس، محمد مرتضى الزبيدي
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=282&page=1>
- ٢٠ . التحرير والتنوير، العلامة الطاهر بن عاشور، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٢١ . التعبير القرآني، الدكتور فاضل صالح السامرائي
على الموقع <http://www.islamiyyat.com/taabeer%20qurani.htm>
- ٢٢ . تفسير الحلالين، جلال الدين السيوطي والمحلي،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٢٣ . تفسير خواطر، محمد متولي الشعراوي، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٢٤ . تفسير القرآن الكريم، الحافظ اسماعيل بن عمر بن كثير،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٢٥ . تقريب القرآن الى الأذهان، السيد محمد الحسيني الشيرازي،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٢٦ . تهذيب اللغة، الأزهرى ،
على العنوان <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=3134&page=1>
- ٢٧ . جامع البيان في تفسير القرآن، عماد الدين محمد الطبري،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٢٨ . الجامع لاحكام القرآن، القرطبي، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٢٩ . جمهرة اللغة، ابن دريد ،
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=248&page=1>
- ٣٠ . الجواهر الحسان في تفسير القرآن، أبو زيد الثعالبي،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

- ٣١ . حاشية الجمل على تفسير الجلالين ، العلامة الجمل ،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٣٢ . الخصائص ، ابو الفتح عثمان ابن جني ،
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=17&page=1>
- ٣٣ . خصائص القرآن الكريم ، الدكتور فهد الرومي ،
على الموقع <http://library.thinkquest.org/C0125920/quran/kor2an%20pro.htm>
- ٣٤ . الدر المنثور في تفسير بالمأثور ، جلال الدين السيوطي ،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٣٥ . الدلالة الصوتية في النص القرآني ، الدكتور محمد حسين علي الصغير
على الموقع <http://www.balagh.com/mosoa/quran/pv0mroey.htm>
- ٣٦ . روح البيان ، اسماعيل حقي ، على الموقع www.alfafsir.com/Tafasir.asp
- ٣٧ . روح المعاني ، محمود شكري الألوسي ، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٣٨ . الروض الأنف ، عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد أبو القاسم السهيلي
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=367&page=1>
- ٣٩ . زاد المسير في علم التفسير ، عبد الرحمن بن علي أبو الفرج ابن الجوزي ،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٤٠ . السيرة النبوية ، عبد الملك ابن هشام المعافري
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=2039&page=1>
- ٤١ . السيرة النبوية ، محمد بن اسحاق ،
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=23&page=1>
- ٤٢ . الصاحبي في فقه اللغة ، أحمد بن فارس ،
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=317&page=1>
- ٤٣ . الصحاح في اللغة ، الجوهري ،
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=273&page=1>
- ٤٤ . صحيح البخاري ، اسماعيل بن ابراهيم بن المغيرة البخاري ، على الموقع
<http://www.al-eman.com/hadeeth/viewchp.asp?BID=13&CID=143#s33>
- ٤٥ . الصناعتين ، أبو هلال العسكري ،
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=3117&page=1>
- ٤٦ . الصوت اللغوي في القرآن ، محمد حسين علي الصغير
على الموقع <http://www.rafed.net/books/olom-quran/al-saut/index.html>

- ٤٧ . العمدة في محاسن الشعر و آدابه، الحسن بن رشيق القيرواني أبو علي
 على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=389&page=1>
- ٤٨ . عيار الشعر ، ابن طباطبا العلوي،
 على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=192&page=1>
- ٤٩ . غرائب القرآن و رغائب الفرقان، القمي النيسابوري،
 على الموقع www.altafsir.com/Tafsir.asp
- ٥٠ . فتح الباري شرح صحيح البخاري ، أبو الفضل أحمد بن علاء الدين ابن حجر العسقلاني
 على الموقع <http://www.al-eman.com/hadeeth/viewchp.asp?BID=12&CID=439#s>
- ٥١ . فتح القدير، محمد بن علي الشوكاني، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٥٢ . الفروق في اللغة، أبو هلال العسكري،
 على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=3270&page=1>
- ٥٣ . في ظلال القرآن ، سيد قطب، على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٥٤ . القاموس المحيط، الفيروز آبادي،
 على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=276&page=1>
- ٥٥ . قضية الترادف: النظرية والتطبيق، أستاذ عبدالرحمن بن حسن المحسني
 على الموقع <http://www.angelfire.com/tx4/lisan/traaduf.htm>
- ٥٦ . قطوف من اللغة: الترادف في اللغة العربية ، عبدالكريم ياسين ط ٢٠٠٦ / ٨ / ٢٦
 على الموقع <http://www.belagh.com/interview.asp?id=524>
- ٥٧ . الكامل في التاريخ ، ابن الأثير،
 على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=32&page=1>
- ٥٨ . الكشاف عن حقائق التنزيل و عيون التأويل، محمود بن عمر ابوالقاسم الزمخشري،
 على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٥٩ . لباب التأويل في معاني التنزيل، علي بن محمد الخازن،
 على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٦٠ . لسان العرب، جمال الدين أبو الفضل ابن منظور
 على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=89&page=1>
- ٦١ . المثل القرآني، الشيخ صراع الدهيم
 مقال نشر على الشبكة على الموقع <http://www.qrnoor.net/indextext.php?nid=68>
- ٦٢ . المثل السائر في أدب الكاتب والشاعر، ضياء الدين أبو الفتح ابن اثير الجزري الموصلي
 على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=157&page=1>

- ٦٣ . مجمع البيان في تفسير القرآن، امين الدين الفضل الحسين الطبرسي،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٦٤ . المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، أبو محمد عبدالحق بن غالب ابن عطية،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٦٥ . مدارك التنزيل وحقائق التاويل، عبد الله بن أحمد النسفي،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٦٦ . المزهر، جلال الدين السيوطي،
على الموقع www.alwaraq.net/index2.htm?i=37&page=1
- ٦٧ . معاني القرآن، الفراء،
على الموقع <http://www.altafsir.com/QuranWordsMeaning.asp?img=B>
- ٦٨ . مفاتيح الغيب : التفسير الكبير، محمد بن ضياء الدين بن عمر فخرالدين الرازي،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
- ٦٩ . مفردات ألفاظ القرآن الكريم، الراغب الاصفهاني
على الموقع <http://www.quranway.net/index.aspx?function=Item&id=7&lang=>
- ٧٠ . المقابسات، أبو حيان التوحيدي،
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=40&page=1>
- ٧١ . مقدمة ابن خلدون، على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=116&page=1>
- ٧٢ . مقدمة حول الأمثال النبوية، مقال نشر على الشبكة على الموقع
<http://www.islamweb.net/ver2/archive/readArt.php?lang=A&id=10032>
- ٧٣ . مقدمة في أصول التفسير، أحمد بن عبدالحليم بن تيمية
على الموقع <http://www.sahab.org/books/book.php?id=56>
- ٧٤ . منهاج البلغاء وسراج الأدباء، حازم القرطاجني،
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=3241&page=1>
- ٧٥ . المهذب فيما وقع في القراان من المعرب، جلال الدين عبدالرحمن السيوطي
على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=1015&page=1>
- ٧٦ . موسوعة ويكيبيديا الحرة، على الشبكة
على عنوان http://en.wikipedia.org/wiki/Main_Page
- ٧٧ . الميزان في تفسير القرآن، محمد حسين الطباطبائي،
على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp

٧٨. نظرية النقد العربي: رؤية قرآنية معاصرة ، محمد حسين علي الصغير،
 على الموقع <http://www.alkadhum.org/other/mktba/quran/naqid/03.html>
٧٩. نظم الدرر في تناسب الآيات والسور، برهان الدين أبو الحسن البقاعي،
 على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
٨٠. نقد الشعر، قدامة بن جعفر،
 على الموقع <http://www.alwaraq.net/index2.htm?i=406&page=1>
٨١. وجوه القرآن، اسماعيل بن أحمد الحيري، على الموقع
www.al-shia.com/html/ara/books/lib-quran/vojoh_al_quran-1/fehrest.htm.htm
٨٢. الوسيط في تفسير القرآن الكريم، طنطاوي جوهري ،
 على الموقع www.altafsir.com/Tafasir.asp
٨٣. موسوعة ويكيبيديا: على الموقع
- Wikipedia: The Free Encyclopedia (online) page: <http://en.wikipedia.org/wiki/Phoneme>

المقالات من المجالات الإلكترونية

١. أثر القرآن الكريم في اللغة العربية والتحديات المعاصرة ، د. محمد يوسف الشريحي
مجلة التراث العربي، دمشق، العدد ٩٠، يونيو ٢٠٠٣
عنوانه على الشبكة <http://www.awu-dam.org/trath/90/turath90-011.htm>
٢. الأسباب الدلالية لاختيار المفردة القرآنية، الدكتور أبو عائشة عامر مهدي صالح
العلواني عنوانه على الشبكة <http://tafsir.net/vb/showthread.php?t=2351>
٣. الأسباب الصوتية لاختيار المفردة القرآنية، الدكتور أبو عائشة عامر مهدي صالح
العلواني عنوانه على الشبكة <http://tafsir.net/vb/showthread.php?t=2361>
٤. الأسلوب القرآني الفريد، بقلم أ. د. مصطفى مسلم، هذا المقال نشر على العنوان
http://www.55a.net/firas/arabic/index.php?page=show_det&id=1312&select_page=9
٥. الأسماء الحسنی في الفاصلة القرآنية، روضه عبدالكريم
عنوانه على الشبكة <http://tafsir.net/vb/showthread.php?t=6514>
٦. الاعجاز التأثیری للقرآن الكريم: دراسة تاريخية وتطبيقية من القرآن والسيرة النبوية،
د. عطا أحمد يوسف، مجلة الشريعة والدراسات الإسلامية، العدد السادس والثلاثون،
ديسمبر ١٩٩٨ م عنوانه على الشبكة
www.55a.net/firas/arabic/index.php?page=show_det&id=803&select_page=9
٧. الاعجاز الصوتي في القرآن الكريم، الدكتور محمد محمد داود، عنوانه على الشبكة
http://www.55a.net/firas/arabic/?page=show_det&id=762&select_page=9
٨. بلاغة الكلمة في التعبير القرآني، الدكتور فاضل السامرائي
على الموقع <http://www.islamiyyat.com/balaghat%20alkalima%20book.htm>
٩. البنية الإيقاعية وجماليتها في القرآن، الأستاذ محمد حرير، مجلة التراث العربي،
العددان ٩٩، ١٠٠، أكتوبر ٢٠٠٥ م، على الموقع
<http://www.awu-dam.org/trath/99-100/turath99-100-022.htm>
١٠. البنية والدقة في اختيار اللفظة، د. فاضل السامرائي،
على الموقع <http://www.islamiyyat.com/tape1.htm>
١١. الترادف، الدكتور محمد محمد الحناش،
على الموقع <http://www.ajman.ac.ae/hannach/doc/synonimie.doc>

- ١٢ . الترادف في القرآن الكريم ، عبدالرحمن الشهري : المشرف العام للصفحة
www.tafsir.net المقالة على الصفحة 2723
www.tafsir.net/vb/showthread.php?p=2723
- ١٣ . التعبير القرآني ، الدكتور فاضل صالح السامرائي
على الموقع <http://www.islamiyyat.com/taabeer%20qurani.htm>
- ١٤ . تقرير عن كتاب (الوجوه والنظائر لألفاظ كتاب الله العزيز) للامام أبي عبد الله الحسين
الدامغاني ، اعداد أحمد بن صالح النقيب ، تحت اشراف : د. حكمت بن بشير ياسين
على الموقع <http://www.tafsir.org/vb/showthread.php?t=3277>
- ١٥ . التوسع في المعنى في القرآن الكريم ، الدكتور فاضل صالح السامرائي ،
على الموقع <http://www.islamiyyat.com/expansion.htm>
- ١٦ . خصائص القرآن الكريم ، الدكتور فهد الرومي ،
على الموقع <http://library.thinkquest.org/C0125920/quran/kor2an%20pro.htm>
- ١٧ . الشبهة أن في القرآن كلاماً غريباً ، البتار : مشرف على الموقع www.ipc-kw.com
على الموقع <http://www.ipc-kw.com/vb/showthread.php?t=324>
- ١٨ . صلة النقد العربي بالتلقي ، الدكتور محمد المبارك
على العنوان www.balagh.com/mosoa/foanon/d11e1ude.htm
- ١٩ . الصوت والدلالة: دراسة في ضوء التراث وعلم اللغة الحديث ، الدكتور محمد بو عمارة
مجلة التراث العربي ، العدد ٨٥ ، شوال ١٤٢٢ هـ ، يناير ٢٠٠٢
على الموقع <http://www.awu-dam.org/trath/85/trath85-002.htm>
- ٢٠ . ظاهرة التكرار في القرآن الكريم ، لؤي غازي الطيبي
على الموقع www.al-i3jaz.com/MathMiracle-sd003.html
- ٢١ . الظاهرة القرآنية وامتيازها من فنون القول ، الدكتور أحمد محمد ويس ، مجلة التراث
العربي ، العدد ٨٦ و٨٧ أغسطس ٢٠٠٢ م ، على الموقع
www.awu-dam.org/trath/86-87/turath86-87-012.htm
- ٢٢ . عبثية الايقاع في النقد الحدائثي ، عبدالعالي مجدوب ، مقالات في موسيقى الشعر:
المقالة التاسعة والأخيرة ، على الموقع www.aljamaa.info/ar/imprimer.asp?id=4559
- ٢٣ . عودة الى موسيقى القران ، الدكتور نعيم اليافي ، مجلة التراث العربي ، العددان ٢٥ و٢٦ ،
أكتوبر ١٩٨٦ م ،
على الموقع <http://www.awu-dam.org/trath/25-26/turath25-26-003.htm>
- ٢٤ . فطرية المفردة القرآنية ، عدنان الرفاعي ، مجلة التراث العربي ، العددان ٨٦-٨٧ ،
أغسطس ٢٠٠٢ م ،

- ٢٥ . على الموقع <http://www.awu-dam.org/trath/86-87/turath86-87-014.htm> في رحاب قوله تعالى ﴿أينما يوجهه لا يأت بخير﴾ ، مقال نشر على الموقع <http://www.islamweb.net/ver2/archive/readArt.php?lang=A&id=49018>
- ٢٦ . قضية الترادف: النظرية والتطبيق، أستاذ عبدالرحمن بن حسن المحسني على الموقع <http://www.angelfire.com/tx4/lisan/traaduf.htm>
- ٢٧ . قطوف من اللغة: الترادف في اللغة العربية ، عبدالكريم ياسين ط ٦ / ٨ / ٢٠٠٦ على الموقع <http://www.belagh.com/interview.asp?id=524>
- ٢٨ . قواعد تشكل النظم في موسيقى القرآن، د. نعيم اليافي، مجلة التراث العربي، العددان ١٥ و ١٦، ابريل يوليو ١٩٨٤م، على الموقع www.awu-dam.org/trath/15-16/turath15-16-007.htm
- ٢٩ . المثل القرآني، الشيخ صراع الدهيم ، مقال نشر على الشبكة على الموقع <http://www.qrnoor.net/indextext.php?nid=68>
- ٣٠ . المصطلحات الأعجمية في القرآن الكريم، على الموقع <http://www.ebnmaryam.com/unarabic.htm>
- ٣١ . مظاهر الدلالة الصوتية، رابطة رواء للأدب ولغة القرآن على الموقع <http://www.ruowaa.com/vb3/showthread.php?t=553>
- ٣٢ . كمثل العنكبوت اتخذت بيتا، للأستاذ محمد اسماعيل عتوك، على الموقع http://55a.net/firas/arabic/index.php?page=show_det&id=161&select_page=5
- ٣٣ . مقدمة حول الأمثال النبوية ، مقال نشر على الشبكة على الموقع <http://www.islamweb.net/ver2/archive/readArt.php?lang=A&id=10032>
- ٣٤ . من دواعي التكرار في القرآن الكريم، على الموقع www.al-ijaz.com/MathMiracle-sd004.html
- ٣٥ . من سمات الأداء في ثقافة العرب الأولين (الايقاع) ، الدكتور بلقاسم بلعرج بن أحمد، مجلة التراث العربي ، العدد ٩٨ ، مايو ٢٠٠٥ م ، على الموقع www.awu-dam.org/trath/98/turath98-007.htm
- ٣٦ . هل نزل جبريل بمعاني القرآن؟ ، الأستاذ أحمد محمد جمال ، مقال على الموقع ، <http://www.darululoom-deoband.com/arabic/magazine/11234906/fix3sub2file.htm>
- ٣٧ . وجوه القرآن، اسماعيل بن أحمد الحيري على الموقع http://www.al-shia.com/html/ara/books/lib-quran/vojoh_al_quran-1/vojuh101.htm#link7